ارشاد السائلین

جلد اوّل

"دینی رہنمائی" کے عنوان سے جاری علمی وفقہی
سوال وجواب کا مرتب اور مدلل مجموعہ

جوابات از:

مفتی محمد سلمان منصورپوری

استاذ دارالعلوم دیوبند

سابق نائب مفتی واستاذ حدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

ترتیب وتحقیق:

مفتی محمد ابراہیم قاسمی مرادپوری

استاذ مدرسہ قاسم العلوم الاسلامیہ محمد علی روڈ مرادآباد

ناشر

المرکز العلمی للنشر والتحقیق، لال باغ مرادآباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال رسول اللّٰہ ﷺ:

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْراً يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ.

(صحيح البخاري ۱۶/۱ رقم: ۷۱، صحيح مسلم ۳۳۳/۱ رقم: ۱۰۳۷)

اِرشادالسائلین

(جلد اَول)

''دینی رہنمائی'' کے عنوان سے جاری علمی وفقہی
سوال وجواب کا مرتب اور مدلل مجموعہ

جوابات اَز:

مفتی محمد سلمان منصور پوری

اُستاذ دارالعلوم دیوبند

سابق نائب مفتی واُستاذ حدیث مدرسہ شاہی مرادآباد

ترتیب وتحقیق:

(مفتی) محمد ابراہیم قاسمی مرادپوری

اُستاذ مدرسہ قاسم العلوم مرادآباد

ناشر

المرکز العلمی للنشر والتحقیق لال باغ مرادآباد

○ نام کتاب : اِرشادالسائلین (جلداول)

○ جوابات اَز : مفتی محمد سلمان منصور پوری

○ ترتیب : مفتی محمد ابراہیم قاسمی مراد پوری

○ کمپیوٹر کتابت : محمد اسجد قاسمی مظفر نگری

○ ناشر : **المركز العلمي للنشر والتحقيق، لال باغ مرادآباد**

9412635154 - 9058602750

○ تقسیم کار : فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمٹیڈ دریا گنج دہلی

○ اشاعتِ اول : محرم الحرام ۱۴۴۴ھ مطابق اگست ۲۰۲۲ء

○ صفحات : **632**

○ قیمت : **400**/روپئے

○ الحمدللہ ہر اتوار کو ہندوستانی وقت کے مطابق رات میں ۱۰/ بجے ''التذکیر یوٹیوب چینل'' پر ''درسِ قرآن'' اور ''دینی رہنمائی'' کا پروگرام نشر کیا جاتا ہے، لنک درج ذیل ہے:

www.youtube.com/c/ALTAZKEER

(رابطہ: مفتی سید محمد ابوبکر صدیق منصور پوری **8791034667**)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

○

مسائل کی پوچھ تاچھ

قَالَ اللّٰہُ تبارَکَ وَتَعَالیٰ:

فَسْئَلُوْآ أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○

[الأنبیآء، جزء آیت: ۷]

ترجمہ: پس پوچھ لو جانکار لوگوں سے اگر تم نہ جانتے ہو۔

○

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ:

إِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّوَالُ.

(سنن أبي داؤد ۴۹/۱ رقم: ۳۳۶، سنن ابن ماجة ۴۳/۱ قم: ۵۷۲)

ترجمہ: عاجز (ناواقف) شخص کے لئے اطمینانِ قلب کا ذریعہ (معتبر اور جانکار لوگوں سے مسئلہ کے بارے میں) سوال کر لینا ہے۔

○

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

نحمده ونصلي على رسوله الكريم، أما بعد!

بتوفیق خداوندی گذشتہ تقریباً ۳۰؍سال سے احقر کا شاہی مسجد جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں تراویح کے بعد درسِ تفسیر کا معمول رہا ہے؛ لیکن ۱۴۴۱ھ رمضان المبارک کا مہینہ اِس حال میں آیا کہ ’’کورونا وائرس‘‘ کی عالمی وبا کی وجہ سے ساری سرگرمیاں موقوف تھیں۔ مساجد میں جماعت اورتراویح کا سلسلہ بھی بند تھا، وعظ ونصیحت اور دینی مجالس کا بھی بظاہر کوئی تصور نہ تھا۔ ایسے یاس انگیز ماحول میں دل میں یہ بات آئی کہ سوشل میڈیا کے ذریعہ جس حد تک بھی ہوسکے؛ وعظ وتذکیر کے سلسلے کو جاری رکھا جائے؛ تاکہ شائقین تک کسی نہ کسی انداز میں دین کی باتیں پہنچتی رہیں۔ پھر چوں کہ آمد ورفت اور ڈاک بھی بند تھی، اِس لئے خیال ہوا کہ تفسیری سلسلے کے ساتھ ساتھ دینی مسائل سے متعلق سوال وجواب کا سلسلہ شروع کیا جائے؛ چناں چہ ’’یوٹیوب‘‘ میں پہلے سے جاری ’’التذکیر‘‘ چینل پر ’’درسِ قرآن‘‘ اور ’’دینی رہنمائی‘‘ کا آڈیو پروگرام شروع کیا گیا، جس کو قدرداں حضرات کی طرف سے کافی پذیرائی ملی، فالحمدللہ علیٰ ذلک۔

’’دینی رہنمائی‘‘ کے لئے ترتیب یہ بنائی گئی کہ ایک ’’وہاٹس اَیپ‘‘ نمبر **7455982000** عام کیا گیا، جس میں لوگ تحریری یا صوتی طور پر سوالات بھیجتے ہیں، اور جمع شدہ سوالات کے جوابات ہفتہ واری مجلس (جو ہراتوار کو ہندوستانی وقت کے مطابق رات میں ۱۰؍بجے نشر ہوتی ہے) میں دیئے جاتے ہیں۔ اِن مجالس میں جوابات کی تلاش میں فتاویٰ کی جدید وقدیم عربی اور

اُردو فتاویٰ کی کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ مزید یہ کہ ہندو پاک اور عالم اِسلام کے معتبر اور مستند اِداروں کے دارالافتاء سے نیٹ پر جاری فتاویٰ کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے؛ تاکہ اہم مسائل میں مستند اِداروں کی آراء کے خلاف کوئی بات نہ ہو۔ اُن میں دارالافتاء دارالعلوم دیوبند، اور دارالافتاء جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی پاکستان خاص طور پر قابل ذکر ہیں، **فجزاهم اللّٰه تعالیٰ أحسن الجزاء۔**

الحمدللہ یہ سلسلہ شروع ہونے کے بعد سے اَب تک جاری ہے، اور تادم تحریر ۱۶۸ر مجالس نشر ہوچکی ہیں۔ اِس مجلس کو باقاعدگی کے ساتھ جاری رکھنے اور ہر ہفتے بروقت عنوانات لگاکر یوٹیوب پر لائیو نشر کرنے اور پھر اپلوڈ کرنے میں عزیزم مفتی سید محمد ابوبکر صدیق سلمہ (اُستاذ مدرسہ عربیہ حیات العلوم مرادآباد) جناب مفتی محمد اَرباب شمسی قاسمی زید علمہ (فاضل افتاء مدرسہ شاہی (۲۰۱۳ء) وناظم جامعہ احسن البنات مرادآباد) اور عزیزم سید محمد سعادت سلمہ منصور پوری کا بڑا کردار رہا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اِن سب کو جزائے خیر سے نوازیں اور دنیا وآخرت کی نعمتوں سے مالامال فرمائیں، آمین، یارب العالمین۔

یہ سلسلہ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ سے شروع کیا گیا تھا، حضرت اقدس والد ماجد اَمیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نوراللہ مرقدہٗ اُس وقت باحیات تھے، اور کبھی کبھار اہتمام کے ساتھ اِن مجالس کو موبائل میں سماعت فرماتے تھے اور پسندیدگی کا اظہار فرماتے تھے۔ اَفسوس ہے کہ ۸ر شوال المکرّم ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۱ر مئی ۲۰۲۱ء بروز جمعہ کو حضرتؒ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا، اور ہم اِس دنیا میں آپ کی مستجاب دعاؤں سے محروم ہوگئے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً۔ اللہ تعالیٰ حضرتؒ کے احسانات کا بھرپور بدلہ آخرت میں عطا فرمائیں اور ہمیں آپ کے نقش قدم پر چلائیں، آمین۔

اَب جو مسائل ہر ہفتہ دینی رہنمائی میں نشر ہوتے ہیں، وہ دیگر حضرات کے لئے بھی مفید

ہوسکتے ہیں، اِس لئے ضرورت محسوس ہوئی، اور بعض اَحباب نے تقاضا بھی کیا کہ اُنہیں مرتب انداز میں مدلل کر کے تحریری شکل میں بھی سامنے لانا چاہئے۔

احقر کو بھی خود اپنی ذات کے لئے اِس کی اِفادیت محسوس ہوئی؛ لیکن مسلسل مصروفیات کے سبب احقر کے لئے اِس کام کو انجام دینا مشکل تھا، اِس لئے احقر نے عزیزم مولانا مفتی محمد ابراہیم قاسمی مرادپوری زیدعلمہ اُستاذ مدرسہ قاسم العلوم مرادآباد ومرتب ''کتاب النوازل'' سے اِس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ نشر شدہ مسائل پر حوالہ جات لگانے اور باب وار مرتب کرنے کی ذمہ داری قبول کریں؛ چناں چہ موصوف نے پورے شرحِ صدر کے ساتھ اِس ذمہ داری کو قبول کیا، اور یکسوئی اور تندہی کے ساتھ کام شروع کردیا، اور اَب بھی مسلسل اِس میں مصروف ہیں۔

اِن مجالس کو آڈیو سے سن کر ٹائپ کرانے میں عزیزم مولوی مفتی عبدالرحمٰن قاسمی ناظم مدرسہ دارالتوحید بنگلور نے بڑی محنت کی، اور پھر ٹائپ شدہ مواد کو درست کرنے اور اُس میں حوالہ جات کو سیٹ کرنے میں عزیزم مولوی محمد اسجد قاسمی مظفرنگری سلمہ نے اپنی مہارتِ فن کا ثبوت دیا، **فجزاهم الله تعالیٰ أحسن الجزاء**۔

سردست ''دینی رہنمائی'' کی ۵۰؍مجلسوں میں نشر کردہ مسائل کو مرتب کر کے پیش کیا جارہا ہے، آگے بھی اِن شاء اللہ ترتیب اور اِشاعت کا یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ قارئین سے گذارش ہے کہ اِس حقیر کاوش کی قبولیت کی دعا فرماتے رہیں، اور اگر کوئی غلطی نظر پڑے تو اُس سے ضرور مطلع فرماکر مشکور فرمائیں۔

احقر کے مدرسہ شاہی مرادآباد کی خدمت کے زمانہ (۱۴۱۰-۱۴۴۳ھ) میں بتوفیق خداوندی بہت سے علمی کام انجام پائے، جہاں مکرم ومحترم حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی مدظلہم مفتی ومحدث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے خیرخواہانہ مشورے، اور مہتمم جامعہ حضرت مولانا سید اشہد رشیدی صاحب زیدکرمہم کی عنایتیں اور دیگر ذمہ داران واَساتذۂ کرام کا

تعاون قدم قدم پر شامل حال رہا، **فجزاهم الله تعالیٰ أحسن الجزاء۔**

پھر حضراتِ اکابر کے حکم پر شوال ۱۴۴۳ھ مطابق مئی ۲۰۲۲ء میں احقر مادر علمی دارالعلوم دیوبند کی خدمت پر مامور ہوگیا، تو یہاں آ کر بھی اِس سلسلے کو جاری رکھنے کی کوشش کی جارہی ہے، جس کا پہلا نمونہ ''اِرشادالسائلین'' کی صورت میں قارئین کے سامنے ہے، فالحمد کلہ للہ۔

اخیر میں احقر بالخصوص ملک وبیرونِ ملک کے اُن سبھی حضرات کا تہہ دل سے مشکور ہے، جنہوں نے سوالات اِرسال فرما کر اِس سلسلے کو بامقصد بنانے میں اپنا گراں قدر تعاون پیش فرمایا۔ بلاشبہ دینی مسائل کے بارے میں سوال کرنا سائل کی دین داری کی دلیل ہے، اور دین کی بقا کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سبھی سائلین کو بے حد جزائے خیر سے نوازیں، آمین۔

اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے اِس محنت کو قبول فرمائیں، حضرات والدین ماجدین اور سبھی اَساتذۂ کرام اور جن جن کتابوں اور فتاویٰ سے استفادہ کیا گیا ہے، اُن کے مؤلفین کے لئے صدقہ جاریہ بنائیں، اُمت کے لئے نافع بنائیں، اور تادم آخر بعافیت اپنے دین کی خدمت میں لگے رہنے کی توفیق سے نوازیں، آمین۔

فقط واللہ الموفق

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

خادم فقہ وحدیث دارالعلوم دیوبند

یکم محرم الحرام ۱۴۴۴ھ مطابق ۳۱/ جولائی ۲۰۲۲ء بروز اتوار

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

عرضِ مرتب

حامدًا ومصلیًا، اما بعد!

تمام تعریفیں اُس ربِ علیم وقدیر کے لئے ہیں جس نے اِس حقیر اور اپنے نالائق بندہ پر ابتداء طالب علمی سے ہی ایک بڑا احسان یہ فرمایا کہ اُسے اپنے اَساتذۂ کرام کی خاص توجہات وعنایات حاصل رہی ہیں، یقیناً ایک طالب علم کے لئے اِس سے بڑی کوئی نعمت نہیں ہوسکتی۔ آج احقر کا دل شکر خداوندی سے نہایت معمور ہے کہ پروردگار عالم نے احقر کو محض اپنے بے پایاں فضل وکرم سے بغیر کسی ذاتی خوبی اور استحقاق کے ۱۴۳۵ھ میں مدرسہ شاہی مرادآباد کے دارالافتاء سے وابستہ فرماکر اُستاذ معظم مرشد ومربی حضرت اَقدس مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری زیدمجدہم ومدظلہم کی خاص توجہ اور آپ کی صحبت سے فیض یاب فرمایا۔

بتوفیق خداوندی آپ کی خدمت میں رہ کر فقہ وفتاویٰ میں مسلسل اشتغال اور آپ کے فتاویٰ ’’کتاب النوازل‘‘ کی ترتیب وتحقیق کی سعادت ملی۔ اِسی سلسلے کی ایک کڑی ’’اِرشادالسائلین‘‘ کی تبویب وترتیب اور اُس کے مسائل پر عباراتِ فقہیہ کی تعلیق ہے۔

یہ کتاب سوشل میڈیا پر ’’دینی رہنمائی‘‘ کے نام سے جاری حضرت الاستاذ کے اُن صوتی سوالات وجوابات کی طباعت کا ایک سلسلہ ہے، جو ۱۴۴۱ھ کے رمضان المبارک میں لاک ڈاؤن کے زمانے میں یوٹیوب کے ’’التذکیر چینل‘‘ پر قسط وار شروع فرمائے تھے۔

اِفادۂ عام کی غرض سے حضرت والا نے احقر کو مکلّف کیا کہ ہر قسط کو تحریری شکل دے کر جوابات کو فقہی عبارات سے مزین کرے، اور اکابر کے فتاویٰ سے مراجعت کرے۔ یقیناً یہ کام احقر کے لئے بہت بھاری اور نہایت مشکل تھا؛ اِس لئے کہ اِن سوالات کے جوابات پر ’’کتاب النوازل‘‘ کی طرح عربی عبارات یا اُردو فتاویٰ کا پہلے سے کوئی حوالہ درج نہیں تھا؛ تاہم حضرت

کے حکم پر اِس نیت کے ساتھ بخوشی تیار ہوگیا کہ اِس بہانے فقہ وفتاویٰ کی کتابوں پر نظر ہوجائے گی اور حسبِ معمول قدم قدم پر حضرت کی رہنمائی حاصل رہے گی؛ چناں چہ بحمدہ تعالیٰ ایک طرف ''دینی رہنمائی'' کی ہفتہ وار مجالس جاری رہیں، وہیں دوسری جانب مسائل کی تعلیق وتخریج کا سلسلہ بھی بلاتوقف چلتا رہا، اور الحمدللہ جاری ہے۔

اِس کتاب کے مسائل کی تبویب اور تعلیق میں ''کتاب النوازل'' کی ترتیب کوملحوظ رکھا گیا ہے، فی الحال اَب تک کی ۱۶۸ر قسطوں میں سے صرف ۵۰ر قسطوں کے مسائل کو دو جلدوں میں اَبوابِ فقہیہ کی ترتیب پر شائع کیا جارہا ہے۔ پہلی قسط میں ایمان وعقائد، بدعات ورسومات کے علاوہ عبادات کے مسائل، اور دوسری جلد میں معاشرت، معاملات، قربانی، حظر واباحت اور میراث وغیرہ کے مسائل ہیں۔

ترتیب وتخریج کے دوران حضرت الاستاذ دامت برکاتہم نے اَز اول تا آخر پورے مسودہ پر کئی بار گہری نظر ڈالی، اور اُردو عبارات کو مزید درست کیا، اور متعلقہ عبارات کی اصل مسئلہ سے مطابقت اور رسم وافتاء کے قواعد کا پاس ولحاظ کر کے تصنیف وتالیف کے اپنے نہایت نفیس ذوق کے مطابق اِس کی ترتیب میں بھی حسن اور عمدگی پیدا کی، فالحمدللہ علیٰ ذلک۔

عزم ہے کہ ''دینی رہنمائی'' کی اگلی قسطوں کو بھی اِسی انداز میں مرتب کر کے شائع کیا جاتا رہے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرما کر ذخیرۂ آخرت بنائیں، اُمت کے حق میں نافع بنائیں، اگلے مراحل کو آسان فرمائیں، اور سبھی معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائیں، آمین۔

احقر محمد ابراہیم قاسمی مرادپوری غفرلہ

مرتب: کتاب النوازل

وخادم مدرسہ قاسم العلوم کچہری والی مسجد مرادآباد

۲ر محرم الحرام ۱۴۴۴ھ مطابق یکم اگست ۲۰۲۲ء بروز پیر

❐❖❐

فہرست عنوانات

عقائدوایمانیات

بدعات ورسومات

کتاب العلم

تلاوت کے فضائل وآداب

اَورادووَظائف

اَحادیث وآثار اور اَقوال کی تحقیق

تاریخ وسیر

کتاب الطہارۃ

پاکی اور ناپاکی کے مسائل

وضو کے مسائل

غسل کے مسائل

کتاب الصلوٰۃ

اوقات نماز

اَذان و اِقامت

شرائط نماز

فرائض وواجبات

قضانمازیں

سجدۂ سہو

نماز کے سنن وآداب

مکروہات نماز

مفسداتِ نماز

اِمامت و جماعت

وتر اور قنوتِ نازلہ کے مسائل

جمعہ کے مسائل

عیدین کے مسائل

سنن ونوافل

تراویح کے مسائل

سجدۂ تلاوت

سفر کے مسائل

نماز کسوف اور خسوف

کتاب الجنائز

میت کے احکام

تجہیز وتکفین اور دفن کے مسائل

تعزیت اور ایصالِ ثواب کے مسائل

عقائدواِیمانیات

○

اپنے ایمان کی مقدار کو کیسے جانچا جائے؟

سوال (۱):- میں مسلم گھرانے میں پیدا ہوا ہوں اور میں مسلمان بھی ہوں؛ لیکن میرے اندر ایمان کتنا ہے اور کس درجہ کا ہے؟ اِس کا پتہ کیسے چلے گا؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- دین پر عمل کرنے میں جس قدر آپ کے دل میں شرحِ صدر ہوگا، اسی قدر ایمان کی پختگی کی علامت سمجھی جائے گی، شریعت کا حکم آپ کے سامنے آئے، آپ اِس پر خوش دلی کے ساتھ عمل کریں اور اِس میں ذرہ برابر بھی آپ کے دل میں شک وشبہ نہ ہو، تو یہ دلیل ہے کہ آپ کا اِیمان مضبوط، مستحکم اور تازہ ہے۔ اور اگر شریعت کے حکم کی بجا آوری میں دل کے اندر اعراض کی بات آتی ہے، ڈھیلا پن محسوس ہوتا ہے، غفلت اور لا ابالی پن کا احساس ہوتا ہے، تو دلیل ہے کہ ایمان کی کیفیت میں کمی ہے۔

عن أبي أمامة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سأله رجل، فقال: يا رسول الله! ما الإيمان؟ قال: إذا سرتك حسنتك وساء تك سيئتك، فأنت مؤمن. (رواه الحاكم وصححه، ووافقه الذهبي ١/١٣-١٤، الأحاديث المنتخبة ص: ٧ رقم: ١٩)

عن العباس بن عبد المطلب رضي الله عنه أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ذاق طعم الإيمان من رضي بالله ربًا وبالإسلام دينًا وبمحمد صلى الله عليه وسلم رسولا. (صحيح مسلم، كتاب الإيمان / باب من رضي بالله ربًا الخ رقم: ٣٤)

عن أنس رضي اللّٰہ عنه عن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: ثلاث من كن فیه وجد حلاوة الإیمان: أن یكون اللّٰہ ورسوله أحب إلیه مما سواهما، وأن یُحب المرء لا یحبه إلا للّٰہ، وأن یكره أن یعود في الكفر، كما یكره أن یقذف في النار. (صحیح البخاري، كتاب الإیمان / باب حلاوة الإیمان رقم: ١٦)

عن أبي أمامة رضي اللّٰہ عنه عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم أنه قال: من أحب للّٰہ وأبغض للّٰہ، وأعطی للّٰہ، ومنع للّٰہ، فقد استكمل الإیمان. (سنن أبي داؤد، أول كتاب السنة / باب الدلیل علی زیادة الإیمان ونقصانه رقم: ٤٦٨١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲۹ / ۱۴۴۱/۱۰/۷ھ)

جنازہ میں شرکاء کی کمی عدمِ قبولیت کی دلیل نہیں

سوال (۲):- لاک ڈاؤن کی وجہ سے بعض وفات پانے والے اکابر کے جنازے میں عوام وخواص کی کثرت نہ ہونے کی وجہ سے زید یہ گمان کرتا ہے کہ بزرگوں کے ساتھ ایسا کیوں ہورہا ہے؟ اور اُس کے ذہن میں طرح طرح کے خیالات آتے ہیں، آپ کچھ ایسی بات اِرشاد فرمائیں جس سے زید کی بدگمانی ختم ہوجائے؟

الجواب حامدًا ومصلیًا أما بعد:- عام طور پر لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ جنازے میں بڑا مجمع ہو، تو یہ آدمی کے مقبول ہونے اور اللہ کے نزدیک مقرب ہونے کی دلیل ہے، تو بے شک بڑی تعداد میں اہل ایمان جنازے میں شریک ہوں تو یہ اپنی جگہ سعادت کی بات ہے؛ لیکن یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے، اصل مدار جنازے میں اَفراد کی کثرت پر نہیں ہے؛ بلکہ آدمی کی مغفرت اور قبولیت کا اصل مدار اِیمان اور اَعمالِ صالحہ پر ہے؛ لہٰذا جس شخص کی زندگی اِیمان اور اَعمال کے اعتبار سے بہترین گذری ہے تو اِن شاء اللہ اُس کی مغفرت ہوگی، اُس کے بارے میں کوئی بدگمانی دل میں نہیں بٹھانی چاہئے۔

قرآنِ پاک جگہ جگہ مؤمنین اور اچھے اَعمال کرنے والوں کے لئے بشارتیں سنائی گئی

ہیں،فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ کَانَتْ لَھُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا﴾ [الکھف: ۱۰۷] (یعنی جو اِیمان لائے اوراُنہوں نے اچھے اَعمال کئے اُن کے لئے جنت الفردوس میں مہمان نوازی کا انتظام ہوگا) اور بھی بہت سی آیتیں ہیں جن میں یہ مضمون وارد ہوا ہے۔

اور موجودہ زمانے میں مختصر اَفراد کا شریک ہونا کوئی نئی بات نہیں ہے، دورِنبوت، دورصحابہ اور دورتابعین سے اور بعد کے اَدوار میں بھی بہت سی مثالیں ایسی مل سکتی ہیں کہ جس میں جنازے میں لوگوں نے کسی عذر کی وجہ سے بہت کم تعداد میں شرکت کی۔ مثال کے طور پر خلیفہ ثالث امیر المومنین سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کو خود پیغمبر علیہ السلام نے متعدد احادیث میں جنت کی بشارت سنائی ہے، ایسے حالات میں اُن کی شہادت ہوئی کہ بمشکل تمام ۱۷/افراد آپ کے جنازے میں شریک ہوئے اور راتوں رات آپ کو بقیع کے باہری حصے میں دفن کیا گیا تھا۔ تو کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ بہت کم لوگ شریک ہوئے، اِس لئے حضرت عثمان غنیؓ کے رتبے میں کوئی کمی ہوگئی؟ ایسا ہرگز نہیں۔ (مستفاد: سیرالصحابہ ۱/۲۲۱ بحوالہ: مضمون مولانا مرغوب احمد لاج پوری لندن)

اِسی طرح تاریخ کی بعض کتابوں میں ہے کہ خلیفہ رابع اَمیرالمؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے جنازہ میں صرف گھر کے اَفراد ہی شریک ہوئے اور راتوں رات آپ کو دفن کیا گیا۔ (مقتل علی لابن ابی الدنیا/ موضع دفن علی رحمہ اللہ ص: ۲۷ دار البشائر دمشق، التمہید والبیان فی مقتل الشہید عثمان لابن ابی الدنیا/ ذکر الصلوٰۃ علیہ ودفنہ ص: ۱۴۵ دار الثقافۃ الدوحۃ قطر)

اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جو مدینہ منورہ کے قریب ایک دیہات میں مقیم تھے، اور جب اُن کی وفات ہونے لگی تو یہ خطرہ ہوا گھر کے لوگوں کو جنازہ کون پڑھائے گا؟ کیوں کہ آس پاس کوئی نہیں تھا، فرمایا کوئی بات نہیں، میں نے پیغمبر علیہ السلام سے سنا ہے کہ ایک جماعت آئے گی اور میرا جنازہ پڑھے گی، تو کچھ ہی دیر میں ایک مختصر قافلہ آیا، اور اُس میں بعض اکابر صحابہ بھی تھے، اور اُنہوں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے جنازہ کی نماز پڑھی۔ (صحیح ابن حبان، کتاب التاریخ/ ذکر الاخبار عن وصف موت ابی ذر الغفاری ۱۵/۵۹ رقم: ۶۶۷۰ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

تو ایسے اور بھی بہت سے واقعات مل سکتے ہیں۔ کتنے ایسے واقعات ہیں کہ کشتی میں انتقال ہوگیا، اور نعش کو دریا میں ڈالنا پڑا، اور کشتی میں جتنے بھی اَفراد تھے بس وہی جنازہ پڑھ سکے۔

نیز پہلے قافلے چلا کرتے تھے، جنگل بیابان میں کسی کا انتقال ہوگیا تو چند اَفراد نے جنازہ پڑھ لیا، یہ چیزیں کسی آدمی کے مقبول یا نامقبول ہونے کی اصل علامت نہیں ہے، پھر یہ کہ آج کل جو وبا چل رہی ہے یہ طاعون کے درجے میں ہے، جیسے کسی زمانہ میں طاعون پھیلا کرتا تھا، اور نبی اکرم علیہ السلام نے طاعون سے انتقال کرنے والے کو اُخروی اعتبار سے شہید کے درجے میں رکھا ہے۔ صحیح حدیث ہے کہ: **''المطعون شهيد''** اِس لئے یہ اَفراد جو اِس وبائی بیماری میں مبتلا ہوکر دنیا سے رخصت ہورہے ہیں اُن کے بارے میں اچھا گمان رکھنا چاہئے، اللہ تعالیٰ اُن کی خطاؤں کو درگذر فرمائے، اُن کے درجات بلند فرمائیں، آمین۔

عن عتيك بن الحارث بن عتيك – وهو جد عبد الله بن عبد الله أبو أمه – أنه أخبره أن عمه جابر بن عتيك أخبره أن رسول الله صلى الله عليه وسلم جاء يعود عبد الله بن ثابت ...... المطعون شهيد. (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز / باب في فضل من مات في الطاعون رقم: ۳۱۱۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۴۰ / ۱۱/۱۲/۱۴۴۱ھ)

کیا میاں بیوی کا جوڑا اللہ کی طرف سے طے شدہ ہے؟

سوال (۳):- کیا میاں بیوی کی تعیین اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہوتی ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- صرف میاں بیوی کا ہی کیا معاملہ؛ بلکہ دنیا کی ہر بات جو پیش آچکی یا آرہی ہے یا آئے گی، سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر شدہ ہے، اُس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں ہے؛ البتہ اِنسان واقعہ پیش آنے سے پہلے اُس سے بے خبر رہتا ہے؛ اِس لئے اُسے بسا اَوقات تعجب ہوتا ہے۔

عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: كتب الله مقادير الخلائق قبل أن يخلق السماوات والأرض بخمسين ألف سنة، قال: وعرشه على الماء. (صحيح مسلم / باب حجاج آدم وموسى صلى الله عليهما وسلم رقم: ٦٧٤٨)

عن عبد اللّٰه بن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كل شيء بقدر، حتى العجز والكيس. (صحيح مسلم / باب كل شيء بقدر رقم: ٦٧٥)

عن أبي الدرداء رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن اللّٰه عزوجل فرغ إلىٰ كل عبدٍ من خلقه من خمس: من أجله وعمله ومضجعه وأثره ورزقه. (رواه أحمد، مسند الأنصار / حديث أبي الدرداء ٥٤/٣٦ رقم: ٢١٧٢٢ الرسالة) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۲۸ / ۱۴۴۱/۹/۳۰ھ)

نقصان ہونے پر اپنی قسمت کو برا کہنا

سوال (۴):- بعض مرتبہ جب کسی کو نقصان ہوجاتا ہے یا اُمید کے خلاف نتیجہ آتا ہے، تو کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری بدقسمتی سے ایسا ہوا ہے، تو سوال یہ ہے کہ قسمت کو برا کہنا کیسا ہے؟ اِسی طرح بہت سی عورتیں اچھا داماد یا اچھا بہنوئی نہ ملے وغیرہ، تو کہہ دیتی ہیں کہ تمہاری قسمت ہی خراب ہے، تو اِس طرح کہنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- ایسے کلمات زبان پر لانا بےاَدبی کی بات ہے؛ کیوں کہ قسمت کوئی الگ چیز نہیں ہے؛ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور تقدیر ہی کا نام ہے؛ لہٰذا اُس کو برا بھلا کہنا صحیح نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آدمی زمانہ کو برا کہہ کر مجھے اِیذا پہنچاتا ہے؛ حالاں کہ "أنا الدهر" (میں ہی زمانہ ہوں) رات دن سب میرے قبضۂ قدرت میں ہیں، یعنی جو بھی اچھا برا دنیا میں ہورہا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے ہورہا ہے، اِس لئے ہمیں اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی رہنا چاہئے، اور ایسی بےاَدبی والی باتیں زبان پر نہیں لانی چاہئیں۔

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿اَلا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ﴾ [الأعراف، جزء آيت: ٥٤]

وقال تعالىٰ: وتؤمن بالقدر خيره. (صحيح مسلم رقم: ٨)

واعلم أن مذهب أهل الحق إثبات القدر، ومعناه: أن اللّٰه تبارک وتعالیٰ قدر الأشياء في القدم وعلم سبحانه أنها ستقع في أوقات معلومة عنده سبحانه وتعالیٰ، وعلى صفات مخصوصة فهي تقع على حسب ما قدرها سبحانه وتعالیٰ. (المنهاج شرح صحيح مسلم ص: ٨٠ بيت الأفكار الدولية)

عن ابن الديلمي قال: أتيت أبي بن كعب فقلت له: وقع في نفسي شيء من القدر فحدثني بشيء لعل اللّٰه أن يذهبه من قلبي قال: لو أن اللّٰه عذب أهل سماواته وأهل أرضه عذبهم وهو غير ظالم لهم ولو رحمهم كانت رحمته خيرًا لهم من أعمالهم. ولو أنفقت مثل أحد ذهبًا في سبيل اللّٰه ما قبِله اللّٰه منک حتى تؤمن بالقدر وتعلم أن ما أصابک لم يكن ليُخطئک وأن ما أخطاک لم يكن ليصيبک، ولو مت على غير هذا لدخلت النار. قال: ثم أتيت عبد اللّٰه بن مسعود فقال مثل ذلک. قال: ثم أتيت حذيفة بن اليمان فقال مثل ذلک. قال: ثم أتيت زيد بن ثابت فحدثني عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم مثل ذلک. (سنن أبي داؤد، كتاب السنة / باب في القدر ص: ٨٨٠ رقم: ٤٦٩٩ دار الفكر بيروت)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: قال اللّٰه عزوجل: يؤذيني ابن آدم، يقول: يا خيبة الدهر! فلا يقولن أحدكم يا خيبة الدهر! فإني أنا الدهر أقلب ليله ونهاره فإذا شئت قبضتهما. (صحيح مسلم، كتاب الألفاظ من الأدب وغيرها / باب النهي عن سب الدهر رقم: ٣-٢٢٤٦ بيت الأفكار الدولية) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۴۷ / ۱۴۴۲/۲/۲ھ)

سنت کا کیا مطلب ہے؟

سوال (۵):- سنت کا کیا مطلب ہے؟ جو عمل نبی اکرم علیہ السلام پوری زندگی پابندی سے فرماتے رہے، کیا صرف وہی سنت ہے؟ یا جسے کبھی کبھار آپ نے انجام دیا وہ بھی سنت ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- جو عمل آپ علیہ السلام پابندی سے فرماتے رہے یا جس کے نہ کرنے پر آپ نے وعید سنائی وہ تو سنتِ مؤکدہ ہے، یعنی جس پر ہر مسلمان کو عمل کرنا چاہئے اور بلا عذر اُسے چھوڑنا نہیں چاہئے ورنہ وہ گنہگار ہوگا؛ لیکن اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عمل کبھی کبھار کیا اور اُس کے نہ کرنے پر کوئی وعید اِرشاد نہیں فرمائی وہ سنت تو ہے؛ لیکن وہ سنن غیر مؤکدہ میں شامل ہے، یعنی کرلو تو بہتر اور نہ کرو تو کوئی مؤاخذہ نہیں۔

والسنة نوعان: سنة الهدى، وتركها يوجب إسائة وكراهية كالجماعة والأذان والإقامة ونحوها. وسنة الزوائد: وتركها لا يوجب ذلك، كسير النبي عليه الصلاة والسلام في لباسه وقيامه وقعوده.

ثم قال في البحر: والذي ظهر للعبد الضعيف أن السنة ما واظب عليه النبي صلى الله عليه وسلم؛ لكن إن كانت لا مع الترك، فهي دليل السنة المؤكدة. وإن كانت مع الترك أحيانًا فهي دليل غير المؤكدة، وإن اقترنت بالإنكار على من لم يفعله فهي دليل الوجوب. (الدر المختار مع الشامي / كتاب الصلاة ۲۱۸/۱-۲۲۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۴۰ / ۱۴۴۱/۱۲/۱۱ھ)

کیا کسی اور نبی کی شریعت کی اتباع جائز ہے؟

سوال (۲):- کیا ابھی بھی اِس دنیا میں خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے علاوہ دوسرے کسی نبی کی شریعت پر عمل کرنے کی گنجائش ہے یا پہلی شریعتیں منسوخ ہوگئی ہیں؟ اگر منسوخ ہیں تو اِس کی دلیل کیا ہے؟ اور جو شخص آج کے دور میں کسی دوسرے نبی کی شریعت پر عمل کرے تو وہ نجات پاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اِس سوال کا جواب بالکل واضح ہے

کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد پہلی تمام شریعتیں منسوخ ہوچکی ہیں، اور نجات کا مدار صرف اور صرف شریعتِ محمدیہ پر عمل کرنے میں ہے۔ اور پیغمبر علیہ السلام کا خاتم النبیین ہونا بجائے خود اِس بات کی دلیل ہے کہ اَب اِس کائنات میں رہنمائی صرف آپ کی چلے گی، اور قرآنِ کریم کی ایک آیت میں فرمایا گیا: ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ [المائدۃ: ۳] (یعنی آج میں نے اپنا دین تم پر مکمل کردیا اور جو نعمت تمہیں عطا کرنی تھی وہ تام کردی، اور میں تم سے دین کے اعتبار سے صرف اسلام سے راضی ہوا) تو اِس سے بالکل یہ بات واضح ہوئی کہ اِسلام کے علاوہ کوئی راستہ اللہ کی خوشنودی ورحمت کا سبب نہیں بن سکتا۔ اِسی طرح فرمایا: ﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ﴾ [اٰل عمران: ۱۹] (یعنی مذہب تو اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے) اور دوسری آیت میں فرمایا: ﴿وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ﴾ [اٰل عمران: ۸۵] (یعنی جو اِسلام کے علاوہ کسی اور دین کو اختیار کرے گا تو اللہ کی نظر میں وہ قابل قبول نہیں ہے)

اِسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **”لو کان موسیٰ حیًا لما وسعه إلا اتباعي“** (یعنی اگر آج بالفرض سیدنا حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام باحیات تشریف فرما ہوتے، تو اُن کو بھی میری پیروی کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا)

الغرض یہ ہمارا پختہ عقیدہ ہے کہ نجات کا راستہ صرف اور صرف وہی ہے، جو آخری نبی سرور کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر تشریف لائے، اور قیامت تک کسی اور شریعت پر عمل کرنے والا ہماری نظر میں ہرگز نجات نہیں پاسکتا ہے، اور کوئی بھی ایسا حکم جو شریعت اِسلامیہ سے واضح طور پر متصادم اور معارض ہو وہ ہرگز ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ صحیح اور غلط سب برابر ہوجائیں، صحیح صحیح ہے اور غلط غلط ہے۔ جو لوگ یہ تصور رکھتے ہیں کہ سارے مذہب حق ہیں جس پر چاہے عمل کرلو، تو وہ صحیح راستے پر نہیں ہیں، صراط مستقیم یعنی وہ راستہ جو سیدھا جنت تک پہنچانے والا ہے وہ ایک ہی ہے، جسے سرور عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر تشریف لائے، ہر مسلمان کو یہ عقیدہ رکھنا لازم ہے، اِس میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں ہونا چاہئے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [المائدة: ۳]

وقال تعالیٰ: ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ [آل عمران: ۱۹]

وقال تعالیٰ: ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ﴾ [آل عمران: ۸۵]

عن جابر رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم: لو كان موسىٰ حيًا ما وسعه إلا اتباعي. (مشكاة المصابيح ۱۷۷/۳۰) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۴۰ / ۱۴۴۱/۱۲/۱۱ھ)

’’قرآنِ کریم کو پھینک دوں گا‘‘ کہنے سے اِیمان پرکوئی حرف آئے گا یانہیں؟

سوال (۷):- ایک شخص نے اپنی بیوی سے غصہ میں کہا کہ ’’اگر میرا بچہ رویا تو تمہارے ہاتھ میں جو چیز ہے اُسے میں پھینک دوں گا‘‘، اوراُس وقت بیوی اپنے ہاتھ میں قرآنِ پاک پکڑے ہوئے تھی، اورشوہر کوبھی معلوم تھا کہ یہ قرآنِ پاک ہے۔تو سوال یہ ہے کہ شوہر نے معلوم ہونے کے باوجود جو یہ جملہ کہا ہے کہ ’’بچہ رویا تو تمہارے ہاتھ کی چیز پھینک دوں گا‘‘، اِس کی وجہ سے اُس کے اِیمان پرحرف آئے گا یانہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- جب اُس نے جان بوجھ کرقرآنِ پاک کے سلسلے میں ایسی گستاخی کی بات کہی ہے کہ ’’میں اسے پھینک دوں گا‘‘، یہ بہت ہی سنگین لفظ ہے؛ لہٰذا اُس پرتجدید اِیمان بھی لازم ہےاورتجدید نکاح بھی لازم ہے؛ لہٰذا سچی توبہ کرے اوراللہ تعالیٰ سے اِس جرم پرمعافی مانگے، اورآئندہ اِس طرح کی نامناسب حرکت سے مکمل اجتناب کرے۔عجیب بات ہے کہ غصہ بیوی پرہے اوراُتارا جارہا ہےقرآنِ پاک پر،کوئی بھی مؤمن اسے ہرگز گوارانہیں کرسکتا،اللہ تبارک وتعالیٰ ہرمؤمن کو ہرطرح کی بےادبی سے پوری طرح محفوظ رکھیں،آمین۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ [التوبة، جزء آیت: ٦٥]

الاستهزاء بأحكام الشرع كفر. (الفتاویٰ الهندية، كتاب السير / الباب التاسع في أحكام المرتدين، مطلب: موجبات الكفر أنواع، منها ما يتعلق بتلقين الكفر الخ ۲۸۳/۲ قديم زكريا)

إذا أنكر الرجل آيةً من القرآن أو تسخر بآيةٍ من القرآن. وفي الخزانة أو عاب فقد كفر. (الفتاویٰ الهندية، كتاب السير / الباب التاسع في أحكام المرتدين، مطلب: موجبات الكفر أنواع ۲۶۶/۲ قديم زكريا، الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين / الفصل العاشر فيما يتعلق بالقرآن ۳۱۵/۷ رقم: ۱۰۵۷۶، بزازية علیٰ هامش الهندية ۳۲۸/۲، مجمع الأنهر، كتاب السير والجهاد: إن ألفاظ الكفر أنواع / الثالث في القرآن والأذكار ۵۰۷/۲ مكتبة فقيه الأمة ديوبند)

ورد النصوص كفر، واستحلال المعصية كفر، والاستهانة بها كفرٌ، والاستهزاء على الشريعة كفرٌ؛ لأن ذٰلك من أمارات التكذيب. (شرح العقائد النسفية / مبحث رد النصوص كفر الخ ۱۶۶-۱۶۷ المكتبة النعيمية ديوبند)

وما كان في كونه كفرًا اختلاف، فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح وبالتوبة والرجوع عن ذٰلك بطريق الاحتياط. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين / الفصل الأول ۲۸۴/۷ رقم: ۱۰۴۹۶ زكريا)

عن الضحاك بن مزاحم قال: إذا ارتد الرجل بانت منه امرأته فإن أسلم فهو خاطب. (رواه سعيد بن منصور في سننه ۲۹۷/۲ رقم: ۲۸۳۴) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۴۱ / ۱۴۴۱/۱۲/۱۸ھ)

نظر لگنا برحق ہے

سوال (۸):- نظر لگنا کیسا ہے؟ اور نظر اُتارنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا ہے کہ: ’’اَلْعَيْنُ حَقٌّ‘‘۔ (یعنی نظر لگنا برحق ہے) اور آپ نے نظر اُتارنے کے کچھ طریقے بتائے ہیں۔ اِس سے حضرات علماء نے یہ مفہوم اخذ فرمایا کہ جو بھی طریقہ نظر اُتارنے میں مؤثر ہو اور اُس میں کسی غلط قول یا عمل کی آمیزش نہ ہو، تو اُس کے ذریعہ نظر اُتاری جاسکتی ہے۔

ہمارے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ ڈنٹھل والی ۱۱؍سرخ مرچیں لے کر ہر مرچ پر ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ مع بسم اللہ پڑھ کر دم فرماتے، اور پھر جس کی نظر اُتارنی ہوتی اُس کے بدن پر اُوپر سے نیچے تک پھیرتے تھے۔ اور ۱۱؍مرچیں اِسی طرح پھیر کر اُن کو جلانے کا حکم دیتے تھے، ۳؍دن تک اِس عمل کو کرنے سے نظر کا اثر جاتا رہتا تھا۔ ہمارے یہاں اَب بھی نظر اُتارنے کے لئے یہی عمل کیا جاتا ہے، اور بفضلہٖ تعالیٰ اُس کا فوراً اثر ظاہر ہوتا ہے۔ بسا اَوقات روتے ہوئے بچے پرسکون ہوجاتے ہیں، حسب معمول کھیلنے لگتے ہیں یا اُنہیں نیند آجاتی ہے۔ الغرض اگر کوئی شخص جائز حدود میں رہ کر نظر اُتارے، تو اِس میں کوئی حرج نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۵؍۳۵۰ ڈابھیل، ایک جامع قرآنی وعظ ۴۳۱)

عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف أنه قال: رأى عامر بن ربيعة سهل بن حنيف يغتسل فقال: ما رأيت كاليوم ولا جلد مُخَبَأَةٍ قال: فلُبِط بسهل، فأتي رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقيل: يا رسول الله! هل لک في سهل بن حنيف؟ والله ما يرفع رأسه، فقال: هل تتهمون له أحدًا؟ قالوا: نتهم عامرَ بن ربيعة، قال: فدعا رسول الله صلى الله عليه وسلم عامرًا فتَغَيَّظَ عليه، وقال: علام يقتل أحدكم أخاه؟ ألا بَرَّكْتَ، اغتسل له، فغسل عامر وجهه ويديه ومرفقيه وركبتيه وأطراف رجليه وداخلة إزاره في قدح، ثم صُب عليه فراح سهل مع الناس ليس به بأس. (موطأ مالك، كتاب الجامع / الوضوء من العين رقم: ٢٧٠٨، مشكاة المصابيح، كتاب الطب والرقي / الفصل الثاني ٣٩٠)

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يعلمهم من الفزع كلمات .... وكان عبد الله بن عمرو رضي الله عنه يعلمهن من عقل من بنيه، ومن لم يعقل كتبه فأعلقه عليه. (سنن أبي داؤد، كتاب الطب / باب كيف الرقي ٥٤٣/٢ رقم: ٣٨٩٣)

قال الإمام المحدث الشيخ خليل أحمد السهارنفوريؒ في بذل المجهود:

فيـه دليـل عـلىٰ جواز كتابة التعاويذ والرقى وتعليقها. (بـذل المجهود، كتاب الطب / باب كيف الرقى ١١/٦٢٢ تحت رقم: ٣٨٩٣ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي أعظم جراه)

عـن يـونـس بـن خبـاب قـال: سـألـت أبـا جـعفر عن التعويذ يعلق على الـصبيان؟ فرخص فيه. (الـمـصـنف لابـن أبـي شيبة، كتاب الطب / باب من رخص في تعليق التعاويذ ١٢/٧٥ رقم: ٢٤٠١٧ دار قرطبة بيروت)

ولا بـأس بـالمعاذات إذا كتب فيها القرآن أو أسماء الله تعالىٰ، قالوا: وإنما تكره العوذة إذا كانت بغير لسان العرب، ولا يدري ما هو؟ ولعله يدخله سحر أو كـفـر أو غير ذٰلک. وأما ما كان من القرآن أو شيء من الدعوات فلا بأس بـهٖ. لا بأس بوضع الجماجم في الزرع والمبطخة لدفع ضرر العين؛ لأن العين حـق تصيب المال والآدمي والحيوان، ويظهر أثره في ذلک عرف بالآثار. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / فصل في اللبس ٩/٥٢٣-٥٢٤ زكريا، ٦/٣٦٤ كراچى) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۲۸ / ۳۰/۹/۱۴۴۱ھ)

کیا اَموال کونظر لگ سکتی ہے؟

سوال (۹):- کیا پیڑ پر آنے والے پھل یا کسی گاڑی وغیرہ پر نظر لگ سکتی ہے؟

الجـواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- ہاں! نظر کسی چیز کو بھی لگ سکتی ہے، اور نظر لگنا برحق ہے۔ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اَلْعَيْنُ حَقٌّ'' اِس لئے اگر کسی اچھی چیز پر نظر پڑے تو آدمی کو ''ماشاءاللہ'' کہنا چاہئے، اور اُس کے لئے خیر کی دعا بھی کرنی چاہئے۔

عـن أبـي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: العين حق ونهى عن الوشم (وتحته في هامشه) العين حق أي إصابتها حق أي أمر متـحقق الوقوع لها تاثير منفي به في الأنفس والأموال في الوضع الإلهي لا شبهة فيه، كذا ذكره التوربشتي. (مشكاة المصابيح هامشه ٣٨١ حديث: ٤٤٢٩) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۴۰ / ۱۱/۱۲/۱۴۴۱ھ)

کیا چاند گرہن کے وقت حاملہ عورت کو باہر نکلنا منع ہے؟

سوال (۱۰):- کیا چاند گرہن کے وقت حاملہ عورتوں کے لئے شرعاً کوئی پرہیز ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- چاند گرہن کے وقت حاملہ عورتوں کے لئے شریعت میں کوئی پرہیز ثابت نہیں ہے۔ اِس بارے میں شرعی تعلیم یہ ہے کہ سورج یا چاند گرہن اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ نظام کا حصہ ہیں، اُن سے مخلوق کا کوئی نفع یا ضرر وابستہ نہیں ہے۔

عن قيس قال: سمعت أبا مسعود رضي الله عنه يقول: قال النبي صلى الله عليه وسلم: إن الشمس والقمر لا ينكسفان لموت أحد من الناس، ولكنهما آيتان من آيات الله، فإذا رأيتموهما فقوموا فصلوا. (صحيح البخاري، كتاب الكسوف / باب الصلاة في كسوف الشمس رقم: ١٠٤١)

وفي هذا الحديث إبطال ما كان أهل الجاهلية يعتقدونه من تأثير الكواكب في الأرض، وهو نحو قوله في الحديث الماضي في الاستسقاء: "يقولون مطرنا بنوء كذا" قال الخطابي: كانوا في الجاهلية يعتقدون أن الكسوف يوجب حدوث تغير في الأرض من موت أو ضرر، فاعلم النبي صلى الله عليه وسلم أنه اعتقاد باطل، وأن الشمس والقمر خلقان مسخران لله ليس لهما سلطان في غيرهما ولا قدرة على الدفع عن أنفسهما. (فتح الباري، كتاب الكسوف / باب الصلاة في كسوف الشمس ٦٧٠/٣ تحت رقم: ١٠٤١ دار الكتب العلمية بيروت)

عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: لا عدوىٰ ولا طيرة. (صحيح مسلم، كتاب السلام / باب لا عدوىٰ ولا طيرة رقم: ٢٢٢٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۳۰ / ۱۴/۱۰/۱۴۴۱ھ)

بدعات ورسومات

کسی عزیز کے انتقال کی وجہ سے عید کی خوشیاں نہ منانا

سوال (۱۱):- ہمارے گھر میں انتقال ہوگیا ہے، اور اَب عید قریب آگئی ہے، تو ہم عید کی تیاری کریں یا نہ کریں؟ ہمارے یہاں یہ دستور ہے کہ اگر گھر میں سال بھر میں کسی کا انتقال ہوجائے، تو اُس سال میں جو اگلے سال عید آتی ہے، نہ تو نئے کپڑے بناتے ہیں اور نہ نئے جوتے خریدتے ہیں، اور نہ اور کوئی اہتمام کرتے ہیں، اور جب عید کا دن آتا ہے تو رشتہ دار لوگ خاص طور پر دلاسہ دینے کے لئے اُس گھر میں جاتے ہیں، تو یہ طریقہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- شریعت میں سوگ یعنی غم منانے کا حکم عام رشتے داروں کے لئے صرف تین دن تک ہے؛ البتہ بیوہ کے لئے عدت تک سوگ منانے کا حکم ہے۔ یعنی اگر وہ حاملہ ہے تو وضع حمل تک، اور اگر وہ حاملہ نہیں ہے تو ۴ر مہینے ۱۰ر دن تک گھر سے باہر نہ نکلے، زیور نہ پہنے، نئے اور بھڑک دار کپڑے نہ پہنے وغیرہ؛ لیکن بیوہ کے علاوہ کسی اور رشتے دار- چاہے وہ اَولاد ہو، والدین ہوں، یا بھائی بہن ہوں- کو سوگ منانے کا حکم نہیں ہے؛ لہٰذا جس عزیز کے انتقال کو کئی مہینے گذر گئے، تو اُس کے بعد آنے والی عید میں نئے کپڑے نہ بنانا اور عید کی خوشی ظاہر نہ کرنا یہ بھی سوگ کی ایک شکل ہے، جس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔

اِس اُمت پر سب سے بڑا حادثہ سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کا تھا، جس سے بڑے سانحے کا قیامت تک تصور بھی نہیں کیا جاسکتا؛ لیکن اُس سے اگلے سال جب عید آئی تو کسی صحابی سے یہ ثابت نہیں ہے کہ اس نے حضور کی وفات کے غم میں

عید نہ منائی ہو۔ اِسی طرح دورِ صحابہؓ میں کیسے کیسے اَلم ناک واقعات پیش آئے، اور کتنے بڑے بڑے اکابر کی شہادتیں ہوئیں؛ لیکن کہیں بھی یہ ثابت نہیں کہ لوگوں نے اُس کے بعد عید کے دن غم منایا ہو؛ لٰہذا اگر کوئی آدمی وسعت نہ ہونے کی وجہ سے یا کسی اور عذر سے نئے کپڑے نہ بنا سکے تو بات الگ ہے؛ لیکن کسی کے انتقال کی وجہ سے کپڑے نہ بنانا اور عید کے دن اِظہارِ غم کرنا قطعاً صحیح نہیں ہے، یہ سب جاہلانہ باتیں ہیں، ایسی باتوں سے بچنا چاہیے، اور عید کے دن حسب وسعت خوشی اور بشاشت کا اِظہار کرنا چاہیے۔

عن زينب بنت أبي سلمة رضي اللّٰه عنها قالت: لما أتىٰ أم حبيبة نعي أبي سفيان دعت في اليوم الثالث بصفرةٍ فمسحت بهٖ ذراعيها وعارضيها، وقالت: كنت عن هٰذا غنيةً، سمعت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: لا يحل لامرأة تؤمن باللّٰه واليوم الآخر أن تُحِدَّ فوق ثلاثٍ إلا علىٰ زوج؛ فإنها تُحدُّ عليه أربعة أشهرٍ وعشرًا. (صحيح مسلم / باب وجوب الإحداد في عدة الوفاة وتحريمه في غير ذٰلك إلا ثلاثة أيام ۱/۴۸۷ رقم: ۱۴۸۶)

عن أم سلمة رضي اللّٰه عنها زوج النبي صلى اللّٰه عليه وسلم عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: المتوفى عنها زوجها لا تلبس المعصفر من الثياب، ولا الممشقة ولا الحلي ولا تختضب ولا تكتحل. (سنن أبي داؤد، كتاب الطلاق / باب فيما تجتنبه المعتدة في عدتها ۱/۳۱۵ رقم: ۲۳۰۴، صحيح البخاري ۲/۸۰۴ رقم: ۵۱۳۳)

تحد مكلفة مسلمةٌ ولو أمة منكوحة بنكاحٍ صحيحٍ، ودخل بها بدليل قوله: إذا كانت معتدة بتٍ أو موتٍ ...... إظهارًا للتأسف علىٰ فوات النكاح. بترك الزينة بحليٍّ أو حريرٍ أو امتشاط بضيق الأسنان والطيب، والدهن، ولو بلا طيبٍ كزيتٍ خالصٍ، والكحل والحنَّاءِ ولبس المعصفر والمزعفر ومصبوغٍ بمغرَّةٍ أو ورسٍ إلا بعذرٍ، راجع للجميع، إذ الضرورات تبيح المحظورات ...... ويباح الحداد علىٰ قرابةٍ ثلاثةُ أيامٍ فقط. وللزوج منعها؛ لأن الزينة حقه، فتح

(الـدر المختار) عبارة الفتح: وينبغي أنها لو أرادت أن تحد على قرابة ثلاثة ولها زوج لـه أن يـمـنـعهـا؛ لأن الـزيـنة حـقه، حتى كان له أن يضربها على تركها إذا امتـنـعت وهو يريدها، وهذا الحداد مباح لها لا واجب، وبه يفوت حقه. (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الطلاق / فصل في الحداد ۲۱۷/۵-۲۲۰ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲۶ / ۱۴۴۱/۹/۲۸ھ)

انتقال کے ۲؍دن بعد اَعزاء کی دعوت کرنا

سوال (۱۲):- ۳؍دن قبل ہماری دادی کا انتقال ہوگیا، اور آج چچا کے یہاں سب بہن بھائیوں کی دعوت تھی، تو کیا وہ کھانا جائز ہوا یا نہیں؟ جب کہ چچا صاحب کہتے ہیں کہ اُس کھانے میں ہماری تیجے وغیرہ کی نیت نہ تھی؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- دعوت خوشی میں ہوتی ہے غم کے موقع پر دعوت نہیں ہوتی؛ لہٰذا ایسی دعوت میں نیت کوئی بھی ہو؛ مگر تیجے وغیرہ کی بدعت کا شبہ ضرور ہوتا ہے؛ لہٰذا اِس طرح کی دعوت کا اہتمام اور اُس میں شرکت صحیح نہیں ہے۔

ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور لا فـي الشرور، وهي بدعة مستقبحة. (رد الـمـحـتـار، كتاب الصلاة / باب صلاة الجنازة، مـطـلـب: فـي كـراهة الـضيـافة مـن أهل الميت ۱۳۸/۳ زكريا، فتح القدير، كتاب الصلاة / قبيل باب الشهيد ۱۵۱/۲ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۳۱ / ۱۴۴۱/۱۰/۲۱ھ)

انتقال پر چنا وغیرہ پڑھنا اور کھانے پر فاتحہ کرنا

سوال (۱۳):- کسی کے انتقال پر چنا وغیرہ پڑھنا کیسا ہے؟ اور کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دینا کیسا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- یہ سب بدعات ہیں، جو لوگوں نے

اپنے طور پر گڑھ لی ہیں، صدقہ میں نہ تو چنے کی خصوصیت ہے اور نہ خاص کھانوں کی، ایسی کوئی تخصیص شریعت میں ثابت نہیں ہے؛ لہٰذا اِیصالِ ثواب کرنا ہو تو بغیر کسی التزام کے کرنا چاہئے۔

(کتاب النوازل ۱/۶۳۴ مکتبہ جاوید دیوبند)

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس فيه فهو ردٌ. (صحيح البخاري، كتاب الصلح / باب إذا اصطلحوا علىٰ صلح جور فالصلح مردود ۳۷۱/۱ رقم: ۲۶۹۷، صحيح مسلم، كتاب الأقضية / باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور ۷۷/۲ رقم: ۱۷۱۸، سنن أبي داؤد، كتاب السنة / باب في لزوم السنة ۶۳۵/۲ رقم: ٤٦٠٦)

قراء ة الفاتحة والإخلاص والكافرون على الطعام بدعةٌ. (فتاوىٰ سمرقندي بحواله: فتاوىٰ رحيميه / ما يتعلق بالسنة والبدعة ۱۱٦/۲ دار الإشاعة كراچی)

ومنها أن دعاء الأحياء للأموات وصدقتهم عنهم نفع لهم في علو الحالات – إلىٰ أن قال – قال القونوي: والأصل في ذٰلك عند أهل السنة والجماعة أن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صومًا أوحجًا أو صدقةً أو غيرها. (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري ۲۲٤–۲۲۵ دار الكتب العلمية بيروت)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۴۲ / ۱۲/۲۵/۱۴۴۱ھ)

برتھ ڈے منانا اور دوستوں کا تحفے دینا

سوال (۱۴):- برتھ ڈے منانا کیسا ہے؟ اور اگر باقاعدہ برتھ ڈے نہ منائیں؛ لیکن دوست واحباب ورشتہ دار اُس دن تحفہ بھیجیں تو اُنہیں قبول کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- برتھ ڈے وغیرہ منانے کی رسم مسلمانوں میں عیسائیوں کی طرف سے آئی ہے؛ لہٰذا مسلمانوں کے لئے کوئی ایسا عمل جو غیروں

کا خاص شعار ہو، اُسے اپنانا درست نہیں ہے۔ بریں بنا برتھ ڈے کے نام پر تقریبات منعقد کرنا، اُس دن لوگوں سے تحفے وصول کرنا اور کیک وغیرہ کاٹنا کسی طرح مناسب نہیں ہے، ہر مسلمان کو ایسی رسومات سے بچنا چاہئے۔ اور اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ خوشی کا موقع ہے ہی نہیں؛ بلکہ یہ تو افسوس اور فکر کا موقع ہے؛ اِس لئے کہ ہماری زندگی کا جو بھی وقت گذر رہا ہے، تو ہم زندگی سے دور اور موت سے قریب ہوتے جارہے ہیں۔ ایک شعر مشہور ہے:

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی ❖ گردوں نے گھڑی ایک عمر کی اور گھٹا دی

یعنی گھڑی کی سوئی جو چل رہی ہے جتنی وہ آگے بڑھ رہی ہے اتنی ہی ہماری عمر گھٹ رہی ہے، اس پر ہم خوش ہو رہے ہیں کہ ۵۰؍سال جی لئے، ۵۵؍سال جی لئے، وغیرہ؛ لیکن یہ بھی تو سوچیں کہ رفتہ رفتہ ہماری موت کا وقت قریب آرہا ہے، تو اندازہ ہوگا کہ یہ یومِ پیدائش (برتھ ڈے) خوشی کا نہیں؛ بلکہ احتساب کا وقت ہے کہ ہم نے گذشتہ زندگی میں کیا کمایا اور کیا گنوایا؟

من شبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره أو الفساق أو الفجار أو أهل التصوف والصلحاء الأبرار منهم أي في الإثم والخير. (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس / الفصل الثاني، مسئلة التشبه ٢٥٥/٨ المكتبة الأشرفية ديوبند)

قال عليه السلام: ليس منا من تشبه بغيرنا ولا تشبهوا باليهود ولا بالنصارىٰ. (سنن الترمذي، أبواب الاستيذان والآداب / باب ما جاء في كراهية إشارة اليد في السلام ٩٩/٢)

قال الطيبي: هذا عام في الخلف والحلق والشعار، وإذا كان الشعار أظهر في التشبه. (شرح الطيبي ٢٣٢/٨ تحت رقم: ٤٣٧٤)

قال عليه السلام: أبغض الناس إلى الله ثلاثة: ملحد في الحرم، ومبتغ في الإسلام سنة الجاهلية الخ. (صحيح البخاري، كتاب الديات / باب من قتل دم امرئ ١٠١٦/٢)

قيل: المراد من يريد بقاء سيرة الجاهلية أو إشاعتها أو تنفيذها. (فتح الباري ٢٦٢/١٢ رقم: ٦٨٨٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۳۶/ ۱۴۴۱/۱۱/۲۰ھ)

اِمام کا تیجے اور چالیسویں میں شرکت کرنا؟

سوال (۱۵):- اِمام صاحب کو تیجے، دسویں، چالیسویں وغیرہ میں گھروں میں فاتحہ کے لئے بلایا جاتا ہے اور اگر نہ جائیں تو مقتدی ناراض ہوتے ہیں؟ کیا کیا جائے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- ایسے بدعت کے کاموں میں اِمام کو ہرگز شرکت نہیں کرنی چاہئے، اور اِس کی وجہ سے جو مقتدی حضرات ناراض ہوں، تو اُن کو شریعت کا حکم بتلاکر حکمت عملی سے سمجھانا چاہئے، اور اُنہیں مطمئن کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

عن جرير بن عبد الله رضي الله عنه قال: كنا نرى الاجتماع إلىٰ أهل الميت وصنعةَ الطعام من النياحة. (سنن ابن ماجة، كتاب الجنائز / باب ما جاء في النهي عن الاجتماع إلىٰ أهل الميت ١١٦ رقم: ١٦١٢)

ويكره اتخاذ الطعام من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور لا في الشرور، وهي بدعة مستقبحة. ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع. (شامي، كتاب الصلاة / باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت ١٤٨/٣ زكريا، ٢٤٠/٢ كراچى، فتح القدير ١٥١/٢)

لا فيه مصلحة في الدين؛ بل فيه طعن ومذمة وملامة على السلف.

(الجنة لأهل السنة ١٧١ بحواله: فتاوىٰ محموديه ٥٢٩/٥ ميرٹھ) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۳۶/ ۲۰/۱۱/۱۴۴۱ھ)

عدت پوری ہونے پر دعوت

سوال (۱۶):- عدت گذرنے کے بعد رشتہ داروں اور اہل محلّہ کی دعوت کرنا اور دھوم دھام سے کھلانا کیسا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- یہ طریقہ لائق ترک ہے۔ دعوت خوشی کے لئے ہوتی ہے اور عدت کوئی خوشی کی بات نہیں ہے، اِس لئے ایسی رسومات سے آدمی کو بچنا چاہئے۔ (مستفاد: فتاویٰ قاسمیہ ۲۷/۳)

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس فيه فهو ردٌ. (صحيح البخاري، كتاب الصلح / باب إذا اصطلحوا علىٰ صلح جور فالصلح مردود ۳۷۱/۱ رقم: ۲۶۹۷، صحيح مسلم، كتاب الأقضية / باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور ۷۷/۲ رقم: ۱۷۱۸، سنن أبي داؤد، كتاب السنة / باب في لزوم السنة ۶۳۵/۲ رقم: ۴۶۰۶)

قال النووي: فإنه صريح في رد كل البدع والمخترعات. (شرح النووي علىٰ صحيح مسلم، كتاب الأقضية / باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور ۷۷/۲)

ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور لا في الشرور، وهي بدعةٌ مستقبحةٌ. (شامي، كتاب الصلاة / باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت ۱۴۸/۳ زكريا، ۲۴۰/۲ كراچی) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۴۴ / ۱۰/۱/۱۴۴۲ھ)

باراتیوں سے رقم وصول کرکے اِمام، مؤذن مسجد، گواہ اور وکیل کے درمیان تقسیم کرنا

سوال (۱۷):- بعض جگہوں پر یہ بھی طریقہ ہے کہ گاؤں میں باہر سے آنے والے باراتیوں سے یا لڑکے والوں سے ۵۱۰۰/روپئے وصول کئے جاتے ہیں اور اُس رقم میں سے ۶۰۰/روپئے مسجد کے اِمام کو اور ۵۰۰/روپئے وکیل اور ۳۰۰/روپئے مؤذن کو اور دوسو پچیس پچیس روپئے دونوں گواہوں کو دئے جاتے ہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- یہ جو ترتیب ہے کہ باہر سے بارات آئے اور اتنے اتنے روپئے فلاں فلاں کو دئے جائیں تو اِس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے، باہر سے بارات آنا کوئی جرم نہیں ہے کہ آپ زبردستی اُن سے رقم وصول کریں، ہاں اگر اپنی خوشی سے کوئی دیدے تو الگ بات ہے، اِس بارے میں کسی پر قولاً یا عملاً جبر نہیں کیا جاسکتا۔

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في حديث طويل: ...... لا يحل مال إمرء إلا بطيب نفس منه. (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع / باب الغصب والعارية، الفصل الثاني ٢٥٥، مرقاة المفاتيح ١١٨/٦ المكتبة الأشرفية ديوبند، سنن الدار قطني / كتاب البيوع ٢٧/٣ رقم: ٢٨٨٥ مكتبة دار الإيمان سهارنفور، المسند للإمام أحمد بن حنبل ٧٢/٥ دار الفكر بيروت قديم، شعب الإيمان للبيهقي / باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة ٣٨٧/٤ رقم: ٥٤٩٢ دار الكتب العلمية بيروت)

لا يجوز لأحدٍ من المسلمين أخذ مال أحدٍ بغير سببٍ شرعيٍ. (شامي، كتاب الحدود / باب التعزير، مطلب في التعزير ١٠٦/٦ زكريا، ٦١/٤ كراچی، شرح المجلة لسليم رستم باز ٦٢ رقم المادة: ٩٧ كوئٹه، البحر الرائق / كتاب الحدود، فصل في التعزير ٦٨/٥ زكريا، ٤١/٥ كراچی، الفتاویٰ الهندية، كتاب الحدود / فصل في التعزير ١٦٧/٢ قديم زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۴۷ / ۱۴۴۲/۲/۲ھ)

کیا جہیز میں قرآنِ کریم دینا ضروری ہے؟

سوال (۱۸):- لڑکی کی شادی میں لڑکی کے گھر والے لڑکی کو قرآنِ کریم ضرور دیتے ہیں، تو کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- لڑکی کو شادی کے موقع پر قرآنِ کریم دینا لازم نہیں ہے؛ لہٰذا اسے ضروری نہ سمجھا جائے؛ البتہ اگر پڑھنے کے لئے دیا جائے تو اُس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور لڑکی کو چاہئے کہ وہ اُسے محض جزدان میں سجا کر نہ رکھے؛ بلکہ حسب موقع تلاوت کا اہتمام کرے۔

عن أبي مسعود الأنصاري – في حديث – فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من دل على خير فله مثل أجر فاعله. (صحيح مسلم، كتاب الإمارة / فضل إعانة الغازي في سبيل اللّٰه رقم: ١٨٩٣) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۳۱ / ۱۴۴۱/۱۰/۲۱ھ)

فرض نمازوں کے بعد ''الفاتحۃ'' کا التزام

سوال (۱۹):- جنوبی ہند کے بعض علاقوں میں نماز فجر اور نماز عصر کے بعد ''**ربنا تقبل منا الفاتحة**'' بولتے ہیں، اور پھر مخصوص طریقے پر کچھ سورتیں پڑھتے ہیں اور پھر یہ آیت پڑھتے ہیں: ﴿**اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَآئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ**﴾ اور درود شریف پڑھتے ہیں اور پھر دعا ہوتی ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اِس طریقے کا التزام درست نہیں ہے؛ کیوں کہ جہاں پر ایسا التزام ہونے لگا ہے، وہاں لوگ سمجھتے ہیں کہ ابھی نماز کا عمل ہی پورا نہیں ہوا، جب تک کہ فاتحہ مکمل نہ ہو جائے؛ حالاں کہ نماز کا عمل اِمام کے سلام پھیرتے ہی پورا ہو جاتا ہے، تو التزام مالا یلزم ہے، ایسی چیزوں سے بچنا چاہئے۔ (فتاویٰ قاسمیہ ۵۴/۸)

ويكره التعيين (الدر المختار) وفي رد المحتار: لأنّ الشرع إذا لم يعين عليه شيئًا تيسيرًا عليه كره له أن يعين، وعلله في الهداية بقوله: لما فيه من هجر الباقي وإيهام التفضيل. (رد المحتار / مطلب السنة تكون سنة عين ...... ۲۵٦/۲ زكريا)

ولا ينبغي أن يتكلف لالتزام ما لم يكن في الصدر الأول. (رد المحتار ۵۰۱/۲ زكريا)

إن الإصرار على أمر مندوب يبلغه إلى حد الكراهة. (السعاية شرح شرح الوقاية ۲۵٦/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۴۳ / ۱۴۴۲/۱/۳ھ)

تسبیح فاطمی کے بعد اُنگلیوں کو آنکھوں پر لگانا

سوال (۲۰):- عصر اور فجر کی نماز میں تسبیح فاطمی پڑھنے کے بعد اُنگلیوں کو آنکھوں پر لگانا کیسا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- تسبیحات کے بعد اُنگلیوں کو آنکھوں

پر لگانا کسی روایت میں نظر سے نہیں گذرا؛ لہٰذا اِسے ضروری یا سنت نہ سمجھا جائے۔

المستفاد: وأما تقبيل الإبهامين عند ذٰلك ووضعها على العينين فهو عمل لاستشفائهما عن الرمد منقولٌ عن بعض السلف: لا يزيد علىٰ هٰذا، فمن فعل هٰذا علىٰ وجه القربة والمثوبة فهو بدعةٌ، ينبغي تركها. (شرح الفقه الأكبر ص: ١٨٥ مكتبة مجتبائي دهلي)

قال الشمني: البدعة: ما أحدث علىٰ خلاف الحق الملتقى عن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم من علم أو عملٍ أو حالٍ بنوع شبهةٍ واستحسان، وجعل دينًا قويمًا وصراطًا مستقيمًا. (شامي، كتاب الصلاة / باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام ٢٩٩/٢ زكريا، حاشية الطحطاوي علىٰ مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / باب الإمامة ٢٤ مصر)

من أصر علىٰ أمر مندوبٍ وجعله عزمًا ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصرّ علىٰ بدعةٍ أو منكرٍ. (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة / باب الدعاء عند التشهد ٢٦/٣ تحت رقم: ٩٤٦ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۳۳ / ۱۴۴۱/۱۰/۲۸ھ)

''نوروز'' کے دن کی تحقیق اور اُس کا حکم

سوال (۲۱):- ''نوروز'' سے کیا مراد ہے؟ اور اُس دن کے روزے کی فضیلت کیا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- ''نوروز'' دراصل پارسیوں اور اِیرانیوں کا ایک قدیم تیوہار ہے، جو موسم بہار کے پہلے دن منایا جاتا ہے۔ اور انگریزی تاریخوں کے اعتبار سے عموماً ۲۱/ یا ۲۲/ مارچ کو ''نوروز'' کا دن پڑتا ہے۔ بہت سے روافض اِیران اور اُس سے ملحق ممالک میں اِس دن آج بھی خوشیاں مناتے ہیں؛ لیکن اِس تیوہار کا اِسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نبی اکرم علیہ السلام جب ہجرت فرماکر مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں سال میں جو دو تیوہار منائے جاتے تھے، اُن میں ایک تو یہی ''نوروز'' اور دوسرا ''مہرجان'' تھا، اِن کے

بدلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے ''عیدالفطر'' اور ''عیدالاضحیٰ'' کے دو دن عید کے طور پر مقرر فرمائے۔ خلاصہ یہ کہ ''نوروز'' ایک غیر اِسلامی تیوہار ہے، اور کسی مسلمان کے لئے اُس دن خوشی منانے کی اِجازت نہیں ہے۔

اور کوئی یہ نہ سمجھے کہ اِس ''نوروز'' سے عرفہ یعنی ۹/ذی الحجہ کا روزہ مراد ہے؛ کیوں کہ یوم عرفہ کا روزہ شریعت میں مستحب ہے، اور اِس کی فضیلت یہ ہے کہ وہ پچھلے اور اگلے سال کے لئے کفارہ بنتا ہے۔ اُس کا ''نوروز'' کے تیوہار سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه قدِم رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم المدینة ولهم یومان یلعبون فیهما، فقال: ما هذان الیومان؟ قالوا: کنا نلعب فیهما في الجاهلیة، فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: إن اللّٰه قد أبدَلکم بهما خیرًا منهما: یوم الأضحی ویوم الفطر. (سنن أبي داؤد ١١٣٤، المسند لإمام أحمد بن حنبل ١٢٠٠٦)

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من تشبه بقومٍ فهو منهم. (سنن أبي داؤد، کتاب اللباس / باب في لبس الشهرة ٥٥٩/٢ رقم: ٤٠٣١، المسند للإمام أحمد بن حنبل ١٢٣/٩ رقم: ٥١١٤)

والأعطاء باسم "النیروز والمهرجان" أي الهدایا باسم هذین الیومین حرام، وإن قصد تعظیمه کما یعظم المشرکون یکفر ...... الخ. (الدر المختار مع الشامي ٧٥٤/٦، تبیین الحقائق ٢٢٨/٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۴۵ / ۱۷/۱/۱۴۴۲ھ)

غسل خانہ میں آخری لوٹا ڈالتے وقت کلمہ پڑھنا

سوال (۲۲):- غسل خانے میں پانے کے آخری لوٹے کو ڈالتے ہوئے ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کہنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- آخری لوٹا بہاتے وقت کلمہ پڑھنا کہیں سے ثابت نہیں ہے؛ بلکہ غسل خانہ میں اللہ کا ذکر کرنا بےاَدبی کی بات ہے؛ البتہ جب غسل کر کے باہر نکلیں تو کلمہ شہادت اور وضو کے بعد والی دعا پڑھنی چاہئے، یعنی: "اللّٰهم اجعلني من التوابين واجعلني من المتطهرين"۔

عن عقبة بن عامر في حديث طويل عن عمر رضي اللّٰه عنه: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ما منكم من أحد يتوضأ فيبلغ أو فيسبغ الوضوء ثم يقول: أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه، وأن محمدًا عبده ورسوله، إلا فتحت له أبواب الجنة الثمانية، يدخل من أيها شاء. (صحيح مسلم، كتاب الطهارة / باب الذكر المستحب عقب الوضوء رقم: ٢٣٤)

عن عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من توضأ فأحسن الوضوء ثم قال: أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريك له، وأشهد أن محمدًا عبده ورسوله، اللّٰهم اجعلني من التوابين، واجعلني من المتطهرين، فُتحت له ثمانية أبوابٍ من الجنة، يدخل من أيها شاء. (سنن الترمذي، أبواب الطهارة / باب ما يقال بعد الوضوء رقم: ٥٥)

ويستحب أن لا يتكلم بكلام مطلقًا، أما كلام الناس فلكراهته حال الكشف، وأما الدعاء فلأنه في مصب المستعمل ومحل الأقذار والأوحال. (رد المحتار، كتاب الطهارة / مطلب: سنن الغسل ٢٩١/١ زكريا، ١٥٦/١ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۳۳ / ۲۸/۱۰/۱۴۴۱ھ)

❏❖❏

کتاب العلم

ضعیف حدیث کی تعریف

سوال (۲۳):- ضعیف حدیث کسے کہتے ہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- ضعیف حدیث اُس روایت کو کہا جاتا ہے کہ جس کے راویوں میں ایسے اَفراد ہوں، جن کی یادداشت کمزور ہو، یا کسی بدعملی کی وجہ سے اُن کی ذات غیرمعتبر قرار دی گئی ہو۔ تو جو روایت اِس طرح کے راویوں سے مروی ہوتی ہے، درجہ بدرجہ اُس پر ضعیف ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے۔ اِس بارے میں تفصیلات اُصولِ حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔

الضعيف لغة ضد القوي، واصطلاحًا هو ما لم يجمع صفة الحسن بفقد شرط من شروطه. (تيسير مصطلح الحديث ص: ٦٣ مكتبة الاتحاد ديوبند)

الضعيف: وهو ما لم يجتمع شروط الصحيح أو الحسن ولو بفقد شرط واحد مما يرجع إلى الطعن في الراوي، ولو بالمخالفة أو سقط في السند ويتفاوت ضعفه كتفاوت صحة الصحيح وحسن الحسن ...... فتعريف الحسن لذاته خبر الواحد ينقل عدل خفيف الضبط متصل السند غير معلل ولا شاذ ثم الضعيف ما ليس بصحيح ولا حسن. (شرح الشرح لملا علي القاري، بحوالة: نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر ص: ٣٣ ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۲۷ / ۱۴۴۱/۹/۲۹ھ)

حدیث: ’’علماءانبیاء کے وارث ہیں‘‘میں ’’علم‘‘ سے کون سا علم مراد ہے؟

سوال (۲۴):- حدیث شریف میں وارد ہے کہ: ’’**إن العلماء ورثة الأنبياء، إن الأنبياء لم يورثوا دينارًا ولا درهمًا، إنما ورثوا العلم**‘‘ (یعنی علماءاَنبیاء کے وارث ہیں، اور اَنبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنی وراثت میں درہم ودینار یعنی روپیہ پیسہ نہیں چھوڑا؛ بلکہ علم وراثت میں چھوڑا ہے) تو سوال یہ ہے کہ اِس علم سے کون سا علم مراد ہے؟ اور مدارسِ دینیہ میں جو کچھ پڑھایا جاتا ہے وہ اِس علم کا مصداق ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- حدیث کے سیاق وسباق سے یہ بات واضح ہے کہ حضرات علماء کرام جس علم کے وارث ہیں اُس کا تعلق اُن دینی علوم سے ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اَنبیاء علیہم السلام کو عطا فرمائے، اُس سے دنیوی علوم مراد نہیں ہے۔

چناں چہ خلیفہ رابع اَمیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جب پوچھا گیا کہ اِرشادِ نبوی: ’’**طلب العلم فريضة على كل مسلم**‘‘ (یعنی علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے) سے کون سا علم مراد ہے؟ تو سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ ’’اِس سے مراد روزہ، نماز، حلال وحرام اور حدود واحکامِ شریعت کا علم ہے‘‘۔

اِسی طرح محدث کبیر حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ نے اِس حدیث کی تشریح میں فرمایا کہ ’’اِس سے دنیوی علوم کا طلب کرنا مراد نہیں ہے؛ بلکہ اُن شرعی احکام کا جاننا مراد ہے کہ جن کے متعلق علماء دین کی طرف رجوع کیا جاتا ہے‘‘۔

خلاصہ یہ کہ سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُمت کو علم دین یعنی وحی الٰہی کی وراثت عطا فرمائی ہے۔ اَب جو حضرات اِس مشغلہ میں لگے ہوئے ہیں، وہی نبی اکرم علیہ السلام کی وراثت کے حامل ہیں۔

اور مدارس کا نصاب دو حصوں پر مشتمل ہے، ایک حصہ تو وہ ہے جس کو ’’علوم آلیہ‘‘ کہا جاتا

ہے، یعنی وہ علوم جن کو سیکھنا قرآن وسنت کو جاننے کے لئے ضروری ہے، مثلاً: عربی زبان، نحواور صرف وغیرہ؛ کیوں کہ جب تک آدمی اچھی طرح عربی زبان نہ سیکھ لے، تو قرآنِ کریم یا اَحادیث شریفہ کو بھی کماحقہ نہیں سمجھ سکتا۔ اِسی لئے ہمارے مدارس میں ابتدائی عربی درجات میں عربی زبان واَدب سے متعلق کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔

اور مدارس کے نصاب کا دوسرا حصہ جو اصل مقصود ہے وہ ''علومِ عالیہ'' پر مشتمل ہے، یعنی قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی وغیرہ۔ اِنہی علوم پر مدارس میں پوری توجہ دی جاتی ہے، اور یہی اُن کے قیام کا مقصد ہے، اور اِسی علم پر دنیا اور آخرت میں اجر وثواب کا وعدہ ہے۔ اُن کو باقی رکھنا اور اگلی نسلوں تک منتقل کرنا مجموعی طور پر پوری اُمت کی ذمہ داری ہے۔ حضرات علماء اِسی ذمہ داری کو انجام دے رہے ہیں۔

اِس کے علاوہ دنیا میں جن علوم پر علم کا اطلاق کیا جاتا ہے، مثلاً ڈاکٹری کا علم، انجینئری کا علم، ہوائی جہاز اُڑانے کا علم وغیرہ، یہ دراصل علم نہیں؛ بلکہ ذرائع معاش اور دنیا میں زندگی گذارنے کے طریقے ہیں، اُن کا بقدرِ ضرورت سیکھنا شریعت میں منع نہیں ہے؛ بلکہ آدمی کے لئے دنیا میں زندہ رہنے کے لئے جیسے کھانا پینا اور غذا ضروری ہے، اسی طرح اِن دنیوی علوم کو بھی بقدرِ ضرورت سیکھنا ضروری اور لازم ہے؛ لیکن اُن پر وراثت نبوت کا اِطلاق نہیں کیا جائے گا۔

اور بہرحال ہر معاشرہ اور ہر علاقے میں ایسے علماء راسخین کا وجود ضروری ہے جن سے دینی معاملات میں رہنمائی حاصل کی جاسکے۔ (مستفاد: امدادالاحکام ۱/۲۲۳، کتاب النوازل ۲/۲۳۰)

عن عبد اللّٰہ بن عمرو بن العاص رضي اللّٰہ عنہ أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: ''العلمُ ثلاثۃٌ، وما سوی ذٰلک فہو فضلٌ؛ آیۃ محکمۃٌ، أوسنۃٌ قائمۃٌ، أو فریضۃٌ عادلۃٌ. (سنن أبي داؤد، کتاب الفرائض / باب ما جاء في تعلیم الفرائض ۲/۳۹۹ رقم: ۲۸۸۵، سنن ابن ماجۃ، المقدمۃ / باب اجتناب الرأي والقیاس ٦ رقم: ٥٤)

قال – أبو الدرداء رضي اللّٰہ عنہ –: فإني سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: …… إن العلماء ورثۃ الأنبیاء، إن الأنبیاء لم یورثوا دینارًا ولا

درهمًا، إنما ورثوا العلم، فمن أخذ به أخذ بحظ وافرٍ. (سنن الترمذي، أبواب العلم / باب ما جاء في فضل الفقه على العبادة ٩٧/٢ رقم: ٢٦٨٢، سنن أبي داؤد، كتاب العلم / باب في فضل العلم ٥١٣/٢ رقم: ٣٦٤١، سنن ابن ماجة ٢٢٣، المسند للإمام أحمد رقم: ٢١٧١٥)

عن علي رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: طلب العلم فريضة على كل مسلم (مؤمن) **أن يعرف الصوم والصلاة والحرام والحدود والأحكام.** (آداب الفقيه والمتفقه ١٦٨/١)

عن حسن ابن الربيع قال: سألت ابن المبارک قلت: "طلب العلم فريضة على كل مسلم" أي تفسير؟ قال ليس هو الذي يطلبون، وإنما طلب العلم فريضة أن يقع الرجل في شيء من أمر دينه يسأل عنه وحتى يعلمه. (آداب الفقيه والمتفقه للخطيب بغداد ١٧١/١)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه ما عُبِدَ اللّٰه بشيء أفضل من فقه في دين ولفقيه أشد على الشيطان من ألف عابد الخ. (المعجم الأوسط ١٩٤/٦ رقم ٦١٦٦)

والمراد بالعلم؛ العلم الشرعي الذي يفيد معرفة ما يجب على المكلف من أمر دينهٖ في عباداتهٖ ومعاملاتهٖ والعلم باللّٰه وصفاتهٖ وما يجب له من القيام بأمرهٖ وتنزيههٖ عن النقائص، ومدار ذٰلک على التفسير والحديث والفقه. (فتح الباري، كتاب العلم / باب فضل العلم ج ٢ الجزء الثاني ص: ١٨٨ تحت رقم: ٥٨ دار الكتب العلمية بيروت)

فيفهم منه أن العلم لا يطلق إلاَّ علىٰ علم الشريعة. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، كتاب العلم / باب العلم قبل القول والعمل ٦٣/٢ دار الكتب العلمية بيروت)

وأما فرض الكفاية من العلم فهو كل علم لا يستغنى عنه فی قوام امور الدنيا كالطب. (رد المحتار ٤٢/١ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۴۵ / ۱۴۴۲/۱/۱۷ھ)

غلط مسئلہ پرعمل کرنے کا گناہ

سوال (۲۵):- زید نے ایک مولانا سے مسئلہ پوچھا تو اُنہوں نے اُس کا جواب دے دیا اور زید نے اُس پر عمل بھی کرلیا؛ لیکن کافی عرصے کے بعد پتہ چلا کہ مولانا نے جو مسئلہ بتایا تھا وہ مسئلہ غلط تھا، تو کون گنہگار ہوگا زید یا مولانا؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- اگر جان بوجھ کر مولانا نے غلط مسئلہ بتایا تو مولانا گنہگار رہوں گے؛ لیکن اگر صحیح سمجھتے ہوئے بھول سے یا کم علمی کی وجہ سے غلط مسئلہ بتایا تو مولانا پر لازم ہے کہ جب اُنہیں صحیح مسئلہ معلوم ہوجائے تو وہ زید کو مطلع کریں، بہرحال زید اِس صورت میں گنہگار نہیں ہے۔

عن أبي عثمان الطنبذي رضيع عبد الملك بن مروان قال: سمعت أبا هريرة رضي الله عنه يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أفتى بغير علم كان إثمه على من أفتاه. (رواه أبو الدرداء، كتاب العلم / باب التوقى في الفتيا رقم الحديث: ٣٦٥٧)

إذا حكم الحاكم فاجتهد فأصاب فله أجران، وإذا حكم فاجتهد فاخطأ فله أجر واحد. (صحيح البخاري رقم: ٧٣٥٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۴۶/ ۲۴/۱/۱۴۴۲ھ)

قرآنِ کریم میں بنی اسرائیل کا تذکرہ زیادہ کیوں ہے؟

سوال (۲۶):- قرآن کریم میں بکثرت بنی اسرائیل کا تذکرہ ہے، تو سوال یہ ہے کہ دیگر اَنبیاء واُمم کے مقابلے میں بنی اسرائیل کا تذکرہ زیادہ کیوں ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- قرآنِ کریم میں بنی اسرائیل کے بکثرت ذکر کی بظاہر دو وجوہات ہیں:

(۱) نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پہلے جو شریعت دنیا میں نافذ تھی، اُس کا

تعلق بنی اسرائیل سے تھا، جن کی ہدایت کے لئے توریت اور انجیل نازل کی گئی تھیں؛ لہٰذا مناسب یہی تھا کہ عبرت ونصیحت کے لئے پچھلی قوم کا تذکرہ زیادہ کیا جائے۔

(۲) اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اُمت محمدیہ بنی اسرائیل کے نقش قدم پر چلنے والی ہے، جیسا کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کی ایک حدیث میں وضاحت فرمائی ہے۔ تو چوں کہ بنی اسرائیل کے حالات سے اُمت محمدیہ سے بہت زیادہ مناسبت ہے، اِس لئے بطور تذکیر وتنبیہ قرآنِ پاک میں بکثرت بنی اسرائیل کا ذکر کیا گیا ہے۔

عن عبد اللّٰه بن عمرو رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: ليتأين على أمتي ما أتى على بني إسرائيل حذو النعل بالنعل، حتى إن كان منهم من أتى أمه علانية لكان في أمتي من يصنع ذلك، وإن بني إسرائيل تفرقت على ثنتين وسبعين ملة، وتفترق أمتي على ثلاثٍ وسبعين ملةً، كلهم في النار إلا ملةً واحدةً، قالو: من هي يا رسول اللّٰه؟ قال: "ما أنا عليه وأصحابي".

(سنن الترمذي، أبواب الإيمان / باب افتراق هذه الأمة رقم: ٢٦٤١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۹ / ۱۴۴۱/۹/۱۱ھ)

مستورات کا باپردہ تفسیری بیان میں شرکت کرنا

سوال (۲۷):- ہمارے یہاں سالوں سے ایک عالم صاحب مسجد میں قرآن پاک کی تفسیر بیان کرتے ہیں، تو سوال یہ ہے کہ مسجد کے علاوہ کسی جگہ پر مائک لگا کر باپردہ عورتیں تفسیر سن سکتی ہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اگر کوئی اور مفسدہ اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، تو عورتیں بھی اِس درسِ تفسیر سے استفادہ کرسکتی ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۳/۷۷ ڈابھیل)

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ﴾ [النور، جزء آيت: ٣١]

عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه قال: قالت النساء للنبي صلى اللّٰه

علیه وسلم: غلبنا علیک الرجال، فاجعل لنا یومًا من نفسک، فوعدهن یومًا لقیهن فیه، فوعظهن وأمرهن. (صحیح البخاري، کتاب العلم / باب هل یجعل للنساء یومًا علی حدة في العلم) قال النووي: فیه استحباب وعظ النساء وتذکیرهن الآخرة وأحکام الإسلام وحثهن علی الصدقة، وهذا إذا لم یترتب علی ذلک مفسدة أو خوف فتنة علی الواعظ أو الموعظ ونحو ذلک. (عمدة القاري شرح صحیح البخاري ٢/١٢٤ دار إحیاء التراث العربي بیروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۱۱ / ۱۴۴۱/۹/۱۳ھ)

سلام میں ’’ومغفرتہٗ‘‘ کا اِضافہ

سوال (۲۸):- السلام علیکم ورحمۃ اللہ کے بعد ’’ومغفرتہٗ‘‘ بھی کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصلیًا أما بعد:- اگرچہ ایک ضعیف روایت میں سلام میں ’’ومغفرتہٗ‘‘ کے اِضافے پر ۴۰؍ نیکیوں کی بات مروی ہے؛ لیکن اُمت کا عام معمول صرف ’’وبرکاتہٗ‘‘ تک سلام کو ختم کرنے کا ہے، دیگر اَحادیثِ شریفہ اور آثارِ صحابہؓ سے اِسی کی تائید ہوتی ہے۔ اِس لئے اگر کوئی اتفاقاً ’’ومغفرتہٗ‘‘ بڑھالے تو ناجائز تو نہیں ہے؛ لیکن بہتر یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ ’’وبرکاتہٗ‘‘ پر سلام کو ختم کرے۔ (اسلام کا نظام سلام ومصافحہ ص:۱۰۸ مؤلفہ: مولانا تبریز حلیمی قاسمی)

عن سهل بن معاذ بن أنس عن أبیه رضي اللّٰه عنه عن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم بمعناه، زاد: ثم أتی آخر فقال: السلام علیکم ورحمة اللّٰه وبرکاته ومغفرته، فقال: أربعون. قال: هٰکذا تکون الفضائل. (سنن أبي داؤد، کتاب الأدب / باب کیف السلام؟ ص: ٩٦٨ رقم: ٥١٩٦ دار الفکر بیروت)

عن عمران بن حصین رضي اللّٰه عنه قال: جاء رجل إلی النبي صلی اللّٰه علیه وسلم فقال: السلام علیکم، فرد علیه السلام ثم جلس، فقال النبي صلی اللّٰه علیه وسلم: عشر، ثم جاء آخر، فقال: السلام علیکم ورحمة اللّٰه، فرد

عليه، فجلس، فقال: عشرون، ثم جاء آخر، فقال: السلام عليكم ورحمة اللّٰه وبركاته، فرد عليه فجلس، فقال: ثلاثون. (سنن أبي داؤد، كتاب الأدب / باب كيف السلام؟ ص: ٩٦٨ رقم: ٥١٩٥ دار الفكر بيروت)

عن عائشة أم المؤمنين رضي اللّٰه عنها أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال لها: يا عائشة! هـٰذا جبرئيل يقرأ عليك السلام، فقلت: وعليه السلام ورحمة اللّٰه وبركاته، فذهبت تزيد، فقال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم إلى هـٰذا انتهى السلام، فقال: ﴿وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ﴾ (هود: ٧٣، المعجم الأوسط للطبراني ٢٣٩/١، مجمع الزوائد للهيثمي ٣٦/٨ رجاله رجال الصحيح)

عن محمد بن عمرو بن عطاء أنه قال: كنت جالسًا عند عبد اللّٰه بن عباس رضي اللّٰه عنهما، فدخل عليه رجل من أهل اليمن، فقال: السلام عليكم ورحمة اللّٰه وبركاته، ثم زاد شيئًا مع ذلك أيضًا، قال ابن عباس، وهو يومئذٍ قد ذهب بصره: من هـٰذا؟ قالوا: هذا اليماني الذي يغشاك. فعرفوه إياه. قال: فقال ابن عباس: إن السلام انتهى إلى البركة. (الموطأ لإمام مالك، كتاب السلام / باب العمل في السلام ص: ٦٠١ رقم: ٢ دار الكتب العلمية بيروت)

عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف عن أبيه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من قال: السلام عليكم كتب اللّٰه له عشر حسنات، فإن قال: السلام عليكم ورحمة اللّٰه كتب اللّٰه له عشرين حسنة، فإن قال: وبركاته كتب اللّٰه له ثلاثين حسنة. فقال رجل من القوم: لاستكثرت من الحسنات فجعل يقوم فيسلم. قال: ثم نسي، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ما أوشك ما نسي.

أخبرني ابن جريج أن عطاء بن أبي رباح حدثه أن ابن عباس أتاهم يومًا في مجلس فسلم عليهم، فقال: سلام عليكم ورحمة اللّٰه وبركاته ومغفرته.

فقال: من هذا؟ فقلت: عطاء، فقال: انته إلى وبركاته، قال: ثم تلا: ﴿وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهُ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ﴾

عن محمد بن عمرو بن عطاء قال: بينا أنا عند ابن عباس، وعنده ابنه فجاءه سائل فسلم عليه،فقال: السلام عليكم ورحمة اللّٰه وبركاته ومغفرته ورضوانه وعدد من ذا. فقال ابن عباس: ما هذا السلام وغضب حتى احمرت وجنتاه، فقال له علي: يا أبتاه! إنه سائل من السوال. فقال: إن اللّٰه حد السلام حدًا ونهى عما وراء ذلک ثم قرأ إلى: ﴿وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهُ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ﴾ ثم انتهى.

عن حبيب عمن سمع ابن عباس يقول: إن لكل شيء منتهي وإن منتهي السلام: وبركاته.

عن عبد اللّٰه بن بابيه أنه كان مع عبد اللّٰه بن عمر فسلم عليه رجل فقال: سلام عليک ورحمة اللّٰه وبركاته ومغفرته فانتهره ابن عمر، وقال: حسبک إذا انتهيت إلى: وبركاته إلى ما قال اللّٰه عزوجل. وقد. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في مقاربة وموادة أهل الدين / فصل في كيفية السلام وكيفية الرد ٤٥٦/٦ رقم: ٨٨٧٥-٨٨٧٧-٨٨٧٨-٨٨٧٩-٨٨٨٠ دار الكتب العلمية بيروت)

ولا ينبغي أن يزاد على البركات، فقال ابن عباس رضي اللّٰه عنهما: لكل شيء منتهى، ومنتهى السلام: البركات، كذا في المحيط. (الفتاویٰ الهندية ٣٢٥/٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲۲ / ۱۴۴۱/۹/۲۴ھ)

کیا ہفتہ کے دن مچھلی کھانا منع ہے؟

سوال (۲۹):- ہفتے کی دن مچھلی کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اِسلامی شریعت میں کسی بھی دن مچھلی کھانا منع نہیں ہے۔ بنی اسرائیل میں سنیچر کے دن مچھلی کا شکار اور کاروبار منع تھا، یہی سلسلہ آج بھی یہودیوں میں جاری ہے، اِسی لئے اُنھوں نے دنیا میں سنیچر کے دن چھٹی کا ماحول بنایا ہے کہ جمعہ یا اتوار کے ساتھ زبردستی ہفتہ کی بھی چھٹی منائی جاتی ہے، یہ یہودیوں سے مرعوبیت کا اثر ہے۔ اِسلام میں اِس طرح کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ (معارف النزول ۱/۱۴۲ مکتبہ البلاغ دیوبند)

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿وَاسْأَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ اِذْ يَعْدُوْنَ فِيْ السَّبْتِ اِذْ تَأْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ لَا تَأْتِيْهِمْ كَذٰلِكَ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ﴾ [الأعراف: ١٦٣]

هذا السياق هو بسط لقوله تعالىٰ: ﴿وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ﴾ الآية، يقول تعالىٰ لنبيه صلوات اللّٰه وسلامه عليه ﴿وَاسْأَلْهُمْ﴾ أي واسأل هؤلاء اليهود الذين بحضرتك عن قصة أصحابهم الذين خالفوا أمر اللّٰه ففاجأتهم نقمته على صنيعهم واعتدائهم واحتيالهم في المخالفة وحذر هؤلاء من كتمان صفتك التي يجدونها في كتبهم لئلا يحل بهم ما حل بإخوانهم وسلفهم، وهذه القرية هي أيلة وهي على شاطئ بحر القلزم.

قوله: ﴿اِذْ يَعْدُوْنَ فِيْ السَّبْتِ﴾ أي يعتدون فيه ويخالفون أمر اللّٰه فيه لهم بالوصاة به إذ ذاك ﴿اِذْ تَأْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا﴾ قال الضحاك عن ابن عباس أي ظاهرة على الماء، وقال العوفي عن ابن عباس: ظاهرة من كل مكان. قال ابن جرير وقوله: ﴿وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ لَا تَأْتِيْهِمْ كَذٰلِكَ نَبْلُوْهُمْ﴾ أي نختبرهم بإظهار السمك لهم على ظهر الماء في اليوم المحرم عليهم صيده وإخفائه عنهم في اليوم الحلال لهم صيده ﴿كَذٰلِكَ نَبْلُوْهُمْ﴾ نختبرهم ﴿بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ﴾ يقول بفسقهم عن طاعة اللّٰه وخروجهم عنها،

وهؤلاء قوم احتالوا على انتهاك محارم اللّٰه بما تعاطوا من الأسباب الظاهرة التي معناهأ في بالباطن تعاطي الحرام.

عن أبي سلمة عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا ترتكبوا ما ارتكبت اليهود فتستحلوا محارم اللّٰه بأدنى الحيل. وهٰذا الإسناد جيدٌ. (تفسير ابن كثير مكمل / تفسير سورة الأعراف ص: ٥٤٩ دار السلام رياض)

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ [البقرة: ٢٠٨]

وزعم عكرمة أنها نزلت في نفر ممن أسلم من اليهود وغيرهم كعبد اللّٰه بن سلام وأسد بن عبيد وثعلبة وطائفة استأذنوا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في أن يسبتوا وأن يقوموا بالتوراة ليلاً، فأمرهم اللّٰه بإقامة شعائر الإسلام والاشتغال بها عما عداها، وفي ذكر عبد اللّٰه بن سلام مع هؤلاء نظر، إذ يبعد أن يستأذن في إقامة السبت وهو مع تمام إيمانه يتحقق نسخه ورفعه وبطلانه والتعويض عنه بأعياد الإسلام. (تفسير ابن كثير مكمل / تفسير سورة البقرة ص: ١٦٧ دار السلام رياض) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲۲ / ۱۴۴۱/۹/۲۴ھ)

دینی مضامین والے اشتہارات کو اَلماری میں بچھانا

سوال(۳۰):- بعض اُردو اخبارات میں اِسلامی مضامین، اِسی طرح مدرسوں کے جلسوں کے اشتہارات وغیرہ ہوتے ہیں، جن میں اللہ کا نام اور اصلاحی باتیں بھی لکھی رہتی ہیں، تو اِس طرح کے اخبارات اور اشتہارات کو الماریوں میں بچھانا کیسا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- ایسے اخبارات کو جس میں دینی مضامین ہوں یا اشتہارات ہوں ان کو الماریوں میں نہیں بچھانا چاہیے یہ بے ادبی اور بے حرمتی

کی بات ہے، ان کومحفوظ رکھا جائے اورزیادہ جمع ہوجائیں توان کواچھی طرح کسی الماری وغیرہ میں رکھ دیا جائے ، اگر اِس کا بھی موقع نہیں ہے توکسی ڈرم وغیرہ میں اُن کوجلا کراُس کی راکھ دفن کردی جائے ، اِدھر اُدھر نہ ڈالا جائے ۔ (اِمدادالفتاویٰ جدید۸؍۴۷۰زکریا)

كتابة القرآن على ما يفترش ويبسط مكروهة، كذا في الغرائب. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف الخ ۳۲۳/۵ زكريا)

لأن تعظيم القرآن والفقه واجبة. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب الرابع ۳۱٦/۵ زكريا)

ولا يجوز لف شيء في كاغذ فيه فقه، وفي كتب الطب يجوز. (الدر المختار، كتاب الطهارة / قبيل باب المياه ۳۲۲/۱ زكريا، الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب الخامس الخ ۳۲۲/۵ قديم زكريا، ۳۷۳/۵ جديد زكريا، البحر الرائق، كتاب الطهارة / باب الحيض ۳۵۱/۱ زكريا، حاشية الطحطاوي مع مراقي الفلاح، كتاب الطهارة / باب الحيض والنفاس ص: ۱٤٤ دار الكتاب ديوبند)

وفي رواية بكير بن الأشجّ فأمر بجمع المصاحف فأحرقها، ثم بث في الأجناد التي كتبت، ومن طريق مصعب بن سعد قال: أدركت الناس متوافرين حين أحرق عثمان المصاحف، فأعجبهم ذلك أو قال: لم ينكر ذلك منهم أحد، وقال ابن بطال: في هذا الحديث جواز تحريق الكتب التي فيها اسم الله عزوجل بالنار، وإن ذلك إكرام لها وصون عن وطئها بالأقدام، وقيل: هذا كان في ذلك الوقت، وأما الآن فالغسل أولى إذا دعت الحاجة إلى إزالته، وقال أصحابنا الحنفية: أن المصحف إذا بلى بحيث لا ينتفع به يدفن في مكان طاهر بعيد عن وطء الناس. (عمدة القاري، كتاب فضائل القرآن / باب جمع القرآن ۱۸/۲۰ دار إحياء التراث العربي، ۵۳٦/۱۳ زكريا، مرقاة المفاتيح، كتاب فضائل القرآن / باب اختلاف القراءات وجمع القرآن ۱۰۸/۵ تحت رقم: ۲۲۲۱ دار الكتب العلمية بيروت، فتح الباري، كتاب فضائل

القرآن / باب جمع القرآن ۹/ ۲۱ دارالفكر بيروت)

إذا تخرق القرآن العزيز وبليت الأوراق يدفن في اللحد أو يحرق ويلقى رماده في البحر كما ثبت أن ذا النون أحرق الصحائف. (العرف الشذي على هامش الترمذي، أبواب الجنائز / باب ما جاء في قول النبي صلى الله عليه وسلم: اللحد لنا والشق لغيرنا ۱/ ۲۰۲ المكتبة الأشرفية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۲۲ / ۲۴/ ۹/ ۱۴۴۱ھ)

کیا باسی روٹی کھانا سنت ہے؟

سوال (۳۱):- کیا باسی روٹی کھانا سنت ہے اور کیا حضور اکرم علیہ السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے باسی روٹی کھانا ثابت ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کبھار باسی روٹی کھانے کی روایت اَحادیثِ شریفہ میں موجود ہے؛ لیکن اِس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ خاص طور پر باسی روٹی کھانے کا اہتمام فرماتے تھے، یعنی ایسا نہیں تھا کہ رات میں روٹی پکا کر رکھ دی جاتی ہو کہ اگلے وقت میں کھائی جائے گی؛ کیوں کہ آپ کے یہاں اکثر اتنی روٹی پکتی ہی نہیں تھی کہ اگلے وقت کے لئے بچا کر رکھی جاتی، اِس لئے یہ کہنا کہ باسی روٹی ہی کھانا سنت ہے یہ تعبیر صحیح نہیں ہے۔ اِس بارے میں اصل سنت یہ ہے کہ بروقت جیسا کھانا میسر ہو وہ آدمی نوش کرلے چاہے وہ تازہ ہو یا باسی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین کا بھی یہی معمول رہا ہے۔

عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يدعٰى إلى خبز الشعير والإهالة الفسخة فيجيب، ولقد كان له درع عند يهودي فما وجد ما يكفيها حتى مات. (شمائل الترمذي رقم الحديث: ۳۱۱)

عن أبي أمامة الباهلي رضي الله عنه يقول: ما كان يفضل عن أهل بيت

رسـول الـلّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم خبز الشعیر. (سنن الترمذي / باب ما جاء في صفة خبز رسول اللّٰه ۹/۲ المكتبة النعيمية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۴۳ / ۱۴۴۲/۱/۳ھ)

کیا ناخون کاٹنے کا طریقہ سنت سے ثابت ہے؟

سوال (۳۲):- ناخون کاٹنے کا مسنون طریقہ بیان کیا جاتا ہے، اور بعض کتابوں میں وہ لکھا ہوا بھی ہے، تو کیا یہ طریقہ سنت سے ثابت ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- ناخون کاٹنے کے طریقوں کے بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے؛ البتہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ دائیں ہاتھ کی شہادت کی اُنگلی سے شروع کرکے دائیں ہاتھ ہی کے انگوٹھے پر ختم کیا جائے؛ لیکن یہ سنت نہیں ہے، اِس کو سنت سمجھ کر انجام نہ دیا جائے؛ تاہم پیغمبر علیہ السلام نے ہر اچھے کام میں دائیں طرف کو ترجیح دی ہے، تو اِس مطلق روایت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات تو کہی جاسکتی ہے کہ بہتر اور مستحب یہ ہے کہ پہلے دائیں ہاتھ کے ناخونوں کو کاٹ لیا جائے، اور پھر بائیں ہاتھ کے ناخون کو کاٹا جائے۔ اِسی طرح پیر میں بھی پہلے دائیں پیر کے اور پھر بائیں پیر کے ناخون کاٹیں، تو تیامن والی روایت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے؛ البتہ وہ جو تفصیلات لکھی جاتی ہیں، وہ کسی سنت اور حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

قال الحصكفي: وفي شرح الغزاوية: روي أنه صلی اللّٰه علیه وسلم بدأ بمسبحته اليمنى إلى الخنصر، ثم بخنصر اليسرى إلى الإبهام، وختم بإبهام اليمنى. وذكر له الغزالي في الأحياء وجهًا وجيهًا ...... قلت: وفي المواهب اللدنية: قال الحافظ ابن حجر: إنه يستحب كيفما احتاج إليه، ولم يثبت في كيفيته شيء، ولا في تعيين يوم له عن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم. قال ابن عابدين: قوله: (قلت الخ) وكذا قال السيوطي، وقد أنكر الإمام ابن دقيق

العيد جميع هذه الأبيات، وقال: لا تعتبر هيئة مخصوصة، وهذا لا أصل له في الشريعة، ولا يجوز اعتقاد استحبابه؛ لأن الاستحباب حكم شرعي لا بد له من دليل. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة / فصل في البيع ٦/٤٠٦ دار الفكر بيروت)

قال النووي: ويستحب أن يبدأ باليد اليمنى ثم اليسرى ثم الرجل اليمنى ثم اليسرى. قال الغزالي في الإحياء: يبدأ بمسبحة اليمنى ثم الوسطى ثم البنصر ثم الخنصر ثم خنصر اليسرى إلى إبهام اليمنى، وذكر فيه حديثًا وكلامًا لا أوثر ذكره، والمقصود أن الذي ذكره الغزالي لا بأس به إلا في تاخير إبهام اليمنى، فلا يقبل قوله فيه؛ بل يقدم اليمنى بكمالها، ثم يشرع في اليسرى، وأما الحديث الذي ذكره، فباطل لا أصل له. (المجموع شرح المهذب ٢٨٣/١ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۴۹ / ۱۴۴۲/۲/۱٦ھ)

○❖○

تلاوت کے فضائل وآداب

کیا دل دل میں پڑھنے پر تلاوت کا ثواب ملے گا؟

سوال (۳۳):- اگر کوئی شخص قرآن شریف کی تلاوت کے وقت زبان سے نہ پڑھے صرف آنکھوں سے دیکھتا رہے اور دل دل میں پڑھتا رہے تو اسے تلاوتِ قرآن کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- محض دل دل میں پڑھنے سے قرأت کا ثواب نہیں ملے گا؛ بلکہ قرأت کے لئے زبان سے تلفظ لازم ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ۳۱۹)

أخرجه ابن أبي شيبة عن عبيدة وعن ليث عن ابن سابط قالا: أدنى ما يقرأ القرآن أن تسمع أذنيك. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة / باب في قراءة النهار كيف في الصلاة ٢٤٧/٣ رقم: ٣٦٥٨)

تصحيح الحروف أمرٌ لازمٌ لا بد منه، ولا تصير قراءة إلا بعد تصحيح الحروف ...... وحكي عن الشيخ جعفر والشيخ محمد بن الفضل: أنه لا يجزيه ما لم يسمع نفسه، وبه أخذ عامة المشائخ. وفي السراجية: وهو المختار. وفي الخلاصة: والصحيح أنه لو سمع هو جاز وإلا فلا. قال شمس الأئمة الحلواني رحمه الله: الأصح أنه لا يجزيه ما لم يسمع نفسه ويسمع من هو بقربه. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل الثاني في فرائض الصلاة وواجباتها وسننها وآدابها ٥٦/٢ رقم: ١٧٢٣ زكريا، شامي، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة، فصل في القراءة،

مطلب في الكلام على الجهر والمخافتة ۲۰۲/۲ زکریا، ۵۳٤/۱ کراچی، حلبي کبیر، فرائض الصلاة / الثالث: القراءة ۲۷۵ لاهور)

أكثر المشائخ علىٰ أن الصحيح أن الجهر حقيقته أن يسمع غيره، والمخافتة أن يسمع نفسه. وقال الهندواني: لا تجزئه ما لم تسمع أذناه ومن بقربه، فالسماع شرط فيما يتعلق بالنطق باللسان كالتحريمة والقراءة السرية والتشهد. (مراقي الفلاح على الطحطاوي / باب شروط الصلاة وأركانها ۸۲ فیصل دیوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۱۴ / ۱۴۴۱/۹/۱۶ھ)

جہاں قرآن پڑھا جاتا ہے وہاں شیاطین کا تسلط نہیں ہوتا

سوال (۳۴):- کیا اِس طرح کی کوئی حدیث ہے کہ جہاں قرآن پڑھا جاتا ہے اُس جگہ شیاطین کا تسلط نہیں ہوتا؟ اور جہاں قرآن نہیں پڑھا جاتا وہاں شیاطین کا تسلط اور قبضہ ہوجاتا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اَحادیثِ شریفہ میں یہ صراحت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: جس جگہ سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے وہاں سے شیطانی اَثرات ختم ہوجاتے ہیں۔ اور ایک روایت میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِرشاد فرمایا کہ جو آدمی سونے سے پہلے قرآنِ کریم کی کوئی سورت پڑھ کر سوئے تو جب تک وہ بیدار نہ ہو، اللہ تعالیٰ ہر طرح کی پریشانی سے اُس کی حفاظت فرماتے ہیں۔ اِس کے علاوہ پیغمبر علیہ السلام نے یہ بھی اِرشاد فرمایا کہ اپنے گھروں کو قبرستان کی طرح مت بناؤ، یعنی جیسے قبروں کے اندر جو مردے ہیں وہ کوئی نیکی نہیں کرپاتے، تو ایسا معاملہ ہمارے گھروں کا نہیں ہونا چاہئے؛ بلکہ یہاں پر بھی عبادات، ذکر واَذکار اور تلاوتِ قرآن کا سلسلہ جاری رہنا چاہئے۔

نیز ایک روایت میں ہے جو سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُنہیں صدقہ کے مال کا نگراں بنایا تھا؛ تاکہ کوئی اُسے چرا کر نہ لے

جائے، تو اُنہیں رات میں نگرانی کے دوران کچھ آہٹ محسوس ہوئی، تو جا کر دیکھا کہ ایک شخص کھجوریں بٹور رہا تھا؛ چناں چہ اُسے پکڑ لیا کہ تو کیسے آیا؟ اور کہاں سے آیا؟ وہ بہت خوشامد کرنے لگا کہ میں بہت فقیر ہوں، کھانے کو کچھ نہیں ہے، اِس لئے آ گیا تھا اور اَب نہیں آؤں گا، آپ کو رحم آ گیا اور اُسے چھوڑ دیا، صبح کو پیغمبر علیہ السلام سے ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ وہ پھر آئے گا؛ چناں چہ اگلی رات ایسے ہی ہوا، پھر پکڑا گیا، اور قسمیں کھانے لگا، بالآخر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پھر چھوڑ دیا۔ تیسرے دن بھی یہی ہوا، تو اَب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آج تو میں چھوڑوں گا نہیں، کئی دن تو نے چکمہ دے دیا، اَب تو میں تجھے پیغمبر علیہ السلام کے پاس ضرور لے کر جاؤں گا۔ اُس نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو، میں تمہیں ایک تدبیر بتاتا ہوں کہ اگر تم اُس پر عمل کرلو تو رات بھر تمہارے قریب شیطان نہیں آ سکتا، اور وہ تدبیر یہ ہے کہ ''آیت الکرسی'' پڑھ کر سو یا کرو، اور پھر چلا گیا۔ صبح کو پیغمبر علیہ السلام نے خود ہی پوچھا کہ تمہارے قیدی کا کیا ہوا؟ تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوری بات بتادی، پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ ہے تو بڑا جھوٹا؛ لیکن یہ بات سچی کہہ گیا کہ اگر ''آیت الکرسی'' پڑھی جائے گی تو اُس جگہ پر شیطانی اثرات نہیں رہیں گے؛ لہٰذا فی الجملہ یہ بات درست ہے کہ جس جگہ پر قرآنِ پاک پڑھا جائے، یا ذکر و اذکار کیا جائے، تو وہاں شیطانی اثرات سے حفاظت رہتی ہے، اور جہاں ہر وقت گانے باجے کی آوازیں آتی ہوں، خرافاتیں ہوتی ہوں، گناہ ہوتے ہوں، ذکر واَذکار کا نام ونشان نہ ہو، ظاہر ہے کہ وہ جگہ شیاطین کا مسکن نہیں بنے گی تو اور کیا بنے گی؟ اِس لئے ہر مسلمان کو اُس کا اہتمام کرنا چاہئے کہ اُس کا گھر قرآن کی آوازوں سے آباد رہے، اللہ تعالیٰ سب کو توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

عن سهل بن سعد رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن لكل شيء سنامًا، وإن سنام القرآن سورة ﴿البقرة﴾ من قرأها في بيته ليلاً لم يدخل الشيطان بيته ثلاث ليالٍ، ومن قرأها نهارًا لم يدخل الشيطان بيته ثلاثة أيام. (رواه ابن حبان في صحيحه رقم: ۷۷۷، الترغيب والترهيب مكمل، كتاب قراءة القرآن

/ الترغيب في قراء ة سورة البقرة وآل عمران ص: ٣٣٤ رقم: ٢٢٦٩ بيت الأفكار الدولية)

عن عبد الله رضي الله عنه قال: اقراء وا سورة ﴿البقرة﴾ في بيوتكم؛ فإن الشيطان لا يدخل بيتًا يقرأ فيه سورة ﴿البقرة﴾. (رواه الحاكم ٢٦٠/٢، الترغيب والترهيب مكمل، كتاب قراء ة القرآن / الترغيب في قراء ة سورة البقرة وآل عمران ص: ٣٣٤ رقم: ٢٢٧٠ بيت الأفكار الدولية)

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا تجعلوا بيوتكم مقابر إن الشيطان يفر من البيت الذي تقرأ فيه سورة ﴿البقرة﴾. (رواه مسلم رقم: ٧٨٠، الترغيب والترهيب مكمل، كتاب قراء ة القرآن / الترغيب في قراء ة سورة البقرة وآل عمران ص: ٣٣٣ رقم: ٢٢٦٤ بيت الأفكار الدولية)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: وكّلني رسول الله صلى الله عليه وسلم بحفظ زكاة رمضان، فأتاني آتٍ فجعل يحثو من الطعام، فأخذته وقلت: والله لأرفعنک إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم. قال: إني محتاج وعلي عيال ولي حاجة شديدةٌ. قال: فخليت عنه، فأصبحت فقال النبي صلى الله عليه وسلم: يا أبا هريرة! ما فعل أسيرک البارحة؟ قال: قلت يا رسول الله! شكا حاجة شديدة وعيالاً فرحمته فخليت سبيله، قال: أما أنه قد كذبک وسيعود. فعرفت أنه سيعود لقول رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه سيعود، فرصدته فجاء يحثو من الطعام، فأخذته فقلت: لأرفعنک إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم. قال: دعني فإني محتاج وعلي عيال لا أعود. فرحمته فخليت سبيله. فأصبحت، فقال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا أبا هريرة! ما فعل أسيرک؟ قلت: يا رسول الله! شكا حاجة شديدة وعيالاً فرحمته فخليت سبيله. قال: أما أنه قد كذبک وسيعود. فرصدته الثالثة فجاء يحثو من الطعام، فأخذته فقلت: لأرفعنک إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم وهذا آخر

ثلاث مراتٍ إنک تزعم لا تعود ثم تعود. قال: دعني أعلمک کلمات ینفعک اللّٰہ بها. قلت: ما هن؟ قال: إذا أویت إلی فراشک فاقرأ آیة الکرسي ﴿اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَیُّوْمُ﴾ حتی تختم الآیة، فإنک لن یزال علیک من اللّٰہ حافظ ولا یقربنک شیطان حتی تصبح. فخلیت سبیله، فأصبحت فقال لي رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: ما فعل أسیرک البارحة؟ قلت: یا رسول اللّٰہ! زعم أنه یعلمني کلمات ینفعني اللّٰہ بها فخلیت سبیله. قلا: ما هي؟ قلت: قال لي: إذا أویت إلی فراشک فاقرأ آیة الکرسي من أولها حتی تختم ﴿اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَیُّوْمُ﴾ وقال لي: لن یزال علیک من اللّٰہ حافظٌ ولا یقربک شیطانٌ حتی تصبح، وکانوا أحرص شيء علی الخیر. فقال النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم: أما أنه قد صدقک وهو کذوب تعلم من تخاطب منذ ثلاث لیالٍ یا أبا هریرة؟ قال: لا، قال: ذاک شیطان. (صحیح البخاري، کتاب الوکالة / باب إذا وکل رجل رجلاً فترك الوکیل شیئًا الخ ص: ٥٤٩ رقم: ٢٣١١ دار الفکر بیروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۵۰ / ۱۴۴۲/۲/۲۳ھ)

تلاوتِ قرآن کریم کے بارے میں حضراتِ صحابہؓ کا معمول

سوال (۳۵):- صحابہ کرامؓ کا قرآنِ کریم کی تلاوت کے بارے میں کیا معمول تھا؟ مثلاً آج کل منزلیں بنی ہوئی ہیں، اِسی طرح رکوع بنے ہوئے ہیں، پارے بنے ہوئے ہیں، تو کتنی منزلیں اور کتنے پاروں کی قرأت کرتے تھے؟ اِس بارے میں کوئی صراحت ہو تو بتائی جائے؟

الجواب حامدًا ومصلیًا أما بعد:- قرآنِ کریم کی آیتیں اور سورتیں تو دورِ نبوت میں متعین تھیں؛ لیکن رکوعات، پاروں اور منزلوں کی ترتیب بعد میں کی گئی ہے، اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم عام طور پر سورتوں یا آیتوں کی تعداد کے اعتبار سے تلاوت کا اہتمام فرماتے تھے۔ (مقدمہ کتاب النوازل ۱/۸۸)

قال الداني: وهذه الأخبار كلها تؤذن بأن التعشير والتخميس وفواتح السور ورؤوس الآي من عمل الصحابة رضي اللّٰه عنهم قادهم إلى عمله الاجتهاد ...... وأما عدد حروفه وأجزائه فروي سلام أبو محمد الحماني أن الحجاج بن يوسف جمع القراء والحفاظ والكتاب، فقال: أخبروني بأثلاثه؛ فإذا الثلث الأول رأس مائة من براءة، والثلث الثاني رأس مائة أو إحدى مائة من طسم الشعراء، والثلث الثالث ما بقي من القرآن، قال: فأخبروني بأسباعه على الحروف، فإذا أول سبع في النساء: ﴿فَمِنۡهُم مَّنۡ آمَنَ بِهِۦ وَمِنۡهُم مَّن صَدَّ﴾ في الدال، والسبع الثاني في الأعراف: ﴿أُولَٰٓئِكَ حَبِطَتۡ﴾ في التاء، والسبع الثالث في الرعد: ﴿أُكُلُهَا دَآئِمٌ﴾ في الألف من آخر كلها، والسبع الرابع في الحج: ﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلۡنَا مَنسَكًا﴾ في الألف، والسبع الخامس في الأحزاب: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤۡمِنٖ وَلَا مُؤۡمِنَةٍ﴾ في الهاء، والسبع السادس في الفتح: ﴿الظَّآنِّينَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوۡءِ﴾ في الواو، والسبع السابع ما بقي من القرآن.

قال سلام أبو محمد: عملناه في أربعة أشهر، وكان الحجاج يقرأ في كل ليلة ربعًا، فأول ربعه خاتمة الأنعام. والربع الثاني في الكهف: ﴿وَلۡيَتَلَطَّفۡ﴾ والربع الثالث خاتمة الزمر، والربع الرابع ما بقي من القرآن. وفي هذه الجملة خلاف مذكور في كتاب البيان لأبي عمرو الداني، من أراد الوقوف عليه وجده هناك. (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي / ما جاء في تحزيب القرآن وشكله ٦٤ المكتبة التجارية) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۴۷ / ۱۴۴۲/۲/۲ھ)

قرآن کی منزل کس دن سے شروع کریں؟

سوال (۳۶):- قرآنِ کریم کی ۷/منزلیں ہیں، اگر ہم منزل کے اعتبار سے قرآن

پڑھیں تو روزانہ ایک منزل کے اعتبار سے ۷؍دن میں ایک قرآن ہوجائے گا، تو جمعہ کو شروع کرکے جمعرات کو مکمل کرنا ضروری ہے؟ یا آگے پیچھے کرسکتے ہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- ۷؍دن میں قرآنِ کریم ختم کرنے کا ذکر بعض روایات سے ملتا ہے؛ لیکن اُس کی ابتداء یا اختتام کے لئے شرعاً کوئی دن مقرر نہیں ہے؛ لہٰذا حسبِ سہولت جس دن چاہے؛ منزل کی ابتداء کرسکتے ہیں، اِس میں جمعہ یا جمعرات کی کوئی تحدید نہیں ہے۔

عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اقرإ القرآن في شهر، قلت: إني أجد قوة، حتى قال: فاقرأه في سبع ولا تزد على ذلك. (صحيح البخاري، كتاب فضائل القرآن / باب في كم يقرأ القرآن رقم: ٥٠٥٤)

عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنه قال: قلت يا رسول الله! في كم أختم القرآن قال: اختمه في شهر، قلت: يا رسول الله! إني أطيق قال أتمه في خمسة وعشرين، قلت: إني أطيق، قال: اختمه في عشرين، قلت: إني أطيق، قال: اختمه في خمس عشرة، قلت: إني أطيق، قال: اختمه في عشر، قلت: إني أطيق، قال: اختمه في خمس، قلت: إني أطيق، قال: لا. (سنن الدارمي، كتاب فضائل القرآن / باب في ختم القرآن رقم: ٣٥٢٩)

قال النووي: والاختيار أن ذلك يختلف بالأشخاص، فمن كان من أهل الفهم وتدقيق الفكر استحب له أن يقتصر على القدر الذي لا يختل به المقصود من التدبر واستخراج المعاني، وكذا من كان له شغل بالعلم أو غيره من مهمات الدين ومصالح المسلمين العامة يستحب له أن يقتصر منه على القدر الذي لا يخل بما هو فيه، ومن لم يكن كذلك فالأولى له الاستكثار ما أمكنه من غير خروج إلى الملل ولا يقرؤوه هذرمة، والله أعلم. (فتح الباري شرح صحيح البخاري / كتاب فضائل القرآن جزء ٩، ج: ١١٩/١١ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۲۴ / ۱۴۴۱/۹/۲۶ھ)

''سورۂ توبہ'' میں ''بسم اللہ'' پڑھنے کا حکم

سوال (۳۷):- سورۂ توبہ کی تلاوت کرتے وقت بسم اللہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصلیًا أما بعد:- اگر کوئی شخص ''سورۂ انفال'' کی تلاوت مکمل کرکے ''سورۂ توبہ'' شروع کرنا چاہتا ہو، تو درمیان میں ''بسم اللہ'' نہیں پڑھے گا، اِسی لئے ''سورۂ توبہ'' کے آغاز میں قرآنِ پاک میں ''بسم اللہ'' نہیں لکھی جاتی۔ اور اِس کی وجہ یہ ہے کہ جن آیات کو اِس وقت سورۂ توبہ یا سورۂ برأت کہا جاتا ہے، اُن کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ صراحت نہیں مل پائی کہ یہ مستقل سورت ہے یا کسی دوسری سورت کا جزو ہے؟ اِس لئے جامع القرآن سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جب سورتوں کے اعتبار سے قرآنِ پاک کو مرتب فرمایا، تو مضامین کی مناسبت کو دیکھتے ہوئے اِن دونوں سورتوں (سورۂ انفال اور سورۂ توبہ) کو یکجا کردیا؛ کیوں کہ سورۂ انفال کی آیات ہجرت کے ابتدائی زمانے کی نازل شدہ ہیں؛ جب کہ سورۂ توبہ کی آیات ہجرت کے آخری دور کے واقعات پر مشتمل ہیں؛ لیکن چوں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اِن دونوں کے درمیان الگ سے فصل کی کوئی تصریح نہیں مل سکی، اِس لئے احتیاطاً بیچ میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی۔ اَب جب پیچھے سے تلاوت کی جاتی رہے گی تو سورۂ توبہ کی ابتداء میں بسم اللہ نہیں پڑھی جائے گی۔

البتہ اگر کوئی شخص سورۂ توبہ ہی سے تلاوت کا آغاز کررہا ہو، تو قرآنِ کریم کی تلاوت کے مطلق آداب میں یہ بات شامل ہے کہ جب بھی اور جہاں سے بھی قرأت کا آغاز کیا جائے تو ''اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھ لیا جائے؛ لہٰذا اِس اَدب کے اعتبار سے جب سورۂ توبہ سے تلاوت شروع کی جائے گی تو اُس وقت بسم اللہ پڑھنے میں کوئی حرج نہ ہوگا۔ اِسی طرح سورۂ توبہ کا بیچ میں سے کوئی رکوع پڑھے تو بھی اعوذ باللہ اور بسم اللہ کے بعد اُسے شروع کرنا چاہئے۔

بہت سے عوام یہ سمجھتے ہیں کہ کسی بھی حالت میں سورۂ توبہ میں بسم اللہ پڑھنی ہی نہیں ہے، تو یہ بات علی الاطلاق صحیح نہیں ہے؛ بلکہ اِس میں وہ تفصیل ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔

قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾ [النحل: ٩٨]

هٰذه السورة الكريمة من أواخر ما نزل علىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم كما قال البخاري: حدثنا أبو الوليد، حدثنا شعبة عن أبي إسحق قال: سمعت البراء يقول آخر آية نزلت: ﴿يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ﴾ وآخر سورة نزلت براء ة، وإنما لا يسمل في أولها؛ لأن الصحابة لم [يكتبوا] البسملة في أولها في المصحف الإمام، بل اقتدوا في ذٰلک بأمير المؤمنين عثمان بن عفان رضي الله عنه وأرضاه، كما قال الترمذي: حدثنا محمد بن بشار حدثنا يحيىٰ بن سعيد ومحمد بن [جعفر] وابن أبي عدي وسهل بن يوسف قالوا: حدثنا عوف بن أبي جميلة، أخبرني يزيد الفارسي، أخبرني ابن عباس قال: قلت لعثمان بن عفان: ما حملكم أن عمدتم إلى الأنفال وهي من المثاني وإلىٰ براء ة وهي من المئين وقرنتم بينهما ولم تكتبوا بينهما سطر بسم الله الرحمٰن الرحيم ووضعتموها في السبع الطول ما حملكم على ذلک؟ فقال عثمان: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم مما يأتي عليه الزمان وهو ينزل عليه السور ذوات العدد، فكان إذا نزل عليه الشيء دعا بعض من كان يكتب فيقول: ضعوا هٰذه الآيات في السورة التي يذكر فيها كذا وكذا، [فإذا نزلت عليه الآية قال: ضعوا هذه في السورة التي ذكر فيها كذا وكذا] وكانت الأنفال من أول ما نزل بالمدينة وكانت براء ة من آخر القرآن، وكانت قصتها شبيهة بقصتها وحسبت أنها منها، وقبض رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يبين لنا أنها منها فمن أجل ذلک قرنت بينهما ولم أكتب بينهما سطر بسم الله الرحمن الرحيم، فوضعتها في السبع الطول، وكذا رواه أحمد وأبوداؤد

والنسائي وابن حبان في صحيحه، والحاكم في مستدركه من طرق أخر عن عوف الأعرابي به. وقال الحاكم: صحيح الإسناد ولم يخرجاه. (تفسير ابن كثير مكمل / التوبة ص: ٥٩٥ دار السلام رياض، ١٠١/٤ دار طيبة للنشر والتوزيع)

إذا أراد أن يقول: بسم اللّٰه الرحمن الرحيم، فإن أراد افتتاح أمر لا يتعوذ، وإن أراد قراءة القرآن يتعوذ، كذا في السراجية.

وعن محمد بن مقاتل – رحمه اللّٰه تعالىٰ – فيمن أراد قراءة سورة أو قراءة آية فعليه أن يستعيذ باللّٰه من الشيطان الرجيم، ويتبع ذلک بسم اللّٰه الرحمن الرحيم، فإن استعاذ بسورة الأنفال وسمى ومر في قراءته إلى سورة التوبة وقرأها كفاه ما تقدم من الاستعاذة والتسمية، ولا ينبغي له أن يخالف الذين اتفقوا وكتبوا المصاحف التي في أيدي الناس، وإن اقتصر على ختم سورة الأنفال فقطع القراءة، ثم أراد أن يبتدئ سورة التوبة كان كإرادته ابتداء قراءته من الأنفال فيستعيذ ويسمي، وكذلک سائر السور، كذا في المحيط. (الفتاویٰ الهندية ٣١٦/٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۳۴ / ۱۴۴۱/۱۱/۶ھ)

مصحف ہوتے ہوئے موبائل میں قرآن پڑھنا

سوال (۳۸):- قرآنِ کریم سامنے ہونے کے باوجود موبائل میں قرآن دیکھ کر پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- بہتر یہی ہے کہ پورے اَدب کے ساتھ مصحف میں دیکھ کر قرآنِ کریم کی تلاوت کی جائے؛ تاہم کسی مصلحت سے موبائل میں دیکھ کر تلاوت کرنے کی بھی ممانعت نہیں ہے۔

عن عبد اللّٰه بن أوس الثقفي عن جده رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول

اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: قراءۃ القرآن في غیر المصحف ألف درجۃ، وقراءتہ في المصحف تضعف علی ذٰلک ألفي درجۃ. (شعب الإیمان للبیہقي / باب في تعظیم القرآن ۴۰۷/۲ رقم: ۲۲۱۸ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

عن عبد اللّٰہ رضي اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: من سرہ أن یعلم أن یحب اللّٰہ ورسولہ فلیقرأ في المصحف. (شعب الإیمان للبیہقي / باب في تعظیم القرآن ۴۰۸/۲ رقم: ۲۲۱۹ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

عن ابن مسعود رضي اللّٰہ عنہ قال: أدیموا النظر في المصحف. (شعب الإیمان للبیہقي / باب في تعظیم القرآن ۴۰۸/۲ رقم: ۲۲۲۰ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

عن أبي سعید الخدري رضي اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: اعطوا أعینکم حظہا من العبادۃ. قیل: یا رسول اللّٰہ! وما حظہا من العبادۃ، قال: النظر في المصحف والتفکر فیہ والاعتبار عند عجائبہ. (شعب الإیمان للبیہقي / باب في تعظیم القرآن ۴۰۸/۲ رقم: ۲۲۲۲ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

قال أمیر المؤمنین عثمان بن عفان رضي اللّٰہ عنہ: لو أن قلوبنا طہرت ما شبعنا من کلام ربنا، وإني لأکرہ أن یأتي علي یوم لا أنظر في المصحف، وما مات عثمان حتی خرق مصحفہ من کثرۃ ما کان یدیم النظر فیہا. (شعب الإیمان للبیہقي / باب في تعظیم القرآن ۴۰۹/۲ رقم: ۲۲۲۳ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

عن ابن أبي ملیکۃ قال: کان عکرمۃ بن أبي جہل یأخذ المصحف ویضعہ علی وجہہ ویبکي، ویقول: کتاب ربي کتاب ربي. (شعب الإیمان للبیہقي / باب في تعظیم القرآن ۴۱۰/۲ رقم: ۲۲۲۹ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

قراءۃ القرآن من الأسباع جائزۃ، والقراءۃ من المصحف أحب؛ لأن الأسباع محدثۃ، کذا في المحیط ...... قراءۃ القرآن في المصحف أولیٰ من

القراء ة من ظهر القلب. (الفتاویٰ الهندية / الباب الرابع في الصلاة والتسبيح وقراء ة القرآن ۵/۳۱۶-۳۱۷ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۳۱ / ۱۴۴۱/۱۰/۲۱ھ)

ہاتھ سے قرآنِ کریم گر جانے پر کیا کریں؟

سوال (۳۹):- اگر کسی عورت یا بچہ کے ہاتھ سے قرآنِ پاک گر جائے تو کیا کرنا چاہئے؟ کیا قرآن کے برابر آٹا یا گیہوں صدقہ کرنا ضروری ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- قرآنِ کریم کی بے حرمتی پر توبہ و استغفار کرنا چاہئے، اور اِس سلسلے میں عوام میں جو مشہور ہے کہ تلافی کے طور پر قرآنِ کریم کے وزن کے برابر آٹا یا گیہوں صدقہ کیا جائے، تو اِس کی کوئی اصل نہیں ہے؛ لہٰذا اِسے لازم اور ضروری نہ سمجھا جائے؛ البتہ التزام اور تعیین کے بغیر کوئی چیز صدقہ کی جائے تو اِس میں حرج نہیں۔ (اِمدادالفتاویٰ ۴/۶۰ مکتبہ دارالعلوم کراچی، فتاویٰ محمودیہ ۳/۵۴۲ ڈابھیل، اِمدادالفتاویٰ جدید ۸/۴۸۶ زکریا)

لأن تعظيم القرآن والفقه واجبٌ. (الفتاویٰ الهندية، کتاب الکراهية / الباب الرابع ۵/۳۶۵ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۱۶ / ۱۴۴۱/۹/۱۸ھ)

قرآن پڑھتے ہوئے وضو ٹوٹ جائے؟

سوال (۴۰):- کیا قرآن پاک پڑھنے سے پہلے وضو کرنا ضروری ہے؟ اگر درمیان میں وضو ٹوٹ جائے تو پھر سے وضو کیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اگر قرآنِ کریم زبانی پڑھ رہے ہیں تو اُس کے لئے باوضو ہونا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ وضو کے بغیر بھی حفظ قرآن پڑھ سکتے ہیں؛ لیکن اگر دیکھ کر قرآن پڑھ رہے ہیں، اور قرآن ہاتھ میں لینے کی ضرورت ہے، تو قرآنِ کریم کو ہاتھ لگانے کے لئے وضو کرنا ضروری ہے، اگر تلاوت کے درمیان وضو ٹوٹ جائے تو دوبارہ وضو کرنا ہوگا۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿لَا یَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ [الواقعة: ٧٩]

قال قتادة وغيره: ﴿لَا یَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ من الأحداث والأنجاس ......، واختلف العلماء في مس المصحف على غير وضوء، فالجمهور على المنع من مسه لحديث عمرو بن حزم، وهو مذهب علي وابن مسعود وسعد بن وقاص وسعيد بن زيد وعطاء والزهري والنخعي والحكم وحماد، وجماعة من الفقهاء منهم مالک والشافعي. واختلف الرواية عن أبي حنيفة فروي عنه أنه يمسه المحدث. وروي عنه أنه يمسه ظاهره وحواشيه وما لا مكتوب فيه، وأما الكتاب فلا يمسه إلا طاهر. (تفسير القرطبي [الواقعة ٧٩] ١٠٨/٦ زكريا، ٢٢٦/١٧ دار إحياء التراث العربي بيروت، بدائع الصنائع، كتاب الطهارة / مس القرآن ١٤٠/١ زكريا، بداية المجتهد ٣٠/١ بيروت)

قال تعالىٰ: ﴿لَا یَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ أي من الجنابة والحدث، والمراد بالقرآن ههنا المصحف. واحتجوا في ذلک بما رواه الإمام مالک في موطئه عن عبد اللّٰه بن أبي بكر بن محمد بن عمرو بن حزم أن في الكتاب الذي كتبه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لعمرو بن حزم أن لا يمس القرآن إلا طاهر. (تفسير ابن كثير مكمل ص: ١٣٠٤ دار السلام رياض)

عن عبد الرحمٰن بن يزيد قال: كنا مع سلمان يعني الفارسي رضي اللّٰه عنه فانطلق إلى حاجة فتوارىٰ عنا وخرج إلينا، فقلنا: لو توضأت فسألناک عن أشياء من القراٰن، فقال: سلوني فإني لست أمسه إنما يمسه المطهرون ثم تلا: ﴿لَا یَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ (روح المعاني / سورة الواقعة ٢٣٦/٢٧ زكريا)

عن عبد اللّٰه بن سلمة قال: دخلت على علي رضي اللّٰه عنه أنا ورجلان؛ رجل منا ورجل من بني أسد أحسب، فبعثهما علي رضي اللّٰه عنه

وجهًا، وقال: إنكما علجان، فعالجا عن دينكما. ثم قام فدخل المخرج، ثم خرج فدعا بماء، فأخذ منه خفنةً فتمسّح بها، ثم جعل يقرأ القرآن، فأنكروا ذلك، فقال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يخرج من الخلاء فيقرئنا القرآن، ويأكل معنا اللحم، ولم يكن يحجبه – أو قال: يحجزه – عن القرآن شيء ليس الجنابة. (سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة / باب في الجنب يقرأ القرآن رقم: ٢٢٩)

والحديث يدل على جواز القراءة للمحدث بالحدث الأصغر، وهو مجمع عليه لم نر فيه خلافًا ...... وأما قراءة المحدث في المصحف ومسه فلا يجوز إلا بطهارة الخ. (عون المعبود، كتاب الطهارة / باب في الجنب يقرأ القرآن ص: ١٣٣-١٣٤ بيت الأفكار الدولية)

لا يجوز لمحدث مس مصحف إلا بغلافه المنفصل لا المتصل في الصحيح. (مجمع الأنهر / كتاب الطهارة ٤٢/١ مكتبة فقيه الأمة ديوبند، رد المحتار، كتاب الطهارة / باب الحيض ٤٨٨/١ زكريا، ٢٩٢/١ كراچی، النهر الفائق، كتاب الطهارة / باب الحيض ١٣٤/١ زكريا)

لا يجوز لهما ولجنب والمحدث مس المصحف إلا بغلاف متجاف عنه كالخريطة والجلد الغير المشرز لا بما هو متصل به هو الصحيح. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الطهارة / الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس والاستحاضة ٣٩/١ زكريا، الهداية / كتاب الطهارات ٦٣/١ مكتبة بلال ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۲۱ / ۲۳/۹/۱۴۴۱ھ)

دورانِ تلاوت وضوٹوٹ جائے؟

سوال (۴۱):- اگر قرآنِ کریم پڑھتے پڑھتے وضوٹوٹ جائے، تو کیا فوراً وضوکرنا چاہئے؟ وضاحت فرمائیں۔

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اگر قرآنِ کریم زبانی پڑھ رہے ہیں تو

وضوضروری نہیں ہے؛ البتہ اگر ناظرہ تلاوت کے دوران وضوٹوٹ جائے، اورقرآنِ کریم کو ہاتھ لگانے کی ضرورت ہو، تو وضوکرنا ہوگا؛ کیوں کہ بلا وضوقرآنِ کریم کو ہاتھ لگانا جائز نہیں ہے۔

الوضوء على ثلاثة أقسام: الأول: فرض على المحدث للصلاة ولو كانت نفلاً. ولصلاة الجنازة، وسجدة التلاوة، ولمس القرآن ولو آية. قوله: ولو آية مكتوبة على درهم أو حائط لقوله تعالىٰ: ﴿لَا يَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ وسواء الكتابة والبياض. (نور الإيضاح مع مراقي الفلاح، كتاب الطهارة / فصل في أوصاف الوضوء ص: ٣٤ دار الكتب العلمية بيروت)

ويحرم به أي بالأكبر وبالأصغر مس مصحف أي ما فيه آية كدرهم وجدار إلا بغلاف متجاف غير مشرز. (الدر المختار / كتاب الطهارة ٣١٥/١ زكريا)

ولا تكره قراءة القرآن للمحدث ظاهرًا أي على ظهر لسانه حفظًا بالإجماع، وروى أصحاب السنن عن علي رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان يخرج من الخلاء فيقرأنا ويأكل معنا اللحم، وكان لا يحجبه أو لا يحجزه عن قراءة شيء ليس الجنابة. (كبيري ص: ٥٢ سهيل اكيڈمی لاهور) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۲۷ / ۱۴۴۱/۹/۲۹ھ)

ختم قرآن پر دعا

سوال (۴۲): - ختم قرآنِ کریم پر جو دعا قرآنِ کریم میں لکھی ہوئی ہوتی ہے، کیا اُس کو پڑھنا ضروری ہے؟ حالاں کہ ہمیں وہ دعا سمجھ میں نہیں آتی، تو کیا کوئی دوسری دعا پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد: - عام طور پر ختم قرآن کی دعا کے نام سے جو دعائیہ کلمات مطبوعہ قرآنِ پاک میں لکھے ہوئے رہتے ہیں، یہ اگرچہ معنی کے اعتبار سے صحیح اور درست ہیں؛ لیکن کسی معتبر حدیث سے ثابت نہیں ہیں۔ اِس بارے میں جو روایتیں ہیں وہ بہت ضعیف اور کمزور ہیں؛ لہٰذا اگر کوئی شخص بطور دعا کے اِن کو پڑھنا چاہے تو کوئی حرج نہیں

ہے،اوراگراس دعا کو نہ پڑھ سکے تو کوئی اور دعا پڑھ لے۔اگر عربی زبان میں نہ پڑھ سکے تو اُردو یا مادری زبان میں دعا مانگ لے، اِس میں بھی کوئی حرج کی بات نہیں ہے، ختم قرآن پر مطلقاً دعا قبول ہوتی ہے چاہے وہ کوئی بھی مانگی جائے۔

دعاء القرآن المشهور "اللّٰهم آنس وحشتي في قبري" قال الحاكم النيسابوري في تاريخه: أخبرنا يحيىٰ العنبري، أخبرنا أحمد بن خليل البستي حدثنا الليث بن محمد، حدثنا أحمد بن عبد اللّٰه بن خالد حدثنا وليد بن مسلم عن سالم الخياط، عن الحسن، عن أبي أمامة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا ختم أحدكم فليقل: "اللّٰهم آنس وحشتي في قبري" أورده السيوطي في الزيادات، وقال: أحمد بن عبد اللّٰه بن خالد هو الجويبادي أحد الشهرين بوضع الحديث. (الزيادات على الموضوعات ١٢٤/١)

ودعاء: "اللّٰهم ارحمني بالقرآن وجعله لي إمامًا" الخ، قال ابن الجزري: حديث معضل. (النشر في القرآن عشر ٤٦٣/٢)

عن ثابت أن أنس بن مالك رضي اللّٰه عنه كان إذا ختم القرآن جمع أهله وولده فدعا لهم. (المعجم الكبير للطبراني ٢٩١/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۴۴ / ۱۰/۱/۱۴۴۲ھ)

مختلف جگہوں پر قرآنِ کریم مکمل کرواکر ایک جگہ دعا کرانا

سوال (۴۳):- اگر کسی نے میت کو اِیصالِ ثواب کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ۳۰/آدمیوں کو فون پر کہہ دیا کہ جو پارہ تمہیں بتایا جا رہا ہے اسے ۳۰/مرتبہ پڑھ لو، اِس طرح ۳۰/آدمیوں نے اپنا اپنا پارہ ۳۰-۳۰/مرتبہ پڑھ لیا، چاہے ۱۰/دن میں یا اِس سے کم میں یا زیادہ میں، اِس طریقے پر ۳۰/قرآنِ پاک مکمل کرائے، تو یہ طریقہ کیسا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اگر اُس کے اندر کوئی اور مفسدہ نہ پایا

جائے، مثلاً اُجرت وغیرہ کا لین دین، تو اِس طرح قرآنِ کریم پڑھنے کے بعد جب دعا کی جائے گی تو میت کو ایصالِ ثواب کیا جاسکتا ہے، اِس میں شرعاً کوئی رکاوٹ نہیں ہے، جمع ہوکر پڑھنا کوئی ضروری نہیں، اپنے اپنے مقام پر رہ کر بھی قرآنِ کریم پڑھا جاسکتا ہے۔

والأصل في ذلک أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله بغيره صلاة أو صومًا أو صدقة أو قراء ة قرآن أو ذكرًا أو غير ذلک عند أصحابنا بالكتاب والسنة. (البحر الرائق ۱۰۵/۳ زکریا، الهداية ۱۹۶/۱)

ويمنع القارئ للدنيا والآخذ والمعطي آثمان، فالحاصل أن ما شاع في زماننا من قراء ة الأجزاء بالأجرة لا يجوز. (رد المحتار ۷۷/۹ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۴۲ / ۱۴۴۱/۱۲/۲۵ھ)

ختم قرآن کے بعد ﴿المُفْلِحُوْنَ﴾ تک پڑھنا

سوال (۴۴):- قرآنِ کریم کو مکمل کرنے کے بعد سورۂ بقرہ کی ابتداء سے ﴿المُفْلِحُوْنَ﴾ تک پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- ختم قرآن کے بعد دوبارہ ابتداء کرنے کی نیت سے سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات ﴿المُفْلِحُوْنَ﴾ تک پڑھنا مستحب ہے۔ اور یہ دراصل ایک روایت سے مستفاد ہے، جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ ''سب سے اچھا آدمی وہ ہے جو کسی نیک عمل کو مکمل کرنے کے بعد پھر دوبارہ شروع کردے''۔ اِس کو حدیث میں ''**الحال المرتحل**'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی ایک دینی سفر سے آکر دوسرے کی تیاری میں لگ جانے والا۔ اِسی طرح قرآنِ پاک مکمل کرنے والا جب دوبارہ شروع کردے تو وہ بھی مذکورہ حدیث کا مصداق بن سکتا ہے، اِسی لئے علماء نے ختم کے بعد ﴿المُفْلِحُوْنَ﴾ تک پڑھنے کو پسندیدہ قرار دیا ہے، تراویح وغیرہ میں اِس کا اہتمام کرنا بہتر ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۲۶۵/۴)

عن ابن عباس رضي الله عنه قال: قال رجل: يا رسول الله! أي العمل أحب إلى الله؟ قال: الحال المرتحل. قال: وما الحال المرتحل؟ قال: الذي

یضرب من أول القرآن إلی آخره کلما حل ارتحل. (سنن الترمذي / قبیل أبواب تفسیر القرآن ۲/۱۲۳ رقم: ۲۹۴۸)

قراء أهل مکة إذا ختموا القرآن بالتلاوة ابتدأوا وقرأوا الفاتحة وخمس آیات من أول سورة البقرة إلی ﴿وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ ثم یقطعون القراءة ویسمون فاعل ذلک الحال المرتحل. (النهایة في غریب الحدیث والأثر / تحت لفظ: حلل ۱/۴۱۳-۴۱۴ دارالکتب العلمیة بیروت)

ولو ختم القرآن في الأولی یقرأ من البقرة في الثانیة؛ لقوله صلی اللّٰه علیه وسلم: خیر الناس الحال المرتحل، یعني الخاتم المفتتح. (حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، کتاب الصلاة / فصل في المکروهات ص: ۳۵۲ دار الکتاب دیوبند، شامي / کتاب الصلاة ۲/۲۶۹ زکریا، ۱/۵۴۶ کراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۱۸ / ۱۴۴۱/۹/۲۰ھ)

جزدان کے دھونے میں مستعمل پانی کو کہاں ڈالیں؟

سوال (۴۵):- قرآنِ کریم کے جزدان کو دھونے کے بعد اُس کا پانی نالی میں بہانا کیسا ہے؟

الجواب حامدًا ومصلیًا أما بعد:- جس بیسن وغیرہ میں وضو کیا جاتا ہے، اگر اُسی میں جزدان دھوکر پانی بہادیا جائے تو اِس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے؛ لیکن براہ راست گندی نالی یا ناپاک جگہ پر اُس کا پانی نہ بہایا جائے؛ کیوں کہ یہ ایک طرح سے بے اَدبی ہے؛ بلکہ اگر بسہولت ہوسکے تو اُس پانی کو پاک کیاری، گملے یا کھلے صحن میں ڈال دیا جائے، یہ سب سے بہتر بات ہوگی۔

لأن تعظیم القرآن والفقه واجب. لا یلقی في موضع یخل بالتعظیم. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الکراهیة / الباب الرابع ۵/۳۲۴-۳۱۶ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۲۲ / ۱۴۴۱/۹/۲۴ھ)

رمضان میں ترجمہ کے ساتھ قرآن پڑھنا افضل ہے یا کثرتِ تلاوت؟

سوال (۴۶):- ایک شخص رمضان المبارک میں روزانہ ۳/ پارے پڑھتا ہے، اور پھر قرآن پاک کے ترجمہ اور تفسیر کا مطالعہ کر کے قرآن پاک سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور دوسرا شخص صرف رات ودن تلاوت ہی کرتا ہے اور زیادہ سے زیادہ ختم کرنے کی سعی کرتا ہے، تو دونوں میں کس کا عمل قابل تقلید ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- ترجمہ اور تلاوت دونوں ہی عمل اپنی جگہ اہمیت رکھتے ہیں، زیادہ قرآن پڑھنا بھی موجب ثواب ہے اور سمجھ کر قرآن پڑھنے میں بھی مستقل فائدہ ہے، اِس لئے بہتر یہ ہے کہ اعتدال کے ساتھ دونوں کام انجام دئے جائیں، جتنی زیادہ تلاوت کی توفیق ہو؛ تلاوت کریں اور کچھ وقت نکال کر معتبر علماء کرام کے لکھے ہوئے ترجمہ اور تفسیر کا بھی مطالعہ کرلیا کریں؛ تاکہ دونوں فضیلتیں حاصل ہوجائیں۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِيَدَّبَّرُوْا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُوْلُوْا الْأَلْبَابِ﴾ [ص: ۲۹]

عن أبي ذر رضي اللّٰه عنه قال: قلت يا رسول اللّٰه! أوصني؟ ...... قال: عليک بتلاوة القرآن فإنه نور لک في الأرض وذخر لک في السماء.

(صحيح ابن حبان رقم: ٣٦٢)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: تعلموا القرآن والفرائض وعلموه الناس الخ. (سنن الترمذي، أبواب الفرائض / باب ما جاء في تعليم الفرائض رقم: ٢٠٩١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۱۶ / ۱۸/۹/۱۴۴۱ھ)

ناخواندہ کا قرآن کی ہر لائن پر بسم اللہ پڑھتے ہوئے اُنگلی پھیرنا

سوال (۴۷):- جو لوگ قرآن نہیں پڑھ سکتے تو کیا وہ لوگ قرآن کی ہر لائن پر انگلی سے بسم اللہ پڑھ کر پھیرتے رہیں، اس سے ختم قرآن کا ثواب مل جائے گا۔

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- محض بسم اللہ پڑھنے سے پورے قرآن کا ثواب نہیں ملے گا؛ بلکہ صرف بسم اللہ پڑھنے کا ثواب ملے گا؛ لہٰذا ایسے لوگوں کو چاہئے کہ صرف بسم اللہ پر اکتفا کے بجائے رفتہ رفتہ قرآن سیکھنے کی کوشش کرتے رہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۳/۵٦٧ ڈابھیل)

عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الـمـاهـر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة، والذي يقرأ القرآن ويتتع فيه وهو عليه شاق له أجران. (صحيح مسلم ۱/۵٤۹)

عـن ابـن مسـعـود رضـي الـلّـه عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: تعلموا القرآن وعلموه الناس. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٦/۲۹۸ رقم: ۱۲۱۷۳)

وأما الذي يتتعتع فيه فهو الذي يتردد في تلاوته لضعف حفظه فله أجران: أجر بالقراءة وأجر بتتعتعه في تلاوته ومشقته. (المنهاج، كتاب صلاة المسافرين وقصرها / باب فضل الماهر في القرآن والذي يتتعتع فيه ص: ۵۳٦ بيت الأفكار الدولية) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۱۳ / ۱۴۴۱/۹/۱۵ھ)

کیا ہاتھ سے قرآن یا پارہ چھوٹ جانے پر صدقہ واجب ہے؟

ســوال (۴۸):- اگر قرآنِ کریم یا پارہ ہاتھ سے چھوٹ کر گر جائے، تو کیا صدقہ کرنا ہوگا؟ جواب سے نوازیں۔

الـجـواب حـامـدًا ومـصـليًا أما بعد :- قرآنِ کریم کی بے حرمتی پر اظہار ندامت اور استغفار ضرور کرنا چاہئے، موقع ہو تو کچھ صدقہ بھی کردیں؛ لیکن اُسے ضروری نہ سمجھا جائے۔ (اِمداد الفتاویٰ جدید ۸/۴۸۴ زکریا، کفایت المفتی ۲/۵۰۹ زکریا، فتاویٰ محمودیہ ۳/۵۴۳ ڈابھیل)

لأن تعظيم القرآن والفقه واجبٌ. (خانية على الهندية / فصل في التسبيح والتسليم ۳/۳۰۹ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۲۷ / ۱۴۴۱/۹/۲۹ھ)

اَورادووَظائف

دفع وبا کے لئے ۴۱؍مرتبہ سورۂ فتح پڑھنا

سوال (۴۹):- موجودہ وبائی حالات میں دفع وبا کے لئے ۴۱؍مرتبہ سورۂ فتح قبلہ رو بیٹھ کر پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مذکورہ عمل کرنا مباح ہے، اور اِس میں قبلہ رو ہوکر بیٹھنے کی کوئی قید نہیں ہے، اسے ضروری نہ سمجھا جائے۔

الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة. (السعاية، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ۲/۲٦٥ سهيل اكيڈمی لاهور)

عن أنس رضي اللّٰه عنه قال: لما رجعنا من الحديبية وقد حيل بيننا وبين نُسُكِنا فنحن بين الحزن والكآبة فنزلت. (فتح الباري / كتاب التفسير ۸/۵۸۳ تحت رقم: ٤٦٤٧ دار المعرفة بيروت)

عن زيد بن أسلم عن أبيه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان يسير في بعض أسفاره وعمر بن الخطاب يسير معه ليلا، فسأله عمر بن الخطاب عن شيء، فلم يجبه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، ثم سأله فلم يجبه، ثم سأله فلم يجبه، فقال عمر بن الخطاب: ثكِلت أم عمر؛ نزرت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ثلاث مراتٍ، كل ذلك لا يُجيبك. قال عمر: فحركتُ بعيري، ثم تقدمت أمام الناس، وخشيت أن يُنزل في القرآن، فما نشبتُ أن سمعت صارخًا

يصرخ بي، فقلت: لقد خشيت أن يكون نزل في قرآن، فجئت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فسلمت عليه، فقال: ”لقد أنزلت علي الليلة سورة لهِيَ أحب إلي مما طلعت عليه الشمس“. ثم قرأ: ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُبِيْنًا﴾ (صحيح البخاري، كتاب التفسير / باب: انا فتحنا لك فتحًا مبينًا رقم: ٤٨٣٣) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۱۸ / ۱۴۴۱/۹/۲۰ھ)

غصہ پر قابو پانے کا وظیفہ

سوال (۵۰):- غصہ پر قابو پانے کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- غصے کا علاج یہ ہے کہ شیطان سے پناہ مانگے، کھڑا ہو تو بیٹھ جائے، اور بیٹھا ہو تو لیٹ جائے، اور وضو کرے، وغیرہ۔ اور عموماً غصے کی بنیاد کبر وغرور کی صفت ہوتی ہے؛ لہٰذا آدمی کو تواضع اختیار کرنی چاہئے، اور اپنے انجام سے بے خبر نہیں رہنا چاہئے۔

عن أبي ذر رضي اللّٰه عنه قال: إن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لنا إذا غضب أحدكم وهو قائم فليجلس، فإن ذهب عنه الغضب، وإلا فليضطجع. (رواه أبوداؤد، أول كتاب الأدب / باب ما يقال عند الغضب رقم: ٤٧٨٢)

سليمان بن صرد رضي اللّٰه عنه قال: استبَّ رجلان عند النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، فجعل أحدهما، وتحمرُّ عيناه، وتنتفخ أوداجه، قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إني لأعرف كلمة لو قالها لذهب عنه الذي يجد: أعوذ باللّٰه من الشيطان الرجيم. فقال الرجل وهل ترى بي من جنون، قال ابن العلاء: فقال: وهل ترى، ولم يذكر الرجل. (صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والآداب / باب فضل من يملك نفسه عند الغضب رقم: ٢٦١٠، صحيح البخاري، كتاب الأدب / باب ما ينهى من السباب واللعن رقم: ٦٠٤٨)

عن أبي وائل القاص قال: دخلنا على عروة بن محمد السعدي فكلمه رجل فأغضبه، فقام فتوضأ فقال: حدثني أبي عن جدي عطية رضي اللّٰه عنه، قال:

قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم: إن الغضب من الشيطان، وإن الشيطان خلق من النار، وإنما تطفأ النار بالماء، فإذا غضب أحدكم فليتوضأ. (سنن أبي داؤد، أول كتاب الأدب / باب ما يقال عند الغضب رقم: ٤٧٨٤، الترغيب والترهيب مكمل، كتاب الأدب / الترهيب من الغضب والترغيب في دفعه ص: ٥٨٣ بيت الأفكار الدولية) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۲۱ / ۱۴۴۱/۹/۲۳ھ)

فالج سے شفاء کے لئے وظیفہ

سوال (۵۱):- احقر کا ایک بھانجہ ہے، جس کی عمر تقریباً ۱۵/برس ہے، اُس پر فالج کا اثر ہوگیا ہے، تو اُس کے لئے کوئی وظیفہ بتادیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- آپ روزانہ ۴۱/مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھ کر اُس بھانجے کے لئے دعا کریں۔ اور اگر وہ خود پڑھ سکتا ہو تو وہ بھی اس کا اہتمام رکھے، اِن شاء اللہ شفا ہوگی۔ (معارف وحقائق ص:۲۷۵ مکتبہ ندائے شاہی مرادآباد) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۲۲ / ۱۴۴۱/۹/۲۴ھ)

بچوں کی فرماں برداری سے متعلق ایک دعا

سوال (۵۲):- بچوں کو فرماں بردار بنانے کے واسطے کوئی وظیفہ ہو تو بتائیے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- اللہ تبارک وتعالیٰ سے بچوں کی فرماں برداری اور سعادت مندی کے لئے دل سے دعا کرنی چاہئے۔ اور بہتر ہے کہ درج ذیل دعا کا اہتمام رکھا جائے: ﴿**رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا**﴾ (یعنی اے ہمارے رب! ہمیں ایسے جوڑے اور ایسی اَولادیں عطا فرمائیے جو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنیں اور ہمیں متقیوں کا اِمام بنادیجئے) ہر نماز کے بعد معنی کے استحضار کے ساتھ اِس دعا کا وِرد رکھیں تو اَولاد اور گھر والے آنکھوں کی ٹھنڈک بنیں گے اور خیر ظاہر ہوگی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴾ [الفرقان:] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲۸ / ۱۴۴۱/۹/۳۰ھ)

بدن میں خون کی کمی دور کرنے کے لئے سورۂ فاتحہ کا ورد

سوال (۵۳):- ہمارے بدن میں خون کی کمی ہوگئی ہے، دوا فائدہ نہیں کررہی ہے، کوئی عمل بتادیں۔

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- دوا اور مناسب علاج کے ساتھ ساتھ سورۂ فاتحہ کا ورد رکھیں، اللہ تعالیٰ صحت وعافیت سے نوازیں، آمین۔

عن عبد الملك بن عمير قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: في فاتحة الكتاب شفاء من كل داء. (سنن الدارمي مكمل، فضائل القرآن / باب فضل فاتحة الكتاب ص: ۲۱۲۲ رقم: ۳٤۱۳ دار المغني للنشر والتوزيع)

قال المحقق حسين سليم أسد الداراني: إسناده صحيح غير أنه مرسل، وأخرجه البيهقي في شعب الإيمان برقم: ۲۳۷۰ من طريق الحسين بن حفص حدثنا سفيان بهذا الإسناد. ونسبه المتقي الهندي في الكنز برقم: ۲٥۰۰ إلى البيهقي في الشعب مرسلا. ونسبه الخطيب التبريزي في مشكاة المصابيح برقم: ۲۱۷۰ إلى الدارمي وإلى البيهقي في شعب الإيمان. وقال السيوطي في الدر المنثور ٥/۱ أخرج الدارمي والبيهقي في شعب الإيمان بسندٍ رجاله ثقات، عن عبد الملك بن عمير قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ...... وذكر هذا الحديث، وانظر: الأسرار المرفوعة برقم: ۳۱۳ وكشف الخفاء برقم: ۱۸۱٦. (تعليقات على سنن الدارمي مكمل، فضائل القرآن / باب فضل فاتحة الكتاب ص: ۲۱۲۲ تحت رقم: ۳٤۱۳ دار المغني للنشر والتوزيع) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲۹ / ۱۴۴۱/۱۰/۷ھ)

حرزابی دجانہ

سوال (۵۴):- ہم نے بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ نبی اکرم علیہ السلام نے اپنے ایک صحابی حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو جنات کے نام ایک خط لکھ کر دیا تھا، جسے ''حرزابی دجانہ'' بھی کہا جاتا ہے۔تو ہمیں پوچھنا یہ ہے کہ اُس خط کی کیا حقیقت ہے؟ اور اِس طرح کا خط ہم اپنے گھروں میں رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- ''حرزابی دجانہؓ'' کے نام سے جو تحریر مشہور ہے اُس کی دوسندیں ہیں: ایک سند جو علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب میں لکھی ہے، اُس میں موسیٰ انصاری نام کا ایک راوی ہے، جو باتفاق محدثین کذاب ہے، اور اِس سند کے اعتبار سے یہ روایت قطعاً موضوع اورناقابل اعتبار ہے۔

لیکن اِس تحریر کی ایک دوسری سند بھی ہے، جسے امام بیہقی علیہ الرحمہ نے ''دلائل النبوۃ'' میں نقل فرمایا ہے۔اُس کا مضمون قدرے مختلف ہے، اُس کی سند کے بارے میں محققین کی رائے یہ ہے کہ وہ اگرچہ ضعیف ہے؛ لیکن موضوع کے درجے کی نہیں ہے؛ لہٰذا بطورحدیث مرفوع اُس خط پر یقین نہیں کیا جائے گا۔

البتہ اگر کوئی شخص اپنے تجربے کے اعتبار سے جنات سے حفاظت کے لئے کوئی تحریر مذکورہ مضمون کی لکھ دے تو شرعاً اُس میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن اُسے حدیث کا نام نہ دیا جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے گھروں میں اکثر پائے جانے والے چھوٹے چھوٹے سانپوں (جنہیں عوامر البیوت بھی کہا جاتا تھا) کے متعلق ہدایت دی تھی کہ اِس طرح کے سانپ اگر نظر آجائیں تو اُنہیں فوراً مت مارو؛ بلکہ تین دن تک اُنہیں آگاہ کرو، اُس کے بعد بھی وہ نہ جائیں تب اُنہیں مارا کرو؛ کیوں کہ بہت ممکن ہے کہ وہ سانپ کی شکل میں جنات ہوں۔

دلائل النبوۃ والی روایت کی تخریج وتحقیق:

أخبرنا أبوسهل محمد بن نصروية المروزي قال: حدثنا أبو أحمد علي

ابن محمد بن عبد اللّٰه الحبيبي المروزي، قال: أخبرنا أبو دجانة، محمد بن أحمد بن سلمة بن يحيىٰ بن سلمة بن عبد اللّٰه بن زيد بن خالد بن أبي دجانة، واسم أبي دجانة سماك بن أوس بن خرشة بن لوزان الأنصاري أملاه علينا بمكة في مسجد الحرام بباب الصفا سنة خمس وسبعين ومائتين، وكان مخضوب اللحية. قال: حدثني أبي أحمد بن سلمة قال: حدثنا أبي سلمة بن يحيى، قال: حدثنا أبي يحيٰى بن سلمة، قال: حدثنا أبي سلمة بن عبد اللّٰه، قال: حدثنا أبي عبد اللّٰه بن زيد بن خالد قال: حدثنا أبي زيد بن خالد قال: حدثنا أبي خالد بن أبي دجانة، قال: سمعت أبي أبا دجانة يقول: شكوت إلىٰ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، فقلت: يا رسول اللّٰه! بينما أنا مضطجع في فراشي، إذ سمعت في داري صريرًا كصرير الرحى، ودويًا كدوي النحل، ولمعًا كلمع البرق، فرفعت رأسي فزعًا مرعوبًا، فإذا أنا بظل أسود مولى يعلو، ويطول في صحن داري فأهويت إليه فمسست جلده، فإذا جلده كجلد القنفذ، فرمى في وجهي مثل شرر النار، فظننت أنه قد أحرقني (وأحرق داري) فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: عامرک عامر سوء يا أبا دجانة! ورب الكعبة! ومثلک يؤذي يا أبادجانة! ثم قال: ائتوني بدواة وقرطاس، فأتى بهما فناوله علي بن أبي طالب وقال: اكتب يا أبا الحسن! فقال: وما اكتب؟ قال: اكتب: بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم.

هٰذا كتاب من محمد رسول رب العالمين صلى اللّٰه عليه وسلم إلىٰ من طرق الدار من العمار، والزوار، والصالحين، إلا طارقًا يطرق بخير يا رحمٰن! أما بعد:

فإن لنا، ولكم في الحق سعةً، فإن تک عاشقًا مولعًا، أو فاجرًا مقتحمًا أو راغبًا حقًا أو مبطلاً، هٰذا كتاب اللّٰه تبارک وتعالىٰ ينطق علينا وعليكم

بـالحق، إنا كنا نستنسخ ما كنتم تعملون، ورسلنا يكتبون ما تمكرون، اتركوا صاحبَ كتابي هذا، وانطلقوا إلى عبدة الأصنام، وإلى من يزعم أن مع اللّٰه إلهًا آخـر. ﴿لا اِلٰـهَ اِلَّا هُـوَ كُـلُّ شَـیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ يـغـلبـون هـم لا يـنصرون، حٰمٓ عٓسٓقٓ، تفرق أعداء اللّٰه، وبلغت حجة اللّٰه، ولا حول ولا قوة إلا بـاللّٰـه فسيكفيكهم اللّٰه وهو السميع العليم. قال أبو دجانة: فـأخذت الكتاب فأدرجته وحملته إلى داري، وجعلته تحت راسي وبت ليلتي فما انتبهت إلا من صراخ صارخ يقول: يا أبا دجانة! أحرقتنا، واللات والعزى، الـكلمات بحق صاحبک لما رفعت عنا هٰذا الكتاب، فلا عود لنا في دارک، وقال غيره في أذاک، ولا في جوارک، ولا في موضع يكون فيه هٰذا الكتاب. قـال أبو دجانة: فـقـلـت لا، وحـق صـاحـبـي رسـول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لأرفـعـنـه حتـى استـأمر رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم. قال أبودجانة: فلقد طـالـت عـلـى ليـلـتـي بـمـا سـمـعت من أنين الجن وصراخهم وبكائهم، حتى أصبـحـت فـغـدوت، فـصـليـت الـصبـح مع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وأخبرته بما سمعت من الجن ليلتي، وما قلت لهم: فقال لي: يا أبا دجانة! ارفع عن القوم، فو الذي بعثني بالحق نبيًا إنهم ليجدون ألم العذاب إلٰى يوم القيامة.

تابعه أبوبكر الإسماعيلي، عن أبي بكر محمد بن عمير الرازي الحافظ عن أبي دجانة محمد بن أحمد هٰذا.

وقـد روي فـي حـرز أبـي دجـانة حـديـث طويل، وهو موضوع لا تحل روايته واللّٰه تعالىٰ أعلم بالصواب. (دلائل النبوة للبيهقي / باب ما يذكر من حرز أبي دجانة ۱۱۸/۷-۱۲۰ دار الكتب العلمية بيروت، الخصائص الكبرىٰ للسيوطي، ذكر المعجزات في رؤية أصحابه الجن / باب في تعويذة أبي دجانة ۳٦۹/۲ دار الكتب الحديثية)

قال العلامة ابن عبد البر: سماک بن خرشة ...... أبو دجانة الأنصاري هو مشهور بكنيته، شهد بدرًا ...... وإسناد حديثه في الحرز المنسوب إليه ضعيف. (الاستيعاب في معرفة الأصحاب لابن عبد البر مكمل / باب سماك ص: ٦٥٢ رقم الترجمة: ١٠٥٩ دار الجيل، أسد الغابة / باب السين والميم ٥٥١/٢ دار الكتب العلمية بيروت)

قال الحافظ: وهو علي بن محمد بن عبد اللّٰه بن محمد بن جيب بن حماد بن يحيىٰ بن حماد، نسب إلى جد جده. (لسان الميزان ٢٢/٦ رقم الترجمة: ٥٤٩١ مكتب المطبوعات الإسلامية)

الحمادي، هذه النسبة إلى حماد وهو اسم لبعض الأجداد المنتسب إليه ...... قلت: فاته النسبة إلى حماد بن زيد واشتهر بها القاضي أبو الحسن الحمادي روي عن الفتح بن شحرف. وفاتَه أيضًا علي بن محمد بن عبد اللّٰه المروزي الحمادي سمع محمد ابن موسى بن حماد وغيره، وروى عنه الحاكم أبو عبد اللّٰه. (اللباب في تهذيب الأنساب / باب الحاء والميم ٣٨٤/١ مكتبة المثنىٰ بغداد)

سمعت مسعود بن علي يقول: سالت الحاكم أبا عبد اللّٰه عن أبي أحمد الحبيبي، فقال: كان يكذب مثل السكر، فقلت: الحسنوي خير أم الحبيبي؟ فقال: الحسنوي أحسن منه حالًا. (سؤالات مسعود بن علي السنجري للحاكم أبي عبد اللّٰه النيشابوري ص: ٧٤ رقم: ٣٠ دار الغرب الإسلامي بيروت، سير أعلام النبلاء / الحبيبي ٤٨/١٦ رقم الترجمة: ٣٣ مؤسسة الرسالة، لسان الميزان ٢٢/٦ رقم الترجمة: ٥٤٩١ مكتب المطبوعات الإسلامية)

چناں چہ "**المستدرک على الصحيحين**" میں اِمام حاکم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حدثنا علي بن محمد الحمادي بمرو ، ثنا أبو يعقوب إسحق بن إبراهيم السرخسي، ثنا عبد الرحمٰن بن علقمة المروزي، ثنا عبد اللّٰه بن المبارک، عن شعبة ومسعر، عن عمرو بن مرة، عن أبي البختري، عن علي رضي اللّٰه عنه، أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال لجبريل عليه الصلاة

والسلام: من يهاجر معي؟ قال: أبو بكر الصديق رضي اللّٰه عنه.

قال الذهبي: هذا حديث صحيح الإسناد والمتن ولم يخرجاه.

(المستدرك على الصحيحين / كتاب الهجرة ٦/٣ رقم: ٤٢٦٦ دار الكتب العلمية بيروت)

''اللآلی المصنوعۃ'' کی روایت:

(أخبرنا) هبة اللّٰه بن أحمد الجريري أنبانا إبراهيم بن عمر البرمكي أنبانا أبوبكر محمد بن عبد اللّٰه بن خلف بن نجيب حدثنا يحيىٰ أبو يعلىٰ عن حمزة بن محمد بن شهاب العكبري حدثنا أبي حدثنا إبراهيم بن مهدي الأيلي حدثنا عبد اللّٰه بن عبد الوهاب أبو محمد الخوارزمي حدثني محمد بن بكر البصري حدثنا محمد بن أدهم القرشي عن إبراهيم عن موسى الأنصاري عن أبيه قال: شكى أبو دجانة الأنصاري إلىٰ رسول اللّٰه فقال: يا رسول اللّٰه! بينا أنا البارحة نائم إذ فتحت، فإذا عند راسي شيطان فجعل يعلوه ويطول، فضربت بيدي إليه فإذا جلده القنفذ، فقال رسول اللّٰه : ومثلک يؤذي يا أبادجانة! عامر دارک عامر سوء ورب الكعبة! ادع لي علي بن أبي طالب فدعاه يا أبا الحسن! اكتب لأبي دجانة الأنصاري كتابًا لا شيء يؤذيه من بعده، فقال: وما أكتب؟ قال: أكتب:

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم، هٰذا كتاب من محمد النبي العربي الأمي التهامي الأبطحي المكي المدني القرشي الهاشمي صاحب التاج والهراوة والقضيب والناقة والقرآن والقبلة صاحب قول لا إلٰه إلا اللّٰه إلىٰ من طرق الدار من الزوار والعمار إلا طارقًا يبرق بخير، أما بعد! فإن لنا ولكم في الحق سعةً فإن يكن عاشقًا مولعًا أو مؤذيًا مقتحمًا أو فاجرًا مجتهرًا أو مدعى حق مبطلا، فهٰذا كتاب اللّٰه ينطق علينا وعليكم بالحق ورسله لديكم يكتبون ما

تـمـكـرون، أتـركوا حملة القرآن وانطلقوا إلٰى عبدة الأوثان إلٰى من اتخذ مع اللّٰـه إلهًـا آخـر، لا إلٰه إلا هو رب العرش العظيم. يرسل عليكما شواظ من نار ونـحـاس فلا تنتصران. فإذا انشقت السماء فكانت وردة كالدهان. فيومئذ لا يسـأل عـن ذنبـه إنـس ولا جـان. ثـمّ طـوى الكتاب، فقال: ضعه عند رأسك فـوضـعـه فـإذا هـم يـنادون النار النار أحرقتنا بالنار واللّٰه ما أردناك ولا طلبنا أذاك ولـكـن زائـر زارنا فطرق فارفع الكتاب عنا، فقال: والذي نفس محمد بيـدهٖ لا ارفـعـه عـنـكـم حتى استاذن رسول اللّٰه فأخبره فقال: ارفع عنهم، فإن عـادوا بـالسيئة فعد عليهم بالعذاب، فوالذي نفس محمد بيدهٖ ما دخلت هذه الأسماء دارًا ولا موضعًا ولا منزلًا إلا هرب إبليس وذريته وجنوده والغاوون.

مـوضـوع: وإسـناده مقطوع وأكثر رجالهٖ مجاهيل وليس في الصحابة رضـ مـن اسمه موسٰى أصلا. (الـلآلـي الـمصنوعة في الأحاديث الموضوعة / كتاب الذكر والدعاء ۲۹۲/۲ دار الكتب العلمية بيروت)

مـوسٰـى الأنـصـاري شخص كذّاب، أو اختلقه بعض الكذابين، قال أبو الفرج بن الجوزيّ في الموضوعات – بعد أن ساق حرز أبي دجانة، من طريق مـحمد بن أدهم القرشي، عن إبراهيم بن موسى الأنصاريّ عن أبيه ...... بطولهٖ: هٰـذا حـديـث موضوع، وإسناده منقطع، وليس في الصحابة من اسمه موسى، وأكثـر رجالهٖ مجاهيل. (الإصـابة فـي تـمييز معرفة الصحابة ۲۰۵/٦ رقم الترجمة: ۸٦٥۷ دار الـكـتـب العلمية بيروت، تذكرة الموضوعات / باب حرز آخر جمعة من رمضان وحرز أبي دجاة ورقية الـعقرب ص: ۲۱۱–۲۱۲ إدارة الطباعة المنيرية مصر، مستفاد: روایت حرزابی دجانہ کی تحقیق از: مولانا محمداللہ بن ولایت جان متخصص علوم حدیث جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۳۱ / ۱۴۴۱/۱۰/۲۱ھ)

رشتہ میں رکاوٹ کے لئے دعا

سوال(۵۵):- میرے بیٹے کے رشتے میں کوئی رکاوٹ آرہی ہے،کوئی وظیفہ بتادیا جائے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- روزانہ فجر سے قبل **"یا جامع"** کی ایک تسبیح پڑھ کر دعا کی جائے ،اللہ تبارک وتعالیٰ بہتر رشتہ عطا فرمائیں گے۔ اِن شاءاللہ تعالیٰ۔

(اعمالِ قرآنی از:حضرت تھانویؒ ۱۴۹ادارالاشاعت اُردوبازار کراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۳۳ / ۱۴۴۱/۱۰/۲۸ھ)

حصولِ تقویٰ کا وظیفہ

سوال(۵۶):- تقویٰ حاصل کرنے کے لئے کوئی مناسب دعا بتائی جائے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- بہتر ہے کہ تقویٰ کے حصول کے لئے پختہ اِرادہ کریں اور کامل توجہ کے ساتھ درج ذیل دعا کا ورد رکھیں:: **"اَللّٰهُمَّ آتِ نَفْسِيْ تَقْوَاهَا وَزَكِّهَا أَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكَّاهَا أَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا"** (یعنی اے اللہ! میرے نفس کو تقویٰ اور پرہیزگاری عطا فرمایئے ،اور اُس کو صاف ستھرا فرمادیجئے،آپ ہی اُس کو سب سے بہتر پاکیزگی عطا فرمانے والے ہیں،آپ ہی اُس کے مددگار اور مولیٰ ہیں)

یہ دعا ہر نماز کے بعد معنی کے استحضار کے ساتھ کم اَز کم ۳؍مرتبہ پڑھ لی جائے ،اور ساتھ میں عبادات کی اَدائیگی کا اہتمام اور گناہوں سے بچنے کی فکر ضروری ہے۔

عن زيد بن أرقم رضي الله عنه قال: لا أقول لكم إلا كما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: كان يقول: اللّٰهم آت نفسي تقواها وزكها أنت خير من زكاها، أنت وليها ومولاها. (صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء / باب التعوذ من شر ما عمل ومن شر ما لم يعمل رقم: ۲۷۲۲)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من يأخذ عني هٰؤلاء الكلمات فيعمل بهن أو يعلم من يعمل بهن، فقال

أبـوهـريرة: قلت: أنا يا رسول اللّٰه! فأخذ بيدي فعد خمسًا وقال: اتق المحارم تكن أعبد الناس. (سنن الترمذي / أبواب الزهد رقم: ٢٣٠٥)

قـوله: ”اتق المحارم“ يقول الشيخ الكنكوهي: فإن دفع الضرر أهم من جلـب الـنـفـع، ولا يشـق عـلـى النفس فعل الحسنات، كما يشق عليه ترک السيئـات، وأيـضًـا فـالمنهيات إذا تهيأت أسبابها فالامتناع عنها لا يبقى تركا حتى لا يثاب عليه؛ بل الامتناع عنها حينئذٍ كف النفس وهو طاعة يثاب المرء عليها كما هو مبسوط في كتب أصحابنا الحنفية. (الكوكب الدري علىٰ سنن الترمذي / أبواب الفتن ٥/٥٦ تحت رقم: ٢٣٠٥ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۳۳ / ۱۴۴۱/۱۰/۲۸ھ)

کاروباراوررزق میں اِضافہ کے لئے وظیفہ

سوال(۵۷):- شوہراور بچوں کے کاروبار کے لئے کچھ پڑھنے کو بتائیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- روزانہ مغرب یا عشاء کے بعد ’’سورۂ واقعہ‘‘ پڑھنے کا اہتمام رکھیں، اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائیں گے۔ اِسی طرح ہرروز ’’یاوہاب‘‘ اور ’’یاغنی‘‘ اور ’’یامغنی‘‘ کی ایک ایک تسبیح پڑھیں، درود شریف کا اہتمام رکھیں، گناہوں سے بچیں، اورنمازوں کی پابندی کریں، اِن شاءاللہ خیروبرکت نصیب ہوگی۔

قـال اللّٰــه تبـارک وتـعـالـىٰ: ﴿يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ﴾ [البقرة، جزء آيت: ١٥٣]

عن عبد اللّٰه مسعود رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من قرأ سورة الواقعة في ليلة لم تصبه فاقة أبدًا، وكان ابن مسعود يـأمر ببناته يقرأن بها في ليلة. (مشكـاة المصابيح ص: ١٨٩ رقم الحديث: ٢١٨١، شعب الإيمان للبيهقي ٤/١١٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۴۲ / ۱۴۴۱/۱۲/۲۵ھ)

تقویٰ حاصل کرنے کی دعا

سوال (۵۸):- تقویٰ حاصل کرنے کی دعا کیا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اِس بارے میں پیغمبر علیہ السلام سے ایک دعا منقول ہے: "اَللّٰھُمَّ اَعْطِ نَفْسِيْ تَقْوَاھَا، وَزَکِّھَا أَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکّٰھَا، أَنْتَ وَلِیُّھَا وَ مَوْلٰھَا". (اے اللہ! میرے نفس کو تقویٰ عطا فرمایئے، اور آپ اس کو صاف ستھرا فرما دیجئے، اور آپ ہی اُس کو بہتر صاف ستھرا کرنے والے ہیں، آپ ہی اس نفس کے ولی اور مولیٰ ہیں) تو اِس دعا کو استحضار کے ساتھ پڑھا جائے اور پھر کوشش بھی کی جائے کہ کوئی گناہ کی بات نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ کی مدد ہوگی، اِن شاء اللہ۔

عن عائشة أم المؤمنين رضي اللّٰه عنها أنها فقدت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم من مضجعة فلمسته بيدها فوقعت عليه وهو ساجد وهو يقول: "رَبِّ اَعْطِ نَفْسِيْ تَقْوَاھَا، وَزَکِّھَا أَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکّٰھَا، أَنْتَ وَلِیُّھَا وَ مَوْلٰھَا".

(مجمع الزوائد ۱۳۰/۲، أخرجه أحمد رقم: ۲۵۷۵۷)

وصفة التوبة: أن يستغفر اللّٰه باللسان وأن يندم على فعله في الماضي وأن يتركه في الحال وأن يعزم على تركه في الاستقبال. (البحر العميق ۴۲۵/۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۴۳ / ۱۴۴۲/۱/۳ھ)

فرض نماز کے بعد سر پر ہاتھ رکھ کر "یا علیم یا قوی" پڑھنا

سوال (۵۹):- بعض لوگ ہر فرض نماز کے بعد سر پر ہاتھ رکھ کر "یا علیم یا قوی" پڑھتے ہیں، تو شرعاً اِس کا کیا ثبوت ہے؟ یا اِس کے علاوہ فرض نماز کے بعد کسی خاص دعا کا ثبوت ہو تو رہنمائی فرمائیں۔

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- بعض اَحادیث شریفہ سے ثابت ہے

کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز سے فارغ ہوکر سر پر ہاتھ پھیرا اور پھر دعا پڑھی: ’’**اَللّٰهُمَّ اَذْهِبْ عَنِّيْ الْهَمَّ وَالْحُزْنَ**‘‘ (اے اللہ مجھ سے فکروں اور غموں کو دور فرما دیجئے) اِسی طرح بعض دیگر اَذکار پڑھنا بھی ثابت ہے؛ لہٰذا اگر کوئی شخص نماز کے بعد سر پر ہاتھ رکھ کر ’’**یا علیم یا قوي**‘‘ یا اور کوئی ذکر واَذکار اور دعا پڑھنا چاہتا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے، اِس سے منع نہیں کیا جائے گا؛ لیکن یہ کوئی لازم نہیں ہے۔ اگر بغیر سر پر ہاتھ رکھ کر دعائیں پڑھیں تب بھی کوئی حرج نہیں ہے، بہت سی دعائیں نماز کے بعد پڑھنا اَحادیث سے ثابت ہے، جو کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

عن أنس بن مالك رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان إذا صلى وفرغ من صلاته مسح بيمينه على رأسه، وقال: بسم اللّٰه الذي لا إلٰه إلا هو الرحمن الرحيم، اللّٰه اذهب عني الهم والحزن. وفي رواية: مسح جبهته بيده اليمنىٰ وقال فيها: اللّٰه اذهب عني الغم والحزن. (مجمع الزوائد ١٠/١١٣)

عن معاذ بن جبل أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أخذ بيده وقال: يا معاذ! واللّٰه إني لأحبك، فقال: أوصيك يا معاذ لا تدعن في دبر كل صلاة تقول: اللّٰهم أعني على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك. (سنن أبي داؤد / باب في الاستغفار ١/٢١٣ رقم: ١٥٢٢)

إن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان يقول: في دبر كل صلاة مكتوبة إذا سلم: لا إله إلا اللّٰه وحده لا شريك له، له الملك، وله الحمد، وهو على كل شيء قدير، اللّٰهم لا مانع لما أعطيت ولا معطي لما منعت، ولا ينفع ذا الجد منك الجد. (صحيح البخاري ١/١١٧ رقم: ٨٣٦ ف: ٨٤٤، المسند للدارمي ٢/٨٥٠ رقم: ١٣٨٩ دار المغني الرياض، صحيح ابن خزيمة ١/ ٣٨٧ رقم: ٧٤٢ المكتب الإسلامي)

عن أنس رضي اللّٰه عنه قال: ما صلى بنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم صلاة مكتوبة إلا أقبل بوجهه علينا، فقال: اللّٰهم إني أعوذ بك من كل عمل يخزيني. (عمل اليوم والليلة لابن السني / باب ما يقول في دبر الصبح، نوع آخر ص: ١٠٧ رقم:

۱۲۰ مؤسسة علوم القرآن بيروت، مسند البزار ١٤/٣٢ رقم: ٧٤٤٩ مكتبة العلوم والحكم المدينة المنورة) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۴۸ / ۱۴۴۲/۲/۹ھ)

گم شدہ شخص کی بازیابی کے لئے وظیفہ

سوال (٦٠):- ہمارا خالہ زاد بھائی گھر والوں کو بتائے بغیر دوسرے ملک چلا گیا ہے، کوئی خیر خبر نہیں ہے، سب گھر والے پریشان ہیں کیا کیا جائے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- تلاش کی کوشش جاری رکھی جائے، اورساتھ میں دعا کا اہتمام بھی کیا جائے۔اور ''يَـا مُـعِيْدُ'' تین سوتیرہ مرتبہ پڑھ کر دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ عافیت کے ساتھ واپس لائیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۴۹ / ۱۴۴۲/۲/۱۶ھ)

رمضان کی بارہویں شب کے وظیفہ کی شرعی حیثیت

سوال (٦١):- ایک صاحب نے شادی کے سلسلے میں یہ وظیفہ بتایا ہے کہ رمضان کی بارہویں تاریخ کی شب میں ۱۲/رکعات نفل نماز پڑھی جائے، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت ملائیں، پھر ایک تسبیح درودِ ابراہیمی کی پڑھیں، اِس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگلے رمضان تک شادی ہو جائے گی، اس وظیفہ کے بارے میں کیا حکم ہے؟ یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- اِس طرح کا وظیفہ کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے؛ لہٰذا اسے مسنون یا مستحب نہ سمجھا جائے؛ البتہ سنت سمجھے بغیر محض عمل کے طور پر اِس وظیفے کو کرنے کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ اِس میں کوئی خلافِ شریعت بات نہیں پائی جارہی ہے؛ لہٰذا یہ فی نفسہٖ مباح ہے۔

السنة: هي الطريقة المسلوكة الجارية في الدين المأثورة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أو صحبه لقوله صلى الله عليه وسلم: عليكم بسنتي

وسـنة الـخلفاء الراشدين من بعدي. وهي بهذا المعنى مقابلة للبدعة ومضادة لها تمامًا. (الموسوعة الفقهية / مادة: السنة ٢٥/٨ الكويت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۵ / ۱۴۴۱/۹/۷ھ)

حاملہ خواتین کا آیت کریمہ پڑھنا؟

سـوال (۶۲):- آیتِ کریمہ کا جو ختم کیا جاتا ہے، تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ اُسے حاملہ عورت نہ پڑھے؛ کیوں کہ یہ آیت گرم ہے؟

الـجـواب حـامـدًا ومـصـليًا أما بعد:- کسی بھی مرد یا عورت کے لئے حسب قاعدہ قرآنِ کریم کی کوئی بھی آیت پڑھنا منع نہیں ہے۔ اور آیتوں کے گرم یا نرم ہونے کا بھی کوئی تصور شریعت میں نہیں ہے؛ لہٰذا یہ نظریہ کہ حاملہ عورت کے لئے آیت کریمہ کا پڑھنا صحیح نہیں؛ یہ بات محض بے اصل ہے۔ (ملاحظہ کریں: فتویٰ جامعہ علوم اِسلامیہ بنوری ٹاؤن، بعنوان: کیا آیت کریمہ کا کثرت سے ورد کرنا نقصان دہ ہے؟)

عن سعد رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: دعوة ذي النون – إذا دعا، وهو في بطن الحوت –: لا إله إلا أنت سبحانک إني كنت من الظالمين؛ فإنه لم يدع بها رجل مسلم في شيء قط إلا استجاب الله له. (سنن الترمذي، أبواب الدعوات عن رسول الله صلى الله عليه وسلم / باب رقم: ٣٥٠٥) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۲۸ / ۱۴۴۱/۹/۳۰ھ)

لڑکے کی پیدائش کے لئے دعا

سـوال (۶۳):- ایک صاحب کو لڑکے کی پیدائش کی تمنا ہے، تو اُس کے لئے کوئی آیت یا وظیفہ بتادیجئے؟

الـجـواب حـامـدًا ومـصـليًا أما بعد:- اَولاد کی طلب کے لئے ہر نماز کے بعد یہ قرآنی دعا ۳-۳/ مرتبہ پڑھتے رہیں: ﴿رَبِّ لَا تَـذَرْنِـيْ فَـرْدًا وَاَنْـتَ خَيْـرُ

الْوَارِثِيْنَ﴾ [الأنبياء: ٨٩] اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ قبولیت سے نوازیں گے، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

قال تعالیٰ: ﴿وَزَكَرِيَّا اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِيْنَ. فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا وَكَانُوْا لَنَا خَاشِعِيْنَ﴾ [الأنبياء: ٨٩-٩٠] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۱۴ / ۱۶/۹/۱۴۴۱ھ)

قرض کی اَدائیگی کے لئے وظیفہ

سوال (۶۴):- ہمیں قرض کی اَدائیگی کے لئے کوئی وظیفہ بتادیں؟ مہربانی ہوگی۔

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- قرض کی اَدائیگی کے لئے روزانہ ۵۰۰/مرتبہ "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ" پڑھ کر دعا کیا کریں۔ نیز درج ذیل دعا کا اہتمام رکھیں: اَللّٰهُمَّ اكْفِنِي بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَأَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ. (اے اللہ! حرام کے بجائے حلال مال کے ذریعہ میری کفایت فرمایئے، اور اپنے فضل وکرم سے مجھے اپنے علاوہ سے مستغنی فرمادیجئے) اِس دعا کے بارے میں نبی اکرم علیہ السلام نے اِرشاد فرمایا کہ "اگر کسی شخص پر "جبل صِیر" (قبیلہ طیٔ کا ایک پہاڑ) کے برابر بھی قرض ہو، تو اِس دعا کی بدولت اللہ تعالیٰ اُسے اَدا فرمادیں گے"۔ لہٰذا کامل یقین کے ساتھ اللہ سے فریاد کرنی چاہئے۔

عن علي رضي اللّٰه عنه أن مكاتبًا جاءه، فقال: إني قد عجزت عن مكاتبتي فأعنّي، قال: ألا أعلمك كلماتٍ علمنيهنّ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، لو كان عليك مثل جبل صِيرٍ دينًا أداه اللّٰه عنك، قال: قل: اَللّٰهُمَّ اكْفِنِي بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَأَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ. (سنن الترمذي / أبواب الدعوات عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم رقم: ٣٥٦٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۱۷ / ۱۹/۹/۱۴۴۱ھ)

اَحادیث وآثار اور اَقوال کی تحقیق

”اُطْلُبُوْا الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ اِلَی اللَّحْدِ“ کی تحقیق

سوال (٦٥):- ہم نے ایک حدیث سن رکھی ہے کہ ”علم حاصل کرو ماں کی گود سے قبر کی گود تک“، تو یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- یہ جملہ لوگوں کی زبانوں پر بہت مشہور ہے، اور بہت سے لوگ اِسے بیانات میں حدیث کہہ کر ذکر کرتے ہیں کہ ”اُطْلُبُوْا الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ اِلَی اللَّحْدِ“ (یعنی گہوارے سے لے کر قبر تک علم سیکھو) تو یاد رکھنا چاہئے کہ اِن اَلفاظ سے کوئی حدیث ثابت نہیں ہے، اِس لئے اِسے حدیث کے طور پر بیان نہیں کرنا چاہئے۔

لیکن اِس کے اندر جو پیغام دیا گیا ہے وہ اپنی جگہ پر درست ہے اور اِس سے مراد علم دین ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ کسی بزرگ کا مقولہ ہو، جو اُنہوں نے بطور مشورہ فرمایا ہو کہ آدمی کو چاہئے کہ بچپن سے علم دین سیکھنا شروع کرے اور مرتے دم تک علم دین کی طلب اُس کے دل میں باقی رہے۔ اور اِس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس میں پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ علم کا بھوکا کبھی سیراب نہیں ہوتا ”مَنْهُوْمَانِ لَا يَشْبَعَانِ“ (دو بھوکے ایک مال کا بھوکا اور ایک علم کا بھوکا) بہرحال مذکورہ اَلفاظ کو حدیث کے طور پر بیان نہ کیا جائے۔

قال الإمام عبد الفتاح أبو غده – رحمه الله –: هذا الكلام: (طلب العلم من المهد إلى اللحد) ويحكى أيضًا بصيغة (اطلبوا العلم من المهد إلى اللحد): ليس بحديث نبوي، وإنما هو من كلام الناس، فلا تجوز إضافته إلى

رسـول الـلّٰـه صلى اللّٰه عليه وسلم كما يتناقله بعضهم، إذ لا ينسب إلى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إلا ما قاله أو فعله أو أقره.

وكـون هـذا الـكلام صحيح المعنى في ذاته وحقًا في دعوته: لا يسوغ نسبتـه إلى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم. قال الحافظ أبو الحجاج الحلبي المزِّي: ليس لأحد أن ينسب حرفًا يستحسنه من الكلام إلى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسـلـم، وإن كـان ذلـک الـكلام في نفسه حقًا، فإن كل ما قاله الرسول صلى الـلّٰه عليه وسلم حق، وليس كل ما هو حق قاله الرسول صلى اللّٰه عليه وسلم. انتهى من كتاب "ذيل الموضوعات" للحافظ السيوطي ص: ٢٠٢.

وهـذا الحديث الموضوع: (اطلبوا العلم من المهد إلى اللحد) مشتهر عـلـى الألسـنة كثيرًا، ومن العجب أن الكتب المؤلفة في الأحاديث المنتشرة لم تذكره. (قيمة الزمن عند العلماء ص: ٣٠ المطبوعات الإسلامية)

عـن ابـن عبـاس رضـي اللّٰه عنهما قال: منهومان لا يشبعان: طالب علم وطالب دنيا. (سنن الدارمي، المقدمة / باب في فضل العلم والعالم رقم: ٣٤٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۵۰ / ۱۴۴۲/۲/۲۳ھ)

"جَزَى اللّٰهُ عَنَّا مُحَمَّدًا مَا هُوَ أَهْلُهُ" کی فضیلت سے متعلق حدیث

سوال (٦٦):- ہم نے سنا ہے کہ جو شخص درود شریف کے یہ اَلفاظ: "جَـزَى الـلّٰهُ عَنَّا مُحَمَّدًا مَا هُوَ أَهْلُهُ" پڑھے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ویسے ہی بدلہ عطا فرمائے جس کے آپ مستحق ہیں، تو جو شخص یہ درود شریف پڑھے، تو اُس کا ثواب ۷۰؍فرشتے ایک ہزار دن تک لکھتے رہتے ہیں اور لکھتے لکھتے وہ گویا تھک جاتے ہیں۔تو سوال یہ ہے کہ یہ کس روایت سے ثابت ہے؟

اور کیا رمضان میں اگر ایک مرتبہ پڑھیں تو ۷۰؍فرشتے ۷۰؍ہزار دن تک ثواب لکھتے رہیں گے؟ کیا یہ کہنا صحیح ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- بےشک ''جَزَى اللّٰهُ عَنَّا مُحَمَّدًا مَا هُوَ أَهْلُهُ'' معنی کے اعتبار سے شاندار دعا اور درود شریف ہے، اور اِس دعائیہ جملے کو پڑھنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن اِس کے پڑھنے پر جو فضیلت سوال میں درج ہے، اُس کا کسی معتبر حوالے سے ثبوت نہیں ہے۔ یہ روایت معجم طبرانی میں نہایت ضعیف سند سے موجود ہے، اُس کی سند میں ایک راوی ''ہانی ابن المتوکل'' ہے، جس کو محدثین نے متروک الحدیث اور منکر کہا ہے؛ لہٰذا اِس فضیلت پر حتمی طور پر یقین کرنا صحیح نہیں ہے۔

اور رمضان المبارک میں ہر عمل پر ۷۰؍گنا ثواب کی بات بھی اگرچہ بہت مشہور ہے؛ لیکن اُس کا ثبوت بھی ایک ضعیف روایت سے ہوتا ہے؛ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اِن ضعیف روایات کے بجائے جو فضیلتیں صحیح سندوں سے مروی ہیں، اُنہیں کو بیان کرنے کا اہتمام کیا جائے۔

روي عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قال: ''جزى الله عنا محمدًا ما هو أهله'' أتعب سبعين كاتبًا ألف صباح. رواه الطبراني في الكبير والأوسط. قال المنذري: ضعيف جدًا.

(الترغيب والترهيب، كتاب الذكر والدعاء / الترغيب في إكثار الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم ص: ٣٨٣ رقم: ٢٦٠٢ بيت الأفكار الدولية، المتجر الرابح، أبواب الذكر / ثواب الصلاة على أشرف الخلق محمد صلى الله عليه وسلم ص: ٦٨٩ رقم: ١٤٢٥ مكتبة النهضة الحديثية مكة المكرمة)

قال الهيثمي: فيه هانئ بن المتوكل، وهو ضعيف. (مجمع الزوائد ٤١٩/٢٠ تحت رقم: ١٧٢٦٠ دار المنهاج)

وقال ابن حبان: كان تدخل عليه المناكير، وكثرت، فلا يجوز الاحتجاج به بحال.

وهـذا الـحـديـث أورده البـزار في مسنده، وقال عبد اللّٰه بن سليمان: روي أحـاديث لم يتابع عليها، وأما هانئ فقال ابن القطان: لا يعرف حاله، كذا قـال. وقال أبوحاتم الرازي: أدركته ولم أكتب عنه. (لسـان الميزان / من اسمه هانئ، تحقيق: عبد الفتاح أبو غدة ۳۱۹/۸-۳۲۱ مكتب المطبوعات الإسلامية)

عـن سـلـمـان الـفارسي رضي اللّٰه عنه قال: خطبنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عـليـه وسـلم في آخر يوم من شعبان، قال: يا أيها الناس! قد أظلكم شهر عظيم مبـارك، شهـر فيه ليلة خير من ألف شهر، شهر جعل اللّٰه صيامه فريضة وقيام ليله تطوعًا، من تقرب فيه بخصلة من الخير كان كمن أدى فريضة فيما سواه، ومن أدى فريضة فيه كان كم أدى سبعين فريضة فيما سواه الخ. (الترغيب والترهيب مكمل، كتاب الصوم / الترغيب في صيام رمضان احتسابًا ص: ۲۳۲ رقم: ۱۵۰۳ بيت الأفكارالدولية)

قـال الـدميـاطـي: رواه ابـن خـزيمة من طريق علي بن زيد بن جدعان، وقـال: إن صـح الخبر قلت: هذا الحديث وكل حديث نسب في هذا الكتاب إلـى ابـن خـزيـمة فهو مما أخرجه في صحيحه. والجمهور على تضعيف عليّ هـذا، وقـد يـحسن حديثه. واللّٰه أعلم. (الـمتـجـر الـرابح، أبواب الصوم / ثواب من صام رمضان إيمانًا واحتسابًا ص: ۳۵۱ رقم: ۷۱۳ مكتبة النهضة الحديثية مكة المكرمة)

قـال الـحـافظ: "خز" في الصيام: ثنا علي بن حجر، ثنا يوسف بن زياد، ثـنا همام، عن علي بن زيد من جدعان، عن سعيد بن المسيب، عنه، به. وقال: إن صـح الـخبـر. رواه البيهـقـي فـي الشعب من طرق عن علي بن حجر، بهذا الإسـنـاد، ومـن طريق أخرىٰ: عن عبد اللّٰه بن بكر السهمي، عن أياس من عبد الـغـفـار، عن علي بن زيد. والأول أتم. ومداره على علي بن زيد وهو ضعيف. وأمـا يـوسف بن زياد ضعيف جدًا، وأما أياس بن عبد الغفار فما عرفته. (إتحاف

المهرة بأطراف العشرة / مسند سلمان الفارسي ٥/٦٠ رقم: ٥٩٤١ مجمع الملك فهد المملكة العربية السعودية) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲۰ / ۱۴۴۱/۹/۲۲ھ)

’’كَادَ الْفَقْرُ أَنْ يَكُوْنَ كُفْرًا‘‘ کا ثبوت؟

سوال (٦٧):- ’’كَادَ الْفَقْرُ أَنْ يَكُوْنَ كُفْرًا‘‘ یعنی فقر آدمی کو کفر تک پہنچا دیتا ہے، کیا یہ حدیث ہے؟ یا کسی بزرگ کا مقولہ ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- یہ حدیث متعدد ضعیف سندوں سے مروی ہے، اِس لئے اِسے بے اصل نہیں کہا جا سکتا۔

اورحضراتِ محدثین نے اس کی شرح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ آدمی بسا اَوقات معاشی تنگی کی وجہ سے بدعقیدگی یا بدعملی میں مبتلا ہو جاتا ہے، اِس لئے یہ فقر بھی آدمی کے لئے بہت بڑی آزمائش ہے۔ اِسی بناپر نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کفر وفقر سے پناہ مانگی ہے۔

كاد الفقر أن يكون كفرًا. قال العجلوني: رواه أحمد بن منيع عن الحسن أو أنس مرفوعًا بزيادة، وكاد الحسد أن يسبق القدر، وفي سنده يزيد الرقاشي ضعيف. (كشف الخفاء ومزيل الإلباس / حرف الكاف ٩٩/٢ دار الكتب العلمية بيروت)

عن عبد الرحمن بن أبي بكرة أنه قال لأبيه: يا أبت! إني أسمعك تدعو كل غداة: اللّٰهم عافني في بدني، اللّٰهم عافني في سمعي، اللّٰه عافني في بصري، لا إلٰه إلا أنت. تعيدها ثلاثًا حين تُصبح، وثلاثًا حين تُمسي؟ فقال: إني سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يدعو بهن، فأنا أحب أن استن بسنته. قال عباس فيه: وتقول: اللّٰهم إني أعوذ بک من الكفر والفقر ...... الخ. (سنن أبي داؤد، كتاب الأدب / باب ما يقول إذا أصبح رقم: ٥٠٩٠ دار الفكر بيروت)

عن معمر بن زائدة، عن الأعمش، عن زيد بن وهب، عن عمر رضي

اللّٰہ عنہ قال: جاء رجال أصحاب الصفة إلى النبي صلى اللّٰہ عليه وسلم فشكوا إليه الحاجة، فقال النبي صلى اللّٰہ عليه وسلم: كاد الفقر أن يكون كفرًا. وكان الحسد أن يسبق القدر، قولوا: اللّٰهم رب السماوات السبع ورب العرش العظيم، اقض عنا الدين واغننا من الفقر.

قال المحقق الدكتور محمد سعيد بن محمد حسن البخاري: إسناده ضعيف. فيه معمر بن زائدة وأبوهاني وإبراهيم بن أيوب متكلم فيهم. (كتاب الدعاء للإمام الطبراني مكمل / باب الدعاء للفقر والسقم ص: ١٢٨٧ رقم: ١٠٤٨ رقم الباب: ١٦٩ دار البشائر الإسلامية) *فقط واللہ تعالیٰ اعلم*

(دینی رہنمائی: ۲۳ / ۱۴۴۱/۹/۲۵ھ)

حضور اکرم علیہ السلام پر کوڑا پھینکنے والی عورت کا واقعہ

سوال (٦٨):- ایک روایت عوام میں بہت مشہور ہے کہ ایک عورت پیغمبر علیہ السلام پر کوڑا پھینکا کرتی تھی، اُس نے ایک مرتبہ کوڑا نہیں ڈالا، تو آپ نے تحقیق کی، تو معلوم ہوا کہ وہ عورت بیمار ہے، یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، تو یہ واقعہ درست ہے یا نہیں؟ حوالہ پیش فرمائیں تو مہربانی ہوگی۔

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- بہت تلاش کے باوجود مذکورہ تفصیل کے مطابق کوئی واقعہ کسی معتبر کتاب میں نہیں ملا، بظاہر یہ بے اصل ہے۔ البتہ ابولہب کی بیوی ''اُم جمیل'' کے بارے میں منقول ہے کہ وہ آپ کے گھر کے سامنے تکلیف دہ چیزیں پھینکتی تھی، جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ: ''**أي جوار هذا**''؟ (یعنی یہ کیسا پڑوس ہے؟) لیکن یہ منقول نہیں ہے کہ کوڑا نہ ڈالنے پر آپ اُس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے ہوں۔ (مستفاد: تنبیہات ۲/۸/ مفتی عبدالباقی اخونزادہ کراچی)

فكان ممن سمى لنا من قريش ممن نزل فيه القرآن عمه أبولهب

وامرأته أم جميل بنت حرب بن أمية، حمالة الحطب، وإنما سمّاها اللّٰه تعالیٰ حمالة الحطب؛ لأنها كانت – فيما بلغني – تحمل الشوك فتطرحه على طريق رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم حيث يمرّ. فأنزل اللّٰه تعالیٰ فيهما: ﴿تَبَّتۡ يَدَآ اَبِيۡ لَهَبٍ وَّتَبَّ﴾ (سيرة ابن هشام / ذكر ما لقي رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم من قومه من الأذى ٩/٢ دار الكتاب العربي بيروت)

عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة أنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كنت بين شرّ جارين بين أبي لهب وعقبة بن أبي معيط إن كانا ليأتيان بالفروث فيطرحانها على بابي حتى إنهم ليأتون ببعض ما يطرحون من الأذى فيطرحونه على بابي فيخرج به رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فيقول: يا بني عبد مناف أي جوار هذا، ثم يلقيه بالطريق. (الطبقات الكبرىٰ لابن سعد / ذكر دعاء رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم الناس إلى الإسلام ١٧١/١ مكتبة الخانجي بالقاهرة) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۱۶ / ۱۴۴۱/۹/۱۸ھ)

حضور اکرم علیہ السلام کی طرف منسوب ایک بڑھیا کا واقعہ

سوال (۶۹):- بعض واعظین بہت رنگ آمیزی کے ساتھ مکہ معظّمہ کی ایک بڑھیا کا واقعہ ذکر کرتے ہیں کہ وہ نبی اکرم علیہ السلام سے بدگمانی کی وجہ سے اپنا سامان باندھ کر مکہ معظّمہ سے باہر جانے کے لئے نکلی تھی، اور کوئی اُس کا سامان اُٹھانے والا میسر نہ تھا، تو پیغمبر علیہ السلام نے اُس کا سامان اُٹھایا اور مکہ معظّمہ سے باہر تک پہنچایا، اور بعد میں جب اُسے پتہ چلا کہ سامان اُٹھانے والے ہی نبی اکرم علیہ السلام ہیں، تو وہ بہت شرمندہ ہوئی، اور بالآخر دولت اسلام سے مشرف ہوئی ......الخ۔ تو اِس واقعہ کا حوالہ درکار ہے۔

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- سوال میں ذکر کردہ واقعہ سیرت یا حدیث کی کسی بھی معتبر کتاب میں دستیاب نہیں ہوا۔ (مستفاد: تنبیہات ۹/۲/ مفتی عبدالباقی اَخونزادہ کراچی)

بظاہر یہ غیرمحتاط واعظین کی طرف سے پھیلائی گئی روایت ہے، تحقیق کے بغیر ایسی باتوں کو بیان کرنا جائزنہیں ہے۔

قصة المرأة العجوز مع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: بينما كانت امرأة عجوز تقف قرب أغراضها على قارعة الطريق في يوم شديد الحرارة، وفي وقت الظهيرة وكانت تنتظر هذه المرأة من يساعدها على حمل هذه الأغراض التي أتعبتها ولاحظت أن الناس لا يلتفتون لها نظرًا؛ لأنهم متعبون ولا يريدون أن يزيدوا تعبهم، إذ اقترب من هذه المرأة رجل وطلب منها أن ترشده لبيتها. وحمل لها الأغراض وسار معها، وقد سعدت هذه المرأة العجوز كثيرًا من نبل هذه الرجل وخلقه، وتأهبه للمساعدة ولم تعرف كيف تشكره على صنيعه فخطر في بالها أمر، وقالت له: أنا ليس لدي ما أعطيك إياه جراء صنيعك ويبدو لي أنك غريب لم أره، ولكن يمكنني أن أقدم لك نصيحة تفيدك .... وتابعت كلامها بقولها: نصيحتي لك أن تحذر من هذا الرجل المسمى "محمد بن عبد اللّٰه" فهو يفتن الناس ويسحرهم فخذ حذرك منه واتق شره، ووصلت المرأة إلى حيث تقيم، وأنزل الرجل أشيائها عن عاتقه وشكرته المرأة على صنيعه وسألته: ما اسمك؟ قال لها مبتسمًا: محمد بن عبد اللّٰه. فأصابت المرأة الدهشة، وقالت: أأنت هو؟ قال لها: نعم أنا هو. فقالت المرأة العجوز: أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وأنك يا محمد رسول اللّٰه.

هكذا قدم ديننا للناس دين الرحمة والرأفة على الصغار والكبار دين التسامح مع الجاهل ووعظ الناس بالتي هي أحسن، فالحمد للّٰه الذي بعث فينا رسوله يعلمنا الخلق الفضيل والسلوك النبيل.

أقول (القائل: الشيخ عبدالرزاق بتهان): وهذا الحكاية كذب لا

وجود لها ولا إسناد، وقد وجدت عددًاالباحثين في الشابكة ينصون على هذا، وبعضهم يزيد فيها وينقص، وهي كذب مختلقة لا وجود لها ولا إسناد، ولم يذكرها أحد أبدًا، وهي بلا شك من وضع وكذب بعض الجهلة المعاصرين. وقد خاب وخسر من ظن أنه ينصر رسول الله صلى الله عليه وسلم بالكذب عليه. هذا وصلى الله على محمد وعلى آله وصحبه وسلم. (تحقيق: الشيخ محمد طلحه منيار حفظه الله) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۱٦ / ۱۴۴۱/۹/۱۸ھ)

کیا گلاب کا پھول حضور ﷺ کے پسینہ سے پیدا کیا گیا ہے؟

سوال (۷۰):- عوام میں یہ بات مشہور ہے کہ گلاب کا پھول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خون یا پسینے سے پیدا کیا گیا ہے،تو یہ بات کہاں تک درست ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- گلاب کے پھول اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خون اور پسینے کے حوالے سے جو باتیں عوام میں مشہور ہیں،مثلاً یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کا قطرہ جب غزوۂ احد میں زمین پر گرا تو اُس سے گلاب پیدا کیا گیا،یا یہ کہ سفر معراج کے دوران گلاب کی پیدائش ہوئی،تو اِس طرح کی جو بھی روایات لوگوں کی زبانوں پر ہیں، وہ سب من گھڑت اور موضوع ہیں۔اُن کو بیان کرنا،اُن پر یقین کرنا اور اُن کو پھیلانا اور عام کرنا؛سب ناجائز ہے۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹی حدیث گھڑنے پر سخت ترین وعیدیں اِرشاد فرمائی ہیں؛اِس لئے ہر مسلمان کو من گھڑت روایتوں سے پوری طرح اجتناب کرنا چاہئے۔

البتہ یہ بات صحیح اَحادیث سے ثابت ہے کہ سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ مبارک بجائے خود ایسا خوشبودار تھا کہ جس کے سامنے دنیا کی تمام خوشبوئیں ہیچ تھیں۔ حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا (جو پیغمبر علیہ السلام کی نانہالی رشتہ دار تھیں) فرماتی ہیں کہ کبھی کبھی پیغمبر علیہ السلام اُن کے گھر تشریف لاکر دوپہر میں آرام فرمایا کرتے تھے۔تو ایک مرتبہ گرمی کے

موسم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرمارہے تھے، تو آپ کے جسدِ اَقدس سے موتی کی طرح پسینے کے قطرات ٹپکنے لگے، تو میں ایک روئی لے کر آئی، اور حضور علیہ السلام کے پسینہ کو ایک شیشی میں جمع کرنے لگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل گئی، آپ نے پوچھا کہ: ''یہ کیا کررہی ہو؟'' تو میں نے عرض کیا کہ ہم آپ کا پسینہ جمع کررہے ہیں؛ تاکہ اگر کہیں شادی وغیرہ میں خوشبو کی ضرورت ہو تو یہ پسینہ اُس خوشبو میں ملا دیا جائے، تو وہ کائنات کی سب سے بہترین خوشبو بن جاتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینے کا خوشبودار ہونا یا آپ کے بدن سے خوشبو کا آنا، اِس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے؛ لیکن یہ کہنا کہ گلاب وہاں سے نکلا ہے، اور اُس کی پیدائش آپ کے خون یا پسینے سے ہوئی ہے؛ یہ سب باتیں بےسند اور بےاصل ہیں۔

محمد بن عنبسة بن حماد عن أبيه بحديث: "خلق الورد من عرقي" وهذا كذب بين، انتهى. وهذا الحديث أورده المعافي في "الجليس" قال: حدثنا الليث بن محمد أبو نصير المروزي، حدثني أبو الحسين بن صعصعة بن الحسين الرقي، حدثنا محمد بن عنبسة بن حماد، حدثنا أبي، عن جعفر بن سليمان، عن مالک بن دينار عن أنس رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لما عرج بي إلى السماء بكت الأرض من بعدي، فنبت اللَّصَفُ من مائها، فلما رجعت قطر من عرقي على الأرض، فنبت ورد أحمر، ألا من أراد أن يشمّ رائحتي فليشم الورد الأحمر.

قلت: وحمل الذهبي فيه على محمد بن عنبسة لم يبين وجهه، فإن أباه والراوي عنه لا يعرف حالهما أيضًا، فلعل الآفة من أحدهم. (لسان الميزان / تحقيق: الشيخ عبد الفتاح أبو غدة ٤٢٤/٧ رقم: ٧٢٨٠ مكتب مطبوعات الإسلامية)

وحديث: "من شم الورد"، وحديث: "خلق الورد من عرقي" وأمثال

هـذا كـلها موضوعة باطلة. (كشف الخفاء ٢/١٨٥ المكتبة العصرية، المقاصد الحسنة ١/٢١٦ دار الكتاب العربي بيروت)

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه قال: کان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يدخل بيت أم سليم فينام على فراشها، وليست فيه، قال: فجاء ذات يوم فنام على فراشها، فأُتِيَتُ فقيل لها: هذا النبي صلى اللّٰه عليه وسلم نام في بيتک على فراشک، قال: فجاءت وقد عرق، واستنقع عرقه على قطعة أديم على الفراش، ففتحت عتيدتها فجعلت تنشف ذلک العرق فتعصره في قواريرها، ففزع النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فقال: ما تصنعين؟ يا أم سليم. فقالت: يا رسول اللّٰه! نرجو بركته لصبياننا، قال: أصبتِ. (صحيح مسلم، كتاب الفضائل / باب عرق النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ص: ١٤٣٤ رقم: ٨٤-٢٣٣١ بيت الأفكار الدولية)

عن أم سليم رضي اللّٰه عنها أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان يأتيها فيقيل عندها، فتبسط له نِطعًا فيقيل عليه، وكان كثير العرق، فكانت تجمع عرقه فتجعله في الطيب والقوارير، فقال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: يا أم سليم! ما هذا؟ قالت: عرقک أدوف به طيبي. (صحيح مسلم، كتاب الفضائل / باب عرق النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ص: ١٤٣٤ رقم: ٨٥-٢٣٣٢ بيت الأفكار الدولية)

قال ابن إسحق: فحدثني حميد الطويل عن أنس بن مالک قال: كسرت رباعية النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يوم أحد وشج في وجهه، فجعل الدم يسيل على وجهه، وجعل يمسح الدم وهو يقول: كيف يفلح قوم خضَّوا وجه نبيهم، وهو يدعوهم إلى ربهم، فأنزل اللّٰه عزوجل في ذلک: ﴿لَيۡسَ لَکَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ اَوۡ یَتُوۡبَ عَلَیۡهِمۡ اَوۡ یُعَذِّبَهُمۡ فَاِنَّهُمۡ ظٰلِمُوۡنَ﴾

عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه أن عتبة بن أبي وقاص رمى

رسـول الـلّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یومئذ، فکسر رباعیته الیمنی السفلی، وجرح شـفته السفلی، وأن عبد اللّٰه بن شهاب الزهري شجه في جبهته، وأن ابن قمئة جـرح وجـنتـه، فـدخـلـت حلقتان من حلق المغفر في وجنته، ووقع رسول اللّٰه صـلـی الـلّٰـه عـلیـه وسـلـم فـیٓ حـفرة من الحفر التي عمل أبو عامر لیقع فیها المسلمون، وهم لا یعلمون؛ فأخذ علي بن أبي طالب بید رسول اللّٰه صلی اللّٰه عـلیـه وسـلـم، ورفـعـه طـلحة بن عبید اللّٰه حتی استوی قائمًا، ومص مالک بن سنان، أبو أبي سعید الخدري، الدم عن وجه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم، ثم ازدرده؛ فـقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من مس دمي دمه لم تُصبه النار.

(السیرة النبویة لابن هشام / غزوة أحد ۳/۴۳-۴۴ دار الکتاب العربي) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲۴ / ۱۴۴۱/۹/۲۶ھ)

کیا حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم مبارک میں کیڑے پڑ گئے تھے؟

سوال (۷۱):- عوام الناس میں بہت مشہور ہے کہ سیدنا حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم مبارک میں کیڑے پڑ گئے تھے، اور پھر اُنہوں نے ایک چشمے سے غسل فرمایا، تو وہ ٹھیک ہوگئے، تو اِس واقعہ کی حقیقت کیا ہے؟

الجواب حامدًا ومصلیًا أما بعد :- سیدنا حضرت ایوب علیہ السلام کے بدن میں کیڑے پڑ جانے کا واقعہ سراسر من گھڑت اور غیر معتبر ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے سلسلے میں کچھ بے سند موضوع قسم کی روایات لوگوں میں عام ہوگئی ہیں، اُنہیں میں سے یہ بھی ہے، اور یہ بظاہر اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہے۔ اور ہمارے معاشرے میں پرانے زمانے سے ’’قصص الانبیاء‘‘ کے نام سے ایک کتاب پڑھی جاتی ہے، وہ اِسی طرح کی خرافات سے بھری پڑی ہے۔ قرآنِ پاک سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو جسمانی اعتبار سے سخت آزمائش میں مبتلا کیا گیا تھا؛ لیکن کسی بھی آیت مبارکہ اور حدیث سے یہ بات ثابت نہیں ہے کہ آپ کو پھوڑے پھنسی

نکلے ہوں، اور آپ کے بدن میں کیڑے پڑ گئے ہوں، اور لوگ گھن کر رہے ہوں، اور یہ بظاہر نبی کی شان کے بھی خلاف ہے، اور ایک طرح سے بے اَدبی ہے، اِس لئے ہرگز ایسی باتیں بیان نہیں کرنی چاہئیں، اور جو بیان کرے اُس کو بھی منع کرنا چاہئے۔

وفي البحر: روي عن أنس رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم: أن أيوب بقي في محنته ثماني عشرة سنة، يتساقط لحمه حتى مله العالم ولم يصبر عليه إلا امرأته، وعظم بلاء ه عليه السلام مما شاع وذاع ولم يختلف فيه إثنان؛ لكن في بلوغ أمره إلى أن ألقي على كناسةٍ ونحو ذلك، فيه خلاف. قال الطبرسي: قال أهل التحقيق: إنه لا يجوز أن يكون بصفة يستقذره الناس عليها؛ لأن في ذلك تنفيرًا، فأما الفقر والمرض وذهاب الأهل فيجوز أن يمتحنه الله تعالىٰ بذلك.

وفي هداية المريد للقاني: أنه يجوز على الأنبياء عليهم السلام كل عرض بشري ليس محرمًا ولا مكروهًا ولا مباحًا مزريًا ولا مزمنًا ولا مما تعافه الأنفس، ولا مما يؤدي إلى النفرة، ثم قال: بعد ورقتين. واحترزنا بقولنا ولا مزمنًا ولا مما تعافه الأنفس عما كان كذلك، كالإقعاد والبرص والجذام والعمى والجنون ...... وفرق بعضهم في عروض ذلك بين أن يكون بعد التبليغ وحصول الغرض من النبوة فيجوز، وبين أن يكون قبل فلا يجوز، ولعلك تختار القول بحفظهم مما تعافه النفوس ويؤدي إلى الاستقذار والنفرة مطلقًا، وحينئذٍ فلا بد من القول بأن ما ابتلي به عليه السلام لم يصل إلى حد الاستقذار والنفرة، كما يشعر به ما روي عن قتادة، ونقله القصاص في كتبهم، وكذر بعضهم أن داء ه كان الجدري ولا أعتقد صحة ذلك، والله أعلم. (روح المعاني ج: ١٦ الجزء: ٢٣ ص: ٢٠٧-٢٠٨ دار إحياء التراث العربي بيروت)

قال ابن العربي القاضي أبوبكر: ولم يصح عن أيوب في أمره إلا ما أخبرنا الله عنه في كتابه في آيتين: الأولىٰ قوله تعالىٰ: ﴿وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ﴾ والثانية في [ص]: ﴿اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ﴾ وأما النبي صلى الله عليه وسلم فلم يصح عنه أنه ذكره بحرف واحدٍ إلا قوله: بينا أيوب يغتسل عريانًا إذ خر عليه رجل من جراد من ذهب. وإذ لم يصح عنه فيه قرآن ولا سنة إلا ما ذكرناه، فمن الذي يوصل السامع إلى أيوب خبره، أم على أي لسان سمعه؟ والإسرائيليات مرفوضة عند العلماء على البتات، فأعرض عن سطورها بصرك، وأصمم عن سماعها أذنيك، فإنها لا تعطي فكرك إلا خيالاً، ولا تزيد فؤادك إلا خبالاً. (الجامع لأحكام القرآن الكريم للقرطبي [ص: ٤١] ١٥/١٣٧ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۴۹ / ۱۴۴۲/۲/۱۶ھ)

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ’’مولیٰ علی‘‘ کہنا

سوال (۷۲):- اَمیر المؤمنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو ’’مولیٰ علی‘‘ کہنا درست ہے یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- یاد رکھنا چاہئے کہ عربی زبان میں لفظ ’’مولیٰ‘‘ کے کئی معانی آتے ہیں:

الف:- ایک معنی دوست، اور محبوب کے ہیں۔ یہی وہ معنی ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں استعمال فرمائے ہیں۔ آپ کا اِرشاد ہے: ’’مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ‘‘ (یعنی میں جس کا دوست ہوں علی بھی اُس کے دوست ہیں) تو اِس معنی کے اعتبار سے اگر کوئی شخص سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ’’مولیٰ علی‘‘ کہے تو اِس میں کوئی حرج نہیں ہے؛ گویا کہ یہ آپ سے خصوصی تعلق کا اِظہار ہے۔

ب:- ’’مولیٰ‘‘ کے دوسرے معنیٰ ’’سردار‘‘ اور ’’رہبر‘‘ کے آتے ہیں۔اِسی اعتبار سے ہم لوگ اپنے علماء کو ’’مولانا‘‘ کہتے ہیں، یعنی وہ ہمارے سردار اور قابل احترام ہیں۔تو اِس معنی کے اعتبار سے بھی سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ’’مولیٰ علی‘‘ کہنے کی گنجائش ہے۔ بلاشبہ وہ ہر مؤمن کے سر کے تاج ہیں، اور اُن کی عزت واحترام ہمارے دلوں کی گہرائیوں میں پیوست ہے۔

ج- اور کچھ لوگوں نے لفظ ’’مولیٰ‘‘ کا ایک تیسرا مطلب بھی گڑھ رکھا ہے کہ وہ ’’خلیفہ‘‘ اور ’’ولی عہد‘‘ کے معنی میں ہے۔اور اِسی معنی کے اعتبار سے وہ لوگ اِس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ؛ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد خلافت کے مستحق تھے۔تو ’’مولیٰ‘‘ کا یہ مطلب ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے، اور ’’مولیٰ علی‘‘ کہہ کر خلیفہ بلافصل کا دعویٰ قابل قبول نہیں ہے۔

پس چوں کہ لفظ ’’مولیٰ‘‘ سے مذکورہ تیسرے غلط معنی کا بھی اشتباہ ہوتا ہے، اِس لئے غلط عقیدے سے بچنے کے لئے سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نام کے ساتھ ’’مولیٰ علی‘‘ لگانے سے احتیاط کی جاتی ہے۔ ویسے سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے محبت رکھنا ہر مؤمن پر لازم ہے۔پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کی محبت کو معیار ایمان اور آپ سے بغض کو نفاق کی علامت قرار دیا ہے۔

عن زيد بن أرقم رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من كنت مولاه فعلي مولاه. (سنن الترمذي، أبواب المناقب عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم / باب مناقب علي بن أبي طالب رقم: ٣٧١٣)

عن علي رضي اللّٰه عنه قال: لقد عهد إلي النبي الأمي صلى اللّٰه عليه وسلم: أنه لا يحبك إلا مؤمن، ولا يبغضك إلا منافق. قال عدي بن ثابت: أنا من القرن الذين دعا لهم النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، هذا حديث حسن صحيح.

(سنن الترمذي، أبواب المناقب عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم رقم: ٣٧٣٦)

معناه: من كنت أتولاه فعلي يتولاه، من الولي ضد العدو أي من كنت أحبه فعلي يحبه. وقيل معناه: من يتولاني فعلي يتولاه، كذا ذكره شارح من علمائنا. وفي النهاية: المولى يقع على جماعة كثيرة كالرب والمالك والسيد والمنعم والمعتق والناصر والمحب والتابع والجار وابن العم والحليف والعقيد والصهر والعبد والمعتق والمنعم عليه، وأكثرها قد جاء ت في الأحاديث فيضاف كل واحد إلى ما يقتضيه الحديث الوارد فيه. وقوله: من كنت مولاه يحمل على أكثر هذه الأسماء المذكورة. قال الشافعي: يعني بذلك ولاء الإسلام كقوله تعالىٰ: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوا وَاَنَّ الْكَافِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ﴾ [محمد: ١١] وقول عمر لعلي: أصبحت مولى كل مؤمن، أي والي كل مؤمن. وقيل: سبب ذلك أن أسامة قال لعلي: لست مولاي إنما مولاي رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم. فقال صلى اللّٰه عليه وسلم: من كنت مولاه فعلي مولاه. وفي شرح المصابيح للقاضي، قالت الشيعة: هو المتصرف، وقالوا: معنى الحديث أن عليًا رضي اللّٰه عنه يستحق التصرف في كل ما يستحق الرسول صلى اللّٰه عليه وسلم التصرف فيه ومن ذلك أمور المؤمنين فيكون إمامهم. قال الطيبي: لا يستقيم أن تحمل الولاية على الإمامة التي هي التصرف في أمور المؤمنين، لأن المتصرف المستقل في حياته صلى اللّٰه عليه وسلم هو هو لا غيره، فيجب أن يحمل على المحبة وولاء الإسلام ونحوهما أهـ . وقيل: سبب ورود هذا الحديث كما نقله الحافظ شمس الدين الجزري عن ابن إسحاق: أن عليًا تكلم بعض من كان معه باليمن فلما قضى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم حجة خطب بها تنبيهًا على قدره وردًا على من تكلم فيه كبريدة كما في البخاري. وسبب ذلك كما رواه الذهبي وصححه

أنه خرج معه إلى اليمن فرأى منه جفوة نقصه للنبي صلى الله عليه وسلم، فجعل يتغير وجهه عليه السلام ويقول: يا بريدة! ألست أولى بالمؤمنين من أنفسهم؟ قلت: بلى يا رسول الله! قال: من كنت مولاه فعلي مولاه. (مرقاة المفاتيح، كتاب المناقب / باب مناقب علي بن أبي طالب ٢٤٧/١١ تحت رقم: ٦٠٩١ دار الكتب العلمية بيروت، الصواعق المحرقة / الشبهة الحادي عشرة ٦٣-٧٣ دار الكتب العلمية بيروت، لمعات التنقيح شرح مشكاة المصابيح ٩٦٥/٩ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي، قوت المغتذي على جامع الترمذي، أبواب المناقب ١٠٠٢/٢ جامعة أم القرى، شرح ابن ماجة للسيوطي / باب اتباع السنة ١٢/١ قديمى كتب خانه كراچى، الاعتقاد للبيهقي ٤٩٧ دار الفضيلة) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۲۴ / ۱۴۴۱/۹/۲۶ھ)

پردیس میں وفات پانے کی فضیلت سے متعلق حدیث

سوال (۷۳):- ایک حدیث نظر سے گذری کہ سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی اپنے وطن کے علاوہ کسی اور جگہ وفات پاتا ہے، تو اُس کے وطن سے لے کر جہاں اُس کی وفات ہوئی ہے، اُس کی قبر میں اتنی ہی مقدار میں وسعت پیدا کردی جاتی ہے؛ گویا کہ اِس حدیث سے پردیس میں موت کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ یہ حدیث ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- یہ حدیث نسائی شریف میں موجود ہے اور حدیث کا نمبر ۱۸۳۲ ہے، اور اُس میں نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِرشاد فرمایا کہ:

”إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا مَاتَ بِغَيْرِ مَوْلَدِهٖ قِيْسَ لَهٗ مِنْ مَوْلَدِهٖ إِلىٰ مُنْقَطِعِ أَثَرِهٖ فِيْ الْجَنَّةِ“ (یعنی جب آدمی اپنی جائے پیدائش کے علاوہ دوسری جگہ وفات پاتا ہے تو اُس کے لئے جنت میں پیدائش کی جگہ سے لے کر وفات تک کی جگہ کی نپائی ہوگی۔

یہ روایت کم سے کم حسن درجہ کی ہے، اور حضراتِ محدثین رحمہم اللہ نے اِس کی شرح دو

طرح سے فرمائی ہے:

(۱) ایک تو یہ کہ جہاں اُس نے وفات پائی ہے، وہاں سے لے کر اُس کے وطن تک کے رقبے کی اُسے جنت عطا ہوگی، تو گویا جتنی دور وفات پائے گا اُس کو اتنی ہی وسیع جنت ملے گی۔

(۲) اور دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ اسی مقدار میں اُس کے لئے قبر میں وسعت ہوگی، تو بہرحال دونوں باتیں صحیح ہیں۔ ممکن ہے کہ قبر میں بھی وسعت ہو اور جنت میں بھی اُس کو یہ فضیلت حاصل ہو، بہرحال یہ روایت معتبر ہے اور اِسے بیان کیا جاسکتا ہے، اور اس سے سفر کی حالت میں وفات کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

عن عبد اللّٰه بن عمر – رضي اللّٰه عنهما – قال مات رجل بالمدينة ممن ولد بها فصلى عليه رسول – صلى الله عليه وسلم – ثم قال: يا ليته مات بغير مولده قالوا لم ذاک يا رسول اللّٰه قال إنّ الرجل إذا مات بغير مولده قيس له من مولده إلى منقطع أثره في الجنة. (سنن النسائي، كتاب الجنائز / باب الموت بغير مولدهٖ ۲۰۲/۱ المكتبة النعيمية ديوبند)

وظاهره أنه يعطى له في الجنة هذا القدر لأجل موتها غريباً وقيل المراد إنه يفسح له في قبره بهذا القدر ودلالة اللفظ على هذا المعنى خفيةٌ. (حاشيه على النسائي، كتاب الجنائز / باب الموت بغير مولده ۲۰۳/۱ المكتبة النعيمية ديوبند)

وظاهر العبارة أنه يعطى له فى الجنة مكان المقدار وهذا ليس بمراد فان هذا المقدار لا اعتبار به فى جنب سعة الجنة إلا أن يقال المراد ثواب عمله في مثل هذا المسافة لا يختص بعملهٖ في مولده وقال الطيبى المراد أنه يفسح له في قبرهٖ مقدار ما بين قبره ومولده ويفتح له باب الجنة. (سنن ابن ماجة مع حاشيه ۱۱٦ بلال ديوبند) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۴۳ / ۳/۱/۱۴۴۲ھ)

رمضان المبارک اور جمعہ کے دن وفات پانے والے کی فضیلت

سـوال (۷۴):- رمضان المبارک اور عام مہینوں میں جمعہ کے دن وفات پانے والے کے لئے کیا بشارت ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- بعض اَحادیث میں وارد ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن یا رات میں وفات پائے، وہ قبر کے فتنے سے محفوظ رہتا ہے۔ اِسی طرح کا مضمون رمضان المبارک کے پورے مہینے میں وفات پانے والوں کے متعلق بھی ایک ضعیف حدیث میں منقول ہے؛ تاہم اِس کی کوئی صراحت نہیں ہے کہ اُن لوگوں سے تا قیامت عذابِ قبر ہٹالیا جاتا ہے، یا صرف جمعہ اور رمضان تک ہٹایا جاتا ہے؛ بہرحال اللہ تعالیٰ سے رحمت ومغفرت کی اُمید رکھنی چاہئے۔

عن عبد اللّٰه بن عمرو رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ما من مسلم يموت يوم الجمعة أو ليلة الجمعة إلا وقاه اللّٰه فتنة القبر. وقال: هٰذا حديثٌ غريبٌ وليس إسناده بمتصلٍ. ربيعة بن سيف إنما يروي عن أبي عبد الرحمن الحبلي عن عبد اللّٰه بن عمرو، ولا نعرف لربيعة بن سيف سماعًا من عبد اللّٰه بن عمرو. (سنن الترمذي، أبواب الجنائز / باب ما جاء فيمن يموت يوم الجمعة ۲۰۵/۱)

فالحديث ضعيف لانقطاعه؛ لكن له شواهد. قال الحافظ في فتح الباري بعد ذكر هذا الحديث: في إسناده ضعف. وأخرجه أبويعلى من حديث أنس نحوه، وإسناده أضعف. وقال القاري في المرقاة: ذكره السيوطي في باب من لا يسئل في القبر، وقال: أخرجه أحمد والترمذي ...... وابن أبي الدنيا عن ابن عمرو، ثم قال: وأخرجه ابن وهب في جامعه والبيهقي أيضًا من طريق آخر عنه بلفظ إلا برئ من فتنة القبر ...... قوله: فتنة القبر: أي عذابه وسواله، وهو

يـحتمل الإطلاق و التقييد، و الأول هو الأولىٰ بالنسبة إلى فضل المولىٰ، وهٰذا يـدل علىٰ أن شرف الزمان له تاثير عظيمٌ، كما أن فضل المكان له أثر جسيم.

(تحفة الأحوذي بشرح جامع الترمذي ١٨٧/٤-١٨٨ تحت حديث رقم: ١٠٧٤ دار الفكر بيروت)

حـدثـنـا إبـراهيـم بـن أبـي الـعباس حدثنا بقية حدثني معاوية ابن سعيد التُجيبي سمعت أبا قبيل المصري يقول: سمعت عبد اللّٰه بن عمرو بن العاص يـقـول: قـال رسـول الـلّٰـه صـلى اللّٰه عليه وسلم: من مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة وُقي فتنة القبر. قال المحقق أحمد شاكر: إسناده صحيح، و الحديث قـد مضى (٦٦٤٦) مـن رواية سُـريـج عـن بـقية عـن معاوية بن بهذا الإسناد، وضـعـفناه هناک بأن بقية مدلس، ولم يصرح بالتحديث. ولكن تبين من هذا الإسـنـاد أنه سمعه من معاوية بن سعيد، وصرح فيه بقوله: ”حدثني“ فارتفعت شبهة التـدليس، وصح الإسناد، و الحمد للّٰه. (الـمسند للإمام أحمد بن حنبل ٤٧٣/٦ رقم: ٧٠٥٠ دار الحديث القاهرة)

فـقـد روي بـإسـناد ضعيف عن أنس بن مالک رضي اللّٰه تعالىٰ عنه أن عـذاب الـقبـر يـرفع عن الموتىٰ في شهر رمضان. (أهـوال الـقبـور للحافظ ابن رجب الحنبلي ص: ١٨٧ دار الزمان المدينة المنورة، شرح الصدور للسيوطي / باب ما ينجى من عذاب القبر ٢٥٤ مكتبة دار التراث بيروت)

قـال الـقـونـوي: وإن كـان عـاصيًا يكون له عذاب القبر وضغطة القبر، لـكـن ينقطع عنه عذاب القبر يوم الجمعة وليلة الجمعة، ولا يعود العذاب إلى يـوم الـقيـامة، وإن مـات يـوم الـجـمعة أو ليلة الجمعة يكون له العذاب ساعة واحـدة وضغطة القبر، ثم ينقطع عنه العذاب، ولا يعود إلى يوم القيامة، انتهى. فـلا يـخـفى أن المعتبر في العقائد هو الأدلة اليقينية وأحاديث الآحاد لو ثبتت

إنما تكون ظنية. اللّٰهم إلا إذا تعدّد طرقه بحيث صار متواترًا معنويًا فحينئذٍ قد يكون قطعيًا، ثم ثبت في الجملة أن من مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة يرفع العذاب عنه إلا أن لا يعود إليه إلى يوم القيامة، فلا أعرف له أصلا، وكذا رفع العذاب يوم الجمعة وليلتها مطلقًا عن كل عاص، ثم لا يعود إلى يوم القيامة فإنه باطل قطعًا. (شرح الفقه الأكبر / بحث في أن عذاب القبر حق الخ ١٧٣ دار الكتب العلمية بيروت)

قال أي (الحكيم الترمذي في نوادر الأصول): ومن مات يوم الجمعة فقد انكشف الغطاء عما له عند اللّٰه؛ لأن يوم الجمعة لا تسجر فيه جهنم وتغلق أبوابها، ولا يعمل سلطان النار ما يعمل في سائر الأيام، فإذا قبض اللّٰه عبدًا من عبيده فوافق قبضه يوم الجمعة كان ذلك دليلا لسعادته وحسن مآبه، ولأنه لا يقبض في هٰذا اليوم العظيم إلا من كتب اللّٰه له السعادة عنده فلذلك يقيه فتنة القبر. (شرح الصدور بشرح حال الموتىٰ والقبور للسيوطي / باب من لا يسأل في القبر ٢٠٩ مكتبة دار التراث المدنية المنورة، مرقاة المفاتيح ٢/٢٤٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۷ / ۹/۹/۱۴۴۱ھ)

کیا ایک عورت کی وجہ سے چار مرد جہنم میں جائیں گے؟

سوال (۷۵):- ہم نے بار ہا سنا ہے کہ ایک عورت کی وجہ سے چار مرد جہنم میں جائیں گے: (۱) اُس کا بھائی (۲) اُس کا شوہر (۳) اُس کا والد (۴) مذکور نہیں۔ اِس روایت کے بارے میں پوچھا گیا ہے کہ یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- یہ روایت قطعاً بے اصل ہے، نیز اِسلام کے اُصول کے بھی خلاف ہے۔ اِسلام کا اُصول یہ ہے کہ ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ (یعنی کسی کی برائی کی وجہ سے دوسرے کو سزا نہیں دی جائے گی) اَب غلط عمل تو عورت کرے اور سزا میں یہ چار لوگ اُس کے ساتھ جہنم میں جائیں، یہ اِسلامی اُصول کے خلاف ہے۔ باقی یہ

بات اپنی جگہ مقرر ہے کہ بچپن ہی سے بچی کی عمدہ تربیت ہونی چاہئے، اگر وہ کسی بری بات میں مبتلا ہوتو اُس سے اُسے بچانے کی کوشش ہونی چاہئے، یہ الگ موضوع ہے؛ لیکن محض ایک عورت کی وجہ سے چار مرد جہنم میں جائیں اور اِس کو حدیث کے طور پر بیان کیا جائے؛ یہ بالکل درست نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا، وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى﴾ [الأنعام: ١٦٤]

حدثنا أبوبكر بن أبي شيبة ثنا أبو الأحوص عن شبيب بن غرقدة عن سليمان بن عمر بن الأحوص عن أبيه قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول في حجة الوداع: إلا لا يجني جان إلا على نفسه لا يجني والد على ولده ولا مولود على والده. (سنن ابن ماجة، أبواب الديات / باب لا يجني أحد على أحد ١٩١ مكتبة بلال ديوبند)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: ...... ومن كذب عليّ متعمدًا فليتبوأ مقعده من النار. (صحيح البخاري، كتاب العلم / باب إثم من كذب على النبي عليه السلام ٢١/١ رقم: ١١٠) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۴۳ / ۱۴۴۲/۱/۳ھ)

کیا حدیث میں ”اپنے مُردوں کو یاد کرنے“ کا حکم ہے؟

سوال (٧٦):- ہم نے سنا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ ”اپنے مردوں کو یاد کرتے رہا کرو“۔ تو اِس کی کیا حکمت ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- ”اپنے مردوں کو یاد کرتے رہا کرو“ اِن اَلفاظ کے ساتھ کوئی روایت ہماری نظر سے نہیں گذری؛ البتہ ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمومی حالات کے اعتبار سے اُمت کو یہ نصیحت فرمائی ہے کہ: **”اُذْكُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ وَكُفُّوْا عَنْ مَسَاوِيْهِمْ“** (یعنی اپنے مرحومین کی اچھائیوں کا تذکرہ کیا کرو اور اُن کی

برائیاں بیان مت کرو) اور ایک روایت میں اِرشاد فرمایا: ”إِذَا مَاتَ صَاحِبُكُمْ فَدَعُوْهُ، وَلَا تَقَعُوْا فِيْهِ“ (یعنی مرحومین کے انتقال کے بعد اُن کو اپنے حال پر چھوڑ دو، اور اُن کی برائیوں میں نہ پڑو) گویا کہ اُن کی کوتاہیوں کو مت اُچھالو۔ لہٰذا ہمیں اپنے مرحومین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہئے، اُن کے لئے صدقہ خیرات، اور ایصالِ ثواب کا بھی اہتمام رکھیں تو اور اچھی بات ہوگی۔

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: اذكروا محاسن موتاكم، وكفوا عن مساويهم. (سنن أبي داؤد، كتاب الأدب / باب في النهي عن سب الموتىٰ رقم: ٤٩٠٠)

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا مات صاحبكم فدعوه، ولا تقعوا فيه. (سنن أبي داؤد، كتاب الأدب / باب في النهي عن سب الموتىٰ رقم: ٤٨٩٩)

قوله: ولا تقعوا فيه أي لا تذكروه بسوء. قال ميرك: الأمر للندب، أي ما كان فيهم من محاسنهم. وكتب مولانا محمد يحيىٰ المرحوم: قوله: ”موتاكم“ أشار به إلى المؤمنين، فيكون المنفي التعرض عمن مات وهو على سنة المسلمين وطريقتهم، فأما من ذهب في غير ذلك وتجاوزت به الأهواء والبدع، فلا ينبغي أن يسكت عن معايبه لئلا يبقى الناس متمسكين بما سمعوا منه وأخذوا فيضلوا، غير أنه وجب أن لا يكون إظهاره ذلك إلا للّٰه سبحانه، لا لتشفي نفسه وإهانة الميت، انتهى. (وكفوا) الأمر للوجوب (عن مساويهم) جمع سوء على خلاف القياس، فإن ذكر السوء غيبة لهم، وهي كبيرة لا سبيل إلى عفوها، فوبالها لازم، فلا يرجى استحلاله. (بذل المجهود في حل سنن أبي داؤد، كتاب الأدب / باب في النهى عن سب الموتى ٣٠٩/١٣ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي)

قولہ: (موتاکم) إشارة إلى كونهم صلحاء لإضافتهم إلى الصحابة رضي اللّٰه عنهم، وهذا إجازة لذكر مساوئ من ليس كذلك إذا خاف فتنة في السكوت عن ذكرها، كمن اعتقده الناس عالمًا، وجعلوا يأخذون بما نُقل من أقواله مع أنه ليس كذلك، وكذلك رجل اعتقده الناس طيبًا وليس كذلك. (الكوكب الدري على جامع الترمذي / أبواب الجنائز ٣٩٦/٣ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي)

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: خيركم خيركم لأهله، وأنا خيركم لأهلي، وإذا مات صاحبكم فدعوه. (سنن الترمذي، أبواب المناقب / باب في فضل أزواج النبي صلى اللّٰه عليه وسلم رقم: ٣٨٩٥)

قوله: (وإذا مات صاحبكم فدعوه) أراد بالصاحب نفسه، والمعنى إذا مضيت عنكم فلا يهمنكم شأني واتركوني مشتغلين بطاعاتكم وعباداتكم، أو المراد كل صاحب لكم إذا انقضى ومات فدعوه، إن كان خيرًا فلا تشتغلوا بتذكاره والبكاء عليه، وإن كان شرًا فلا تذكروا مساويه.

قال القاري: إذا مات صاحبكم، أي: واحد منكم ومن جملة أهليكم فدعوه، أي: أتركوا ذكر مساويه، فإن تركه من محاسن الأخلاق، دلهم صلى اللّٰه عليه وسلم على حسن المعاملة مع الأحياء والأموات، وقيل: إذا مات أتركوا محبته والبكاء عليه، والأحسن أن يقال: فاتركوه إلى رحمة اللّٰه تعالىٰ، وقيل: أراد به نفسه الشريفة، أي: دعوا التحسر والتلهف عليّ، فإن في اللّٰه خلفًا عن كل فائت، وقيل: معناه إذا مت فدعوني ولا تؤذوني بإيذاء عترتي وأهل بيتي، انتهى. (الكوكب الدرى على جامع الترمذي / أبواب المناقب ٢٣٤/٨ تحت رقم: ٣٨٩٥ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲۴ / ۱۴۴۱/۹/۲۶ھ)

والدین کے متعلق ایک حدیث کا ثبوت؟

سوال (۷۷):- لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ ''باپ جنت کا دروازہ ہے'' اور ''ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے''۔تو کیا یہ حدیث سے ثابت ہے؟ یا کسی کا مقولہ ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- باپ اور ماں کے بارے میں مذکورہ دونوں باتیں صحیح حدیث سے ثابت ہیں:

الف:- باپ کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ''**اَلْوَالِدُ أَوْسَطُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ**'' (یعنی باپ جنت کا درمیانی دروازہ ہے) گویا فرماں بردار اَولاد کے لئے وہ جنت کا مین گیٹ ہے۔اور جو آدمی اپنے والد کو خوش رکھے گا، وہ مین گیٹ سے جنت میں داخلے کا مستحق قرار دیا جائے گا۔

ب:- اور ماں کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ''**فَإِنَّ الْجَنَّةَ عِنْدَ رِجْلِهَا**'' (یعنی ماں کے قدم کے پاس جنت ہے) روایت ہے کہ ایک شخص نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ: ''میں جہاد کے سفر میں جانا چاہتا ہوں، کیا رائے ہے''؟ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ''کیا تمہاری والدہ صاحبہ حیات ہیں''؟ اُس نے عرض کیا کہ ''جی ہاں! وہ حیات ہیں''۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''بس اُن کی خدمت میں لگے رہو؛ اِس لئے کہ اُن کے قدم کے پاس جنت ہے''۔یعنی والدہ کی جتنی خدمت کروگے اور اُنہیں جتنا خوش رکھوگے، اُتنا ہی جنت کے مستحق قرار پاؤگے۔

اِس لئے ہم سب کو چاہئے کہ ہم اپنے والدین کے حقوق کو بجالائیں، اُن کی خدمت کریں اور اُن کو خوش رکھیں۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

عن أبي أمامة رضي اللّٰه عنه أن رجلاً قال: يا رسول اللّٰه! ما حق الوالدين على ولدهما؟ قال: هما جنتك ونارك. (رواه ابن ماجة، كتاب الأدب / باب بر الوالدين رقم: ٣٦٦٢)

عـن مـعاوية بن جاهمة السلمي أن جاهمة جاء إلى النبي صلى الله عليه وسـلم فقال: يا رسول الله! أردت أن أغزو، وقد جئت أستشيرك؟ فقال: هل لك مـن أمّ؟ قـال: نـعـم، قال: فالزمها، فإن الجنة تحت رجليها. (سـنن النسائي، كتاب الجهاد / الرخصة في التخلف لمن له والدة رقم: ٣١٠٤)

عـن معاوية بن جاهمة السلمي قال: أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فـقلت: يا رسول الله! إني كنت أردت الجهاد معك؛ أبتغي بذلك وجه الله والـدار الآخـرة، قال: ويحك، أحية أمك؟ قلت: نعم، قال: ارجع فبرّها، ثم أتيته من الجانب الآخر، فقلت: يا رسول الله! إني كنت أردت الجهاد معك؛ أبتـغـي بـذلك وجـه الـله والدار الآخرة. قال: ويحك، أحية أمك؟ قلت: نـعم! يا رسول الله! قال: فارجع إليها فبرها، ثم أتيته من أمامه، فقلت: يا رسول الـلّـه! إنـي كنت أردت الجهاد معك؛ أبتغي بذلك وجه الله والدار الآخرة. قـال: ويـحك، أحية أمك؟ قـلـت: نـعـم يا رسول الله! قال: ويحك، الزم رجلها؛ فثم الجنة. (سنن ابن ماجة، كتاب الجهاد / باب الرجل يغزو وله أبوان رقم: ٢٧٨١)

قال أبو الدرداء رضي الله عنه سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يـقـول: الوالد أوسط أبواب الجنة، فحافظ على والدَيك أو اترك. (سنن ابن ماجة، كتاب الطلاق / باب الرجل يأمره أبوه بطلاق امرأته رقم: ٢٠٨٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲۳ / ۱۴۴۱/۹/۲۵ھ)

دشمنی اور دوستی سے متعلق ایک حدیث کی تحقیق

سوال (۷۸):- ہم نے اپنے ساتھیوں سے حدیث سن رکھی ہے کہ ’’جس سے دوستی کرو تو اعتدال میں رہو، ایسا نہ ہو کہ وہ بعد میں تمہارا دشمن بن جائے، اِسی طرح جس سے دشمنی اور لڑائی ہو تو اُس میں بھی اتنا آگے نہ بڑھو کہ اگر بعد میں دوستی ہو جائے تو شرمندگی ہو‘‘۔ تو سوال

یہ ہے کہ یہ روایت کس درجہ کی ہی، اور اُس کا کیا مطلب ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- یہ حدیث ترمذی شریف اور بعض دیگر کتابوں میں موجود ہے، اور خود حضرت اِمام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس روایت کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ اگرچہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً بھی نقل کی گئی ہے؛ لیکن اصح یہ ہے کہ یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی موقوف روایت ہے۔ بہرحال یہ مرفوع حدیث ہو یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہو، دونوں صورتوں میں اِس روایت میں بیان کردہ مضمون بڑا ہی پر حکمت ہے۔ یعنی آدمی کو دوستی اور دشمنی میں بہرحال اعتدال میں رہنا چاہئے، کہ اگر کسی سے دوستی ہو تو یہ نہ ہو کہ اپنی سب راز کی باتیں اسے بتادے، جس کی وجہ سے اگر وہ بعد میں کبھی دشمن بن جائے تو وہی ہمارے لئے سب سے بڑا نقصان دہ ثابت ہو۔ اِسی طرح اگر کسی سے دشمنی ہے تو اُس میں بھی آدمی کو اعتدال میں رہنا چاہئے، ایسا نہ ہو کہ بعد میں اگر اللہ تعالیٰ دونوں میں ملاپ فرمادیں تو آنکھ ملانا مشکل ہوجائے۔ خلاصہ یہ کہ یہ ایک بہترین اور نصیحت آموز کلام ہے۔

عن محمد بن سيرين عن أبي هريرة رضي الله عنه أراه رفعه قال: أحبب حبيبك هونا ما، عسى أن يكون بغيضك يوما ما، وأبغض بغيضك هونا ما، عسى أن يكون حبيبك يوما ما. (سنن الترمذي، أبواب البر والصلة / باب ما جاء في الاقتصاد في الحب والبغض رقم: ۱۹۹۷)

قال المناوي في شرح الجامع الصغير: أي ربما انقلب ذلك بتغيير الزمان والأحوال بغضًا فلا تكون قد أسرفت في حبه فتندم عليه إذا أبغضته، أو حبا فلا تكون قد أسرفت في بغضه فتستحي منه إذا أحببته، ذكره ابن الأثير، وقال ابن العربي: معناه أن القلوب بين إصبعين من أصابع الرحمن فقد يعود الحبيب بغيضًا وعكسه، فإذا أمكنته من نفسك حال الحب ثم عاد بغيضًا كان لمعالم مضارك أجدر لما اطلع منك حال الحب بما أفضيت إليه من الأسرار.

وقال عمر: لا يكن حبك كلفا ولا بغضك تلفًا وعليه أنشد هدبة بن خشرم:

وأبغض إذا أبغضت بغضًا مقاربًا ❖ فإنك لاتدري متى أنت راجع

وكن معدِنًا للخير واصفح عن الأذى ❖ راءٍ ما عملت وسامع

وأحبب إذا أحببت حبًا مقاربًا ❖ فإنك لا تدري متى أنت نازعٗ

ولهذا قال الحسن البصري: أحبوا هونًأ وأبغضوا هونًا فقد أفرط قوم في حب قوم فهلكوا، وأفرط قوم في بغض قوم فهلكوا. (فيض القدير في شرح جامع الصغير ۲۲۷/۱ رقم: ۲۲۳ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۱۳۰ / ۱۴۴۱/۹/۱۵ھ)

وتر کے بعد کی تسبیحات کے بارے میں ایک من گھڑت روایت

سوال (۷۹):- بڑے زوروشور سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ جوآدمی وتر کے بعد دوسجدے کرے، اور ہر سجدے میں پانچ مرتبہ ''سبوح قدوس رب الملائكة والروح'' پڑھے، اور دونوں سجدوں کے درمیان آیت الکرسی پڑھے، تو سر اُٹھانے سے پہلے اُس کی مغفرت ہوجائے گی، اور اُسے سو حج اور سو عمروں کا ثواب ملے گا وغیرہ، تو اِس روایت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مذکورہ روایت اگرچہ بعض فقہی کتابوں (مثلاً: فتاویٰ تاتارخانیہ ۳۴۶/۲ زکریا) میں نقل کی گئی ہے؛ لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ یہ روایت اُن فضائل کے ساتھ قطعاً باطل، موضوع اور بے اصل ہے، اِس کو حدیث کے طور پر نقل کرنا صحیح نہیں ہے۔ علامہ ابراہیم حلبی اور علامہ ابن عابدین شامی رحمہما اللہ نے اِس روایت کے بارے میں صاف لکھا ہے کہ: ''موضوعٌ باطلٌ لا أصل له''۔

البتہ بلاکسی تفصیل کے عام نمازوں کے رکوع اور سجدوں میں ''سبوح قدوس ربنا ورب الملائكة والروح'' پڑھنا نبی اکرم علیہ السلام سے صحیح روایات میں ثابت ہے؛ لہٰذا

اگر کوئی مذکورہ فضائل سے قطع نظر کرتے ہوئے سجدے میں اِن تسبیحات کو پڑھ لے، تو اُسے ناجائز نہیں کہا جائے گا۔

عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال لفاطمة رضي الله عنها: ما من مؤمن ولا مؤمنة يسجد بعد الوتر سجدتين، يقول في سجوده خمس مرات "سبوح قدوس رب الملائكة والروح" ثم يرفع رأسه، ويقرأ آية الكرسي مرة، ثم يسجد ويقول في سجوده خمس مرات: سبوح قدوس رب الملائكة والروح، والذي نفس محمد بيده أنه لا يقوم من مقامك حتى يغفر له، وأعطاه ثواب مائة حجة ومائة عمرة، وأعطاه الله ثواب الشهداء، وبعث الله إليه ألف ملك يكتبون له الحسنات، وكأنما أعتق مائة رقبة، واستجاب الله تعالىٰ دعاؤه، ويشفع يوم القيامة في ستين من أهل النار، وإذا مات مات شهيدًا. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل الثالث عشر في التراويح ۳٤٦/۲ رقم: ۲٦۱۷ زكريا)

قال المحقق الشيخ المفتي شبير أحمد القاسمي حفظه الله عن هذه الرواية: لم أجد هذا الحديث في كتب الأحاديث التي عندي. (رقم المسئلة: ۲٦۱۷)

عن مطرب بن عبد الله بن الشخير أن عائشة نبّأته أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يقول في ركوعه وسجوده: سبوح قدوس رب الملائكة والروح. (صحيح مسلم، كتاب الصلاة / باب ما يقال في الركوع والسجود رقم: ٤۸۷، وغيره)

وأما ما ذكره في التاتارخانية عن المضمرات أن النبي صلى الله عليه وسلم قال لفاطمة: ما من مؤمن ولا مؤمنة ...... الخ. فحديث موضوع باطل لا أصل له، ولا يجوز العمل به ولا نقله إلا لبيان بطلانه كما هو شأن الأحاديث الموضوعة ...... الخ. (غنية المتملي في شرح منية المصلي ٦۱۷، شامي، كتاب الصلاة / باب سجود التلاوة ۵۹۸/۲ زكريا، ۱۲۰/۲ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۱٦ / ۱۸/۹/۱۴۴۱ھ)

نمازِ ظہر کے بعد ۱۰۰ رمرتبہ درود شریف پڑھنے سے متعلق ایک حدیث

سوال (۸۰):- ہم نے سنا ہے کہ نمازِ ظہر کے بعد جو شخص ۱۰۰ رمرتبہ **"اللّٰهم صل على محمد وعلى آله وبارك وسلم"** پڑھے گا، تو اللہ تعالیٰ اسے ۴؍ بڑی نعمتوں سے نوازیں گے: (۱) ساری زندگی قرضے سے محفوظ رہے گا (۲) پہاڑ کے برابر قرض ہو تو بھی اللہ تعالیٰ اُسے اَدا کروادے گا (۳) کسی بھی نعمت کا اُس سے سوال نہ ہوگا (۴) جنت میں بغیر حساب وکتاب کے داخلہ ہوگا۔ تو یہ حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مذکورہ تفصیل کے ساتھ کوئی روایت ہماری نظر سے نہیں گذری؛ البتہ اِس میں کوئی شک نہیں کہ درود شریف کا کثرت سے وِرد رکھنا گناہوں کی مغفرت اور پریشانیوں سے محفوظ رہنے کا ذریعہ ہے، جیسا کہ متعدد روایات سے ثابت ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کو بکثرت درود شریف کا اہتمام رکھنا چاہئے؛ لیکن بے سند روایات کو نہیں پھیلانا چاہئے۔

عن محمد بن يحيى بن حبان عن أبيه عن جده رضي اللّٰه عنه أن رجلاً قال: يا رسول اللّٰه! أجعلُ ثلث صلاتي عليك؟ قال: نعم إن شئت. قال: الثلثين؟ قال: نعم إن شئت. قال: فصلاتي كلها؟ قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذًا يكفيك اللّٰه ما أهمك من أمر دنياك وآخرتك. (رواه الطبراني بإسناد حسن، الترغيب والترهيب مكمل، كتاب الذكر والدعاء / الترغيب في إكثار الصلاة على النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ص: ۳۸۲ رقم: ۲۵۹۵ بيت الأفكار الدولية) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۱۸ / ۱۴۴۱/۹/۲۰ھ)

مسواک کرکے نماز پڑھنے کی فضیلت سے متعلق روایت

سوال (۸۱):- ہم نے سنا ہے کہ جو نماز مسواک کرکے پڑھی جائے، وہ بغیر مسواک کی نماز سے ۷۰؍ درجہ اَفضل ہوتی ہے؟ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسواک کرکے نماز اَدا کرنے کی اَفضلیت سے متعلق مذکورہ روایت ایک ضعیف سند سے مروی ہے، جس پر زیادہ اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ اِس لئے بہتر یہ ہے کہ اِس روایت کے بجائے دیگر صحیح روایات کو عام کیا جائے، جن میں نماز کے وقت مسواک کی بہت ترغیب دی گئی ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لو لا أن أشق علىٰ أمتي أو لو على الناس لأمرتهم بالسواك مع كل صلاة.

(صحيح البخاري، كتاب الجمعة باب السواك يوم الجمعة ١٢٢/١ رقم: ٨٨٧)

قال في المقاصد: وفي الباب عن أنس وجابر وابن عمر وأم الدرداء وجبير بن نفير مرسلاً كما بينته في بعض التصانيف، وبعضها يتعضد ببعض، وأورده الضياء في المختار ة عن هؤلاء. وقال ابن الغرس الذي فهمته من كلامهم أنه ضعيف أو حسن لغيره. (كشف الخفاء ومزيل الإلباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس ٢٣/٢ رقم: ١٦٠٢ دار الكتب العلمية بيروت)

عن محمد بن إسحق قال: ذكر محمد بن مسلم الزهري عن عروة عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تفضل الصلاة التي يستاك لها على الصلاة التي لا يستاك لها سبعين ضعفًا.

وهذا الحديث أحد ما يخاف أن يكون من تدليسات محمد بن إسحق بن يسار، وأنه لم يسمعه من الزهري، وقد رواه معاوية بن يحيى الصدفي، عن الزهري وليس بالقوي. وروي من وجه آخر عن عروة عن عائشة. ومن وجه آخر عن عمرة عن عائشة، فكلاهما ضعيف.

قال الواقدي، ثنا عبد الله بن أبي يحيىٰ الأسلمي عن أبي الأسود عن عروة عن عائشة عن النبي صلى الله عليه وسلم: الركعتان بعد السواك أحب إلي من

سبعين قبل السواک. الواقدي لا يحتج به، وروي عن عائشة من غير هذا الطريق.

ثنا حماد بن قيراط ثنا فرج بن فضالة، عن عروة بن رويم، عن عمرة عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: صلاة سواک خير من سبعين صلاة بغير سواک. فهذا إسناد غير قوي، وروي في ذلک عن جبير بن نفير مرفوعًا مرسلا، واللّٰه اعلم. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الطهارة / باب تاكيد السواك عند القيام إلى الصلاة ٦٢/١ رقم: ١٥٩-١٦١ دار الكتب العلمية بيروت)

قال أبو الحسن علي بن محمد من عراق الكناني: قلت: لم يبين علته، وفيه جماعة لم أعرفهم، واللّٰه اعلم. (تنزيه الشريعة المرفوعة، كتاب الصلاة / الفصل الثالث ١١٥/٢ تحت رقم: ٩٩ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۱۹ / ۱۴۴۱/۹/۲۱ھ)

عمامہ کی فضیلت سے متعلق ایک روایت کی تحقیق

سوال (۸۲):- جو آدمی عمامہ پہن کر نماز پڑھے، اُسے بغیر عمامہ والی نماز سے ۷۰ گنا زیادہ ثواب ملتا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- عمامہ باندھنا مسنون ہے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمولِ مبارک بھی ہے؛ لیکن عمامہ پہن کر نماز پڑھنے کا ثواب بغیر عمامہ والی نماز سے ۷۰ گنا افضل ہونے کی جو روایت عوام میں مشہور ہے، اُس کو حضرات محدثین نے سراسر موضوع قرار دیا ہے؛ اِس لئے ایسی روایات کو حدیث کے طور پر بیان کرنا جائز نہیں ہے۔

(عمدۃ الاقاویل فی تحقیق الاباطیل ۲۷۱-۲۷۳ مؤلفہ: مولانا رضوان الدین معروفی)

يا بني! أحب العمامة، يا بني اعتم تبجل وتكرم وتوقر. ولا يراک الشيطان إلا ولّى هاربًا سمعت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: إن صلاة بعمامة تعدل خمسًا وعشرين صلاة بغير عمامة وجمعة بعمامة تعدل سبعين

جمعة بغير عمامة، إن الملائكة ليشهدون الجمعة معتمين ولا يزالون يصلون على أصحاب العمائم حتى تغرب الشمس. قال ابن حجر: موضوع. فيه عباس بن كثير لم أر له ذكر في الغرباء، وفيه غيره، قلت: أخرجه ابن عساكر والديلمي، قال المذنب فيه أيضًا العباس المذكور. (تذكرة الموضوعات ١٥٦/١ دار ابن حزم بيروت)

قال الحافظ ابن حجر في لسان الميزان: هذا حديث منكر؛ بل موضوع، وفي سنده من لم أعرفه، ولا أدري الآفة ممن؟ (تنزيه الشريعة المرفوعة، كتاب الصلاة / الفصل الثالث ١٢٤/٢ تحت رقم: ١٣٩ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۱۹ / ۱۴۴۱/۹/۲۱ھ)

۷۰/ماؤں سے زیادہ محبت کرنے والی حدیث کی تحقیق

سوال (۸۳):- ہم نے یہ سنا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندے سے ستر ماؤں سے زیادہ محبت فرماتے ہیں، تو کیا یہ کوئی حدیث ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- اِن الفاظ سے کوئی حدیث ہماری نظر سے نہیں گذری، مگر اتنی بات درست ہے کہ بغیر عدد کے اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے ہر بندے سے ماں سے زیادہ مہربانی اور رحم دلی فرماتے ہیں؛ چناں چہ ایک صحیح روایت میں یہ مضمون وارد ہے کہ کچھ قیدی پیغمبر علیہ السلام کے سامنے لائے گئے جن میں ایک عورت بھی تھی، اور جس کا دودھ پیتا بچہ تھا، مگر وہ اُس سے کہیں الگ ہوگیا، تو یہ عورت اُسے تلاش کرکے دودھ پلانے کے لئے بے چین ہورہی تھی، تلاش کرتے کرتے وہ بچہ اسے مل گیا، جلدی سے اُس نے اُسے اپنی بانہوں میں لیا اور دودھ پلانے لگی۔ تو پیغمبر علیہ السلام نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ دیکھ رہے ہو اُس ماں کو اپنے بچے سے کتنی محبت ہے؟ تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ ماں اپنے بچے کو اپنے ہاتھوں سے عذاب دے سکتی ہے؟ آگ میں ڈال سکتی ہے؟ سب صحابہ نے فرمایا ''نہیں بالکل نہیں''! تو پیغمبر علیہ السلام نے اِرشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اِس سے کہیں زیادہ اپنے بندوں سے محبت اور رحمت فرمانے

والے ہیں، یعنی جتنی محبت ومہربانی اُس ماں کے دل میں اپنے چھوٹے بچے کے سلسلے میں ہے اُس سے کہیں زیادہ رأفت ورحمت اور محبت اللہ تعالیٰ اپنے ہر بندے سے فرماتے ہیں؛ لہٰذا یہ کہنا کہ ستر ماؤں سے زیادہ محبت ہے یہ تو ثابت نہیں؛ لیکن نفس محبت اور نفس رحمت ثابت ہے۔

عن عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنه قال: قدم على النبي صلى اللّٰه عليه وسلم سبي، فإذا امرأة من السبي قد تحلب ثديها تسقي، إذا وجدت صبيًا في السبي أخذته فألصقته ببطنها وأرضعته، فقال لنا النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: أترون هذه طارحة ولدها في النار؟ قلنا: لا، وهي تقدر على أن لا تطرحه. فقال: اللّٰه أرحم بعباده من هذه بولده. (صحيح البخاري، كتاب الأدب / باب رحمة الولد وتقبيله ومعانقته ص: ١٥٢٢ رقم: ٥٩٩٩ دار الفكر بيروت)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إن للّٰه مائة رحمة أنزل منها رحمة واحدة بين الجن والإنس والبهائم والهوام، فيها يتعاطفون وبها يتراحمون، وبها تعطف الوحش على ولدها، وأخر اللّٰه تسعًا وتسعين رحمةً، يرحم بها عباده يوم القيامة. (صحيح مسلم، كتاب التوبة / باب في سعة رحمة اللّٰه تعالىٰ ص: ١٦١٢ رقم: ١٩-٢٧٥٢ بيت الأفكار الدولية) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۵۰ / ۱۴۴۲/۲/۲۳ھ)

۴۰-۵۰/سال کے اندر قیامت آجانے کا دعویٰ؟

سوال (۸۴):- ایک صاحب نے بہت زور دے کر یہ بیان کیا ہے کہ ۴۰-۵۰/سال کے اندر قیامت آنے والی ہے، اُن کا دعویٰ یہ ہے کہ اُنہیں اِس بات کا خصوصی علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ اُن کا یہ دعویٰ کہاں تک درست ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- یہاں پر ہم دو باتیں جواباً عرض کرنا چاہتے ہیں:

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ جیسے جیسے زمانہ آگے بڑھ رہا ہے، پچھلے دور کے اعتبار سے قیامت قریب آتی جارہی ہے۔ قرآنِ پاک میں خود آیت نازل ہوچکی ہے کہ ’’قیامت قریب آگئی ہے اور چاند کے ۲ ٹکڑے ہوگئے ہیں‘‘۔ تو اِس میں تو کوئی شک ہے ہی نہیں کہ پہلے کے مقابلے میں قیامت قریب آچکی ہے۔

(۲) لیکن دوسری بات یہ بھی ہے کہ حتمی طور پر کوئی شخص یہ نہیں بتا سکتا کہ کس سال اور کتنے زمانے کے بعد قیامت قائم ہوگی؟ اس کا علم اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے پاس رکھا ہے؛ حتیٰ کہ جب سیدنا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پیغمبر علیہ السلام سے قیامت کے بارے میں سوال کیا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں یہی فرمایا تھا کہ **’’ما المسؤل عنها باعلم من السائل‘‘** (یعنی جس سے پوچھا جارہا ہے وہ اِس بارے میں پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا) نیز اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک میں متعدد جگہ اِرشاد فرمایا کہ قیامت کا علم اللہ کے علاوہ کسی کو نہیں ہے۔

اِس لئے قیامت کے وقوع کے بارے میں کوئی حتمی دعویٰ کرنا بہت بڑی جسارت کی بات ہے، اور نا قابل قبول ہے؛ کیوں کہ جو بات اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اور فرشتوں کو نہیں بتائی، وہ کسی اُمتی کو کیسے معلوم ہوسکتی ہے؟

علاوہ اَزیں اَحادیث شریفہ میں قیامت کی بالکل قریبی علامتیں واضح طور پر بیان کی گئی ہیں، جن میں ظہورِ مہدی، خروجِ دجال، نزولِ عیسیٰ، خروجِ یاجوج وماجوج وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں؛ لہٰذا اِن علامات سے پہلے قیامت کے وقوع کا دعویٰ سراسر غلط اور نا قابل اعتبار ہے۔

قال تعالىٰ: ﴿اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ [القمر: ١]

وقال تعالىٰ: ﴿إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ [لقمان، جزء آيت: ٣٤]

وقال تعالىٰ: ﴿لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ﴾ [الأعراف، جزء آيت: ١٨٧]

وفي حديث جبرئيل: ...... **قال: فأخبرني عن الساعة؟ قال: ما المسئول عنها بأعلم من السائل.** (صحيح مسلم / أول كتاب الإيمان رقم: ١)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا تقوم الساعة حتى تطلع الشمس من مغربها فإذا رآها الناس آمن من عليها فذاك حين ﴿لا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ﴾. (صحيح البخاري، كتاب التفسير، سورة الأنعام / باب قوله: هلم شهداء كم رقم: ٤٦٣٥)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ما تاب قبل أن تطلع الشمس من مغربها تاب اللّٰه عليه. (صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار / باب استحباب الاستغفار رقم: ٢٧٠٣)

عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: كيف أنعم وصاحب القرن قد التقم القرن واستمع الإذن متى يؤمر بالنفخ فينفُخ، فكأن ذلك ثقل على أصحاب النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، فقال لهم: قولوا حسبنا اللّٰه ونعم الوكيل، على اللّٰه توكلنا. (سنن الترمذي، أبواب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول الله صلى الله عليه وسلم / باب ما جاء في شأن الصور رقم: ٢٤٣١)

عن حذيفة بن أسيد الغفاري قال: اطلع النبي صلى اللّٰه عليه وسلم علينا ونحن نتذاكر فقال: ما تذاكرون؟ قالوا: نذكر الساعة، قال: إنها لن تقوم حتى ترون قبلها عشر آيات، فذكر الدخان، والدجال، والدابة، وطلوع الشمس من مغربها، ونزول عيسى ابن مريم عليه الصلاة والسلام، ويأجوج ومأجوج، وثلاثة خسوف: خسف بالمشرق، وخسف بالمغرب، وخسف بجزيرة العرب، وآخر ذلك نار تخرج من اليمن تطرد الناس إلى محشرهم. (صحيح مسلم، كتاب الفتن وأشراط الساعة / باب في الآيات التي تكون قبل الساعة رقم: ٣٩-٢٩٠١ بيت الأفكار الدولية) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۱۳۰ / ۱۴۴۱/۹/۱۵ھ)

کیا حضرت بلالؓ کی اَذان پر صبح کا ظہور موقوف رہا؟

سوال (۸۵):- ہم نے سنا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ اَذان ہی نہیں دی تو صبح نہیں ہوئی، اوراَذان دے دی تو صبح ہوگئی، اِس روایت کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- یہ روایت بالکل من گھڑت اورسراسر جھوٹ ہے، اور کسی بھی معتبر کتاب میں ہمیں دور دور تک اس کا کوئی ذکر نہیں ملا، ایسی باتوں کو پھیلانے سے پوری طرح بچنا چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۴۳ / ۱۴۴۲/۱/۳ھ)

کیا عالم دین کی تدفین کی وجہ سے پڑوسیوں کا عذاب اُٹھالیا جاتا ہے؟

سوال (۸۶):- ہم نے سنا ہے کہ جب کسی قبرستان میں عالم دین کو دفن کردیا جاتا ہے، تو پڑوس کی ۴۰ر قبروں تک عذابِ قبر نہیں ہوتا، اِس بارے میں کوئی حدیث یا کوئی اثر ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- اِس مضمون کی کوئی حدیث یا اثر یا کسی کا مقولہ ہماری نظر سے نہیں گذرا۔ اور اِسی طرح کی ایک اور بات لوگوں میں مشہور ہے کہ اگر کوئی عالم یا طالب علم کسی بستی سے گذر جائے تو وہاں کے قبرستان والوں سے ۴۰ر دن عذاب تک قبر ہٹالیا جاتا ہے۔ یہ روایت بھی بالکل من گھڑت اور موضوع ہے، ایسی باتوں کو بالکل بیان نہیں کرنا چاہئے، علماء کی فضیلت میں تو صحیح احادیث موجود ہیں، اُنہیں کو بیان کریں، بے سند بلا تحقیق باتیں نہ بیان کریں نہ اُن کو پھیلائیں، نہ اُن کا میسیج آگے فارورڈ کریں، جو صحیح باتیں ہیں انھیں کو لوگوں میں عام کرنا چاہئے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ﴾ [الحجرات، جزء آیت: ٦]

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: كفى

بـالمرأ كذبًا أن يحدث بكل ما سمع. (صحيح مسلم، المقدمة / باب النهي عن الحديث بكل ما سمع ۹/۱ رقم: ٥)

فإذا ركبتم الصعب والذلول فهيهات أي إذا نقلتم الحديث بلا إدراك وتحقيق وجئتم بكل شيء فلا فأخذ مما تنقلونه منه إلا ما نظر صدقه ...... الخ.

(هامش على سنن ابن ماجة ص: ٤ مكتبه بلال ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۴۴ / ۱۴۴۲/۱/۱۰ھ)

قضاءعمری کے متعلق ایک من گھڑت اشتہار

سوال (۸۷):- کئی سالوں سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ رمضان المبارک کے آخری جمعہ کے متعلق ایک اشتہار چھاپا جاتا ہے، جس میں نماز قضائے عمری لکھا رہتا ہے، اور اُس میں یہ ہدایت ہوتی ہے کہ ۲رکعت خاص انداز میں اَدا کرو، تو ٦٠ رسال کی قضا شدہ فرض نمازیں سب معاف ہوجائیں گی۔ تو اِس اشتہار میں لکھی ہوئی بات درست ہے یا نہیں؟ اور اِس طرح کا اشتہار چھپوانا اور تقسیم کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مذکورہ اشتہار میں لکھی گئی بات سراسر جھوٹ، من گھڑت اور موضوع ہے، اِس طرح کی باتوں کو شائع کرنا اور پھیلانا ہرگز جائز نہیں ہے۔ شریعت میں ایسا کوئی حکم نہیں ہے کہ نفلی عبادت کرنے سے خودبخود فرائض معاف ہوجائیں، یہ بات خلافِ عقل اور خلافِ نقل ہے۔ اور جو نمازیں قضا ہوئی ہیں اُن کو حسب سہولت اَدا کرنا لازم ہے، کوتاہی پر آخرت میں سخت مؤاخذہ کا خطرہ ہے۔

عن حفص بن عاصم رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كفى بالمرأ كذبًا أن يحدث بكل ما سمع. (صحيح مسلم، المقدمة / باب النهي عن الحديث بكل سمع ۸/۱)

قوله: والترتيب بين الفائتة والوقتية وبين الفوائت مستحق، مفيد

لشيئين: أحدهما بالعبارة والآخر بالقضاء. أما الثاني فهو لزوم قضاء الفائتة فالأصل فيه أن كل صلاة فاتت على الوقت بعد ثبوت وجوبها فيه، فإنه يلزم قضاءها، سواء تركها عمدًا أو سهوًا أو بسبب نوم، وسواء كانت الفوائت كثيرة أو قليلة ...... ومن حكمه أن الفائتة تقضي على الصفة التي فاتت عنه إلا لعذر وضرورة ...... والدليل على وجوبه ما في الصحيحين من حديث جابر أن عمر بن الخطاب شغل بسبب كفار قريش يوم الخندق، وقال: يا رسول الله! ما كدت أصلي العصر حتى كادت الشمس أن تغرب، فقال عليه السلام: والله ما صليتها، قال: فنزلنا بطحان فتوضأ رسول الله صلى الله عليه وسلم وتوضأنا فصلى رسول الله صلى الله عليه وسلم العصر بعد ما غربت الشمس وصلينا بعدها **المغرب.** (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب قضاء الفوائت ۱٤۱/۲-۱٤۲ دار الكتب العلمية بيروت)

سوال میں مذکورمن گھڑت روایت کے بارے میں حضرت مولانا شیخ محمد عبدالحیؒ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ ’’ردع الاخوان عن محدثات آخر جمعة رمضان‘‘ سے حضرت کی تحقیقی تحریر برائے اِفادہ ذیل میں درج ہے:

اعلم أنهم قد أحدثوا في آخر جمعة شهر رمضان أمورًا مما لا أصل لها، والتزموا أمورًا لا أصل للزومها ...... فمنها: القضاء العمري، حدث ذلک في بلاد خراسان وأطرافها وبعض بلاد اليمن وأكنافها، ولهم في ذلک طرق مختلفة ومسالک متشتة. فمنهم من يصلي في آخر جمعة رمضان خمس صلوات قضاءً بأذان وإقامة مع الجماعة، ويجهرون في الجهرية ويسرون في السرية، وينوون لها بقولهم: نويت أن أصلي أربع ركعات مفروضة قضاء لما فات من الصلوات في تمام العمر مما مضى، ويعتقدون أنها كفارة لجميع الصلوات الفائتة فيما مضى.

وفي أوراد راحة العابدين: ...... وحاصل ما فيه معربًا من صلّى في آخر جمعة من رمضان أربع ركعات قبل الظهر وهو المسمى بـ"القضاء العمري"، كانت كفارة لفوائت جميع عمره، قالوا: وهذا لا شبهة فيه، وهو اتفاقي لم يختلف فيه أحد من أهل السنة والجماعة، ولا يختلفون، ومن أنكر فهو ضال مضل، وخارج عن دائرة الإسلام، وأما أداء ها بالجماعة ففيه اختلاف.

قال بعضهم: أداء ها بالجماعة مكروه؛ لأن أداء النفل بالجماعة مكروه. وقال بعضهم: لا يكره أداء الصلاة المذكورة بالوصف المذكور بالجماعة؛ لأن فيه دخلا للفوائت، وأداء الفوائت بالجماعة صحيح غير مكروه على ما في كتب الفقه، وبه أفتى خلف بن أيوب أحد تلامذة الإمام الأعظم. وذكر في فتاوى واجد الدين النسفي: أن الأول في بلاد العرب أن يؤدوها فرادى فرادى؛ لكونهم فصحاء وبلغاء، ويقرء ون القرآن بأحسن وجه. وأما في بلاد العجم، لا سيما في زماننا فالأصح والأولى أن يؤدوها بالجماعة؛ لأن أكثرهم لا يعرفون مخارج الحروف، ولا يقرء ون القرآن على الوجه الحسن.

وفي مفاتيح الجنان: ...... وحاصله معربًا: أن من فاتت له صلوات كثيرة ولا يعلم عددها فليصل يوم الجمعة قبل صلاة الجمعة، أو أي وقت شاء أربع ركعات بتحريمة واحدة، ويقرأ في كل ركعة بعد الفاتحة آية الكرسي مرة، وسورة الكوثر خمس عشرة مرة، قال أبوبكر رضي اللّٰه عنه سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من صلى هذه كانت له كفارةً لصلوات اثنتين وعشرين سنة. وفي رواية عمر رضي اللّٰه عنه لصلوات أربع مائة سنة. وفي رواية عثمان رضي اللّٰه عنه: لصلوات ست مائة سنة. وفي رواية علي رضي اللّٰه عنه لصلوات سبع مائة سنة. قالوا: يا رسول اللّٰه إنما عمر الإنسان

سبعون أو ثمانون، فقال: تكون هذه الصلاة كفارة لصلواته الفائتة وفوائت أمه وأبيه وجده وأبنائه وصهره.

وأقول معتصمًا بحبل الله المتين: كل ما يفعلونه ويعتقدونه من حركات الغافلين، أما صنيعهم من ترك الصلاة متعمدًا على القضاء العمري فهو من أقبح القبائح. فقد ورد عن النبي صلى الله عليه وسلم "بين الرجل والكفر ترك الصلاة". أخرج أحمد. وفي رواية مسلم: "بين الرجل وبين الشرك أو الكفر ترك الصلاة". وفي رواية أبي داؤد والنسائي: "ليس بين العبد وبين الكفر إلا ترك الصلاة". وفي رواية الترمذي: "بين الكفر والإيمان ترك الصلاة". وفي رواية الطبراني: "من ترك الصلاة متعمدًا فقد كفر جهارًا". وفي رواية ابن ماجة والبيهقي: "من تركها متعمدًا فقد برئت منه الذمة". وعند البزار بسند حسن: "من ترك الصلاة لقى الله وهو عليه غضبان". وعند البزار: "لا سهم في الإسلام لمن لا صلاة له ولا صلاة لمن لا وضوء له". وفي الباب: أخبار كثيرة وآثار شهيرة.

قال ابن حجر المكي الهيثمي في الزواجر عن اقتراف الكبائر بعد ذكر كثير: منها: اختلف العلماء ومن بعدهم في كفر تارك الصلاة، وقد مر في الأحاديث الكثيرة السابقة التصريح بكفره وشركه، وخروجه عن الملة منه ذمة الله ورسوله، وبأن يحبط عمله، وبأنه لا دين له، وبأنه لا إيمان له، ونحو ذلك من التغليظات، وأخذ بظاهره جماعة من الصحابة والتابعين ومن بعدهم، فقالوا: من ترك صلاة متعمدًا حتى خرج جميع وقتها، كان كافرًا مراق الدم. منهم عمر وعبد الرحمن بن عوف ومعاذ بن جبل وأبوهريرة وابن مسعود وابن عباس وجابر وأبو الدرداء رضي الله عنهم. ومن غير الصحابة:

أحمد بن حنبل وإسحق بن راهويه وعبد اللّٰه بن المبارك والنخعي وابن عيينة وأيوب السختياني وأبوداؤد الطيالسي وأبوبكر بن أبي شيبة وزهير بن حرب وغيرهم، فهؤلاء الأئمة كلهم قائلون بكفر تارك الصلاة وإباحة دمه.

وقال محمد بن نصر المروزي: قال إسحاق: صح عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أن تارك الصلاة كافر. وأما الشافعي وآخرون: فإنهم وإن قالوا بعدم كفره إذا لم يستحل الترك؛ لكنهم قائلون بأنه يقتل بترك صلاة واحدة، فإذا أمر بها في وقتها حتى خرج ولم يصلها، ثم قيل له: صلها فأبى ضرب عنقه بالسيف، انتهى.

وأما اعتقادهم في أن صلاة رمضان وإن كانت فريضة فضلا عن غيرها تعدل كثيرًا من الصلوات، فهو قبيحة ثانية، قال في الفتاوى البزازية: لا يصلي إلا في رمضان لا غيره. ويقول: *این خود بسیار است* أو يقول: صلاة في رمضان تعدل سبعين صلاة يكفر، انتهى.

وفي الفصول العمادية: رجل يصلي في رمضان لا غير، ويقول: *این خود بسیار است*، أو يقول: *زیادت مي‌باید*؛ لأن كل صلاة في رمضان يساوي سبعين صلاة يكفر، انتهى.

ومثله في جامع الفصولين، وفي خزانة المفتيين: رجل يصلي في رمضان لا غير، ويقول: *این خود بسیار است*، أو صلى إلى غير القبلة متعمدًا، فوافق ذلك القبلة، أو صلى بغير وضوء متعمدًا، أو صلى إلى غير القبلة على وجه الاستهزاء والاستخفاف، صار كافرًا في الفصول كلها، انتهى.

وفي كشف الوقاية: رجل صلى في رمضان لا غيره، ويقول: *این خود بسار است*، أو يقول: *زیادت می آید*؛ لأن كل صلاة في رمضان يساوي سبعين صلاة يكفر، انتهى.

وفـي الفتاوى العالمكيرية: رجل يصلي في رمضان لا غير، ويقول: این خود بسیار است، أو يقول: زیادت میاید؛ لأن كـل صلاة في رمضان تساوي سبعين صلاة يكفر، انتهى.

فـإن قلت: كيف هذا قد أخرج العقيلي وضعفه وابن خزيمة في صحيحه والبيهـقـي والـخطيب والأصبهاني في الترغيب عن سلمان الفارسي قال: خطبنا رسـول الله صلى الله عليه وسلم في آخر يوم من شعبان، فقال: يا أيها الناس! قد أظـلـكـم شهـر عـظيـم شهـر مبارك شهر فيه ليلة خير من ألف شهر، جعل الله صيامه فريضة، وقيام ليله تطوعًا، من تقرب فيه بخصلة من الخير كان كمن أدى فـريـضة فيـمـا سـواه، ومـن أدى فـريـضة فيه كان كمن أدى سبعين فريضة فيما سواه، الحديث. ذكره بطوله الحافظ السيوطي في "تفسير الدر المنثور.

قلت: هذا أمر آخر، فإنهم لا ينكرون فضل صلاة رمضان وبلوغ فرضه ثـوابًـا إلى سبعين فريضة في غير رمضان؛ بل غرضهم إبطال قول من يقول: إن صـلاة رمضان تعدل سبعين صلاة معادلة حقيقية يقوم مقامها، وأنها مجزية من سبعيـن صلاة، وإنما حكموا بكفر من اعتقد هذا، وتركـ الصلوات متعمدًا متعمدًا على هذا لا يكفر من اعتقد حصول زيادة الثواب؛ فإنه فضل العزيز الوهاب.

ولهـذا قـال عـلـي الـقاري في المرقاة شرح المشكاة عند المبحث في مـضـاعـفـه الثواب في مسجد مكة والمدينة: ثم المراد بالتضعيف السابق في الأجـر دون الإجـزاء بـاتـفـاق الـعـلـماء، فالصلاة في أحد المساجد الثلاثة لا يـجـزئ عـن أكثـر من واحدة إجماعًا، وما اشتهر على ألسنة العوام: من صلى داخل الكعبة أربع ركعات يكون قضاء الدهر باطل لا أصل له، انتهى.

وأمـا ظنهم بأن صلاة واحدة أو صلوات خمسة تجزئ عن جميع فوائت عمره، فهو شناعة ثالثة لوجوهٍ.

أحدها: أن هذا أمر لم يعهد نظيره في الشرع، فلم يرد فيه عبادة تكون قائمة مقام عبادات كثيرة ومجزئة عنها.

وثانيها: أن القضاء دين من ديون الله في ذمة عباده، وقد تقرر في مقره إن الدين لا يسقط عن ذمة المديون إلا بالأداء أو الإبراء. ومن المعلوم أن أداء صلاة واحدة أو صلوات خمسة ليس بأداء لصلوات كثيرة، ولم يوجد الإبراء، فكيف يصح الإجزاء.

وثالثها: أن القضاء عبارة عن تسليم مثل الواجب، كما نصت عليه أئمة الأصول، والمثلية بين صلاة واحدة، أو صلوات خمسة لصلوات كثيرة غير معقول، ألا ترى أنه لو أدى من عليه أربع ركعات ثلاث ركعات، أو خمس ركعات لا يكون ذلک مجزئًا، فكيف يكون في ركعات عديدة أجزأ عن آلاف ركعة.

ورابعها: أن قضاء الفرض فرض بالنص، ومن المعلوم إن الفروض متزاحمة، فلا بد من تعيين ما يريد أدائه، حتى تبرأ ذمته، فإن فرضًا من الفروض لا يتأدى بنية فرض آخر، كما نص عليه في التبيين، فكيف يمكن أن تتأدى صلوات كثيرة غير معينة بصلاة واحدة.

وخامسها: أنه ذكر في الظهيرية والبحر الرائق وغيرهما: أنه لو كانت الفوائت كثيرة فاشتغل بالقضاء يحتاج إلى تعيين الظهر والعصر، وينوي أيضًا ظهر يوم كذا، فإن أراد تسهيل الأمور ينوي أول ظهر عليه، أو آخر ظهر عليه، انتهى. فكيف يمكن أن تبرأ الذمة بالواحدة أو الخمسة عن الكثيرة الغير المتعينة.

وسادسها: أنه ورد في الحديث الصحيح: "إنما الأعمال بالنيات وإنما لكل امرئ ما نوى". أخرجه البخارى في بدء صحيحه، وفي كتاب الإيمان والعتق والهجرة والنكاح والأيمان والنذر وترک الحيل، ومسلم والترمذي

والنسائي وابن ماجة وأحمد والدار قطني وابن حبان والبيهقي وغيرهم، ولم يخرجه مالك في مؤطئه، وقد تبع فيه الحافظ ابن حجر العسقلاني، حيث قال في فتح الباري وغيره، كذلك. فإن هذا الحديث موجود في "موطأ مالك" برواية محمد بن الحسن، وقد أوضحت ذلك في حاشيتي عليها المسماة بـ"التعليق الممجد على مؤطأ محمد"، وهذا الحديث يدل على أن ثواب الأعمال أو صحة الأعمال موقوف على النية، وأن المرء لا يحصل له إلا ثواب ما نوى أو صحة ما نوى لا غيره، فكيف يمكن أن تتأدى فوائت كثيرة لصلاة أديت بنية النفل، فإنما لكل ما نوى، وقد ذكر في "فتح القدير" في باب الوتر عن التجنيس وغيره: أن الفرض لا يتأدى بنية النفل، ويجوز عكسه، انتهى.

فإن قالوا: نحن ننوي معه قضاء عمريًا فتتأدى به؟ قلت: هذه النية لا مثل لها في الشرع، وهل ذلك إلا كمن نوى بصيام واحد أداء صيامات متعددة، أو بحج واحد حجات كثيرة.

وسابعها: إنه أخرج الثوري في جامعه عن إبراهيم النخعي قال: من ترك صلاة واحدة عشرين سنة لم يعد إلا تلك الصلاة الواحدة، وذكره البخارى في صحيحه تعليقًا. وأخرج البخاري عن أنس قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: "من نسى صلاة فليصل إذا ذكرها لا كفارة لها إلا ذلك". وفي رواية لمسلم عن أبي هريرة: من نسي الصلاة فليصلها إذا ذكرها، فإن اللّٰه يقول: ﴿اَقِمِ الصَّلاةَ لِذِكْرِیْ﴾ وفي رواية له عن أبي قتادة في حديث طويل: أما إنه ليس في النوم تفريط، إنما التفريط على من لم يصل الصلاة حتى يجيء وقت الصلاة الأخرىٰ، فمن فعل ذلك فليصلها حين ينتبه لها. وفي رواية له عن أنس مرفوعًا: "من نسي صلاة فليصلها إذا ذكرها لا كفارة لها إلا ذلك".

وفي رواية له عنه: "من نسي صلاة أو نام عنها فكفارتها أن يصليها إذا ذكرها". وفي رواية له عنه: "إذا رقد أحدكم عن الصلاة أو غفل عنها فليصلها إذا ذكرها". وكذلك أخرجه أصحاب السنن الأربعة وغيرهم بألفاظ متقاربة.

فهذه الأخبار الصحاح شاهدة على فساد ما يعتقدونه؛ لأنها دالة على أن الفائتة لا تتأدى إلا بأدائها بنفسها، ولا كفارة لها إلا ذلك، وأن لا يقوم شيء آخر مقامها.

وأما ظنهم أن مثل هذه الصلاة تكون مجزية عن فوائت الآباء والأجداد والأولاد والأحفاد، فهو شناعة رابعة؛ بل هو أضحوكة للناظرين، ومزخرفة عند العاقلين، فإنم إن أرادوا به أن ثوابها يصل إليهم، فهو ليس بصحيح، فإن ثواب العبادة إنما يكون لمن يكتسبها لا لغيره، بنص قوله تعالىٰ: ﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾ ولذا لما ذهب بعض العلماء إلى أن ثواب عبادة الصبي يكون للولي، رده المحققون بأن الولي إنما يثاب ثواب التحريض والتسبيب. وأما ثواب نفس العبادة فكلا على ما هو مبسوط في حواشي التلويح وغيرها، فإن قصدوا أن ثوابها يصل إليهم بإيصاله فهو، وإن كان صحيحًا؛ لكنه خارج عن البحث مع أنه ليس مختصًا بالآباء والأولاد، بل يصل ثواب العبادة أي عبادة كانت إلى من أوصل ثوابًا إليه، وإن كان أجنبيًا، وإن أرادوا به أن هذه الصلاة تكون مجزية وكفارة عن فوائت الآباء والأولاد، فهو مخالف لقوله تعالى: ﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾ ولحديث: "إذا مات ابن آدم انقطع عمله إلا من ثلاث: صدقة جارية أو علم ينتفع به أو ولد صالح يدعو له". أخرجه ابن ماجة ومسلم وغيرهما. ولقول الفقهاء: النيابة لا تجري في العبادات البدنية؛ بل في المالية، وقد ذكر في "الدر المختار والبحر الرائق" وغيرهما: لو قضاها ورثة بأمره لم يجز، انتهى.

وقـد أخرجه النسائي في السنن الكبرى بإسناد صحيح عن ابن عباس قال: لا يـصـلـي أحد عن أحد، ولا يصوم أحد عن أحد، وروى عبد الرزاق مثله من قول ابن عمر ذكره ابن حجر في "تلخيص الحبير بتخريج أحاديث شرح الرافعي الكبير.

وأمـا أداء هـم هـذه الـصـلاة وهي قضاء لكل فائتة عندهم في المسجد فهو شناعة خامسة، لما قال في البحر الرائق إذا فاتت صلاة عن وقتها ينبغي أن يقضيها في بيته، ولا يقضيها في المسجد، انتهى.

وفـي "الـدر الـمـختـار" ينبغي أن لا يطلع غيره على قضاه؛ لأن التأخير مـعـصية، فـلا يـظهـرها انتهى. وقال في "رد المحتار" تقدم في باب الأذان أن يـكـره قـضـاء الـفـائتة فـي المسجد، وعلله الشارح البارع بما هنا أن التأخير مـعـصية فـلا يظهرها، وظاهره أن الممنوع هو القضاء مع الاطلاع، سواء كان فـي الـمسـجـد أو غيـره، كـمـا أفاده في المنح. قلت: والظاهر أن ينبغي ههنا للوجوب، وأن الكراهة تحريمية؛ لأن إظهار المعصية معصية، انتهى.

وأمـا أداء هـا بالجماعة تداعيًا على تقدير كونها تطوعًا، كما تدل عليه بعض العبارات المذكورة، فهو شناعة سادسة لتصريح الفقهاء بكراهة جماعة التـطـوع تـداعيًـا، قـال فـي "الـغنية شرح المنية": النفل بالجماعة على سبيل التداعي مكروه، انتهى.

وفـي "الـدر الـمـختـار" ولا يـصـلـي الوتر، ولا التطوع بجماعة خارج رمضان، أي يكره ذلک لو على سبيل التداعى، بأن يقتدي أربعة بواحد، كما في "الدرر"، انتهى.

وفـي "البـزازية": يـكره الاقتداء في صلاة رغائب وبراءة وقدر إلا إذا قـال: نـذرت كذا ركعة بهذا الإمام جماعة، ولا ينبغي أن يتكلف لالتزام ما لم يـكـن فـي الصدر الأول، كل هذا التكليف لإقامة أمر مكروه، وهو أداء النفل

بالجماعة على سبيل التداعي، فلو ترك أمثال هذه الصلوات تارك ليعلم الناس أنه ليس من الشعائر فحسن، انتهى. ومثله في كثير من الكتب مسطور، وعلى ألسنة العلماء مذكور.

فإن قالوا: إن هذه الصلاة ليست بتطوع؛ بل قضاء لما فاته؟ قلنا: إن أرادوا به أنه بنفسه قضاء لجميع ما فاته، فهو غير صحيح، لعدم صدق تعريف القضاء عليه، وإن أرادوا به أن الله تعالى يجعلها بفضله قضاء لما فاته، ويعطى بها ثوابًا يجزي عن ما فاته، فهو على تقدير ثبوته لا يخرجه عن التطوعية.

وبهذا يظهر سخافة قول من أفتى بعدم كراهة الجماعة فيه مستندًا بأن فيه دخلا للفوائت، فإن هذا لا يسلب عنه اسم التطوع، ولا يجعله خارجًا عن أفراد التطوع، كيف؟ وقد ورد في بعض النصوص التي ذكروها أن هذه الصلاة نفل، فيكره أداءه بالجماعة بلا شبهة.

وبالجملة فهذه الصلاة التي اخترعوها مشتملة على مفاسد كثيرة، وأداءها مع ما زعموا أنه قضاء لما فات خلاف المعقول والمنقول، ومضاد للفروع والأصول.

والذي يدل على أن الصلاة المذكورة لا أصل لها خلو أكثر الكتب المعتمدة عن ذكرها، كالبزازية والخلاصة وفتاوى قاضي خان والمحيط والذخيرة وخزانة المفتين والواقعات والنوازل والهداية وشروحها الكفاية والبناية والعناية وفتح القدير ومعراج الدراية وغاية البيان والوقاية وشروح لصدر الشريعة وللفصيح الهروي وغيرهما، ومختصر الوقاية وشروحه للبرجندي وإلياس زاده وكمال الدراية للشمني والكنز وشروحه كالبحر الرائق والنهر الفائق وتبيين الزيلعي والدر المختار وحواشيه، ومواهب الرحمن وشرحه البرهان والجامع الصغير والكبير وشروحهما للصدر

الشهيد وشمس الأئمة السرخسي وغيرهما، والمبسوط والزيادات وتصانيف الطحاوي وتصانيف الحاكم الشهيد والكرخي وغيرهما من المتون والشروح والفتاوى المشهورة.

وكذلك كتب الشافعية والمالكية والحنبلية خالية عن ذلك، ومن المعلوم أنه لو كان لها أصل لبادروا إلى ذكرها، وذكر فضلها، كيف لا وهذه الصلاة على ما زعموا من أفضل الصلوات، حيث يكون أداء ركعات عديدة كفارة بجميع فوات العمر؛ بل عن فوائت الأجداد والأحفاد، فالغفلة عن مثل هذه الصلاة غفلة عظيمة، وهذا صاحب جامع الرموز "جامع كل رطب ويابس لم يتنبه له، وصاحب إحياء العلوم مع اهتمامه بذكر العبادات الفاضلة وإن كانت روايتها ضعيفة لم يتعرض له، وصاحب خزانة الروايات "الجامع بين كل غث وسمين لم يذكره، وهذا كله أدل دليل على عدم العبرة به. (مجموعة رسائل اللكنوي / رسالة: ردع الإخوان عن محدثات آخر جمعة رمضان ٢/٣٤٩-٣٥٨ إدارة القرآن كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۲۵ / ۱۴۴۱/۹/۲۷ھ)

جمعۃ الوداع میں کوئی خاص خطبہ نہیں

سوال (۸۸):- کیاجمعۃ الوداع میں الگ سے کوئی خطبہ پڑھا جاتا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- شریعت میں جمعۃ الوداع کی الگ سے کوئی فضیلت وارد نہیں ہے، اور نہ اُس کے لئے کوئی خاص خطبہ حدیث سے ثابت ہے؛ لہٰذا ''الوداع یا شہر رمضان'' جیسے الفاظ والے خطبے کو لازم سمجھنا بے اَصل ہے؛ تاہم جمعہ کا دن خصوصاً رمضان المبارک میں مزید بابرکت ہے، اِس لئے اُس دن درود شریف، استغفار اور دیگر عبادات کا اہتمام کرنا چاہئے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۵/۵۳، فتاویٰ قاسمیہ ۹/۴۳۱)

ومن الأمور المحدثة ما ذاع في أكثر بلاد الهند، والدكن وغيرهما من

تسمية خطبة الجمعة الأخيرة، بـ "خطبة الوداع" وتضمينها جملا دالةً على التحسر بذهاب ذلك الشهر، فيدرجون فيها جملا دالةً على فضائل ذلك الشهر، ويقولون بعد جملة أو جملتين، الوداع والوداع، أو الفراق والفراق، لشهر رمضان أو الوداع والوداع يا شهر رمضان، ونحو ذلك من الألفاظ الدالة على ذلك. (مجموعة رسائل اللكنوي / ردع الإخوان عن محدثات آخر جمعة رمضان ص: ٢٤، ٢/٣٦٩ إدارة القرآن كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۲۵ / ۱۴۴۱/۹/۲۷ھ)

دعاءِ ختم القرآن کی تحقیق

سوال (۸۹):- عام طور پر قرآنِ پاک کے ختم پر یہ دعائیں پڑھی جاتی ہیں: **"اَللّٰهُمَّ آنِسْ وَحْشَتِيْ فِيْ قَبْرِيْ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ بِالْقُرْآنِ الْعَظِيْمِ، وَاجْعَلْهُ لِيْ إِمَامًا وَنُوْرًا وَهُدًى وَرَحْمَةً، اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنِيْ مِنْهُ مَا نَسِيْتُ وَعَلِّمْنِيْ مِنْهُ مَا جَهِلْتُ، وَارْزُقْنِيْ تِلَاوَتَهٗ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ لِيْ حُجَّةً يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ"** اِس طرح کی دعائیں عام طور پر مطبوعہ قرآنِ پاک کے اخیر میں درج ہوتی ہیں، تو اِن دعاؤں کا پڑھنا کیسا ہے؟ اور کیا یہ دعائیں کسی حدیث سے ثابت ہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مذکورہ "دعاءِ ختم القرآن" کے پڑھنے میں تو کوئی حرج نہیں؛ کیوں کہ اُس کا مضمون بہت بہترین اور شاندار ہے؛ اِس لئے بطور دعا اِن کلمات کو یا اِن کے ترجمے کو پڑھنا نہ صرف جائز؛ بلکہ بہتر ہے۔

البتہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ اِس دعا میں دو الگ الگ روایتوں کے کلمات جمع کئے گئے ہیں۔ پہلی روایت میں **"اَللّٰهُمَّ آنِسْ وَحْشَتِيْ فِيْ قَبْرِيْ"** کے اَلفاظ ہیں، مگر محدثین نے اِس روایت کو موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے۔ اِس میں ایک راوی "احمد ابن عبد اللہ الجوئیباری" ہے، جو بڑا کذاب اور وضاع تھا، جس کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ جب بھی اُس

کے سامنے کوئی بھی اچھی بات آتی، تو اُسے پیغمبر علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا کرتا تھا۔

اور دوسری روایت میں "اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ بِالْقُرْآنِ الْعَظِيْمِ" الخ کے اَلفاظ ہیں، مگر اِس کی بھی سند منقطع ہے؛ لہٰذا خلاصہ یہ نکلا کہ اِس "دعائے ختم القرآن" کو اگر چہ بطور دعا پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن اُس کو حدیث سمجھ کر نہ تو پڑھا جائے اور نہ بیان کیا جائے۔

حدثنا أحمد بن عبد اللّٰه بن خالد، حدثنا الوليد بن مسلم عن سالم الخياط عن الحسن عن أبي أمامة قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا ختم أحدكم فليقل: "اللّٰهم آنس وحشتي في قبري". أحمد بن عبد اللّٰه بن خالد هو الجويباري أحد المشهورين بوضع الحديث. (الزيادات على الموضوعات للسيوطي / كتاب فضائل القرآن ص: ۱۲۵ مكتبة المعارف للنشر والتوزيع الرياض)

ومنها: اختيار الأدعية المأثورة عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، وقد كان بعض أئمة القراء ة يختارون أدعية يدعون بها عند الختم لا يجاوزونها، واختيارنا أن لا يجاوز ما ورد عنه صلى اللّٰه عليه وسلم؛ فإنه أوتى جوامع الكلم، ولم يدع حاجة إلى غيره. ولنا فيه صلى اللّٰه عليه وسلم أسوة. فقد روى أبومنصور المظفر ابن الحسين الأرجاني في كتابه فضائل القرآن، وأبوبكر بن الضحاک في الشمائل، كلاهما من طريق أبي ذر الهروي من رواية أبي سليمان داؤد بن قيس قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول عند ختم القرآن: "اللّٰهم ارحمني بالقرآن واجعله لي إمامًا ونورًا وهدى ورحمة، اللّٰهم ذكرني منه ما نسيت وعلمني منه ما جهلت، وارزقني تلاوته آناء الليل وأطراف النهار واجعله لي حجة يا رب العالمين" حديث معضل؛ لأن داؤد بن قيس هذا هو الفراء الدباغ المدني، من تابعي التابعين يروى عن نافع بن جبير بن مطعم، وإبراهيم بن عبد اللّٰه بن حنين، روى عنه يحيىٰ ابن سعيد القطان، وعبد اللّٰه بن مسلمة القعنبي، وكان ثقة صالحًا عابدًا من أقران

مـالک بـن أنس، خرج له مسلم في صحيحه، وهذا الحديث لا أعلم ورد عن الـنبـي صلى اللّٰه عليه وسلم في ختم القرآن حديث غيره. نعم أخبرني الثقات مـن شيوخنا مشافهة عن ...... معمر عن الزهري عن سعيد بن المسيب عن أبي هـريـرة رضـي الـلّٰـه عـنـه قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إذا ختم الـقـرآن دعـا قـائـمًـا، كـذا رواه أبو الفرج ابن الجوزي في كتاب الوفاء وهو حديث ضعيف. (الـنشـر في قراءة العشر للإمام الجزري، دراسة وتحيق من أول باب فرش الحروف إلـى آخـر الـكتـاب، إعـداد: محمد بن محفوظ بن محمد أمين الشنقيطي، الدعاء عقيب الختم / باب التـكبيـر ۷۳٤/۱ ط: وزارة التـعليم الحالي جامعة أم القرى المملكة العربية السعودية، النشر في قراءة العشر / الأمور المتعلقة بالختم ٤٦٤/٢ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲۶ / ۱۴۴۱/۹/۲۸ھ)

مکڑی کا مارنا کیسا ہے؟

سـوال (۹۰):- مکڑی کا مارنا کیسا ہے؟ ہم نے سنا ہے کہ اُس کو مارنا صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ مکڑی نے ''غارِ ثور'' میں جالا تنا تھا۔

الـجـواب حـامـدًا ومـصـليًـا أمـا بـعـد :- سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ایک ضعیف روایت میں منقول ہے کہ: ''طَهِّرُوْا بُيُوْتَكُمْ مِنْ نَسْجِ الْعَنْكَبُوْتِ؛ فَإِنَّ تَرْكَهُ فِيْ الْبُيُوْتِ يُوْرِثُ الْفَقْرَ'' (یعنی اپنے گھروں کو مکڑی کے جالے سے صاف رکھو؛ کیوں کہ اُن جالوں کو چھوڑے رکھنا فقر کا سبب ہے) بریں بنا گھر کی صفائی ستھرائی کی غرض سے مکڑی کے جالے صاف کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اِس ضمن میں اگر مکڑی مر بھی جائے تو گناہ نہیں ہے۔

اور ''غارِ ثور'' میں مکڑی کے جالا تننے کی بات سیرت کی روایات سے ثابت ہے؛ لیکن اُس سے صرف اُس مکڑی کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، جس نے جالا تنا تھا۔ اِس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دنیا کی ساری مکڑیوں کو ضرورت کے وقت بھی مارنا ممنوع ہو؛ البتہ یہ بات صحیح ہے کہ بلاضرورت مکڑی وغیرہ کو نہیں مارنا چاہئے۔

وقيل: لا يسن قتلها، فقد أخرج الخطيب عن علي كرم الله وجهه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: دخلت أنا وأبوبكر الغار، فاجتمعت العنكبوت فنسجت بالباب فلا تقتلوهن، ذكر هذا الخبر الجلال السيوطي في الدر المنثور، والله تعالىٰ أعلم بصحته. وكونه مما يصلح للاحتجاج به، ونصوا على طهارة بيتها لعدم تحقق كون ما تنسج به من غذائها المستحيل في جوفها مع أن الأصل في الأشياء الطهارة. وذكر الدميري أن ذلک لا تخرجه من جوفها بل من خارج جلدها، وفي هذا بعد، وأنا لم أتحقق أمر ذلک ولم أعين كونه من فمها أو دبرها أو خارج جلدها لعدم الاعتناء بشأن ذلک، لا لعدم إمكان الوقوف على الحقيقة. وذكر أنه يحسن إزالة بيتها من البيوت لما أسند الثعلي وابن عطية وغيرهما عن علي كرم الله تعالىٰ وجهه أنه قال: طهروا بيوتكم من نسج العنكبوت؛ فإن تركه في البيوت يورث الفقر، وهذا إن صح عن الإمام علي كرم الله تعالىٰ وجهه فذاک، وإلا فحسن الإزالة لما فيها من النظافة ولا شک بندبها. (روح المعاني / مبحث في قوله تعالىٰ ﴿ان اوهن البيوت لبيت العنكبوت﴾ الخ ٣٦٥/١٠ دار الكتب العلمية بيروت)

ذكر أحمد من حديث ابن عباس بإسناد حسن في قوله تعالىٰ: ﴿وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ قال: فلما بلغوا الجبل اختلط عليهم، فصعدوا الجبل، فمروا بالغار، فرأوا على بابه نسج العنكبوت، فقالوا: لو دخل ههنا لم يكن نسج العنكبوت على بابه، فمكث فيه ثلاث ليالٍ. (موسوسة الحافظ ابن حجر الحديثية، كتاب المغازي والسير / باب الهجرة إلى المدينة ٢٣/٤ سلسلة إدارات الحكمة)

قال الثعلبي أخبرني ابن فنجويه، قال حدثنا ابن شنبه، قال حدثنا أبوحامد المستملي، قال: حدثنا محمد بن عمران الضبي، قال حدثنا محمد بن سليمان المكي، قال حدثنا عبد الله بن ميمون القداح، قال سمعت جعفر

بن محمد يقول: سمعت أبي يقول: قال علي بن أبي طالب: طهروا بيوتكم من نسج العنكبوت، فإن تركه في البيوت يورث الفقر. (تفسير الثعلبي / العنكبوت ١٤/٥ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲۶ / ۱۴۴۱/۹/۲۸ھ)

کیا مؤمن کے جھوٹے میں شفا ہے؟

سوال (۹۱):- یہ بات مشہور ہے کہ ''مؤمن کے جھوٹے میں شفاء ہے''، تو کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- ''سُؤْرُ الْمُؤْمِنِ شِفَاءٌ'' (یعنی مؤمن کے جھوٹے میں شفا ہے) کے اَلفاظ سے جو روایت لوگوں میں مشہور ہے، اِس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ مذکورہ اَلفاظ کے ساتھ یہ روایت موضوع ہے۔

لیکن بخاری شریف اور مسلم شریف میں صحیح روایت موجود ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب کوئی ایسا بیمار حاضر ہوتا جس کو کوئی پھوڑا پھنسی یا بدن میں درد وغیرہ ہوتا، تو آپ اپنی شہادت کی اُنگلی میں لعابِ دہن لگاتے، اور پھر اُس کو زمین پر مٹی میں ملا دیتے، پھر بیمار کی تکلیف کی جگہ پر اُسے لگا کر یہ اَلفاظ اِرشاد فرماتے تھے: ''بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ اَرْضِنَا بِرِيْقَةِ بَعْضِنَا يُشْفٰى سَقِيْمُنَا بِإِذْنِ رَبِّنَا'' (یعنی میں اللہ کے نام سے ہماری زمین کی مٹی (اِس سے بہت سے محدثین نے مدینہ منورہ کی مٹی مراد لی ہے؛ تاہم عام مٹی بھی مراد ہوسکتی ہے) کے ساتھ ہمارے بعض کے لعاب کے ذریعہ ہمارے رب کے حکم سے ہمارے بیمار کو شفا نصیب ہوگی) تو اِس روایت میں ''بِرِيْقَةِ بَعْضِنَا'' کے اَلفاظ سے یہ اِشارہ ملتا ہے کہ مؤمن کے لعاب کو اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے شفا کا ذریعہ بنادیں تو کچھ بعید نہیں ہے۔ بریں بنا مؤمن کے جھوٹے میں اگرچہ شفا کی اُمید رکھی جاسکتی ہے؛ لیکن ''سُؤْرُ الْمُؤْمِنِ شِفَاءٌ'' کو حدیث کے طور پر بیان کرنا درست نہ ہوگا۔

عن عائشة رضي الله عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يقول

لـلـمـريـض: بسـم الـلّـه، تربةُ أرضنا، بريقة بعضنا، يشفي سقيمنا، بإذن ربنا.
(صحيح البخاري، كتاب الطب / باب رقية النبي صلى اللّٰه عليه وسلم رقم: ٥٧٤٥)

"ريـق المؤمن شفاء" ليس بحديث، لكن معناه صحيح، ففي الصحيحين كان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم إذا اشتكى الإنسان الشيءَ إليه أو كانت به قَرحة أو جـرحٌ قـال بـإصبـعـه يـعني سبابته بالأرض، ثم رفعها له، وقال: بسم اللّٰه تربة أرضـنا بريقة بعضنا يشفى سقيمنا بإذن ربنا. وأما ما يدور على الألسنة من قولهم سؤر المؤمن شفاء فيصدق به ما رواه الدار قطني في الإفراد عن ابن عباس رفعه مـن التـواضع أن يشرب الرجل من سؤر أخيه، كذا في المقاصد. فما في موضوعات القاري من أنهما لا أصل لهما في المرفوع، لعله يريد بلفظه، ثم رأيته في الكبرى قال في كل منهما: معناه صحيح فأعرفه، وسيأتي لذلك تتمة في: سؤر المؤمن شفاء. (كشف الخفاء ومزيل الإلباس / حرف الراء المهملة ١/٣٨٤-٣٨٥ رقم: ١٤٠٣ دار الكتب العلمية بيروت، المقاصد الحسنة / حرف الراء المهملة ص: ٢٧٠ دار الكتب العلمية بيروت)

"سـؤر المؤمن شفاء". قال النجم: ليس بحديث، نعم رواه الدار قطني فـي الإفـراد عن ابن عباس بلفظ من التواضع أن يشرب الرجل من سؤر أخيه. قـال الـنـجـم: قـلـت ليـس مـن هـذا ما حدث الآن في أكثر البلدان من طلب الشـرب من القهوة البـنية مـن الـغلام الأمرد الذي يعد ساقيًا ويسمون ذلك زمـزمة؛ بل هذا بما ينضم إليه من النظر والمس الحرام والإكباب عليه فسق. وقـد وقـع مـن بـعـض خطباء دمشق إني كنت وإياه في مجلس وطلب الساقي ليسـقينا، فمنعت من ذلك، فقال لي هذا الخطيب يا مولانا سؤر المؤمن شفاء، فـقـلـت لـه حتـى نـرى الـمؤمن فنعد سؤره شفاء، على أن هذا ليس بحديث. وزعـم أنـه حـديـث أو إيهـام أنـه حديث كذبٌ على رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، فتبًا لهذا الزمان وأهله إلا من اتقى اللّٰه، وأين هم انتهى. وتقدم في: ريق

المؤمن شفاء. (كشف الخفاء ومزيل الإلباس / حرف السين المهملة ٤٠٥/١ رقم: ١٤٩٨ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ٢٦ / ۲۸/۹/۱۴۴۱ھ)

ترکی میں حضور اکرم علیہ السلام کے جبہ مبارکہ کی زیارت

سوال (۹۲):- ترکی کی کسی مسجد میں ہر سال رمضان المبارک میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جبہ مبارکہ کا دیدار کرایا جاتا ہے، اِس کی کیا حقیقت ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- جس جبے کے بارے میں آپ نے سوال کیا ہے، اُس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ یہ وہ جبہ ہے جو نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سید التابعین سیدنا حضرت اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو بھجوایا تھا، اور اُن کے خاندان والوں کے پاس محفوظ تھا، جسے خلافت عثمانیہ کے ذمہ داروں نے حاصل کر کے ترکی میں لاکر ایک شیشے کے بکس میں محفوظ کر رکھا ہے۔ تو بہت ممکن ہے کہ اِس دعوے میں صداقت ہو؛ لیکن حضرت اُویس قرنیؒ کے مطبوعہ معتبر حالات میں تلاش وجستجو کے باوجود یہ بات نظر سے نہیں گذری کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اپنا جبہ مبارک بھجوایا تھا۔ مسلم شریف میں ایک طویل روایت حضرت اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق موجود ہے، جس میں اُن کی سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات اور گفتگو کا تذکرہ ہے۔ اُسی کے ذیل میں یہ بات بھی تحریر ہے کہ اُس روایت کے راوی حضرت اُسیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت اُویس قرنیؒ کو ایک بہترین چادر پہنائی، جب وہ حضرت اُویس نے پہن لی، تو لوگ اُسے دیکھ کر بہت تعجب کرتے تھے کہ اُن کو یہ چادر کہاں سے ملی؟ (مسلم شریف، کتاب المناقب/ فضائل اویس القرنی حدیث: ۲۵۴۲)

بہرحال اِس روایت میں جس چادر کا ذکر ہے، وہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عطا کردہ نہیں ہے، بریں بنا جب تک معتبر ثبوت نہ مل جائے، اُس وقت تک اِس کے بارے میں کوئی حتمی بات نہیں کہی جاسکتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۲۹ / ۷/۱۰/۱۴۴۱ھ)

موئے مبارک کی زیارت

سوال (۹۳):- آج کل دنیا کے بہت سے خطوں میں موئے مبارک کی زیارت یہ کہہ کر کرائی جاتی ہے کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک ہیں؟ تو اُن کی کیا حقیقت ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- صحیح اَحادیث شریفہ سے یہ بات ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج یا عمرے کے موقع پر جب سر کے بال حلق فرمائے، تو اُنہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان میں تقسیم فرما دیا؛ لہٰذا جس کو بھی یہ گراں قدر نعمت ملی، اُس نے اُسے بہت سنبھال کر رکھا، اور اُس سے تبرک حاصل کیا۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ آپ نے اپنی آخری نشانی کے طور پر یہ بال تقسیم فرمائے تھے۔ اور حکیم الامت حضرت اَقدس مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ نے فرمایا کہ آپ نے اَزخود بالوں کی تقسیم اِس لئے فرمائی؛ تاکہ صحابہ کے درمیان نزاع کی نوبت نہ آجائے۔

بہرحال خلاصہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالِ مبارک تقسیم ہوئے اور لوگوں نے اُنہیں بہت اہتمام سے محفوظ رکھا؛ لہٰذا آج کی تاریخ میں اگر کسی جگہ صحیح سند اور معتبر حوالوں کے ساتھ کوئی موئے مبارک ملتا ہے، تو اُس کا انکار نہیں کیا جائے گا؛ لیکن دلیل کے بغیر اِس دعوے کو قبول بھی نہیں کیا جائے گا۔

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم أتی مني، فأتی الجمرة فرماها، ثم أتی منزله بمنیٰ ونحر، ثم قال للحلاق: خذ وأشار إلی جانبه الأیمن ثم الأیسر، ثم جعل یعطیه الناس. وفي روایة قال للحلاق: ها وأشار بیده إلی الجانب الأیمن هٰکذا، فقسم شعره بین من یلیه قال ثم أشار إلی الحلاق، وإلی الجانب الأیسر، فحلقه فأعطاه أم سلیم.

وفي روایة أبي کریب قال: فبدأ بالشق الأیمن فوزعه الشعرة والشعرتین بین الناس، ثم قال: بالأیسر فصنع به مثل ذلک، ثم قال: هاهنا أبو

طلحة فدفعه لأبي طلحة.

وفي رواية عن أنس بن مالك رضي اللّٰه عنه قال: لما رمى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم الجمرة ونحر نسكه وحلق، فأول الحالق شقه الأيمن فحلقه، ثم دعا أبا طلحة الأنصاري فأعطاه إياه ثم ناوله الشق الأيسر، فقال: احلق، فحلقه فأعطاه أبا طلحة، فقال: اقسمه بين الناس. (صحيح مسلم، كتاب الحج / باب بيان أن السنة يوم النحر أن يرمى ثم ينحر ثم يحلق الخ رقم: ١٣٠٥)

قال النووي: هٰذا الحديث فيه فوائد كثيرة، منها: التبرك بشعره صلى اللّٰه عليه وسلم وجواز اقتناء ه للتبرك. واختلفوا في اسم هذا الرجل الذي حلق رأس رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في حجة الوداع، فالصحيح المشهور أنه معمر بن عبد اللّٰه العدول، وفي صحيح البخاري قال: زعموا أنه معمر بن عبد اللّٰه، وقيل: اسمه: خراش بن أمية بن ربيعة الكلبي بضم الكاف منسوب إلى كليب بن حبشية، واللّٰه أعلم. (المنهاج على صحيح مسلم ص: ٨١٨ بيت الأفكار الدولية، بذل المجهود ٤٦١/٧ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۲۹ / ۱۴۴۱/۱۰/۷ھ)

نمازِ عید سے پہلے تیسرا کلمہ پڑھنے سے متعلق روایت کی تحقیق

سوال (۹۴):- آج کل ایک میسج سوشل میڈیا پر عام ہورہا ہے کہ جو شخص عید کی نماز سے قبل تین سو مرتبہ یہ تسبیح پڑھے "**سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ**" اور اُس کے بعد اپنے مرحومین کو اُس کا ثواب پہنچائے، تو جن جن کو ثواب پہنچائے گا ہر ایک کی قبر میں ایک ہزار نور داخل ہوں گے، اور یہ ثواب پہنچانے والا جب انتقال کرجائے گا، تو اُس کی قبر میں بھی ایک ہزار نور داخل ہوں گے، تو اِس میسج کی کیا حقیقت ہے؟ اور یہ روایت صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- یہ میسج ہم نے بھی پڑھا ہے، اُس کے

اخیر میں ایک نوٹ لگا ہوا ہے کہ ’’یہ پیاری تسبیح بخاری شریف کی آخری حدیث میں بھی منقول ہے‘‘۔جس سے ایسا باور کرایا گیا ہے کہ گویا یہ پوری فضیلت والی بات بھی بخاری شریف میں مذکور ہو،سرسری نظر سے دیکھنے والا اُس سے یہی سمجھے گا؛ حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ فضیلت سے متعلق کوئی روایت کسی معتبر کتاب میں دستیاب نہیں ہوئی۔صرف علامہ عبدالرحمٰن الصفوری الشافعیؒ کی مواعظ سے متعلق ایک غیر معتبر کتاب ’’نزہۃ المجالس ومنتخب النفائس‘‘ میں یہ روایت بلاسند ذکر کی گئی ہے۔اور جب یہ کتاب ہی معتبر نہیں ہے تو اِس کا حوالہ کیسے معتبر ہوسکتا ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹی حدیثیں بیان کرنے پر سخت ترین وعیدیں اِرشاد فرمائی ہیں؛ لہٰذا بے سند اور موضوع روایات کو پھیلانا سخت گناہ ہے۔البتہ جہاں تک مذکورہ تسبیح کے ورد کا سوال ہے،تو آپ تین سو کے بجائے تین ہزار مرتبہ پڑھ لیں، اِس میں کوئی حرج نہیں۔ اِسی طرح مرحومین کو ایصالِ ثواب کرنے میں بھی حرج نہیں؛ لیکن قبر میں ایک ہزار نور جانے والی بات پر یقین نہ کیا جائے۔(مستفاد:تنبیہات/مفتی عبدالباقی اخوان زادہ ۱/۲۴۳)

وعن النبي صلى الله عليه وسلم من قال: سبحان الله وبحمده يوم العيد ثلاث مائة مرةٍ، وأهداها لأموات المسلمين دخل في كل قبرٍ ألف نور، ويجعل الله في قبره إذا مات ألف نور. (نزهة المجالس ومنتخب النفائس للصفوري / باب فضل عرفة والعيدين والتكبير والأضحية ص: ١٨٦ مكتبة مشكاة)

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ......

ومن كذب عليّ متعمدًا فليتبوأ مقعده من النار. (صحيح البخاري، كتاب العلم / باب إثم من كذب على النبي عليه السلام ١/٢١ رقم: ١١٠) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۲۸ / ۱۴۴۱/۹/۳۰ھ)

❍❖❍

تاریخ وسیر

حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی ملاقات کہاں ہوئی؟

سوال (۹۵):- سیدنا حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی جو ملاقات ہوئی ہے، جس کا تذکرہ اَحادیث شریفہ میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا کہ آپ ہی نے وہ درخت کھالیا تھا، جس سے اللہ نے منع فرمایا تھا الی آخرہ۔ تو سائل یہ سوال کررہا ہے کہ یہ ملاقات کہاں ہوئی؟ عالم برزخ میں ہوئی؟ عالم اَرواح میں ہوئی؟ یا دنیا میں کہاں ہوئی؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مشہور شارحِ حدیث حضرت علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اِس حدیث کی شرح میں اِرشاد فرماتے ہیں کہ یہ معاملہ مغیبات سے تعلق رکھتا ہے، یعنی ہماری نظروں سے اوجھل ہے، اور اِس بارے میں مخبر صادق سرور عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر پر بغیر کسی تفصیل کے ایمان لانا ضروری ہے، اور ہمیں کسی طرح کا چوں چرا کرنے کا اختیار نہیں ہے، جب پیغمبر علیہ السلام نے یہ بتادیا کہ اِن دونوں پیغمبروں کے درمیان بات چیت ہوئی ہے تو بس اتنی بات پر ہمیں یقین رکھنا چاہئے کہ یہ بحث ہوئی ہے، اور اس میں انجام کار حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دلیل مضبوط تھی؛ لیکن یہ ملاقات کہاں ہوئی؟ کیسے ہوئی؟ کس انداز میں ہوئی؟ اِس بارے میں چوں کہ حدیث میں کوئی صراحت نہیں ہے؛ لہٰذا ہمیں بھی اِس کی جستجو نہیں ہونی چاہئے۔ اِس طرح کے سبھی معاملات میں ہمارا طرز اور طریقہ یہی ہونا چاہئے کہ جو پیغمبر علیہ السلام سے صحیح سند سے بات ثابت ہوجائے اُسے بغیر کسی چوں چرا کے قبول کرلیا جائے۔

البتہ بہت سے حضرات نے اپنے طور پر احتمالات پیش فرمائے ہیں:

(۱) بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ واقعہ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دنیوی زندگی میں پیش آیا، اور اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ حضرت آدم علیہ السلام کی روح کو اُن کے سامنے فرمادیا۔

(۲) بعض حضرات نے یہ احتمال ظاہر کیا کہ بہت ممکن ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کی قبر پر تشریف لائے ہوں، اور بطور مکاشفہ کے آپس میں بات چیت ہوئی ہو۔

(۳) اِسی طرح تیسرا احتمال یہ بھی ظاہر کیا کہ بہت ممکن ہے کہ یہ گفتگو خواب میں ہوئی ہو، اور نبی کا خواب بھی سچا ہوتا ہے، اور پھر مخبر صادق نے اِس کی خبر دی ہے۔

(۴) اور ایک رائے یہ بھی ہے کہ آخرت کے اندر جب میدانِ حشر میں جمع ہوں گے، وہاں یہ گفتگو ہوگی، اور چوں کہ یہ گفتگو یقینی ہے، اِس لئے ماضی کے صیغے کے ساتھ ذکر کردی گئی۔

(۵) البتہ علامہ ابن عبد البرؒ اور بعض دیگر اَکابر نے اِس بات کو ترجیح دی ہے کہ یہ ملاقات بظاہر عالم برزخ میں ہوئی کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوگئی، تو اُس کے بعد پہلے مرحلے ہی میں حضرت آدم علیہ السلام کی روح سے ملاقات ہوئی ہوگی، تو ممکن ہے کہ یہ مکالمہ اُس وقت ہوا ہو۔

لیکن یاد رکھئے کہ یہ سب احتمالات ہیں، جو صحیح بھی ہوسکتے ہیں اور غلط بھی، اور اِن کے جاننے کے اوپر ہماری نجات کا مدار نہیں ہے، اِس لئے اِجمالی طور پر ہمیں حدیث پر یقین کرنا چاہئے، اور اِس طرح کی چوں چرا کرنے سے احتراز کرنا چاہئے۔

عن طاؤس سمعت أبا هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: احتجّ آدم وموسىٰ فقال له موسىٰ: يا آدم أنت أبونا، خيَّبتنا وأخرجتنا من الجنة. قال له آدم: يا موسىٰ اصطفاک الله بكلامه وخط لک بيده، أتلومني على أمر قدره الله علي قبل أن يخلقني بأربعين سنة؟ فحج آدم موسى، فحج آدم موسىٰ، ثلاثًا. (صحيح البخاري، كتاب القدر / باب تحاج آدم وموسى عند الله رقم: ٦٦١٤)

وقد اختلف العلماء في وقت هذا اللفظ، فقيل يحتمل أنه في زمان موسى فأحيا اللّٰه له آدم معجزة له، فكلمه أو كشف له عن قبره فتحدثا أو أراه اللّٰه روحه كما أرى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ليلة المعراج أرواح الأنبياء أو أراه اللّٰه له في المنام ورؤيا الأنبياء وحي، ولو كان يقع في بعضها ما يقبل التعبير كما في قصة الذبيح، أو كان ذلک بعد وفاة موسى فالتقيا في البرزخ أول ما مات موسى فالتقت أرواحهما في السماء، وبذلک جزم ابن عبد البر والقابسي. وقد وقع في حديث عمر لما قال موسى: أنت آدم، قال له: من أنت، قال: أنا موسىٰ، وأن ذلک لم يقع بعد وإنما يقع في الآخرة. والتعبير عنه في الحديث بلفظ الماضي لتحقق وقوعه. وذكر ابن الجوزي احتمال التقائهما في البرزخ واحتمال أن يكون ذلک ضرب مثل، والمعنى لو اجتمعا لقالا ذلک، وخص موسى بالذكر لكونه أول نبي بعث بالتكاليف الشديدة. قال: وهذا وإن احتمل لكن الأول أولىٰ، قال: وهذا مما يجب الإيمان به لثبوته عن خبر الصادق وإن لم يطلع على كيفية الحال، وليس هو بأول ما يجب علينا الإيمان به، وإن لم نقف على حقيقة معناه كعذاب القبر ونعيمه، ومتى ضاقت الحيل في كشف المشكلات لم يبق إلا التسليم. وقال ابن عبد البر: مثل هذا عندي يجب فيه التسليم ولا يوقف فيه على التحقيق؛ لأنا لم نؤت من جنس هذا العلم إلا قليلاً. (فتح الباري، كتاب القدر / باب تحاج آدم وموسى عند الله ١١/٦١٩–٦٢٠ تحت رقم: ٦٦١٤ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۴۹ / ۱۴۴۲/۲/۱۶ھ)

انبیاء سابقین کے زمانے میں نماز میں کس چیز کی قرأت ہوتی تھی؟

سوال (۹۶):- نبی اکرم علیہ السلام کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے انبیاء علیہم

الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں جو نمازیں ہوا کرتی تھیں، تو اُن میں قیام کی حالت میں کس چیز کی تلاوت ہوتی تھی؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- اِس سوال کے جواب میں بہت تحقیق کی گئی، بہت صاف بات نہیں ملی؛ لیکن یہ معلوم ہوا کہ آج کل یہودی جو اپنی نماز پڑھتے ہیں، اُن میں ترنم کے ساتھ توریت کی قرأت کرتے ہیں۔ اِس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ جیسے قرآن پاک ہماری نمازوں میں پڑھا جاتا ہے، اِسی طرح اُن کی کتابیں اُن کی نمازوں میں پڑھی جاتی رہی ہوں گی؛ لیکن اُس کی پوری تفصیل کہ کیسے پڑھی جاتی تھی؟ اور کس کس رکن میں پڑھی جاتی تھی؟ وغیرہ، تو اِس بارے میں کوئی صراحت دستیاب نہیں ہوسکی۔ (کتاب النوازل ۵/۵۵۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۲۹ / ۷/۱۰/۱۴۴۱ھ)

کیا چار انبیاء ابھی بھی زندہ ہیں؟

سوال (۹۷):- مشہور ہے کہ ۴/ نبی ایسے ہیں کہ جو ابھی بھی ظاہری طور پر زندہ ہیں دو آسمان پر ہیں: حضرت اِدریس علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ اور دو زمین پر: حضرت الیاس علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام۔ تو یہ بات کہاں تک درست ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- قرآنِ کریم کی متعدد آیات اور معتبر اَحادیث شریفہ سے یہ بات ثابت ہے کہ سیدنا حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام آسمان میں باحیات تشریف فرما ہیں اور قیامت کے قریب یقینی طور پر آپ کا دنیا میں نزول ہوگا، اِس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ آپ ہی کے بدست دجال مارا جائے گا، یہ اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے، جس کا انکار موجب کفر ہے۔

لیکن سیدنا حضرت ادریس اور حضرت الیاس علیہما السلام کے زندہ ہونے سے متعلق کوئی معتبر دلیل موجود نہیں ہے، بعض اسرائیلی روایات میں اس کا تذکرہ ہے؛ لیکن اُن پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

اِسی طرح سیدنا حضرت خضر علیہ السلام کا معاملہ بھی اللہ تعالیٰ نے ہم سے پوشیدہ رکھا

ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کو علم ہے کہ وہ کہاں ہیں اور کس حالت میں ہیں؟ ہم اِس بارے میں تحقیق کے مکلّف نہیں ہیں اور نہ ہم سے قیامت میں اِس بارے میں کوئی سوال ہوگا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْآ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ﴾ [آل عمران: ٥٥]

قال الحسن: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم للیهود: إن عیسیٰ لم یمت وإنه راجع إلیكم قبل یوم القیامة. (تفسیر ابن کثیر مکمل ص: ٢٤١ دار السلام ریاض)

قال تعالیٰ: ﴿وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ، وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِنْهُ، مَالَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا. بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا. وَاِنْ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا﴾ [النساء: ١٥٧-١٥٩]

عن النواس بن سمعان رضي اللّٰه عنه قال: ذکر رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الدجال ذات غداة...... فبینا هو کذلک إذ بعث اللّٰه المسیح ابن مریم، فینزل عند المنارة البیضاء شرقيّ دمشق، بین مهرودتین، واضعًا کفیه علی أجنحة ملکین، إذا طأطأ رأسه قطر، وإذا رفعه تحدر منه جُمان کاللؤلؤ، فلا یحل لکافر یجد ریح نفسه إلا مات، ونفسه ینتهي حیث ینتهي طرفه، فیطلبه حتی یدرکه بباب لدّ فیقتله، ثم یأتي عیسی بن مریم قوم قد عصمهم اللّٰه منه، فیمسح عن وجوههم، ویحدثهم بدرجاتهم في الجنة، فبینما هو کذلک، إذ أوحی اللّٰه إلی عیسی: إني قد أخرجت عبادًا لي، لا یدان لأحد بقتا لهم فحرز عبادي إلی الطور ویبعث اللّٰه یأجوج ومأجوج الخ. (صحیح

مسلم، كتاب الفتن وأشراط الساعة / باب ذكر الدجال رقم: ٢٩٣٧، مشكاة المصابيح / باب العلامات بين يدي الساعة ص: ٤٧٣)

عن ابن شهاب أخبرني عبيد الله بن عبد الله بن عتبة أن أبا سعيد الخدري رضي الله عنه قال: حدثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم يومًا حديثًا طويلا عن الدجال، فكان فيما حدثنا قال: يأتي وهو محرم عليه أن يدخل نقاب المدينة، فينتهي إلى بعض السباخ التي تلي المدينة، فيخرج إليه يومئذ رجل هو خير الناس – أو من خير الناس – فيقول له: أشهد أنك الدجال الذي حدثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم حديثه. فيقول الدجال: أرأيتم إن قتلت هذا ثم أحييته، أتشكون في الأمر؟ فيقولون: لا، قال: فيقته، ثم يحييه، فيقول حين يحييه: والله ما كنت فيك قط أشد بصيرة مني الآن. قال: فيريد الدجال أن يقتله، فلا يسلط عليه. قال أبوإسحق: يقال: إن هذا الرجل هو الخضر عليه السلام. (صحيح مسلم، كتاب الفتن وأشراط الساعة / باب في صفة الدجال ٢٩٣٨)

قال النووي: أبو إسحق هذا هو إبراهيم بن سفيان راوي الكتاب عن مسلم، وكذا قال معمر في جامعه في إثر هذا الحديث كما ذكره ابن سفيان، وهذا تصريح منه بحياة الخضر عليه السلام، وهو الصحيح. (المنهاج شرح النووي على مسلم ص: ١٦٩٩ بيت الأفكار الدولية)

قوله: (هو الخضر عليه السلام) ولعل مستنده ما قاله معمر في جامعه بعد ذكر هذا الحديث: بلغني أن الذي يقتل الدجال: الخضر، وكذا أخرجه ابن حبان من طريق عبد الرزاق عن معمر قال: كانوا يرون أن الخضر، وقال ابن العربي: سمعت من يقول: إن الذي يقتله الدجال هو الخضر، وهذه دعوى لا برهان لها، لكن قال الحافظ في الفتح: قلت: وقد تمسك من قاله

بـمـا أخـرجـه ابن حبان في صحيحه من حديث أبي عبيدة بن الجراح رفعه في ذكـر الـدجال: لعله أن يدركه بعض من رآني أو سمع كلامي الحديث. ووجه الاستـدلال بهـذا الحديث أنه لم يبق أحد اليوم ممن رأى رسول الله صلى الله عـليه وسلم أو سمع كلامه إلا الخضر عليه السلام على قول من يقول بحياته، وقـد بسـطـنـا الـكـلام عـلى ذلک في باب فضائل الخضر عليه السلام، وأن الأسـلـم فـي ذلک السـكوت. وأما حديث أبي عبيدة الذي أشار إليه الحافظ فيمكن الإجابة عنه بعد ثبوته بأنه ليس فيه جزم ويقين، بخلاف الأحاديث التي ورد فيهـا أن عيسى عليه السلام هو الذي يقتله، والله أعلم. (كتاب الفتن وأشراط الساعة / باب في صفة الدجال الخ ۱۲/ ۳۱۰-۳۱۱ دار إحياء التراث العربي بيروت)

واختلفوا أيضًا: هل هو حي أو مات؟ فذهبت جماعة من العلماء إلى أنه أعـطي عـمـرًا طويلا، وهو حي إلى اليوم ولكنه محجوب عن الأبصار، ويبقى حيًا إلى خروج الدجال، قال النووي: جمهور العلماء على أنه حي موجود بين أظهـرنا وذلک متفق عليه عند الصوفية وأهل الصلاح والمعرفة، وحكاياتهم فـي رؤيتـه والاجتـماع به، والأخذ عنه، وسؤاله وجوابه ووجوده في المواضع الشـريـفة ومواطن الخير أكثر من أن يحصر وأشهر من أن يستر، وقال الشيخ أبو عمرو ابن الصلاح: هو حي عند جماهير العلماء والصالحين والعامة معهم فـي ذلک. قـال: وإنـمـا شـذ بـإنـكـاره بـعض المحدثين، وخالفهم الآخرون فـقـالوا: إنه قد مات، واستدلوا على ذلک بقوله تعالىٰ: ﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ﴾ [الأنبياء، جزء آيت: ٣٤] وأجـاب عـنـه الأولون بأن العمر الـطويل ليس من الخلد. وروي عن الإمام البخاري أنه سئل عن حياة الخضر، فـأنـكـر ذلک واسـتـدل بـالـحـديث أن على رأس مائة سنة لا يبقى على وجه

الأرض ممن هو عليها أحد. وهو حديث أخرجه البخاري في الصحيح عن ابن عمر. وأجاب عنه الأولون بأن المراد فناء من يشاهد العامة وجوده على وجه الأرض، وليس الخضر عليه السلام منهم. وكذلك استدل القائلون بموته بالحديث النبوي المرفوع: لو كان موسى حيًا ما وسعه إلا اتباعي، فلو كان الخضر حيًا لجاء إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم وآمن به، ولم يثبت ذلك. وأجاب عنه الأولون بأن الإيمان به صلى الله عليه وسلم لا يتوقف على المجيء إليه، ثم لم يثبت عدم ميجئه أيضًا، ولا يلزم من عدم ثبوت المجيء ثبوت عدم المجيء. واستدل القائلون بحياته بروايات أخرى وقصص مروية عن كثير من العلماء والأولياء أنهم لقيهم الخضر عليه السلام.

وقد أطال الحافظ ابن حجر في الإصابة (١/٤٢٨ إلى ٤٤٧) في ترجمة الخضر عليه السلام، واستوعب فيها الروايات التي تدل على حياته، وليس فيها ما يثبت إسناده بطريق صحيح. وأحسن ما ورد في ذلك ما رواه يعقوب بن سفيان في تاريخه، وأبو عروة عن رباح بن عبيدة قال: رأيت رجلاً يماشي عمر بن عبد العزيز معتمدًا على يديه فلما انصرف، قلت له: من الرجل؟ قال: رأيته؟ قلت: نعم. قال: أحسبك رجلا صالحًا، ذلك أخي الخضر، بشرني أني سأولّي وأعدل، ذكره الحافظ في الفتح (٦/٤٣٥) وقال: لا بأس برجاله، ولم يقع لي إلى الآن خبر ولا أثر بسند جيد غيره.

وبالجملة فلم يثبت في القرآن ولا في السنة دليل يجزم به على حياته أو موته، فليست المسألة مسألة العقيدة، وإنما هي مسألة ثبوت واقعة وعدم ثبوتها، ومسألة مشاهدة وتجربة، والسبيل الأسلم في مثلها التوقف والسكوت، حتى يتضح أحد الجانبين بدليل منقول، أو بمشاهدة، والله سبحانه وتعالىٰ

أعلم. (تكملة فتح الملهم شرح صحيح مسلم، كتاب الفضائل / باب فضائل الخضر عليه السلام ٣٣/٥-٣٤ دار إحياء التراث العربي بيروت)

وقال الحافظ أبو القاسم بن عساكر: أنبأنا أبو القاسم بن الحصين، أنبأنا أبو طالب محمد بن محمد، أنبأنا أبو إسحاق المزكي، حدثنا محمد بن إسحاق بن خزيمة، حدثنا محمد بن أحمد بن يزيد أملاه علينا بعبادان، أنبأنا عمرو بن عاصم، حدثنا الحسن بن زريق، عن ابن جريج، عن عطاء، عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: ولا أعلمه إلا مرفوعًا إلى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: يلتقي الخضر وإلياس كل عام في الموسم، فيحلق كل واحد منهما رأس صاحبه، ويتفرقان عن هؤلاء الكلمات: بسم اللّٰه ما شاء اللّٰه لا يسوق الخير إلا اللّٰه، ما شاء اللّٰه لا يسوق الخير إلا اللّٰه، ما شاء اللّٰه لا يصرف الشر إلا اللّٰه، ما شاء اللّٰه ما كان من نعمة فمن اللّٰه، ما شاء اللّٰه لا حول ولا قوة إلا باللّٰه. قال: وقال ابن عباس: من قالهن حين يصبح وحين يمسي ثلاث مرات آمنه اللّٰه من الغرق والحرق والسرق. قال: وأحسبه قال: ومن الشيطان والسلطان والحية والعقرب.

قال الدار قطني في الإفراد: هذا حديث غريب من حديث ابن جريج، لم يحدث به غير هذا الشيخ عنه - يعني: الحسن بن زريق هذا -. وقد روى عنه محمد بن كثير العبدي أيضًا ومع هذا قال فيه الحافظ أبو أحمد بن عدوي: ليس بالمعروف. وقال الحافظ أبو جعفر العقيلي: مجهول وحديثه غير محفوظ. وقال أبو الحسن بن المنادي: هو حديث واهٍ بالحسن بن زريق.

(البداية والنهاية، قصص الأنبياء / قصتا الخضر وإلياس عليهما السلام ٣٧١/١-٣٧٢ دار المعرفة بيروت)

وقال مكحول عن كعب: أربعة أنبياء أحياء اثنان في الأرض إلياس

والخضر، واثنان في السماء إدريس وعيسىٰ. وقد قدمنا قول من ذكر أن إلياس والخضر يجتمعان في كل عام في شهر رمضان ببيت المقدس، وأنهما يحجان كل سنة، ويشربان من زمزم شربةً تكفيهما إلى مثلها من العام المقبل. وأوردنا الحديث الذي فيه أنهما يجتمعان بعرفات كل سنة، وبينا أنه لم يصح شيء من ذلك، وأن الذي يقوم عليه الدليل أن الخضر مات، وكذلك إلياس عليه السلام. (البداية والنهاية، قصص الأنبياء / وأما إلياس عليه السلام ۳۷٦/۱ دار المعرفة بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲۸ / ۱۴۴۱/۹/۳۰ھ)

ہجری سال کی مختصر تاریخ

سوال (۹۸):- ہجرت کا واقعہ کب پیش آیا؟ ہجری تاریخ کی شروعات کب سے ہوئی؟ ہجری تاریخ سے پہلے لوگ اپنے معاملات اور عقود کی مدت کس طرح متعین کیا کرتے تھے؟ اور یہ ہجری اور عیسوی تاریخیں کس شخصیت یا اہم اِسلامی واقعہ کی طرف منسوب ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- عرب کے اندر زیادہ تر لکھنے پڑھنے کا رواج نہ تھا، بارہ مہینے تو متعین تھے، قرآن پاک میں بھی اس کا تذکرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بارہ مہینے شروع ہی سے متعین فرمار کھے ہیں، لیکن مشہور ہے کہ ان ناموں کا باقاعدہ تعین پیغمبر علیہ السلام کے جد اعلیٰ ''کلاب ابن مرۃ'' کے زمانے سے ہوا، جس میں محرم کو سال کا پہلا مہینہ قرار دیا گیا اور ذی الحجہ کو آخری مہینہ قرار دیا گیا، اب یہ لوگ مہینوں کا تو اعتبار کرتے تھے اور کبھی ان میں بعض مہینوں کو اپنے اعتبار سے آگے پیچھے کر دیتے تھے، کبھی محرم کو صفر اور صفر کو محرم؛ لیکن سال کے اعتبار سے کوئی باقاعدہ کلینڈر متفقہ طور پر اہل عرب میں رائج نہ تھا، بس اگر سال کی تعیین بتلانے کی ضرورت ہوتی تو اپنے علاقے میں جو کوئی اہم واقعہ پیش آیا ہوتا اسی کو ذکر کر کے آگے پیچھے کر کے بتایا جاتا تھا کہ فلاں واقعہ کے اتنے سال بعد یا فلاں واقعہ کے اتنے سال پہلے، چنانچہ کبھی بڑی

بڑی جنگوں کو بنیاد بنا کر گفتگو ہوتی تھی ،اور بعد میں ابرہہ نے جوحملہ کیا تھا ہاتھیوں کے لشکر کے ساتھ جس کو ''عام الفیل'' کہا جاتا تھا، یعنی ہاتھی والا سال، اس کو بنیاد بنالیا تھا کہ ہاتھی والے سال کے پہلے یا ہاتھی والے سال کے بعد۔ الغرض کوئی با قاعدہ کلینڈر کا رواج نہ تھا، گر چہ بارہ مہینے متعین تھے، یہ سلسلہ دورِ نبوت میں چلتا رہا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی بات کو متعین فرمانے کے لئے کبھی بعثت مبارکہ کو سامنے رکھ کر اور کبھی واقعہ ہجرت کو سامنے رکھ کر گفتگو فرمایا کرتے تھے، پھر دورِ صدیقی آیا اس میں بھی یہی سلسلہ چلتا رہا تا آنکہ خلیفہ دوم سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانے میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے جو ایک علاقے کے گورنر تھے با قاعدہ سیدنا حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایک خط لکھا کہ آپ کے فرامین آتے ہیں ان میں کلینڈر کے اعتبار سے تاریخیں درج نہیں ہوتیں، جس کی وجہ سے مشکل پیش آتی ہے، لہٰذا ہمیں چاہئے کہ کوئی با قاعدہ کلینڈر بنالیا جائے جس سے اندازہ ہو کہ یہ کس تاریخ کی تحریر ہے، اس کا ریکارڈ رکھنا بھی آسان ہو، اس طرح کی انہوں نے درخواست اس خط میں کی، سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس سے اتفاق ہوا؛ چناں چہ آپ نے مدینہ منورہ میں حضرات صحابہ کرامؓ کو جمع فرمایا جو ان میں اہم صحابہ تھے، اور ان کے سامنے یہ بات رکھی کہ ایسی تجویز آئی ہے کیا کرنا چاہئے، ان حضرات نے اس سے اتفاق کیا کہ ہاں ایسا ہونا بہتر بلکہ ضروری ہے۔ اب یہ بحث ہوئی کہ کلینڈر بنانا ہے تو کس چیز کو بنیاد بنایا جائے؟ جہاں سے اسلامی تاریخ کا آغاز ہو، تو اس بارے میں چار رائے اس مجلس میں پیش ہوئیں: (۱) ایک رائے یہ آئی کہ نبی اکرم علیہ السلام کی ولادت مبارکہ سے تاریخ شروع کی جائے، اس سال سے کلینڈر کا آغاز ہو۔ (۲) دوسری رائے یہ آئی کہ جب پیغمبر علیہ السلام پر پہلی وحی نازل ہوئی اس کو بنیاد بنایا جائے۔ (۳) تیسری رائے یہ سامنے آئی کہ جب آپ نے مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی اُس سال کو بنیاد بنایا جائے۔ (۴) اور چوتھی رائے یہ آئی کہ سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے سال کو معیار بنایا جائے، ان چار آراء میں سے امیر المومنین سید حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے ہجرت والی بات کوترجیح دی، اوراس ترجیح کی وجہ یہ تھی کہ یہ ہجرت کا واقعہ اسلامی تاریخ کا ایک روشن ترین باب ہے، ہجرت ہی کے بعد سے اسلام کوترقی ہونی شروع ہوئی، اوراللہ تبارک وتعالیٰ نے تنگی اورآزمائش کا دور بتدریج ختم فرمایااس کا سلسلہ اسی ہجرت کے بعد سے شروع ہوا ہے، دوسرے یہ کہ ہجرت ایک بڑا عظیم الشان باب ہے، جس کے بارے میں پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا "**الھجرۃ تھدم ما کان قبلھا**" کہ جوآدمی دین کے لئے اپنا گھر بار چھوڑے اپنے وطن کوخیر باد کہے، اپنی قربانی پیش کرے تواس عظیم عمل کی وجہ سے اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں، تو یہ ایک قربانی کی یادگار ہے، عظیم الشان عمل ہے، اس کواسلامی تاریخ کی بنیاد بنایا جانا یہ زیادہ بہتر ہے، اور جب بھی یہ ہجری سال لوگوں کی نظر میں آئے گا توایک دل کے اندر ایمانی کیفیت پیدا ہوگی، قربانی کا جذبہ پیدا ہوگا ایک تاریخ آدمی کے سامنے آئے گی اس لئے دیگر آراء کے مقابلے میں اس رائے کوآپ نے ترجیح دی جس سے سب نے اتفاق کرلیا۔

اب یہ سوال پیدا ہوا کہ یہ تو ٹھیک ہے کہ اسلامی تاریخ کا پہلا سال ہجرت والے سال کو قرار دیا جائے لیکن یہ جو سال کے اندر بارہ مہینے ہیں ان میں سال کوکب سے شروع کیا جائے؟ کون سے مہینے کو پہلا مہینہ مانا جائے اسلامی کلینڈر کے اعتبار سے؟ اس پر بحث ہوئی، تو اس میں چار آراء سامنے آئیں: (۱) ایک رائے یہ تھی کہ محرم سے شروع کیا جائے جیسا کہ پہلے سے اہل عرب کرتے آرہے تھے۔ (۲) دوسری یہ رائے آئی کہ ربیع الاول سے شروع کیا جائے؛ کیونکہ ہجرت کا واقعہ اس کی ابتداء میں پیش آیا۔ (۳) تیسری رائے یہ تھی کہ رجب سے شروع کیا جائے۔ (۴) اور چوتھی رائے یہ تھی کہ رمضان المبارک سے شروع کیا جائے، تو غور وفکر کرنے کے بعد یہ طے ہوا کہ چونکہ پہلے سے اہل عرب محرم کے مہینے کوسال کا پہلا مہینہ مانتے چلے آرہے ہیں اور یہ ربیع الاول سے قریب بھی ہے گویا ہجرت کی تیاری پہلے ہی سے شروع ہوچکی تھی یہ مناسبت بھی اس میں پائی جاتی ہے اس لئے یہ طے کیا گیا کہ کلینڈر کا آغاز ہجرت سے ہوگا اور مہینے حسب دستور جیسے پہلے سے چلتے چلے آرہے ہیں انھیں کو برقرار رکھا جائے گا، تو اس طرح سے یہ ہجری سال کا آغاز ہوا۔

اور یہ ہجرت کا واقعہ نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کی بعثت کے ۱۳؍سال کے بعد پیش آیا، نبی اکرم علیہ السلام کی بعثت مبارکہ چالیس سال کی عمر میں ہوئی، ۱۳؍سال آپ مکہ معظّمہ میں رہے پھر ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے اور ۱۰؍سال آپ نے یہاں پر گذارے ہیں، تو یہ ہجری تاریخ کی حقیقت ہے، جس کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔

اس کے مقابلے میں جو عیسوی تاریخ ہے اس کا تعلق سیدنا حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت مبارکہ سے ہے، تو ہمارے سامنے دونوں کلینڈر موجود ہیں، ہجری کلینڈر کے اعتبار سے ۱۴۴۲واں سال چل رہا ہے اور پیغمبر علیہ السلام کی وفات کو ۱۴۳۲؍سال ہو چکے ہیں اور عیسوی اعتبار سے ۲۰۲۰ چل رہا ہے، ان دونوں تاریخوں میں فرق یہ ہے کہ عیسوی جو مہینے ہیں، جنوری سے جو شروع ہوتے ہیں اور دسمبر پر ختم ہوتے ہیں ان میں موسموں کی رعایت رکھی گئی ہے؛ چنانچہ ہمارے علاقوں میں سردی ہمیشہ دسمبر اور جنوری میں ہوتی ہے، دیگر علاقوں میں فرق بھی ہوسکتا ہے، اور مئی جون میں گرمی ہوتی ہے، تو جہاں پر بھی شمسی تاریخیں عیسوی تاریخ سے چلتی ہیں اُس میں ہر مہینہ کا موسم کے اعتبار سے توافق پایا جاتا ہے، جب کہ ہجری تاریخوں کا مدار موسموں والی ترتیب پر نہیں رکھا گیا؛ بلکہ چاند کی ترتیب پر رکھا گیا۔ اور اس میں دو بڑے فائدے ہیں:

الف:- ایک تو یہ کہ چاند کے بارے میں علم ہر شخص کو ہوسکتا ہے، پڑھا ہوا ہو یا نہ ہو، دیہاتی ہو یا شہری، یا جنگل کا رہنے والا ہو، وہ چاند کے اعتبار سے چاند دیکھ کر کے تاریخ کا اندازہ لگا سکتا ہے۔

ب:- اور دوسرا بڑا فائدہ یہ ہے کہ چاند کی تاریخوں کے اعتبار سے ہماری جو عبادات ہیں اُن کے اوقات ادلتے بدلتے رہتے ہیں، موسموں کی حیثیت سے، کبھی رمضان سردی میں ہے تو کبھی گرمی میں، کبھی عید سردی میں ہے تو کبھی گرمی میں؛ چناں چہ اسلام میں جو عبادات کا تعین ہے اُن کی تاریخ وغیرہ کا مدار چاند کی ترتیب پر رکھا گیا، اور ہجری تاریخ میں اسی کو ملحوظ رکھا گیا۔ ہمیں چاہئے کہ اپنے بچوں اور گھر والوں کو ہجری تاریخوں سے بھی آگاہ رکھا کریں، عیسوی تاریخ، یاد کرنا کوئی منع نہیں ہے، اس اعتبار سے کوئی پروگرام بھی متعین کرنے میں حرج نہیں ہے؛

لیکن عربی اور اسلامی تاریخوں کو بالکل فراموش کرنا صحیح نہیں ہے۔

اتفق الصحابة رضي الله عنهم في سنة ست عشرة – وقيل: سنة سبع عشرة، أو ثماني عشر ة – في الدولة العمرية على جعل ابتداء التاريخ الإسلامي من سنة الهجرة، وذلك أن أمير المؤمنين عمر رضي الله عنه رفع إليه صك – أي: حجة – لرجل على آخر وفيه، إنه يحل عليه في شعبان. فقال عمر: أي شعبان؟ أشعبان هذه السنة التي نحن فيها أو السنة الماضية، أو الآتية؟ ثم جمع الصحابة فاستشارهم في وضع تاريخ يتعرفون به حلول الديون وغير ذلك، فقال قائل: أرخوا كتاريخ الفرس فكره ذلك، وكانت الفرس يؤرخون بملوكهم واحدًا بعد واحدٍ. وقال قائل: أرخوا بتاريخ الروم. وكانوا يؤرخون بملك إسكندر بن فلبس المقدوني فكره ذلك. وقال آخرون: أرخوا بمولد رسول الله صلى الله وعليه وسلم. وقال آخرون: بل بمبعثه. وقال آخرون: بل بهجرته. وقال آخرون: بل بوفاته عليه السلام. فمال عمر رضي الله عنه إلى التاريخ بالهجرة لظهوره واشتهاره. واتفقوا معه على ذلك.

وقال البخاري في صحيحه: التاريخ ومتى أرخوا التاريخ. حدثنا عبد الله بن مسلم، ثنا عبد العزيز عن أبيه عن سهل بن سعد. قال: ما عدوا من مبعث النبي صلى الله عليه وسلم ولا من وفاته، ما عدوا إلا من مقدمه المدينة.

وقال الواقدي: حدثنا ابن أبي الزناد عن أبيه قال: استشار عمر في التاريخ فأجمعوا على الهجرة، وقال أبو داؤد الطيالسي عن قرة بن خالد السدوسي عن محمد بن سيرين قال: قام رجل إلى عمر فقال: أرخوا. فقال: ما أرخوا؟ فقال: شيء تفعله الأعاجم يكتبون في شهر كذا من سنة كذا. فقال عمر: حسن فأرخوا، فقالوا: من أي السنين نبدأ؟ فقالوا: من مبعثه، وقالوا: من وفاته، ثم أجمعوا على الهجرة، ثم قالوا: وأي الشهور نبدأ؟ قالوا: رمضان، ثم قالوا:

المحرم فهو مصرف الناس من حجهم وهو شهر حرامٌ، فاجتمعوا على المحرم.

وقال ابن جرير: حدثنا قتيبة ثنا نوح بن قيس الطائي عن عثمان بن محصن أن ابن عباس كان يقول في قوله تعالىٰ: ﴿وَالْفَجْرِ. وَلَيَالٍ عَشْرٍ﴾ هو المحرم فجر السنة، وروي عن عبيد بن بن عمير قال: إن المحرم شهر الله وهو رأس السنة يكسي البيت، ويؤرخ به الناس، ويضرب فيه الورق. (البداية والنهاية / وقائع السنة الأولىٰ من الهجرة ج: ۲ الجزء: ۲۱۹/۳-۲۲۰ دار المعرفة بيروت)

وفي حديث عمرو بن العاص: فلما جعل الله الإسلام في قلبي أتيت النبي صلى الله عليه وسلم فقلت: أبسط يمينک فلا بايعک فبسط يمينه، قال: فقبضت يدي، قال: قلت: أردت أن أشترط، قال: تشترط بماذا؟ قلت: أن يغفر لي، قال: أما علمت أن الإسلام يهدم ما كان قبله وأن الهجرة تهدم ما كان قبلها الخ. (صحيح مسلم، كتاب الإيمان / باب الإسلام يهدم ما قبله رقم: ۱۲۱)

عن سهل بن سعد رضي الله عنه قال: ما عدوا من مبعث النبي صلى الله عليه وسلم ولا من وفاته ما عدوا إلى من مقدمه المدينة. (صحيح البخاري رقم: ۳۹۳٤) قال الحافظ ابن حجر – رحمه الله –: وذكروا في سبب عمل عمر التاريخ أشياء، منها ما أخرجه أبو نعيم الفضل بن دُكين في تاريخه من طريق الشعبي أن أبا موسىٰ كتب إلى عمر إنه يأتينا من كتبٌ ليس لهاتاريخ فجمع عمرُ الناسَ، فقال بعضهم: أرخ بالمبعث، وبعضهم أرخ بالهجرة، فقال عمر: الهجرة فرقت بين الحق والباطل فأرخوا بها، وذٰلک سنة سبع عشرة. فلما اتفقوا قال بعضهم: ابدءوا برمضان، بل بالمحرم؛ فإنه منصرف الناس من حجهم، فاتفقوا عليه. (فتح الباري، كتاب مناقب الأنصار / باب التاريخ من أين أرخوا التاريخ ۳٤۱/۹ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۴۸ / ۱۴۴۲/۲/۹ھ)

حضور کے چچا اور پھوپھیاں

سوال (۹۹):- نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کتنے چچا تھے؟ اور کتنی پھوپھیاں تھیں؟ اور اُن میں سے کون کون اِسلام سے مشرف ہوئے؟

الجواب حامدًا ومصلیًا أما بعد:- اَصحابِ سیر نے لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کل ۱۱؍ چچا تھے، جن میں سے صرف دو (شیر خدا، سید الشہداء حضرت حمزہ اور سیدنا حضرت عباس رضی اللہ عنہما) اِسلام سے مشرف ہوئے۔ اِن کے علاوہ ۹؍ چچا اِسلام نہ لا سکے، جن کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) خواجہ ابو طالب؛ جن کا اصل نام ''عبد مناف'' تھا اور اُنہوں نے مکی دور میں پیغمبر علیہ السلام کی سرپرستی، حمایت اور نصرت میں بہت اہم کردار ادا فرمایا؛ لیکن پیغمبر علیہ السلام کی بہت چاہت اور خواہش کے باوجود آپ اِسلام کی دولت سے مشرف نہ ہو سکے، جیسا کہ صحیح روایات سے ثابت ہے۔

(۲) ابولہب؛ اس کا نام اصل ''عبد العزیٰ'' تھا، یہ پیغمبر علیہ السلام کی دشمنی میں بہت آگے آگے رہا، اور یہی وہ شخص ہے کہ جس نے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کوہِ صفا پر دعوتِ اسلام کے اَولین خطاب کے موقع پر سخت مخالفت کی تھی، اور یہ مرتے دم تک آپ کی دشمنی میں لگا رہا؛ حتیٰ کہ قرآنِ پاک میں باقاعدہ اُس کی مذمت میں سورۂ ﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ﴾ نازل ہوئی۔

(۳) زبیر بن عبد المطلب، یہ بھی مکہ کے بڑے سرداروں میں تھے۔

(۴) عبد الکعبہ بن عبد المطلب۔

(۵) مقوم بن عبد المطلب؛ اِن کا نام حارث بھی ہے۔

(۶) ضرار بن عبد المطلب۔

(۷) قثم بن عبد المطلب۔

(۸)مغیرہ بن عبدالمطلب ؛جن کالقب ''حجل'' بتایاجاتاہے۔

(۹)غیداق بن عبدالمطلب ؛اِن کانام مصعب یانوفل تھا۔

اور پیغمبر علیہ السلام کی پھوپھیوں کی تعداد ۶/ ہے،جن کے نام یہ ہیں: (۱) عاتکہ (۲)اُمیمہ(۳)بیضاءاُم حکیم(۴)برہ(۵)صفیہ(۶)اَرویٰ۔

اِن میں سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کویقینی طور پر اِسلام کی دولت نصیب ہوئی،اوروہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں۔اوراُمیمہ،برہ اور بیضاء کے بارے میں اتفاق ہے کہ وہ اِسلام نہیں لاسکیں؛البتہ اَرویٰ اور عاتکہ کے بارے میں روایتیں مختلف ہیں۔بعض نے اُنہیں صحابیات میں شمار کیاہے،اوربعض نے نہیں کیا۔

فمنهم أسد الله وأسد رسوله سيد الشهداء حمزة بن عبد المطلب، والعباس، وأبو طالب واسمه عبد مناف، وأبولهب واسمه عبد العزى، والزبير، وعبد الكعبة، والمقوِّم، وضرار، وقُثم، والمغيرة ولقبه حجل، والغيداق واسمه مصعب. وقيل: نوفل. وزاد بعضهم: العوام، ولم يُسلم منهم إلا حمزة والعباس.

وأما عماته: فصفية أم الزبير بن العوام، وعاتكة، وبرَّة، وأروى، وأميمة، وأم حكيم البيضاء، أسلم منهن صفية، واختلف في إسلام عاتكة وأروى، وصحح بعضهم إسلام أروى.

وأسن أعمامه: الحارث، وأصغرهم سنًا: العباس، وعقب منه حتى ملأ أولاده الأرض. وقيل: أحصوا في زمن المأمون، فبلغوا ست مائة ألف، وفي ذلك بعدٌ لا يخفى، وكذلك أعقب أبوطالب وأكثر، والحارث، وأبو لهب، وجعل بعضهم الحارث والمقوم واحدًا، وبعضهم الغيداق [رجلاً] واحدًا. (زاد المعاد مكمل / فصل في أعمامه وعماته صلى الله عليه وسلم ص: ۳۸ مؤسسة المختار للنشر والتوزيع)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: لما نزلت هذه الآية: ﴿وانذر عشيرتك الاقربين﴾ [الشعراء: ۲۱۴] ورهطك منهم المخلصين، خرج رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم حتى صعد الصفا، فهتف: يا صباحاه! فقالوا: من هذا الذي يهتف؟ قالوا: محمد. فاجتمعوا إليه، فقال: يا بني فلان! يا بني فلان! يا بني فلان! يا بني عبد مناف! يا بني عبد المطلب! فاجتمعوا إليه، فقال: أرأيتكم لو أخبرتكم أن خيلاً تخرج بسفح هذا الجبل أكنتم مصدقي؟ قالوا: ما جربنا عليك كذبًا، قال: فإني نذير لكم بين يدى عذاب شديد. قال أبولهب: تبا لك! أما جمعتنا إلا لهٰذا؟ ثم قام، فنزلت هذه السورة: ﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ﴾ (صحيح مسلم، كتاب الإيمان باب في قوله تعالىٰ: ﴿وانذر عشيرتك الاقربين﴾ ص: ۲۴۲ رقم: ۲۰۸ بيت الأفكار الدولية) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۱۹ / ۱۴۴۱/۹/۲۱ھ)

پیغمبر علیہ السلام کا سایہ تھا یا نہیں؟

سوال (۱۰۰):- کیا پیغمبر علیہ السلام کا سایہ مبارکہ موجود تھا یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے سے متعلق بعض روایات سیرت کی کتابوں میں منقول ہیں؛ لیکن وہ سنداً ضعیف ہیں، اور اُس کے مقابلے میں مسند احمد وغیرہ میں اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ اور سیدتنا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہما کی روایات میں صراحت ہے کہ اُنہوں نے پیغمبر علیہ السلام کا سایہ مبارکہ دیکھا ہے؛ لہٰذا اِن صحیح روایات کی موجودگی میں سایہ کی اِنکار والی روایات کو ترجیح نہیں دی جائے گی۔ ویسے بھی پیغمبر علیہ السلام کی عظمت وفضیلت کا مدار آپ کے سایہ کے ہونے یا نہ ہونے پر نہیں ہے؛ بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علمی، عملی، جسمانی اور روحانی عظیم کمالات سے نوازا ہے، جن کی نظیر نہیں مل سکتی؛ لہٰذا ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق صرف صحیح اور معتبر باتوں ہی کو بیان کرنا

چاہیے،اور بے سند باتوں کو نہیں پھیلانا چاہیے۔(اِمدادالفتاویٰ جدید۱۲/۲۱ زکریا،فتاویٰ محمودیہ۴/۴۸۰ ڈابھیل)

أخرج الحكيم الترمذي عن ذكوان أن رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم لم يكن يرى له ظل في شمس ولا قمر. قال ابن سبع: من خصائصه أن ظله كان لا يقع على الأرض. (خصائص الكبرى / ذكر المعجزات والخصائص في خلقه الشريف صلى اللّٰہ عليه وسلم ١١٦/١ دار الكتب العلمية بيروت)

عن عائشة رضي اللّٰہ عنها أن رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم كان في سفر له فاعتل بعير لصفية وفي إبل زينب فضل فقال لها رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم إن بعيرا لصفية اعتل فلو أعطيتها بعيرا من إبلك؟ فقالت: أنا أعطي تلك اليهودية قال: فتركها رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم ذا الحجة والمحرم شهرين أو ثلاثة لا يأتيها قالت: حتى يئست منه وحولت سريري قالت: فبينما أنا يومًا بنصف النهار إذا أنا بظل رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم مقبل. (المسند لإمام أحمد بن حنبل ١٣٢/٦ و٢٦١/٦ قديم، ٤٨٥/١٧ رقم: ٢٤٨٣ تحقيق أحمد شاكر، دار الحديث القاهرة)

عن صفية بنت حيي رضي اللّٰہ عنها أن النبي صلى اللّٰہ عليه وسلم حج بنسائه، فلما كان في بعض الطريق، نزل رجل ...... فلما كان شهر ربيع الأول دخل عليها فرأت ظله فقالت: إن هذا لَظِلُّ رجل، وما يدخل عليّ النبيُّ صلى اللّٰہ عليه وسلم، فمن هذا؟ فدخل النبي صلى اللّٰہ عليه وسلم الخ. (المسند لإمام أحمد بن حنبل ٤٣٥/٤٤ رقم: ٢٦٨٦٦ الرسالة، مجمع الزوائد للهيثمي ٣٢٣/٤ وقال: فيه سمية روي لها أبوداؤد وغيره ولم يضعفها أحد وبقية رجاله ثقات) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۱۹ / ۲۱/۹/۱۴۴۱ھ)

حضور اکرم ﷺ کو یتیم کہنا

سوال(۱۰۱):- کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یتیم کہنا آپ کی شان میں گستاخی ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اظہارِ حقیقت کےطور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یتیم کہنا کوئی بے اَدبی یا گستاخی کی بات نہیں ہے؛ کیوں کہ خود قرآنِ پاک میں آپ کو یتیم کہا گیا ہے۔سورۂ والضحیٰ میں اِرشادفرمایا گیا: ﴿اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَآوىٰ﴾ [الضحى: ٦]

دوسرے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یتیم ہونے کے باوجود اعلیٰ ترین حسی اور معنوی کمالات سے متصف ہونا بجائے خود آپ کے رسولِ برحق ہونے کی ایک مستقل دلیل ہے؛ کیوں کہ دنیا میں عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ جو بچہ یتیم ہوتا ہے اُس کی تعلیم وتربیت اور پرورش میں رکاوٹیں پیش آتی ہیں، اور وہ عموماً درجہ کمال تک نہیں پہنچ پاتا؛ لیکن دنیا نے یہ دیکھا کہ سرورِ عالم خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ بظاہر یتیم پیدا ہوئے، اور پھر بچپن ہی میں والدہ ماجدہ اور داداجان کا سایہ بھی سر سے اُٹھ گیا؛ لیکن اِس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ کی ایسی شاندار تربیت فرمائی، اور ایسے علمی اور اخلاقی کمالات سے نوازا کہ جس کی عالم میں کوئی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی ہے، گویا کہ آپ کی ذات ''دریتیم'' تھی؛ لہٰذا آپ کو یتیم کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَآوىٰ﴾ [الضحى: ٦]

وذٰلک أن أباه توفي وهو حمل في بطن أمه، وقيل: بعد أن ولد عليه السلام ثم توفيت أمه: آمنة بنت وهب، وله من العمر ست سنين، ثم كان في كفالة جده عبد المطلب إلىٰ أن توفي، وله من العمر ثمان سنين، فكفله عمه أبو طالب، ثم لم يزل يحوطه وينصره ويرفع من قدره ويوقره، ويكف عنه أذى قومه بعد أن ابتعثه اللّٰه علىٰ رأس أربعين سنة من عمره. (تفسير ابن كثير مكمل / تفسير سورة الضحى ص: ١٤٤٢ دار السلام رياض)

قوله تعالىٰ: ﴿اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَآوىٰ﴾ قال مجاهد: هو من قول العرب درة يتيمة، إذا لم يكن لها مثل، فمجاز الآية: ألم يجدک واحدًا في

شـرفک لا نـظيـر لک، فـاٰواک الـلّٰه بأصحاب يحفظونک ويحوطونک.

(الجامع لأحكام القرآن / الجزء العشرون ٨٥/١٩ دار الفكر بيروت)

قـولـه تعالىٰ: ﴿اَلَمۡ يَجِدۡكَ يَتِيۡمًا فَآوىٰ﴾ فيه مسائل: المسألة الأولىٰ: أن اتـصـالـه بما تقدم هو أنه تعالىٰ يقول: ﴿اَلَمۡ يَجِدۡكَ يَتِيۡمًا﴾ فقال الرسول: بـلىٰ يا رب! فيقول: انظر أكانت طاعاتک في ذٰلک الوقت أكرم أم الساعة؟ فـلا بـد مـن أن يـقـال: بـل الـسـاعة، فيـقـول الـلّٰـه: حين كنت صبيًا ضعيفًا ما تـركناک بل ربّيناک ورقيناک إلىٰ حيث صرت مشرفًا علىٰ شرفات العرش وقـلـنـا لک: لولاک لما خلقنا الأفلاک، أتظن أنا بعد هٰذه الحالة نهجرک ونتركک. (التـفسيـر الـكبيـر للإمام الرازي / الجزء الحادي والثلاثون ٢١/١٦–٢١٥ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۳۴ / ۱۴۴۱/۱۱/۶ھ)

جنات نے آپ ﷺ کی اقتداء کس حلیہ میں کی تھی؟

سوال (۱۰۲):- حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جنات نے نماز پڑھی، تو سوال یہ ہے کہ وہ جنات انسانی جسم میں تھے، یا اپنے جسم کے ساتھ؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- جنات اِنسانی شکل میں نہیں تھے، اِسی لئے پیغمبر علیہ السلام کو بعد میں بذریعہ وحی علم ہوا کہ اُنہوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔

عـن ابـن عبـاس رضـي اللّٰه عنهما قال: لم تكن سماء الدنيا تحرسُ في الـفتـرـة بين عيسىٰ ومحمد صلى اللّٰه عليه وسلم، وكانوا يقعدون منها مقاعد لـلـسـمـع، فـلما بعث اللّٰه – عز وجل – محمدًا صلى اللّٰه عليه وسلم حرست السماء حرسًا شديدًا، ورجمت الشياطين، فأنكروا ذلک، فقالوا: ﴿لا نَدۡرِىۡ أَشَرٌّ اُرِيۡدَ بِمَنۡ فِىۡ الۡأَرۡضِ اَمۡ أَرَادَ بِهِمۡ رَبُّهُمۡ رَشَدًا﴾

فقال إبليس: لقد حدث في الأرض حدثٌ فاجتمعت إليه الجن، فقال: تفرقوا في الأرض فأخبروني ما هذا الخبر الذي حدث في السماء وكان أول بعث بعث ركبٌ في أهل نصيبين وهم أشراف الجن وسادتهم فبعثهم إلى تهامة فاندفعوا حتى بلغوا الوادي وادي نخلة فوجدوا نبي الله صلى الله عليه وسلم يصلي صلاة الغداة ببطن نخلة فاستمعوا، فلما سمعوه يتلو القرآن، قالوا: أنصتوا ولم يكن نبي الله صلى الله عليه وسلم علم أنهم استمعوا إليه، وهو يقرأ القرآن، فلما قضي يقول: فلما فرغ من الصلاة ولوا إلى قومهم منذرين، يقول: مؤمنين. (دلائل النبوة / باب بيان الوجه الذي كان يخرج قول الكهان عليه حقًا الخ ٢٤١/٢–٢٤٢ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۴۹ / ۱۴۴۲/۲/۱۶ھ)

حضراتِ حسنین اور حضرت فاطمہؓ کا جنت میں رتبہ سیادت

سوال (۱۰۳):- سیدنا حضرت حسن اور سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نوجوانانِ جنت کا سردار فرمایا ہے۔ اِسی طرح اپنی صاحب زادی حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تمام جنتی عورتوں کی سردار قرار دیا ہے۔ تو سائل کا کہنا یہ ہے کہ اِسلامی تاریخ میں ایسے بہت سے صحابہ ہیں جنہوں نے بڑی ہی عظیم خدمات انجام دیں ہیں، اور قربانیاں پیش کی ہیں، جن میں حضرت مصعب بن عمیرؓ، حضرت جعفر طیارؓ۔ اِسی طرح خواتین میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا جن کی بے مثال قربانیاں ہمارے سامنے ہیں، تو سائل یہ سوال کرتا ہے کہ اِن قربانی دینے والوں کے مقابلے میں حضرات حسنین رضی اللہ عنہما اور سیدہ فاطمہؓ کو یہ مقام کیوں حاصل ہوا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اِس سلسلے میں عرض ہے کہ حضرت فاطمہؓ کے متعلق خود پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ’’فاطمة بضعة مني‘‘ کہ فاطمہ میرے

بدن کاٹکڑا ہے، گویا کہ جز وبدن اور لخت جگر ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات مقرر تھی کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جو نسل چلے گی وہ سیدہ فاطمہؓ کے ذریعہ چلنے والی ہے؛ اس لئے کہ اگرچہ پیغمبر علیہ السلام کی کل چار صاحبزادیاں ہیں حضرت زینب، حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن ؛ لیکن ان میں سے اول الذکر تین صاحبزادیوں کی نسل آگے نہیں چل پائی؛ لیکن حضرت سیدہ فاطمہؓ کی پانچ اولادیں ہوئیں، سیدنا حضرت حسن، سیدنا حضرت حسین، سیدنا حضرت محسن رضی اللہ عنہم، اور دو صاحبزادیاں حضرت زینب اور حضرت ام کلثوم (یہ ام کلثومؓ وہی ہیں جن سے بعد میں خلیفہ ثانی اَمیر المومنین سیدنا حضرت عمر بن الخطابؓ نے نکاح فرمایا، اور ان کے نکاح کا منشاء یہ تھا کہ پیغمبر علیہ السلام سے دامادی کا رشتہ قائم ہو جائے جو اپنے اعتبار سے بہت بڑی فضیلت کی بات ہے۔ پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ قیامت میں سارے رشتے منقطع ہو جائیں گے سوائے میرے نسبی یا دامادی رشتے کے) تو ان میں سے سیدنا حضرت حسن اور سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہما سے پیغمبر علیہ السلام کی نسل چلی، جو آج پوری دنیا کے چپے چپے پر پھیلی ہوئی ہے۔ اِسی بنا پر حضرت سیدہ فاطمہؓ سے پیغمبر علیہ السلام کو انتہائی درجہ کا تعلق تھا، آپ فرمایا کرتے تھے کہ ''جس بات سے فاطمہ خوش ہے اس سے میں خوش ہوں، اور جس بات سے فاطمہ کو ناگواری ہے اس سے مجھے بھی ناگواری ہے''۔ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت سیدہ فاطمہؓ کی چال ڈھال بالکل پیغمبر علیہ السلام کے مشابہ تھی، تو آپ کو تمام اہل جنت عورتوں کی سرداری کا جو منصب حاصل ہوا وہ پیغمبر علیہ السلام کی جزئیت کی بنیاد پر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ایسی فضیلت ہے جو وہبی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے، اس کو کسی کسبی فضیلت پر قیاس نہیں کیا جائے گا؛ کیوں کہ جو وہبی فضائل ہوتے ہیں اس کا مدار محنت اور قربانی پر نہیں ہوتا بلکہ اللہ کی عطا اور فضل وکرم پر ہوتا ہے اس لئے حضرت فاطمہؓ کو یہ مقام ملا ہے۔

اسی طریقے پر سیدنا حضرت حسن اور سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہما بھی حضرت سیدہ فاطمہؓ کے واسطے سے پیغمبر علیہ السلام کا جزء ہیں، اور آپ کی اعلیٰ صفات اور اخلاق فاضلہ ان

دونوں خانوادۂ نبوت کے خوشبودار اور باکمال پھولوں کی طرف منتقل ہوئے ہیں، یہ ان کی الگ سے مستقل فضیلت ہے، اس کا مدار بھی عطائے خداوندی پر ہے، دیگر لوگوں سے اس کا مقابلہ نہیں کیا جائے گا۔

لیکن یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ جہاں پیغمبر علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ حضرت حسنینؓ نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں (جس کا راجح مطلب یہ ہے کہ جو اہل ایمان دنیا سے جوان ہونے کی حالت میں وفات پائیں گے تو جنت میں ان کی سرداری سیدنا حضرت حسن اور سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہما فرمائیں گے) وہیں دوسری طرف پیغمبر علیہ السلام نے ایک حدیث میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ''سیدنا حضرت ابوبکر اور سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہما یہ اہل جنت کے ادھیڑ عمر کے لوگوں کے سردار ہیں''۔ (**سیدا کھول أهل الجنة**) اور ظاہر ہے کہ جنت میں کوئی ادھیڑ عمر کا تو نہیں ہوگا؛ لہٰذا لازماً یہی مراد لیا جائے گا کہ جو اہل ایمان دنیا میں ادھیڑ عمر گذار کر جنت میں جائیں گے، ان کی سرداری حضرات شیخین یعنی سیدنا حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو حاصل ہوگی، یہ اُن حضرات شیخین کا اعلیٰ ترین مقام ہے جو دراصل ان کے کمال ایمان اور صدق و وفا کی بنیاد پر بزبان نبوت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ اِس لئے اب کوئی اشکال یا تعارض ہی نہ رہا۔

بہرحال حضرات خلفاء راشدین ہوں یا اہل بیت، یا دیگر حضراتِ صحابہؓ، وہ سب ہمارے لئے قابل احترام ہیں، ان کے سامنے عقیدت واحترام کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں، اور ہمیں ان سب کے ساتھ اعزاز کا معاملہ کرنا چاہئے۔

اور سائل نے جس طرح کی باتیں اٹھائی ہیں بہتر یہ ہے کہ ان چیزوں کو لوگوں کے سامنے نہ اٹھایا جائے؛ بلکہ جو کچھ بشارتیں پیغمبر علیہ السلام نے جس کے بارے میں دی ہیں ان کا دل سے یقین رکھا جائے، اللہ تعالیٰ ہم سب کا حشر اپنے نیک بندوں کے ساتھ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ساتھ صحابہ کرام کے ساتھ اولیاء اللہ کے ساتھ فرمائے، اور ان کا پوری طرح احترام

کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

عن المسور بن مخرمة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: فاطمة بضعة مني ...... فمن أبغضها أبغضني. (صحيح البخاري، كتاب فضائل أصحاب النبي صلى اللّٰه عليه وسلم / باب مناقب قرابة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم رقم: ٣٧١٤)

وفاطمة وزينب ورقية وأم كلثوم كن جميعًا بنات رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ورضي اللّٰه عنهن. (الفقه الأكبر ص: ٣٠٦)

عن عائشة أم المؤمنين رضي اللّٰه عنها قالت: ما رأيت أحدًا أشبه سمتًا ودلًّا، وهديًا برسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، وفي قيامها وقعودها من فاطمة بنت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم الخ. (سنن الترمذي، أبواب المناقب عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم / باب ما جاء في فضل فاطمة رضي اللّٰه عنها رقم: ٣٨٧٢)

فولدت فاطمة لعلي حسنًا وحسينًا ومحسنًا فذهب محسن صغيرًا وولدت له أم كلثوم وزينب. (دلائل النبوة ١٦١/٣)

فاطمة رضي اللّٰه عنها زرقت من الأولاد خمسة: الحسن والحسين ومحسن وأم كلثوم وزينب، فأما محسن فدرج سقطًا، وأما الحسن والحسين فأعقبا الكثير الطيب، وأما أم كلثوم فتزوجها عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنه، وولدت له زيدًا ورقية وتزوجها بعده ابن عمها عون بن جعفر بن أبي طالب فمات معها ثم تزوجها بعده أخوه محمد، فمات معها، ثم تزوجها بعده أخوه عبد اللّٰه بن جعفر، فماتت عنده ولم تلد الأحد من الثلاثة شيئًا فولدت عليًا وعونا الأكبر وعباسًا ومحمدًا وأم كلثوم. (الحاوي للفتاویٰ ٣١/١ بحوالہ: خاتونِ جنت سیدۃ فاطمۃ رضی اللہ عنہا ۱۷۷ اِدارہ اِشاعت الاسلام مانچسٹر)

عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه

عليه وسلم: الحسن والحسين سيدا شباب أهل الجنة. (سنن الترمذي، أبواب المناقب عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم / باب: رقم: ٣٧٦٨)

وقيل: بل المراد أنهما سيدا كل من مات شابا ودخل الجنة. (حاشية السندي على ابن ماجة، المقدمة / فضل علي بن أبي طالب رضي اللّٰه عنه رقم: ١١٨)

عن أنس رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لأبي بكر وعمر: هذان سيدا كهول أهل الجنة من الأولين والأخرين إلا النبيين والمرسلين. (سنن الترمذي، أبواب المناقب عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم / باب: رقم: ٣٦٦٤)

قال الطيبي: اعتبر ما كانوا عليه في الدنيا وإلا فليس في الجنة كهل كقوله تعالىٰ: ﴿وَاٰتُوا الْيَتَامٰى اَمْوَالَهُمْ﴾ قيل: فالمعنى هما سيدا من مات كهلاً من المسلمين. (حاشية السندي على ابن ماجة، المقدمة / فضل أبي بكر رضي اللّٰه عنه رقم: ٩٥)

قال الطيبي: ويمكن أن يرادهما الآن سيدا شباب من هم من أهل الجنة من شبان هذا الزمان. (تحفة الأحوذي شرح جامع الترمذي، أبواب المناقب / باب مناقب الحسن والحسين رقم: ٣٧٦٨) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۴۷ / ۱۴۴۲/۲/۲ھ)

❑❖❑

کتاب الطہارۃ

پاکی اور ناپاکی کے مسائل

بقدر درہم نجاست کے معاف ہونے کا ثبوت

سوال (۱۰۴):- بقدر درہم نجاست کے معاف ہونے پر کوئی حدیث شریف بتادیجئے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اِس بارے میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے، اور جو حدیث پیش کی جاتی ہے وہ من گھڑت ہے؛ البتہ فقہاء کرام نے اپنے اجتہاد سے مختلف نصوص کو سامنے رکھ کر یہ حکم جاری فرمایا ہے کہ بقدر درہم جو دراصل تعبیر ہے ہتھیلی کے درمیانی حصے کی، اتنی نجاست معاف ہے اِس سے زیادہ معاف نہیں ہے، یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے، اِس کا تعلق صریح حدیث سے نہیں ہے؛ لیکن اِس کا بھی دھولینا بہتر ہے، نجاست کے علم اور اُس کو دھونے پر قدرت کے باوجود اُسے چھوڑے رکھنا مناسب نہیں ہے۔

وعفا الشارع عن قدر الدرهم وهو مثقال عشرون قيراطًا في نجس كثيف له جرز، وعرض مقعر الكف وهو داخل مفاصل أصابع اليد في رقيق من مغلظة كعذرة آدمي. (شامي ۵۲۲/۱ زكريا)

وقال الشامي: ربع طرف أصابته النجاسة كالذيل والكم والدخريص، إن كان المصاب ثوبًا، وربع العضو المصاب، كاليد والرجل إن كان بدنًا، وصححه في التحفة والمحيط والمجتبى والسراج. وفي الحقائق: وعليه الفتوىٰ. (شامي ۵۲٦/۱ زكريا)

وقد نقله أيضًا في الحلية عن الينابيع، لكنه قال بعده: والأقرب أن

غسل الدرهم وما دونه مستحب مع العلم به والقدرة على غسله، فتركه حينئذٍ خلاف الأولىٰ، نعم الدرهم غله أكد مما دونه، فتركه أشد كراهةً كما يستفاد من غير ما كتاب من مشاهير كتب المذهب. ففي المحيط: يكره أن يصلي ومعه قدر درهم أو دونه من النجاسة عالمًا به؛ لاختلاف الناس فيه.

(شامي / كتاب الصلاة ۳۱۷/۱ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۴۹ / ۱۴۴۲/۲/۱۶ھ)

تین مرتبہ دھونے کے بعد ٹپکنے والے پانی کا حکم

سوال (۱۰۵):- ناپاک کپڑا ۳؍مرتبہ دھویا تو اَب جو پانی ٹپکے گا وہ پاک ہے یا ناپاک؟ جواب سے نوازیں۔

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- تین مرتبہ دھونے کے بعد ٹپکنے والا پانی پاک ہے۔

وفي فتاوىٰ الشيخ الإمام الفقيه أبي الليث رحمه الله: الثوب النجس إذا غسل ثلاثًا وعصر في كل مرةٍ ثم تقاطر منه قطرةً فأصاب شيئًا قال: ينظر إن عصر في المرة الثالثة عصرًا بالغ فيه، حتى صار بحال لو عصر لم يسل منه الماء، فالثوب طاهر واليد طاهر، وما تقاطر طاهر، وإن لم يبالغ في العصر في المرة الثالثة وكان الثوب بحال لو عصر سال، فالثوب نجس واليد نجس، وما تقاطر نجس؛ لأن الأول بلة، والتحرز عنها غير ممكن، والثاني: ماء، والتحرز عنه ممكن. (المحيط البرهاني / كتاب الطهارة ۳۷۹/۱ إدارة القرآن كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۳۰ / ۱۴۴۱/۱۰/۱۴ھ)

دھوبی کے دھلے ہوئے کپڑوں کا حکم

سوال (۱۰۶):- دھوبی کے یہاں اگر ناپاک کپڑے دئے جائیں، تو وہ پاک ہوں

گے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اگر وہ دھوبی دریا میں یا ماءِ جاری میں کپڑے دھوتا ہے، اور کپڑے پر نجاست کا کوئی اَثر ظاہر نہیں ہے، تو وہ کپڑے پاک قرار دیئے جائیں گے، وہم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۵/۲۷۱ ڈابھیل، کفایت المفتی ۳/۴۴۲ جدید زکریا)

وألحقوا بالجاري حوض الحمام لو الماء نازلا والغرف متدارك كحوض صغير يدخله الماء من جانب ويخرج من آخر، يجوز التوضي من كل الجوانب مطلقًا به يفتىٰ. (الدر المختار، كتاب الطهارة / باب المياه ۱/۳۳۷-۳۳۸ زكريا، ۱۹۰۱ كراچی)

لا يضر بقاء أثر كلون وريح لازم، فلا يكلف بإزالته إلى ماء حارّ أو صابون ونحوه؛ بل يطهر ما صبغ أو خضب بنجس بغسله ثلاثًا، والأولى غسله إلى أن يصفو الماء. (الدر المختار، كتاب الطهارة / باب الأنجاس ۱/۵۳۷ زكريا، ۱/۳۲۹ كراچی)

الثوب النجس إذا غسل ثلاثًا وعصر في كل مرةٍ ثم تقاطر منه قطرةً فأصاب شيئًا، قال: ينظر إن عصر في المرة الثالثة عصرًا بالغ فيه، حتى صار بحال لو عصر لم يسل منه الماء فالثوب طاهر واليد طاهرة، وما تقاطر طاهر، وإن لم يبالغ في العصر بالمرة الثالثة وكان الثوب بحال لو عصر سال، فالثوب نجس واليد نجس وما تقاطر نجس. (المحيط البرهاني ۱/۳۷۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۱۴ / ۱۴۴۱/۹/۱۶ھ)

آٹومیٹک واشنگ مشین سے کپڑوں کی دھلائی

سوال (۱۰۷):- آج کل آٹومیٹک واشنگ مشین آرہی ہے کہ مشین میں کپڑا ڈال دیا جاتا ہے، پھر مشین خود ہی سے سرف لیتی ہے، خود ہی اُسے نچوڑتی ہے، خود ہی اُسے سکھاتی ہے، سب کام مشین خود ہی کرتی ہے، تو اِس میں اگر کوئی ناپاک کپڑا ڈال دیا جائے تو وہ پاک ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- مذکورہ مشین میں کپڑا دھونے سے پاکی حاصل ہوجائے گی؛ اِس لئے کہ اصل مقصود اِزالۂ نجاست ہے، جو اِس مشین سے حاصل ہوجاتا ہے۔

ویجوز دفع نجاسةٍ حقیقیةً عن محلها ولو إناءًا أو مأکولاً علم محلها أولا بماء ولو مستعملاً، بهٖ یفتیٰ. (الدر المختار مع الشامي، کتاب الطهارة / باب الأنجاس ۵۰۹/۱ زکریا، ۳۰۹/۱ کراچی)

ویطهر محل غیرها أي غیر مرئیة بغلبة ظن غاسل طهارة محلها بلا عدد، بهٖ یفتیٰ. (الدر المختار) قوله بلا عدد: به یفتی کذا في المنیة. وظاهره أنه لو غلب علی ظنه زوالها بمرة أجزأه ...... وفي غایة البیان أن التقدیر بالثلاث ظاهر الروایة ...... والظاهر الأول إن لم یکن موسوِسًا وإن کان موسوسًا فالثاني. قال في النهر: وهو توفیق حسن ...... أقول: وهو خلاف ما في الکافي أنها قول واحد وعلیه مشی في شرح المنیة فقال: فعلم بهٰذا أن المذهب اعتبار غلبة الظن وأنها مقدرة بالثلاث لحصولها بهٖ في الغالب وقطعًا للوسوسة، وأنه من إقامة السبب الظاهر مقام المسبب الذي في الاطلاع علی حقیقته عسر کالسفر مقام المشقة. وهو مقتضی کلام الهدایة وغیرها، واقتصر علیه في الإمداد وهو ظاهر المتون حیث صرحوا بالثلاث، واللّٰه أعلم. (رد المحتار، کتاب الطهارة / باب الأنجاس ۵۴۰/۱ زکریا، ۳۳۱/۱ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۶ / ۱۴۴۱/۹/۸ھ)

واش بیسن میں بچوں کو استنجاء کرانا

سوال (۱۰۸):- واش بیسن میں بچوں کو استنجاء کرانا اور گندگی دھلانا کیسا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- جس واش بیسن میں وضو کیا جاتا ہے

اور پاکی حاصل کی جاتی ہے اُس کو ناپاک کرنا مکروہ ہے؛ اِس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل خانہ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے؛ لہٰذا ایسے بیسن میں بچوں کو استنجاء وغیرہ کرانا صحیح نہ ہوگا؛ البتہ اگر اُن کے استنجاء کے لئے الگ بیسن یا الگ جگہ بنائی جائے، جس میں وضو نہ کیا جاتا ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

عن حميد الجمهري – وهو ابن عبد الرحمن – قال: لقيت رجلا صحب النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كما صحبه أبوهريرة، قال: نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أن يمتشط أحدنا كل يوم أو يبول في مغتسله. (سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة / باب في البول في المستحم رقم: ۲۸)

عن عبد اللّٰه بن مغفل رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا يبولن أحدكم في مستحمه ثم يغتسل فيه، قال أحمد: ثم يتوضأ فيه، فإن عامة الوسواس منه. (سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة / باب في البول في المستحم رقم: ۲۷)

قلت: الأولىٰ أن لا يقيد المغتسل بلين ولا صلب، فإن الوسواس ينشأ منهما جميعًا، فلايجوز البول في المغتسل مطلقًا. (عون المعبود ص: ۲۷ بيت الأفكار الدولية)

وكذا يكره أن يبول في موضع يتوضأ هو أو يغتسل فيه لحديث: لا يبولن أحدكم في مستحمه؛ فإن عامة الوسواس منه. (رد المحتار، كتاب الطهارة / باب الأنجاس ۱/۵۵۸ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۱۸ / ۲۰/۹/۱۴۴۱ھ)

چھوٹے بچے کے پیشاب کے کپڑے بدلنا

سوال (۱۰۹):- اگر کوئی ماں اپنے چھوٹے بچے کے پیشاب کے کپڑے بدلے، تو کیا ماں کا وضو ٹوٹ جائے گا؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- محض بچے کے کپڑے بدلنے سے

ماں کا وضو نہیں ٹوٹے گا؛ البتہ اگر اِس دوران ماں کے ہاتھ پر ناپاکی لگ جائے تو اُسے اچھی طرح سے دھونا ضروری ہوگا۔

عن عائشة رضي اللّٰه تعالیٰ عنها قالت: أتي رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بصبي یرضع فبال في حجرہٖ فدعا بماءٍ فصبه علیه. (صحیح مسلم، کتاب الطهارة / حکم بول الطفل الرضیع ۱/۱۳۹ رقم: ۲۸۶)

وفي فتح الملهم: قال محمد رحمه اللّٰه تعالیٰ: وبهٰذا نأخذ، تتبعه إیاه غسلاً حتی تنقیه، وهو قول أبي حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ. (فتح الملهم ۱/۴۵۰، وهٰکذا في شرح النووی علی مسلم ۱/۱۳۹)

وإن کانت غیر مرئیة یغسلها ثلاث مرات، کذا في المحیط. ویشترط العصر في کل مرة فیما ینعصر ...... وما لا ینعصر یطهر بالغسل ثلاث مرات.

(الفتاویٰ الهندیة، کتاب الطهارة / الباب السابع في الغایة وأحکامها ۱/۴۱ زکریا)

وبول غیر مأکول ولو من صغیر لم یطعم أي لم یأکل فلا بد من غسله.

(الدر المختار مع رد المحتار / باب الأنجاس ۱/۵۲۳ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۲۱ / ۱۴۴۱/۹/۲۳ھ)

مسجد کی ٹنکی سے بندر نے پانی پی لیا؟

سوال (۱۱۰):- ہماری مسجد کے پانی کے ٹینک سے بندر نے پانی پی لیا، تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامدًا ومصلیًا أما بعد:- بندر کے منہ ڈالنے کی وجہ سے وہ ٹینک کا پانی ناپاک ہوگیا ہے، اَب اُسے پاک کرنے کی ضرورت ہے۔ اور پاک کرنے کی آسان شکل یہ ہوسکتی ہے کہ اُس میں موٹر چلادیا جائے اور موٹر چلانے کے ساتھ ساتھ نیچے کی تمام ٹوٹیاں کھول دی جائیں، اُوپر سے پانی بہتا رہے، ٹینک میں آتا رہے اور نیچے سب نکالا جاتا رہے، کچھ دیر تک اِس طرح سے چلایا جائے تو پھر یہ ٹینک اور نیچے کی سب ٹوٹیاں اور اُس میں بہنے والا پانی سب پاک قرار دے دیا جائے گا۔

والقسم الثاني: سورٌ نجسٌ – إلیٰ قولہٖ – والقرد لتولد لعابها من لحمها وهو نجسٌ. (حاشية الطحطاوي / فصل في بيان أحكام السؤر ص: ۱۸ قدیمی کتب خانه کراچی)

وإن وصل لعاب الواقع إلى الماء أخذ الماء حكمه طهارة ونجاسة وكراهة (مراقي الفلاح) وعرق كل شيء كلعابه فيأخذ الماء، حكمه أيضًا على المذهب، كذا في الدر المنتقى. (حاشية الطحطاوي / فصل في بيان أحكام السؤر ص: ۲۳ قدیمی کتب خانه کراچی)

وسؤر خنزير وكلب وسبع بهائم نجس. (الدر المختار / كتاب الطهارة ۳۸۹/۱ زکریا)

قال أبو جعفر الهندواني: يطهر بمجرد الدخول من جانب والخروج من جانب، وإن لم يخرج مثل ما كان فيه وهو أن قول الهندواني اختار الصدر الشهيد حسام الدين؛ لأنه حينئذٍ يصير جاريًا، والجاري لا ينجس ما لم يتغير بالنجاسة. (حلبي كبير / فصل في أحكام الحياض ص: ۱۰۱ لاهور، كذا في البحر / كتاب الطهارة ۱۴۳/۱ دار الكتب العلمية بيروت وزكريا ديوبند، رد المحتار، كتاب الطهارة / باب المياه ۳۴۵/۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۳۰ / ۱۴۴۱/۱۰/۱۴ھ)

حوض میں بلی گرکر مرگئی

سوال (۱۱۱):- ہمارے کھیت میں ایک حوض ہے جس میں بلی گرکر مرگئی، اور مرنے کے تقریباً ۴-۵/ گھنٹے کے بعد اُسے نکال لیا گیا، تو اُس حوض کے پانی کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ پانی کم ہو یا زیادہ، اس سے کچھ فرق پڑے گا یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں اگر حوض کا پانی دہ دردہ (۲۲۵/ مربع فٹ) یا اُس سے بھی زائد ہے، تو محض بلی کے گرکر مرنے سے اُس حوض کو

ناپاک قرار نہیں دیا جائے گا؛ کیوں کہ یہ ماء کثیر ہے؛ لیکن اگر حوض چھوٹا ہے، یعنی اُس میں دہ در دہ سے کم پانی ہے، تو وہ بلی کے مرجانے کی وجہ سے ناپاک قرار دیا جائے گا، اور اُس کے پاک کرنے کی دو شکلیں ہیں:

(۱) ایک شکل تو یہ ہے کہ حوض کا پانی بالکل خالی کر کے اُسے باقاعدہ پاک کیا جائے۔

(۲) اور دوسری آسان شکل یہ ہے کہ مردہ بلی کو نکالنے کے بعد اُس حوض پر موٹر سے پانی چلا دیا جائے اور اُس میں اتنا پانی بھرا جائے کہ وہ اُوپر سے بہنے لگے، تو یہ پورا پانی ماء جاری کے درجے میں ہوکر حوض سمیت سب پاک ہوجائے گا۔ (کفایت المفتی ۳/۳۹۳)

إذا كان الحوض عشرًا في عشر فهو كبير، لا يتنجس بوقوع النجاسة ...... إذا لم ير لها أثر. (حلبي كبير / فصل في أحكام الحياض ۹۸ لاهور)

الماء الراكد إذا كان كثيرًا فهو بمنزلة الجاري لا يتنجس جميعه بوقوع النجاسة في طرف منه إلا أن يتغير لونه أو طعمه أو ريحه، وعلى هذا اتفق العلماء، وبه أخذ عامة المشائخ رحمهم الله، كذا في المحيط. ...... وعن أبي يوسف أن الغدير العظيم كالجاري لا يتنجس إلا بالتغير من غير فصل، هكذا في فتح القدير. والفاصل بين الكثير والقليل أنه إذا كان الماء بحيث يخلص بعضه إلى بعض بأن تصل النجاسة من الجزء المستعمل إلى الجانب الآخر فهو قليل وإلا فكثير. قال أبو سليمان الجوزجاني إن كان عشرًا في عشر فهو مما لا يخلص، وبه أخذ عامة المشايخ رحمهم الله.

(الفتاویٰ الهندية، كتاب الطهارة / الباب الثالث في المياه وفيه فصلان ۱/۱۸ زكريا)

النجاسة إذا وقعت في حوض إن كان كبيرًا فهو بمنزلة البحر لا يتنجس، إلا أن يتغير طعمه أو لونه أو ريحه ...... وفي الفتاویٰ: الحوض الكبير مقدر بعشرة أذرع في عشرة أذرع. (خلاصة الفتاوى / كتاب الطهارات ۱/۳ رشيدية)

حوض صغير تنجس ماؤه فدخل الماء من جانب، قال الفقيه أبو جعفر:

يصير طاهرًا؛ لأن الماء الجاري غلب على النجس، فكان بمنزلة الماء الجاري. (قاضي خان على الهندية، كتاب الطهارة / فصل في الطهارة بالماء ۱/ ٦ دار إحياء التراث العربي بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۳۱ / ۲۱/۱۰/۱۴۴۱ھ)

اگر جنبی شخص بالٹی کے پانی میں ہاتھ ڈال دے؟

سوال (۱۱۲):- اگر جنبی شخص تھوڑے پانی میں ہاتھ ڈال دے تو پانی پاک رہے گا یا ناپاک ہوجائے گا؟ یعنی جس شخص پر غسل واجب ہے وہ مرد ہو یا عورت، اگر بالٹی میں ہاتھ ڈال دے تو بالٹی کا پانی پاک رہے گا یا ناپاک؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- اِس مسئلے میں قدرے تفصیل ہے کہ اگر جنبی شخص کے ہاتھ پر کوئی ظاہری نجاست لگی ہو، اور وہ بالٹی میں ہاتھ ڈال دے، تو وہ پانی بلاشبہ ناپاک ہوجائے گا۔ لیکن اگر جنبی شخص کے ہاتھ پر ظاہری نجاست کا کوئی اثر نہیں ہے، تو اُس کے محض ہاتھ ڈالنے سے بالٹی کا پانی ناپاک نہیں ہوگا؛ اِس لئے کہ جنبی کی نجاست حکمی ہے، جس کا اثر حسی طور پر نہیں ہوتا۔

المحدث أو الجنب إذا أدخل يده في الإناء للاغتراف وليس عليها نجاسة، لا يفسد الماء يعني لا ينجس ولا يصير مستعملاً. (حلبي كبير / فصل في الأنجاس ص: ۵۲ سهيل اكيڈمی لاهور، فتاویٰ قاضي خان، كتاب الطهارة / فصل في الماء المستعمل ۱/ ۱۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۳۵ / ۱۳/۱۱/۱۴۴۱ھ)

گیلے برتنوں پر چھپکلی کود گئی

سوال (۱۱۳):- باورچی خانے میں گیلے برتن رکھے ہوئے تھے، اُن میں چھپکلی کود گئی اور کود کر نکل گئی، تو اُن برتنوں کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- محض چھپکلی کے گذر جانے سے برتن ناپاک نہیں ہوئے، پھر بھی دل کے اطمینان کے لئے اگر دھولیں تو بہتر ہے۔

المستفاد: يجب أن يعلم: أن ما ليس له دم سائلٌ إذا مات في الماء، أو مائعٍ آخر سوى الماء، لا يوجب تنجس ما مات فيه، بريًا كان أو مائيًا عندنا. والأصل فيه ما رویٰ سلمان الفارسي رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سئل عن إناء فيه طعامٌ أو شرابٌ يموت فيه ما ليس له دمٌ سائلٌ؟ فقال: "هو الحلال أكله وشربه والوضوء بهٖ". وهٰذا نص في الباب. (المحيط البرهاني، كتاب الطهارة / الفصل الرابع في المياه ٢٧٠/١ رقم المسئلة: ٤٣٣ إدارة القرآن كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۳۳ / ۱۴۴۱/۱۰/۲۸ھ)

جائے نماز کے اُوپر سے چھپکلی گذر جانے کا حکم

سوال (۱۱۴):- کیا جائے نماز پر سے چھپکلی گذر جانے سے وہ ناپاک ہوجاتی ہے؟ اور کیا اُس کا دھونا ضروری ہے، یا کسی انسان پر گر جائے تو کیا وہ ناپاک ہوجائے گا اور اُس پر غسل کرنا فرض ہوجاتا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- محض چھپکلی کے گذرنے سے جائے نماز یا کوئی اور چیز ناپاک نہیں ہوتی، اِسی طرح اگر وہ کسی کے بدن پر سے گذر جائے تو اُس سے غسل یا طہارت لازم نہیں ہوتی، اِس طرح کا تصور محض جاہلانہ اور بے اصل ہے۔

وسواكن بيوت طاهر للضرورة (الدر المختار) أي ما له دم سائل كالفأرة والحية والوزغة. (رد المحتار، كتاب الطهارة / باب المياه ٣٨٤/١ زكريا)

وذكر الكرخي عن أصحابنا أن كل ما لا يفسد الماء لا يفسد غير الماء، وهكذا روى هشام عنهم. وهذا أشبه بالفتوىٰ. (بدائع الصنائع، كتاب الطهارة ٤٢٨/١ دار الكتب العلمية بيروت، ٢٣٢/١ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۱۴ / ۱۴۴۱/۹/۱۶ھ)

چھوٹے بچے کی قے کا حکم

سوال (۱۱۵):- چھوٹا بچہ جو منہ سے دودھ اگل دیتا ہے، کیا اُس سے کپڑے ناپاک ہو جائیں گے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اگر بچہ دودھ پی کر اُلٹ دے تو وہ دودھ قے کے درجہ میں ہے اور ناپاک ہے، وہ کپڑے پر لگ جائے تو اُسے دھونا لازم ہے؛ لیکن جو دودھ حلق میں جانے سے پہلے باہر آ جائے تو وہ ناپاک نہیں ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۴۷)

وكذا في الصبي إذا ارتضع وقاء من ساعته لا يكون نجسًا، والصحيح أنه حدث ونجس في الكل، كما في الحلبي، قيل: وقول الحسن هو المختار.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ۸۸/۱)

وهو نجس مغلظ، ولو من صبي ساعة ارتضاعه، هو الصحيح لمخالطة النجاسة، ذكره الحلبي. (رد المحتار، كتاب الطهارة / سنن الوضوء ۱۳۸/۱ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۴۰/ ۱۴۴۱/۱۲/۱۱ھ)

قبلہ رخ بیت الخلاء؟

سوال (۱۱۶):- ہمارے گھر میں بیت الخلاء کا رخ خانۂ کعبہ کی طرف بنا ہوا ہے؛ حالاں کہ حدیث میں یہ منع ہے، اگر رخ تبدیل کر کے بیٹھتے ہیں تو پیشاب کی چھینٹیں بدن پر پڑنے کا اندیشہ ہے، تو کیا کریں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مذکورہ بیت الخلاء کو توڑ کر اُس کا رخ درست کرنا ضروری ہے، اور جب تک توڑا نہ جائے تو احتیاط کے ساتھ رخ بدل کر فارغ ہوں، اور بہر حال پیشاب کی چھینٹوں سے بچنے کی کوشش کریں۔

عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم

قال: إذا أتيتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها؛ ولكن شرِّقوا أو غربوا. قال أبو أيوب: فقدمنا الشام، فوجدنا مراحيض بنيت مستقبل القبلة فننحرف عنها ونستغفر الله تعالىٰ. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة / باب قبلة أهل المدينة والشام رقم: ٣٩٤، سنن الترمذي، أبواب الطهارة عن رسول الله / باب في النهي عن استقبال القبلة بغائط أو بول رقم: ٨)

ويكره تحريمًا استقبال القبلة بالفرج، ولو في الخلاء بالمد بيت التغوط، وكذا استدبارها في الأصح (الدر المختار) قال ابن عابدين: قوله: استقبال القبلة بالفرج: يعم قبل الرجل والمرأة، والظاهر أن المراد بالقبلة جهتها كما في الصلاة، وهو ظاهر الحديث المارّ، وأن التقييد بالفرج يقيد ما صرح به الشافعية أنه لو استقبلها بصدره وحوّل ذَكَره عنها لم يكره، بخلاف عكسه، كما قدمناه في باب الاستنجاء، وتقدم هناک أن المكروه الاستقبال أو الاستدبار لأجل بول أو غائط، فلو للاستنجاء لم يكره، أي تحريمًا. وفي النهاية: ولو غفل عن ذلک وجلس يقضي حاجته، ثم وجد نفسه كذلک فلا بأس؛ لكن إن أمكنه الانحراف ينحرف، فإنه عُدّ ذلک من موجبات الرحمة، فإن لم يفعل فلا بأس، وكأنه سقط الوجوب عند الإمكان لسقوطه ابتداء بالنسيان ولخشية التلوث. (رد المحتار، كتاب الطهارة / مطلب في أحكام المسجد ٤٢٧/٢ زكريا، ٦٥٥/١ كراچى، البحر الرائق، كتاب الطهارة / باب الأنجاس ٤٢٢/١ زكريا، مجمع الأنهر، كتاب الطهارة / باب الأنجاس ١٠٠/١ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۲۷ / ۱۴۴۱/۹/۲۹ھ)

بیت الخلاء کی سیٹ قبلہ رخ بنانا؟

سوال (۱۱۷):- ہمارے مکان کے تنگ ہونے کی وجہ سے بیت الخلاء کی سیٹ جنوب یا شمال کی طرف رکھنے کی کوئی صورت نہیں بن پارہی ہے، تو کیا مشرق ومغرب رکھ سکتے ہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- بیت الخلاء کا رخ قبلہ کی جانب (ہندوستان وغیرہ میں مشرق مغرب) بنانا درست نہیں ہے، اِس لئے پوری کوشش کرنی چاہیے کہ بیت الخلاء کی سیٹ قبلہ سے ہٹا کر ہی بنائی جائے۔

عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا اتيتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها ...... الخ. (صحيح البخاري ۵۷/۱ رقم: ۳۹۲)

كما كره تحريمًا استقبال قبلة واستدبارها ...... فإن جلس مستقبلا لها غافلا ثم ذكره انحرف إن أمكنه وإلا فلا بأس. (الدر المختار مع رد المحتار / كتاب الطهارة ۵۵۷/۱ زكريا، وهكذا في ملتقى الأبحر ومجمع الأنهر ۱۰۰/۱ دار الكتب العلميه بيروت)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۴۳ / ۱۴۴۲/۱/۳ھ)

وضو کے بعد قطرے نکلنے کا احساس ہونا

سوال (۱۱۸):- وضو کے بعد پیشاب کے قطرے نکلنے کا احساس ہوتا رہتا ہے تو ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- واضح ہو کہ محض شک اور بے وجہ احساس کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں ہے؛ لیکن اگر قطرہ نکلنے کا یقین یا غالب گمان ہوجائے، تو ایسی صورت میں وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور شک یا بیماری میں مبتلا حضرات کے لئے مشورہ یہ ہے کہ وہ استنجے سے فارغ ہوکر کچھ دیر ٹیشو پیپر وغیرہ لے کر چہل قدمی کیا کریں، اور کچھ کھنکھارا کریں، اور جب قطرہ نکلنے سے بالکل اطمینان ہوجائے تو اُس کے بعد دوبارہ استنجا کرلیں۔ اور ایک بات یہ یاد رکھیں کہ کبھی بھی شک کی بنیاد پر دوبارہ وضو نہ کریں؛ کیوں کہ اگر شک کی بنیاد پر آدمی دوبارہ وضو کرنے لگتا ہے تو رفتہ رفتہ شکی بن جاتا ہے، پھر بار بار وضو کرنے کے باوجود اُسے تشفی

نہیں ہوتی، اور شیطان اُسے وسوسے میں ڈالتا رہتا ہے۔ اِسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدہ ہدایت فرمائی کہ ''اگر تمہیں پیٹ میں گڑگڑاہٹ محسوس ہوتو جب تک تمہیں یقین اور غالب گمان نہ ہوجائے تو تم نماز نہ توڑو'' ۔تو شریعت میں شک کی حوصلہ افزائی نہیں ہے اور وہم کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا كان أحدكم في الصلاة فوجد حركة في دبره أحدث أو لم يحدث، فأشكل عليه فلا ينصرف حتى يسمع صوتًا أو يجد ريحًا. (سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة / باب إذا شك في الحدث ص: ٤٦ رقم: ١٧٧ دار الفكر بيروت)

ولو زاد لطمأنينة القلب (الدر المختار) قوله ولو زاد الخ: أشار إلى أن الزيادة مثل النقصان في المنع عنها بلا عذرٍ، قوله: لطمانينة القلب؛ لأنه أمر بترك ما يريبه إلى ما لا يريبه، وينبغي أن يقيد هٰذا بغير الموسوس، أما هو فيلزمه قطع مادة الوسواس عنه وعدم التفاته إلى التشكيك؛ لأنه فعل الشيطان، وقد أمرنا بمعاداته ومخالفته. (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الطهارة / مطلب في الوضوء على الوضوء ١/ ٢٤٠ زكريا، ١/ ٢١٦ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۷ / ۹/۹/۱۴۴۱ھ)

پیشاب کے ۵؍منٹ کے بعد اگر قطرہ آجائے تو کیا کرے؟

سوال (۱۱۹):- مجھے پیشاب کرنے کے ۵-۷؍منٹ کے بعد پیشاب کا قطرہ آجاتا ہے، تو ایسی صورت میں مجھے شرم گاہ کو دوبارہ دھونا ضروری ہے یا نماز کے وقت لنگی بدلنے سے نماز درست ہوجائے گی؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں اگر آپ کو قطرہ نکلنے کا یقین یا غالب گمان ہو، تو ایسی صورت میں شرم گاہ کو دھونا لازم ہوگا، محض لنگی بدلنا کافی نہ

ہوگا؛ البتہ اگر محض شک یا وہم ہو تو شرعاً اُس کا اعتبار نہیں ہے۔

يطهر بدن المصلي وثوبه من النجس الحقيقي بالماء، وبكل مائع طاهر مزيل. (مجمع الأنهر، كتاب الطهارة / باب ا لأنجاس ٨٦/١ دار الكتب العلمية بيروت، الهداية، كتاب الطهارة / باب الأنجاس وتطهيرها ٧١/١)

وصاحب عذر من به سلسل البول إن استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة بأن لا يجد في جميع وقتها زمنًا يتوضأ ويصلي خاليًا عن الحدث. (الدر المختار، كتاب الطهارة / باب الحيض، مطلب: في أحكام المعذور ٥٠٤/١ زكريا)

وعفا الشارع عن قدر درهم وإن كره تحريمًا، فيجب غسله وما دونه تنزيهًا فيسن وفوقه مبطل فيفرض (الدر المختار) قوله: وإن كره تحريمًا أشار إلىٰ أن العفو عنه بالنسبة إلىٰ صحة الصلاة به فلا ينافي الإثم. والأقرب أن غسل الدرهم وما دونه مستحب مع العلم به والقدرة علىٰ غسله، فتركه أشد كراهة، كما يستفاد من غير ما كتاب من مشاهير كتب المذهب، ففي المحيط: يكره أن يصلي ومعه قدر درهم أو دونه من النجاسة عالمًا به، لاختلاف الناس فيه.

(الدر المختار، مع الشامي، كتاب الطهارة / باب الأنجاس ٥٢٠/١ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۳۵ / ۱۴۴۱/۱۱/۱۳ھ)

قطرہ کا وہم ہونے والے شخص کے لئے شرعی حکم

سوال (۱۲۰):- استنجے کے ۱۵؍منٹ بعد تک قطرہ کا احساس ہوتا رہتا ہے، پھر جا کر دیکھتا ہوں تو کبھی قطرہ ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- آپ کو چاہئے کہ استنجے کے بعد کچھ دیر ڈھیلے یا ٹیشو پیپر کا استعمال کریں، اور جب قطرے سے اطمینان ہوجائے تو پاکی حاصل کر کے وضو کریں، اور نماز اَدا کریں۔ اور جب تک قطرہ نکلنے کا یقین یا غالب گمان نہ ہو، اُس

وقت تک وضو یا نماز ٹوٹنے کا حکم نہ ہوگا۔ اور شریعت میں وہم کا کوئی اعتبار نہیں ہے

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا كان أحدكم في الصلاة فوجد حركة في دبره أحدث أو لم يحدث، فأشكل عليه فلا ينصرف حتى يسمع صوتًا أو يجد ريحًا. (سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة / باب إذا شك في الحدث ص: ٤٦ رقم: ١٧٧ دار الفكر بيروت)

ما ثبت بيقين لا يرتفع إلا بيقين. (الأشباه والنظائر ١٩٣/١ زكريا)

إذا صار مشكوكًا في نجاسته جازت الصلاة معه، قوله: "اليقين لا يرتفع بالشک" معنى؛ فإنه حينئذ لا يتصور أن يثبت شک في محل ثبوت اليقين ليتصور ثبوت شک فيه لا يرتفع به ذلک اليقين. (الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد الكلية / القاعدة الثالثة ص: ١٨٥ مكتبة الحرمين داكا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۱۴ / ۱۴۴۱/۹/۱۶ھ)

❍❖❍

وضو کے مسائل

اٹیچ بیت الخلاء اور حمام میں وضو کرنا

سوال (۱۲۱):- اٹیچ بیت الخلاء اور باتھ روم میں وضو کرنا کیسا ہے؟ اور وضو کے دوران جو تسمیہ اور اَذکار پڑھے جاتے ہیں، اُن کا اس جگہ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اٹیچ حمام میں وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر وہاں کوئی نجاست ظاہر نہ ہو، تو وضو کے اَذکار زبان سے بھی پڑھ سکتے ہیں؛ البتہ اگر نجاست ظاہر ہو تو زبان سے نہ پڑھیں؛ بلکہ دل ہی دل میں پڑھ لیں۔ (تحفۃ الالمعی ۱/۲۰۲ مکتبہ حجاز دیوبند، احسن الفتاویٰ ۲/۳۷ دارالاشاعت دہلی)

والبداءة بالتسمية قولا قبل الاستنجاء وبعده، إلا حال انكشاف وفي محل نجاسةٍ فيسمى بقلبه. (الدر المختار) **والبداءة في الوضوء شرعت بالتسمية، قوله: إلا حال انكشاف الخ، فلو نسي فيها سمى بقلبه، ولا يحرك لسانه تعظيمًا لإسم اللّٰه تعالىٰ.** (الدر المختار مع الشامي / كتاب الطهارة ۲۲۷/۱ زكريا)

ويدخل الخلاء ...... والمراد بيت التغوط برجله اليسرىٰ ...... ويستعيذ باللّٰه من الشيطان الرجيم قبل دخوله وقبل كشف عورته (مراقي الفلاح) قوله: قبل دخوله الأولى التفصيل: وهو إن كان المكان معدًّا لذلك يقول قبل الدخول، وإن كان غير معد له كالصحراء، ففي أوان الشروع كتشمير الثياب مثلاً قبل كشف العورة، وإن نسي ذلك أتى به في نفسه لا بلسانه.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة / فصل فيما يجوز به الاستنجاء ص: ٥١ دار الكتب العلمية بيروت، ص: ٢٨ قديمی کتب خانه کراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۲۷ / ۱۴۴۱/۹/۲۹ھ)

اگر زخم پر بینڈ یڈ لگا ہو تو وضو کس طرح کرے؟

سوال (۱۲۲):- میرے زخم پر بینڈ یڈ لگا ہوا ہے، تو اِس حالت میں وضو کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- مسئولہ صورت میں بینڈ یڈ کے اُوپر تر ہاتھ پھیر کر مسح کرلیا جائے، تو وضو درست ہو جائے گا۔

ويمسح نحو مفتصد وجريح على كل عصابة مع فرجتها في الأصح إن ضره الماء أو حلها (الدر المختار) أي على كل فرد من أفرادها، سواء كانت عصابة تحتها جراحة وهي بقدرها أو زائدة عليها كعصابة المفتصد أو لم يكن تحتها جراحة أصلاً بل كسر أو كي. لكن إذا كانت زائدة على قدر الجراحة، فإن ضره الحل والغسل مسح الكل تبعًا وإلا فلا؛ بل يغسل ما حول الجراحة ومسح عليها لا على الخرقة ما لم يضره مسحها فيمسح على الخرقة التي عليها ويغسل حواليها وما تحت الخرقة الزائدة؛ لأن الثابت بالضرورة يتقدر بقدرها كما أوضحه في البحر عن المحيط والفتح. (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الطهارة / باب المسح على الخفين، مطلب: في لفظ كل إذا دخلت على منكر أو معرف۔ ٤٧١/١ زكريا، البحر الرائق، كتاب الطهارة / باب المسح على الخفين ٣٢٥/١-٣٢٦ دار الكتب العلمية بيروت وزكريا ديوبند، تبيين الحقائق، كتاب الطهارة / باب المسح على الخفين ٥٣/١ المكتبة الإمدادية ملتان) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۲۱ / ۱۴۴۱/۹/۲۳ھ)

کیا کسی بھی چیز کے کھانے کے بعد نماز سے پہلے کلی کرنا ضروری ہے؟

سوال (۱۲۳):- کیا کوئی بھی چیز کھانے کے بعد کلی کرنا ضروری ہے؟ جب کہ نماز پڑھنے جارہا ہو، اور وہ چیز منہ میں لگی ہوئی نہ ہو۔

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اگر کھانے کا اثر منہ میں باقی نہیں ہے، تو نماز کے لئے الگ سے کلی کرنے کی ضرورت نہیں ہے؛ تاہم کھانے کے مطلق آداب میں سے یہ ہے کہ ہاتھ منہ دھو لینے چاہئیں۔

عن زاذان عن سلمان رضي الله عنه قال: قرأت في التوراة أن بركة الطعام الوضوء قبله والوضوء بعده، فذكرت ذلک للنبي صلى الله عليه وسلم فقال: بركة الطعام الوضوء قبله والوضوء بعده. (سنن أبي داؤد، أول كتاب الأطعمة / باب في غسل اليد قبل الطعام رقم: ٣٧٦١)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من نام وفي يده غمرٌ ولم يغسله فأصابه شيء فلا يلومن إلا نفسه. (سنن أبي داؤد، أول كتاب الأطعمة / باب في غسل اليد من الطعام رقم: ٣٨٥٢، سنن ابن ماجة، كتاب الأطعمة / باب من بات وفي يده ريح غمر رقم: ٣٢٩٧)

عن ابن عباس رضي الله عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم شرب لبنًا، ثم دعا بماء، فتمضمض، وقال: إن له دسمًا. (صحيح مسلم، كتاب الحيض / باب نسخ الوضوء مما مست النار رقم: ٣٥٨)

قوله: "أن النبي صلى الله عليه وسلم شرب لبنًا، ثم دعا بماء، فتمضمض، وقال: إن له دسمًا" فيه استحباب المضمضة من شرب اللبن، قال العلماء: وكذلک غيره من المأكول والمشروب تستحب له المضمضة

ولـئـلا تبقى منه بقايا يبتلعها في حال الصلاة، ولتنقطع لزوجته ودسمه ويتطهر فمه. (المنهاج شرح النووي على مسلم ص: ۳۲۲ بيت الأفكار الدولية)

والمراد من الوضوء بعد الطعام غسل اليدين والفم من الدسومات، قال صلى اللّٰه عليه وسلم: من بات وفي يده غمر ولم يغسله فأصابه شيء فلا يلومن إلا نفسه. (أخرجه ابن ماجة وأبو داؤد وبسند صحيح على شرط مسلم) ومعنى بركة الطعام من الوضوء قبله: النمو والزيادة فيه نفسه وبعده النمو والزيادة في فوائدها وآثارها بأن يكون سببًا لسكون النفس وقرارها وسببًا للطاعات وتقوية للعبادات، وجعله نفس البركة للمبالغة وإلا فالمراد أنها تنشأ عنه، هٰذا تلخيص كلام القاري. (عون المعبود شرح سنن أبي داؤد، كتاب الأطعمة / باب في غسل اليد قبل الطعام تحت رقم: ۳۷٦۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲۴ / ۱۴۴۱/۹/۲٦ھ)

کیا ہنسنے اور کپڑے بدلنے سے مطلقاً وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

سوال (۱۲۴):- ہنسنے سے یا کپڑے بدلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- محض کپڑے بدلنے یا ہنسنے سے وضو نہیں ٹوٹتا؛ لیکن اگر آدمی دورانِ نماز آواز سے ہنس دے، تو نماز کے ساتھ ساتھ وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے۔

وينقضه خروج كل خارج نجس منه إلى ما يطهر. (تنوير الأبصار على الشامي، كتاب الصلاة / مطلب في نواقض الوضوء ۱/۲٦۰- ۲٦۱ زكريا، ۱/۱۳٤ كراچی، البحر الرائق / كتاب الطهارة ۱/٦۲ زكريا، ۱/۲۹ كوئٹه)

المعاني الناقضة للوضوء كل ما يخرج من السبيلين: والدم، والقيح، والقيء ملء الفم، والنوم مضطجعًا أو متكئًا، والغلبة على العقل بالإغماء

والـجـنون، والقهقهة في صلوات ذات ركوع وسجود. (الهـداية، كتـاب الطهارة / فصل في نواقض الوضوء ۱/۲۲-۲۶ ياسر نديم)

وقهـقهة: هـي ما يسمع جيرانه بالغ يقظان فلا يبطل وضوء صبي ونائم؛ بـل صـلاتهـمـا، بـه يـفتـى. يـصـلي بطهارة صغرى مستقلة صلاة كاملة (الدر الـمـختـار) قـوله: قهقهة: قيل: إنها من الأحداث، وقيل، وإنما وجب الوضوء بهـا عـقـوبة وزجرًا، ورجح في البحر القول الثاني. قوله: هي ما يسمع جيرانه قال في البحر: هي في اللغة معروفة، وهي أن يقول: قه قه، واصطلاحًا ما يكون ممسوعًا له ولجيرانه بدت أسنانه أو لا، واحترز به عن الضحک وهو لغة أعم مـن القهقهة، واصطلاحًا ما كان مسموعًا له فقط، فلا ينقض الوضوء بل يبطل الصلاة. وعـن التبسـم: وهـو مـا لا صوت فيه أصلاً؛ بل تبدو أسنانه فقط، فلا يبـطـلهما، وتمامه في البحر. (رد الـمـحتـار مـع الـدر المختار، كتاب الطهارة / مطلب: نوم الأنبياء غير ناقض ۱/۲۷۵ زكريا)

وينقضه خروج نجس أي وينقض الوضوء خروج نجس، فدخل تحت هـذه الـكلمة جميع النواقض الحقيقية. (تبيين الـحـقائق / كتاب الطهارة ۱/۷ المكتبة الإمدادية ملتان)

قـولـه: الـنـواقـض الـحـقيـقة احتـرازًا عـن النواقض الحكمية كالنوم والإغماء والسكر، انتهى. (حاشية چلپى ۱/۷ المكتبة الإمدادية ملتان) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲۱ / ۱۴۴۱/۹/۲۳ھ)

کیا تمبا کو کھانے سے وضوٹوٹ جاتا ہے؟

سوال (۱۲۵):- تمبا کو کے ساتھ پان کھانے سے وضوٹوٹتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- تمبا کو کھانے سے وضوتو نہیں ٹوٹتا؛

لیکن اگر منہ میں بدبو ہے، تو اِس حالت میں مسجد میں جانا منع ہے۔ اچھی طرح کلی کر کے اور منہ صاف کر کے ہی مسجد میں جانا چاہئے۔

عن جابر بن عبد اللّٰہ رضي اللّٰہ عنہ نهى رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن أكل البصل والكراث، فغلبتنا الحاجة، فأكلنا منها فقال: من أكل من هٰذه الشجرة المنتنة فلا يقربن مسجدنا؛ فإن الملائكة تأذى مما يتأذى منه الإنس. (صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة / باب نهي من أكل ثومًا رقم: ٥٦٤، مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة / باب المساجد ومواضع الصلاة ٦٨/١)

ويكره ...... أكل نحو ثوم ويمنع منه، وتحته في الشامية: أي كبصل ونحوه مما له رائحة كريهة. (شامي، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ٤٣٥/٢ زكريا، ٦٦١/١ كراچی، عمدة القاري، كتاب الأذان / باب ما جاء في أكل الثوم النيئ الخ ١٤٦/٣ دار الفكر بيروت)

وينقضه خروج كل خارج نجس بالفتح ويكسر منه أي من المتوضي الحي معتادًا أو لا من السبيلين أو لا إلى ما يطهر بالنباء للمفعول أي يلحقه حكم التطهير. (الدر المختار / كتاب الطهارة ٢٦٠/١ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۲۸ / ۱۴۴۱/۹/۳۰ھ)

وضو کے بعد کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے آسمان کی طرف اُنگلی اُٹھانا

سوال (۱۲۶):- وضو کے بعد کلمہ شہادت پڑھتے وقت آسمان کی طرف شہادت کی اُنگلی اُٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- وضو کے بعد دعا پڑھنا اور آسمان کی طرف نظر کرنا حدیث سے ثابت ہے۔ ابو داؤد شریف میں اِس کی وضاحت موجود ہے؛ لیکن آسمان کی طرف نظر اُٹھاتے وقت اُنگلی بھی آسمان کی طرف کی جائے گی اِس کا ذکر کسی بھی

حدیث میں ہماری نظر سے نہیں گذرا؛ البتہ بعض فقہاء نے لکھا ہے، اِس لئے اسے مسنون نہ سمجھا جائے؛ تاہم بغیر التزام کے اگر کوئی اٹھائے تو منع نہیں کیا جائے گا۔

عن عقبة بن عامر الجهني رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم نحوه، ولم يذكر أمر الرعاية، قال عند قوله: فأحسن الوضوء، ثم رفع نظره إلى السماء، فقال: وساق الحديث بمعنى حديث معاوية. (سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة / باب في الانتضاح ص: ٤٥ رقم: ١٧٠ دار الفكر بيروت)

قوله: والإتيان بالشهادتين، بعده ذكر الغزنوي: أنه يشير بسبابته حين النظر إلى السماء. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح / فصل في سنن الوضوء ص: ٤٣ قديمی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۴۸ / ۱۴۴۲/۲/۹ھ)

ناخون پر لگے ہوئے ’’فیوی کوِک‘‘ کا علم ۲/دن بعد ہوا

سوال (۱۲۷): - اگر ناخن پر ’’فیوی کوِک‘‘ لگا رہ جائے اور دو دن کے بعد معلوم ہوا، تو گذشتہ دنوں کی نمازوں کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد: - ’’فیوی کوِک‘‘ کھال تک پانی پہنچنے سے مانع ہوتا ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں جتنی نمازیں اُس کے لگے رہنے کی حالت میں پڑھی ہیں، اُن کو دوہرایا جائے گا؛ تاہم اگر جس وقت ’’فیوی کوِک‘‘ لگا تھا، تو اُسے چھڑانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی تھی، پھر بھی اُس کا کچھ اثر رہ گیا، تو ایسی صورت میں یہ معمولی سا اثر معاف ہے، اور کسی نماز کو لوٹانے کی ضرورت نہ ہوگی۔

ولا يمنع ما على ظفر صباغ ولا طعام بين أسنانه، به يفتى. وقيل إن صلبًا منع وهو الأصح (الدر المختار) قوله: صلبًا وهو الشديد. حلية. أي إن كان ممضوغًا مضغًا متأكدًا، بحيث تداخلت أجزاؤه وصار لزوجة علاكة

كـالـعـجين. شرح المنية. قوله: وهو الأصح. صرح به في شرح المنية وقال: لامتنـاع نفوذ الماء مع عدم الضرورة والحرج. (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الطهارة / مطلب: في أبحاث الغسل ٢٨٩/١ زكريا)

ولا يـضـر بـقـاء أثـر كـلـون وريـح فلا يكلف في إزالته إلى ماء حارٍ أو صـابـون ونـحوه؛ بل يطهر ما صبغ أو خضب بنجس بغسله ثلاثًا. (الدر المختار، كتاب الطهارة / باب الأنجاس ٥٣٧/١ زكريا)

ويـعـفى أثر شق زواله بأن يحتاج في إخراجه إلى نحو الصابون. (مجمع الأنهر، كتاب الطهارة / باب الأنجاس ٩٠/١ دار الكتب العلمية بيروت)

والـمـراد بـالأثـر الـلـون والـريـح، فإن شق إزالتهما سقطت. وتفسير الـمشـقة أن يـحتـاج في إزالته إلى استعمال غير الماء كالصابون والأشنان أو الـمـاء الـمـغـلي بالنار، كذا في السراج. وظاهر ما في غاية البيان أنه يعفى عن الـرائـحة بعد زوال العين مطلقًا، وأما اللون فإن شق إزالته يعفى أيضًا وإلا فلا.
(البحر الرائق، كتاب الطهارة / باب الأنجاس ٢٣٧/١ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
(دینی رہنمائی: ۱۵ / ۱۴۴۱/۹/۱۷ھ)

غسل کے مسائل

غسل کرنے کا مسنون طریقہ

سوال (۱۲۸):- غسل کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مختصراً غسل کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ جب غسل خانے میں جانے کا اِرادہ ہوتو پہلے بسم اللہ پڑھ لیں، اندر جا کر پہلے دونوں ہاتھ گٹوں تک دھوئیں، اُس کے بعد شرم گاہ کو دھوئیں، پھر باقاعدہ اچھی طرح وضو کریں، اگر روزہ نہ ہوتو ناک میں پانی ڈالیں، کلی اور غرارہ کریں، اور اگر روزہ ہوتو غرارہ نہیں کیا جائے گا۔ اور وضو کرنے کے بعد سر پر پانی ڈال کر بالوں کو تر کرلیں، اُس کے بعد دائیں کندھے پر پھر بائیں کندھے پر پانی ڈالیں۔ بعد اَزاں پورے بدن پر تین مرتبہ پانی بہالیں، اور اچھی طرح سے رگڑ کر صفائی حاصل کرلیں، ضرورت ہوتو صابن بھی لگا سکتے ہیں۔ اور اگر عورت کی چٹیا اِس طرح بندھی ہوئی ہے کہ اُسے کھولنا مشکل ہے، تو بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا کافی ہے، سارے بال کھولنے کی ضرورت نہیں ہے؛ لیکن مرد کے لئے بہرحال بال کے ہر حصے تک پانی پہنچانا ضروری ہے۔ اور اگر غسل خانہ ایسا ہے جہاں پانی جمع ہوجاتا ہے، تو وہاں سے نکلنے کے بعد پیروں کو دوبارہ دھولیا جائے؛ تاکہ ناپاکی کا کوئی شبہ نہ رہے۔

عن ابن عباس رضي الله عنهما عن خالتهٖ ميمونة قالت: وضعتُ للنبي صلى الله عليه وسلم غسلاً يغتسل بهٖ من الجنابة، فأكفأ الإناء علىٰ يده اليمنىٰ، فغسلها مرتين أو ثلاثًا، ثم صب علىٰ فرجهٖ فغسل فرجه بشمالهٖ، ثم ضرب بيده الأرض فغسلها ثم تمضمض واستنشق وغسل وجهه ويديه، ثم صب علىٰ رأسهٖ وجسدهٖ، ثم تنحى

ناحيةً فغسل رجليه. (سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة / باب في الغسل من الجنابة ۳۲/۱ رقم: ۲٤٥)

عن جميع بن عمير وفيه فقالت عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها: كان رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم يتوضأ وضوئه للصلاة ثم يفيض علىٰ رأسه ثلاثَ مرارٍ. (سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة / باب الغسل من الجنابة ۳۲/۱ رقم: ۲٤۱)

وهي أن يغسل يديه إلى الرسغ ثلاثًا ثم فرجه ويزيل النجاسة إن كانت علىٰ بدنهٖ ثم يتوضأ وضوئه للصلاة إلا رجليه، هٰكذا في الملتقط ...... ثم يفيض الماء علىٰ رأسهٖ وسائر جسدهٖ ثلاثًا ...... وكيفية الإفاضة أن يفيض الماء علىٰ منكبه الأيمن ثلاثًا ثم الأيسر ثلاثًا، ثم علىٰ رأسهٖ وسائر جسده ثلاثًا، كذا في معراج الدراية وهو الأصح، هٰكذا في الزاهدي. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الطهارة / الباب الثاني في الغسل، الفصل الثاني في سنن الغسل ۱٤/۱ زكريا)

وفرض الغسل: غسل كل فمهٖ ويكفي الشرب عبًّا؛ لأن المج ليس بشرطٍ في الأصح، وأنفه حتى ما تحت الدرن وباقي بدنهٖ لا دلكه. ويجب أي يفرض غسل كل ما يمكن من البدن بلا حرج مرةً كأذن وسرة وشاربٍ وحاجبٍ وأثناء لحيةٍ وشعر رأسٍ ولو متلبدًا وفرج خارجٍ، بهٖ يفتىٰ ...... وكفى بل أصل ضفيرتها أي شعر المرأة المضفور للحرج، أما المنقوض فيفرض غسل كله اتفاقًا، ولو لم يبتل أصلها يجب نقضها مطلقًا هو الصحيح ...... وسيجيء في التيمم: لا يكفي بلّ ضفيرته فينقضها وجوبًا ولو علويًا أو تركيًا لإمكان حلقه. (الدر المختار، كتاب الطهارة / مطلب في أبحاث الغسل ۲۸٤/۱-۲۸۸ زكريا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۲۷ / ۱۴۴۱/۹/۲۹ھ)

غسل خانہ میں شاور سے غسل کرنا

سوال (۱۲۹):- غسل خانہ میں شاور سے غسل کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اگر بے پردگی کا اَندیشہ نہ ہوتو شاور سے غسل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، جس طرح بالٹی سے پانی لے کرغسل کر سکتے ہیں، اِسی طرح شاور سے بھی کرسکتے ہیں، بس اچھی طرح پاکی حاصل ہونی چاہئے۔ (احسن الفتاویٰ ۳۱/۲، فتاویٰ محمودیہ ۹۰/۵ ڈابھیل)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه تعالىٰ عنه عن النبي صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم قال: بينا أيوب يغتسل عريانا، فخر عليه جراد من ذهب، فجعل أيوب يحتثي في ثوبه، فناداه ربه يا أيوب ألم أكن أغنيتك عما ترى؟ قال: بلى وعزتك ولكن لا غنى بي عن بركتك. (صحيح البخاري، كتاب الطهارة / باب من اغتسل عريانا ۴۲/۱ رقم: ۲۷۹)

عن بهز بن حكيم عن أبيه عن جده رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: اللّٰه أحق أن يستحيي منه من الناس. إن ظاهر حديث بهز يدل على أن التعرى في الخلوة غير جائز مطلقًا، لكن استدل المصنف على جوازه في الغسل بقصة موسى وأيوب عليهما السلام. (فتح الباري، كتاب الغسل / باب من اغتسل عريانًا الخ ۵۰۷/۱-۵۰۸ رقم: ۲۷۸ المكتبة الأشرفية ديوبند، ۳۸۶/۱ دار الفكر بيروت)

عن يعلى أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم رأى رجلا يغتسل بالبراز فصعد المنبر فحمد اللّٰه وأثنى عليه، ثم قال: إن اللّٰه عزوجل حيي ستير يحب الحياء والستر، فإذا اغتسل أحدكم فليستتر. (سنن أبي داؤد، كتاب الحمام / باب النهي عن التعري ص: ۵۵۷)

"فإذا اغتسل أحدكم" أي: بحضرة الناس، "فليستتر" على الوجوب أو المراد على العموم، فعلى هذا إذا كان بحضرة الناس فعلى الوجوب وإذا كان في الخلوة فعلى الاستحباب وهو مذهب الأئمة بأنه إذا اغتسل بحضرة الناس وجب عليه ستر عورته، فإن كان خاليًا جاز الغسل مكشوف العورة والتستر أفضل. ونقل عياض جواز الاغتسال عريانًا في الخلوة لحديث

البخاري أن موسى اغتسل عريانًا وأن أيوب كان يغتسل عريانًا. (بذل المجهود ١٤/٣٣٩ دار الكتب العلمية بيروت)

ويستحب أن يغتسل في موضع لا يراه فيه أحد. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الطهارة / الباب الثاني، الفصل الثاني في سنن الغسل ١/١٤ زكريا، شامي، كتاب الطهارة / مطلب: سنن الغسل ١/٢٩١ زكريا، ١/١٥٦ كراچی، بهشتي زيور ١/٥٩) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۱۴ / ۱۴۴۱/۹/۱۶ھ)

غسل فرض میں غرغرہ کا حکم

سوال (۱۳۰):- اگر غسل فرض میں غرغرہ رہ جائے اور اِسی طرح نماز پڑھ لے یا پڑھا دے، تو نماز اَدا ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- راجح قول کے مطابق غسل میں غرغرہ فرض یا واجب نہیں؛ بلکہ صرف مستحب اور بہتر ہے، بشرطیکہ آدمی روزے سے نہ ہو، اور اگر روزے سے ہو تو غرغرہ صحیح نہیں؛ کیوں کہ اندر پانی جانے کا خطرہ ہے؛ لہٰذا جب یہ غرغرہ واجب اور فرض نہیں ہے تو اِس کے بغیر بھی غسل درست ہے، اور اس کے بعد جو نماز پڑھی جائے گی یا پڑھائی جائے گی وہ بھی درست رہے گی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۸/۱۵۹ مکتبہ زکریا)

وفرض الغسل: غسل فمه؛ لأن المج ليس بشرط في الأصح. (الدر المختار مع رد المحتار / كتاب الطهارة ١/٢٨٤–٢٨٥ زكريا)

ومنها (المندوبات): المبالغة في المضمضة والاستنشاق إلا في حال الصوم فيرفق، لما روي أن النبي صلى الله عليه وسلم قال للقيط بن صبرة: بالغ في المضمضة والاستنشاق إلا أن تكون صائمًا فأرفق؛ ولأن المبالغة فيهما من باب التكميل في التطهير فكانت مسنونة إلا في حال الصوم لما فيها من تعريض الصوم للفساد. (بدائع الصنائع ٢/١١٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۴۰ / ۱۴۴۱/۱۲/۱۱ھ)

کیا غسل میں مسح کرلینا وضو کے لئے کافی ہوگا؟

سوال (۱۳۱):- غسل کرتے وقت اگر مسح کرلیا جائے تو وہ نماز کے وضو کے لئے کافی ہوجائے گا یا الگ سے وضو کرنا پڑے گا؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اگر غسل میں مسح نہ بھی کیا جائے، پھر بھی غسل کرلینے سے پوری طہارت حاصل ہوجاتی ہے، بعد میں الگ وضو کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ البتہ مسنون یہ ہے کہ غسل شروع کرنے سے پہلے اہتمام کے ساتھ پورا وضو کیا جائے، جس میں مسح بھی شامل ہے۔ اُس کے بعد بدن پر پانی بہائیں۔

عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها أن النبي صلی الله علیه وسلم کان لا یتوضأ بعد الغسل"، هذا حدیث حسن صحیح. (سنن الترمذي، أبواب الطهارة / باب في الوضوء بعد الغسل ۳۰/۱ رقم: ۱۰۷)

وقال علي القاري – رحمه الله تعالیٰ –: أي اکتفاء بوضوئه الأول في الغسل وهو سنة، أو باندراج ارتفاع الحدث الأصغر تحت ارتفاع الأکبر بإیصال الماء إلیٰ جمیع أعضائه وهو رخصة. (مرقاة المفاتیح، کتاب الطهارة / باب الغسل ۱۳٦/۲ دار الکتب العلمیة بیروت)

سنن الغسل: وهو أن یغسل یدیه إلی الرسغ ثلاثًا ثم فرجه، ویزیل النجاسة إن کانت علیٰ بدنه ثم یتوضأ وضوءهٗ للصلاة إلا رجلیه، هٰکذا في الملتقط. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الطهارة / الباب الثاني في الغسل ٦۱/۱ مکتبة الاتحاد دیوبند، ۱٤/۱ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۳۳ / ۱۴۴۱/۱۰/۲۸ھ)

غسل میں خواتین کا ناک اور کان کے سوراخ میں پانی پہنچانا؟

سوال (۱۳۲):- غسل میں خواتین کا ناک اور کان کے چھدے ہوئے سوراخ میں اگر پانی نہیں پہنچتا، تو غسل درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- خواتین کے لئے غسل فرض میں کان اور ناک کے سوراخوں میں پانی پہنچانا ضروری ہے، اور اگر کان کا بُندہ اور ناک کی لونگ ڈھیلی پہنے ہوئے ہے، تو اُسے حرکت دینا واجب نہیں؛ صرف مستحب ہے، اُسے ہلائے بغیر بھی غسل صحیح ہوجائے گا؛ کیوں کہ ڈھیلا ہونے کی وجہ سے پانی پہنچنے کا گمان غالب ہے؛ لیکن اگر کان یا ناک کا سوراخ تنگ ہو، اور اُن میں بندہ یا لونگ پہن رکھی ہو، تو ایسی صورت میں اُنہیں حرکت دینا ضروری ہے؛ تاکہ اندر تک پانی پہنچنے میں کوئی شبہ نہ رہے، اِس کے بغیر غسل درست نہ ہوگا۔

يفترض في الاغتسال أحد عشر شيئًا: ...... وثقب غير منضم لعدم الحرج.

(نور الإيضاح ومراقي الفلاح، كتاب الطهارة / فصل فرائض الغسل : ٤٢ دار الكتب العلمية بيروت)

ولو كان خاتمه ضيقًا نزعه أو حركه وجوبًا كقرط، ولو لم يكن بثقب أذنه قرط فدخل الماء فيه أي الثقب عند مروره على أذنه أجزأه كسرَّة وأذن دخلهما الماء وإلا يدخل أدخله ولو بأصبعه، ولا يتكلف بخشب ونحوه، والمعتبر غلبة ظنه بالوصول، قوله: كقرط بالضم ما يعلق في شحمة الأذن. (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الطهارة / مطلب في أبحاث الغسل ٢٨٩/١ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۲۱ / ۱۴۴۱/۹/۲۳ھ)

کیا نشہ کے ختم ہونے کے بعد غسل واجب ہوجاتا ہے؟

سوال (۱۳۳):- اگر کوئی شخص شراب یا اَفیم گانجا وغیرہ استعمال کرے، جس کی وجہ سے اُس کو نشہ آجائے، تو کیا نشہ ختم ہونے کے بعد اُس پر غسل کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- کسی بھی مسلمان کے لئے شراب یا کوئی بھی نشہ آور چیز استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ اَحادیثِ شریفہ میں اِس کے بارے میں سخت وعیدیں وارد ہیں؛ لیکن اگر کوئی شخص نشہ میں ہوجائے اور پھر نشہ اُتر جائے تو اِس کی وجہ سے شرعاً اُس پر غسل واجب نہیں ہوتا ہے، موجباتِ غسل میں یہ چیز شامل نہیں ہے۔

عـن جـابـر بـن عبد اللّٰه رضي اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: ما أسکر کثیره فقلیله حرامٌ. (سنن أبي داؤد ۵۱۸/۲)

عـن أم سلمة رضي اللّٰه عنها قالت: نهی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عن کل مسکر ومفتر. (المصنف لابن أبي شیبة ۱۶۷/۱۲)

ویـحرم أکل البنج والحشیشة والأفیون الخ. (مـجمع الأنهر ۲۵۱/٤ بیروت، الـفتاوی الهندیة ٤۱۵/۵، حاشیة الطحطاوي علی الدر ۲۲۶/٤ کوئٹه، بنایة شرح الهدایة ۳۷۰/۱۲، منحة الخالق علی البحر ۲۸/۵ کوئٹه)

أسباب الغسل ثلاثة: الجنابة والحیض والنفاس. (الفتاویٰ ۲۷۸/۱ زکریا)

وفـرض الـغسـل عـند خروج المني من العضو ...... الخ بشهوة أي لذةٍ ولـو حکمًا کمحتلم الخ، وعند إیلاج حشفة وهي ما فوق الختان. (الدر المختار ۲۹۵/۱-۲۹۹ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۴۶ / ۱۴۴۲/۱/۲۴ھ)

حاملہ عورت کا رات کے وقت غسل کرنا

سوال (۱۳۴):- کیا حاملہ عورت ضرورت کے وقت رات میں غسل کرسکتی ہے یا نہیں؟ اور اِسی طرح حمل کے اَیام میں مہندی لگانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصلیًا أما بعد:- حاملہ عورت کے لئے دن یا رات کسی بھی وقت غسل کرنے کی کوئی پابندی نہیں ہے، جب بھی ضرورت ہو وہ غسل کرسکتی ہے۔ اِسی طرح اَیامِ حمل میں مہندی لگائے تو اِس میں بھی کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

وسننه کسنن الوضوء سوی الترتیب وآدابه کآدابه. (شامي / کتاب الطهارة ۲۹۱/۱ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۴۰ / ۱۴۴۱/۱۲/۱۱ھ)

کتاب الصلوٰۃ

اَوقاتِ نماز

کیا فجر کی سنت صبح صادق کے بعد اَذان سے پہلے پڑھ سکتے ہیں؟

سوال (۱۳۵):- فجر کی سنتیں وقت ہونے کے بعد اَذان سے پہلے پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- جی ہاں پڑھ سکتے ہیں، اِس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (فتاویٰ قاسمیہ ۲۰۲/۸)

لأن الأصل في مشروعية الأذان الإعلام بدخول الوقت. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الأذان ٤٧/٢ زكريا)

لأنَّ الأذان سنة للصلاة لا للوقت. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب الأذان ٤٥٥/١)

الأذان سنة لأداء المكتوبات بالجماعة وليس لغير الصلوات الخمس، والجمعة، نحو السنين الخ. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الثاني في الأذان ٥٣/١ قديم زكريا)

فالمحل الذي يجب فيه الأذان ويؤذن له الصلوات المكتوبة التي تؤدى بالجماعة. (بدائع الصنائع / كتاب الصلاة ٣٧٦/١ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۴۳ / ۱۴۴۲/۱/۳ھ)

فجر کی نماز کے دوران سورج نکل آیا؟

سوال (۱۳۶):- فجر کی نماز پڑھتے ہوئے جب دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوئے، تو سورج نکلنے کا سائرن بج گیا، تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں فجر کی نماز اَدا نہیں ہوئی؛ کیوں کہ درمیان میں مکروہ وقت شروع ہوگیا؛ لہٰذا بعد میں قضا کریں۔

ولو طلعت الشمس في خلال الفجر تفسد فجره. (الفتاویٰ التاتارخانية ۱۹/۲ زکریا)

وکره تحريمًا صلاة مطلقًا ولو قضاءً أو واجبة أو نفلاً مع شروق. (الدر المختار / کتاب الصلاة ۳۰/۲ زکریا)

بخلاف الفجر (تحته في الشامية:) فإنه لا يؤدي فجر يومه وقت الطلوع؛ لأن وقت الفجر كله كامل، فوجبت كاملة، فتبطل بطروّ الطلوع، الذي هو وقت فساد. (شامي، کتاب الصلاة / مطلب: يشترط العلم بدخول الوقت، ۳۳/۲ زکریا، ۳۷۳/۱ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲۹ / ۱۴۴۱/۱۰/۷ھ)

نمازِ فجر کے بعد سورج نکلتے وقت دعا کرنا

سوال (۱۳۷):- ہماری مسجد میں فجر کی نماز کے بعد گٹھلیوں پر آیت کریمہ پڑھنے کے بعد اِمام صاحب دعا کراتے ہیں، اور دعا کراتے وقت سورج نکل آتا ہے، تو کیا اُس وقت دعا کرنا صحیح ہے؟ کوئی کراہت تو نہیں ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- سورج نکلتے وقت دعا اور ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اُس وقت صرف نماز پڑھنا منع ہے، ذکر ودعا منع نہیں ہے۔

عن أبي أمامة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لأن اقعُد أذكر الله وأكبره وأحمده وأسبحه وأهلله حتى تطلع الشمس أحب إلي من أن اعتق رقبتين أو أكثر من ولد إسماعيل ...... الخ. (مجمع الزوائد ۱۰۴/۱۰ رقم: ١٦٩٣٦)

وفيه عن البغية: الصلاة فيها على النبي صلى الله عليه وسلم أفضل من

قراء ة القرآن (الدر المختار) وفي الشامي: قوله: الصلاة فيها: أي في الأوقات الثلاثة، وكالصلاة الدعاء والتسبيح كما هو في البحر عن البغية.

(شامي / كتاب الصلاة ۲/ ۳۵ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۴۵ / ۱۷/۱/۱۴۴۲ھ)

نمازِ اِشراق اور چاشت کا وقت اور فضیلت

سوال (۱۳۸):- نمازِ اِشراق اور نمازِ چاشت کا وقت کب ختم ہوتا ہے؟ اور اِن نمازوں کی کیا فضیلت ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- سورج نکلنے کے تقریباً ۲۰/منٹ بعد اشراق کا وقت شروع ہوتا ہے، اور اِشراق کی فضیلت سے متعلق متعدد روایتیں مروی ہیں۔ایک روایت میں سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر آدمی میرے لئے دن کے شروع میں ۴/رکعت پڑھ لے، تو میں دن کے آخر تک اُس کے لئے مددگار بن جاتا ہوں، یعنی اُس کی طرف سے ہر برائی سے کافی ہوجاتا ہوں۔

اور جب سورج ذرا اُونچا ہوجائے اور دھوپ میں تمازت آجائے، یعنی طلوعِ آفتاب کے ڈیڑھ۲/گھنٹے کے بعد جو نماز پڑھی جاتی ہے وہ ’’نمازِ چاشت‘‘ کہلاتی ہے، اور اُس کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روایت میں اِرشاد فرمایا کہ جو شخص چاشت کی ۱۲/رکعت پڑھے، تو اللہ تعالیٰ اُس کے لئے جنت میں ایک سونے کا محل تیار فرماتے ہیں، اور چاشت کا وقت نصف النہار تک رہتا ہے۔

عن أنس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى الغداة في جماعة، ثم قعد يذكر الله حتى تطلع الشمس، ثم صلى ركعتين كانت له كأجر حجةٍ وعمرةٍ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم تامة تامة تامة، هذا حديث حسن غريب. (سنن الترمذي، أبواب السفر / باب ما ذكر مما يستحب من الجلوس في المسجد بعد صلاة الصبح ۱/ ۱۳۰ رقم: ۵۸۶)

قـولـه: (ثـم صـلـى ركعتين) ويقال لهما ركعتا الإشراق وهما غير سنة الضحىٰ. (حاشية الطحطاوي علىٰ مراقي الفلاح، كتاب الصلاة ص: ۱۸۱ دار الكتب العلمية بيروت)

عـن نـعيم بن همار رضي اللّٰه عنه قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يـقـول: يـقـول الـلّٰـه عزوجل: يا ابن اٰدم! لا تعجزني من أربع ركعاتٍ في أول نهارك أكفك أخره. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / باب صلاة الضحى ۱۸۳/۱ رقم: ۱۲۸۹)

عن أنس بن مالك رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: مـن صلى الضحى ثنتي عشرة ركعة بنى اللّٰه له قصرًا من ذهبٍ في الجنة. (سنن الترمذي، أبواب الوتر / باب ما جاء في صلاة الضحى رقم: ٤٧٣)

عـن أبـي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: مـن حـافـظ على شفعة الضحى غفر له ذنوبه، وإن كانت مثل زبد البحر. (سنن الترمذي، أبواب الوتر / باب ما جاء في صلاة الضحى رقم: ٤٧٣)

قـال الـطيبي: أي ثم صلى بعد أن ترتفع الشمس قدر رمحٍ حتى يخرج وقت الكراهة، وهٰذه الصلاة تسمى صلاة الإشراق. (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة / باب الذكر بعد الصلاة ٤٥/٣ تحت رقم: ۹۷۱ دارالكتب العلمية بيروت)

ونـدب أربـع فـصاعدًا في الضحىٰ من بعد الطلوع إلى الزوال، ووقتها المختار بعد ربع النهار. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل، مطلب سنة الـضحىٰ ٤٦٥/۲ زكريا، ۲۲/۲ كراچی، مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / فصل في تحية المسجد وصلاة الضحىٰ ۱٥۱-۱٥۲ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۱۴ / ۱۶/۹/۱۴۴۱ھ)

اشراق، چاشت اوراَوابین کا وقت

سوال(۱۳۹):- اِشراق، چاشت اوراَوابین کا وقت کب تک رہتا ہے؟

الـجـواب حـامـدًا ومـصـلـيًـا أما بعد :- اشراق تو سورج نکلنے کے تقریباً

۲۰/منٹ بعد سے شروع ہوگا، تقریباً دو گھنٹے تک رہے گا، پھر چاشت کا وقت شروع ہوگا جو ضحوۂ کبریٰ تک رہے گا، اورحدیث شریف میں اَوابین کا اصل وقت چاشت کا آخری وقت ہے، جس میں دھوپ تیز ہوجاتی ہے؛ لیکن ہمارے عرف میں مغرب کے بعد پڑھی جانے والی نفل کواوابین کہتے ہیں۔ اِن نوافل کے بھی بڑے فضائل احادیث شریفہ میں وارد ہیں۔

عن زيد بن أرقم رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: صلاة الأوابين حين ترمض الفصال. (صحيح مسلم / باب صلاة الأوابين رقم: ٧٤٨)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى بعد المغرب ست ركعات لم يتكلم فيما بينهن بسوء عدلن له بعبادة ثنتى عشرة سنة. وقد روي عن عائشة رضي الله عنها عن النبي صلى الله عليه وسلم: من صلى بعد المغرب عشرين ركعة بنى الله له بيتاً في الجنة. (سنن الترمذي، أبواب الصلاة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم / باب فضل التطوع وست ركعات بعد المغرب ٩٨/١ رقم: ٤٣٥، سنن ابن ماجة، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها / باب ما جاء في الصلاة بين المغرب والعشاء رقم: ١٣٧٣)

قال البوصيري: هذا إسناد ضعيف. يعقوب بن الوليد، قال فيه الإمام أحمد: من الكذابين الكبار، وكان يضع الحديث. وقال الحاكم: يروي عن هشام بن عروة المناكير. قلت: واتفقوا على ضعفه.

قال السندي: قوله: عشرين ركعة ...... الخ. في الزوائد: في إسناده يعقوب بن الوليد، اتفقوا على ضعفه. قال فيه الإمام أحمد: من الكذابين الكبار، وكان يضع الحديث. (شروح ابن ماجة مكمل ص: ٥٤٩ تحت رقم: ١٣٧٣ بيت الأفكار الدولية)

أولها عند طلوع الشمس إلى أن ترتفع الشمس وتبيض قدر رمح أو رمحين. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح / فصل في الأوقات المكروهة ص: ١٨٦ دار الكتب العلمية بيروت)

وندب أربع فصاعدًا في الضحیٰ من بعد الطلوع إلی الزوال، ووقتها المختار بعد ربع النهار. (الدر المختار، کتاب الصلاۃ / باب الوتر والنوافل ٤٦٥/٢ زکریا)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۲۹ / ۷/۱۰/۱۴۴۱ھ)

زوال اور نصف النہار کا وقت کب ہوتا ہے؟

سوال (۱۴۰):- زوال اور نصف النہار کا وقت کب ہوتا ہے؟

الجواب حامدًا ومصلیًا أما بعد :- نصف النہار کا اطلاق شریعت میں دو اَوقات پر کیا جاتا ہے، دونوں کو الگ الگ سمجھنے کی ضرورت ہے۔

الف:- ایک تو نصف النہار روزے کے اعتبار سے ہے، جس کو ''ضحوۂ کبریٰ'' اور ''نصف النہار شرعی'' بھی کہتے ہیں، یہ صبح صادق سے غروبِ آفتاب تک کا درمیانی وقت ہوتا ہے، اِس وقت سے پہلے پہلے فرض اور نفل روزے کی نیت کرنا معتبر ہے، اور اُس کے بعد معتبر نہیں۔ اِس نصف النہار کا نماز کے وقت مکروہ اور زوال سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ب:- اور نصف النہار کا دوسرا اِطلاق زوال پر بھی ہوتا ہے، جس کو اصطلاحِ فقہاء میں ''نصف النہار عرفی'' کہا جاتا ہے، یہ دراصل سورج کے طلوع وغروب کے بالکل بیچ کا وقت ہے؛ اِسی لئے اِس کو ''استواءِ شمس'' سے بھی تعبیر کرتے ہیں، اِس وقت میں کوئی بھی نماز پڑھنا مکروہ ہے، اور اِس کا دورانیہ کل ڈیڑھ دو منٹ کا ہوتا ہے، اور احتیاطاً ۴-۵/ منٹ نماز پڑھنے کو مکروہ کہا جاتا ہے، اُس کے بعد ہی سے ظہر اور جمعہ کے وقت کی ابتداء ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ ''ضحوۂ کبریٰ'' اور ''زوال'' دونوں الگ الگ ہے، اُن میں فرق ملحوظ رکھنا چاہئے۔ ضحوۂ کبریٰ زوال سے تقریباً ایک یا پون گھنٹہ پہلے ہوتا ہے، ضحوۂ کبریٰ سے زوال کے درمیان پورے وقت میں نماز پڑھنا راجح قول کے مطابق مکروہ نہیں ہے۔ اور جن بعض حضرات نے ''ضحوۂ کبریٰ'' کے بعد نماز کو مکروہ لکھا ہے اُن کا قول مرجوح ہے، اُس پر فتویٰ نہیں ہے۔ مفتی

یہ یہی ہے کہ زوال یعنی ''نصف النہار عرفی'' کے وقت صرف ۴-۵/منٹ نماز پڑھنا مکروہ ہے۔
(فتاویٰ محمودیہ ۵/۳۶۶ ڈابھیل)

فيصح أداء صوم رمضان، والنذر المعين، والنفل بنية من الليل إلى الضحوة الكبرىٰ لا بعدها ولا عندها اعتبار الأكثر اليوم. (وتحته في الشامية) المراد بها النصف النهار الشرعي، والنهار الشرعي من استطارة الضوء في أفق المشرق إلىٰ غروب الشمس، والغاية غير داخلة في المغيا، كما أشار إليه المصنف بقوله: ''لا عندها'' وعدل تعبير القدوري والمجمع وغيرهما بالزوال لضعفهٖ؛ لأن الزوال نصف النهار من طلوع الشمس ووقت الصوم من طلوع الفجر، كما في البحر عن المبسوط. قال في الهداية، وفي الجامع الصغير: قبل نصف النهار وهو الأصح؛ لأنه لا بد من وجود النية في أكثر النهار، ونصفه من وقت طلوع الفجر إلىٰ وقت الضحوة الكبرىٰ، لا وقت الزوال، فتشترط النية قبلها لتتحقق في الأكثر. وإذا نوى الصوم من النهار ينوي أنه صائم من أوله حتى لو نوى قبل الزوال أنه صائم من حين نوى لا من أوله لا يصير صائمًا. (الدر المختار مع الشامي / كتاب الصوم ٣/٣٣٨-٣٤١ زكريا، ١/٣٧٧ كراچی، البحر الرائق / كتاب الصوم ٢/٢٦٠ كراچی)

''واستواء'' التعبير بهٖ أولىٰ من التعبير بوقت الزوال – إلىٰ قولهٖ – وقد وقع في عبارات الفقهاء أن الوقت المكروه هو عند انتصاف النهار إلىٰ أن تزول الشمس، ولا يخفى أن زوال الشمس إنما هو عقيب انتصاف النهار بلا فصل. وفي هذا القدر من الزمن لا يمكن أداء صلاة فيه، فلعل المراد أنه لا تجوز الصلاة بحيث يقع جزء منها في هذا الزمان – إلىٰ قولهٖ – في القهستاني: القول بأن المراد انتصاف النهار العرفي إلى أئمة ما وراء النهر.
(شامي / كتاب الصلاة ٢/٣١ زكريا، ١/٣٧١ كراچی)

قوله والاستواء: أي استواء الشمس في كبد السماء، وهذا أول من التغيير بوقت الزوال لعدم كراهة الصلاة وقته إجماعًا، ثم هذا على إطلاقه قولهما خلافًا للثاني في إباحة النفل يوم الجمعة وقت الاستواء لما في مسند الشافعي: نهى عن الصلاة نصف النهار حتى تزول الشمس إلا يوم الجمعة، ولنا ما في مسلم من حديث عقبة بن عامر: ثلاث أوقات نهانا الخ. (النهر الفائق / كتاب الصلاة ١٦٦/١ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۱۲ / ۱۴۴۱/۹/۱۴ھ)

کیا رات میں ۱۲/ بجے بھی زوال کا وقت ہوتا ہے

سوال (۱۴۱):- کیا رات میں ۱۲/ بجے بھی زوال کا وقت ہوتا ہے؟ اُس وقت نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- زوال صرف دن میں ہوتا ہے، شریعت میں رات میں زوال کا کوئی حکم نہیں ہے، پوری رات میں کبھی بھی کوئی بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے، کوئی ممانعت نہیں ہے۔

عن عقبة بن عامر الجهني رضي اللّٰه عنه قال: ثلاثُ ساعاتٍ كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن أو أن نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغةً حتى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس، وحين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب. (صحيح مسلم، كتاب الصلاة / باب الأوقات التي نهي عن الصلاة فيها ٢٧٦/١ رقم: ٨٣١)

وقد وقع في عبارات الفقهاء أن الوقت المكروه هو عند انتصاف النهار إلىٰ أن تزول الشمس، ولا يخفىٰ أن زوال الشمس إنما هو عقيب انتصاف النهار بلا فصلٍ. (رد المحتار / كتاب الصلاة ٣١/٢ زكريا، ٣٧١/١ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۲۹ / ۱۴۴۱/۱۰/۷ھ)

مغرب اور عشاء کا درمیانی وقفہ

سوال (۱۴۲):- مغرب اور عشاء کی نماز میں کتنا وقفہ ہونا چاہئے؟ کیا ایک گھنٹہ ۴۰؍منٹ کا وقفہ کہیں سے ثابت ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مغرب کا وقت غروبِ آفتاب سے شروع ہوتا ہے، اور شفق کے غروب پر ختم ہوتا ہے، اور یہ درمیانی وقفہ موسموں کے اعتبار سے کم وبیش ڈیڑھ گھنٹہ رہتا ہے؛ اِس لئے ہر دن کا وقت اپنے علاقے کی دائمی جنتری دیکھ کر معلوم کرنا چاہئے۔ اور اُسی اعتبار سے نمازوں کی اَدائیگی ہونی چاہئے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۲؍۴۶، کتاب النوازل ۳؍۲۵۱)

عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنه أنه قال: سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن وقت الصلاة، فقال – وفيه – ووقت صلاة المغرب إذا غابت الشمس ما لم يسقط الشفق. (صحيح مسلم، كتاب الصلاة / باب أوقات الصلوات الخمس ۱/۲۲۳ رقم: ٦١٢)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن للصلاة أولاً وآخرًا – وفيه – وإن أول وقت المغرب حين تغرب الشمس، وإن آخر وقتها حين يغيب الشفق. (سنن الترمذي، أبواب الصلاة / باب ما جاء في مواقيت الصلاة عن النبي صلى الله عليه وسلم ۱/۳۹–٤٠ رقم: ١٥١)

ووقت المغرب من غروبها إلىٰ مغيب الشفق، وهو البياض الكائن في الأفق بعد الحمرة، وقالا: هو الحمرة. قال ابن نجيم: إن الصحيح المفتىٰ بهٖ قول صاحب المذهب، لا قول صاحبيه، واستفيد منه أنه لا يفتىٰ، ولا يعمل إلا بقول الإمام. (مجمع الأنهر / كتاب الصلاة ١/١٠٥ مكتبة فقيه الأمة ديوبند، الدر المختار / كتاب الصلاة ٢/١٧ زكريا، ١/٣٦١ كراچی، الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الأول في المواقيت، الفصل الأول ١/٥١ زكريا)

ثم الشفق هو البياض الذي في الأفق بعد الحمرة عند أبي حنيفة وعندهما هو الحمرة. (الهداية / باب المواقيت ۷۸/۱ المكتبة الأشرفية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۲۴ / ۱۴۴۱/۹/۲۶ھ)

اَوقاتِ ثلاثہ ممنوعہ میں تلاوت اور نماز کا کیا حکم ہے؟

سوال (۱۴۳):- زوال، طلوع اور غروب کے وقت قرآنِ کریم یا نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مذکورہ اَوقاتِ مکروہہ میں نماز پڑھنا تو جائز نہیں؛ لیکن قرآنِ کریم کی تلاوت یا ذکر واَذکار وغیرہ ان میں منع نہیں ہیں۔

عن عائشة رضي الله عنها قالت: كان النبي صلى الله عليه وسلم يذكر الله في كل أحيانه. (صحيح مسلم، كتاب الحيض / باب ذكر الله عزوجل في حال الجنابة وغيرها رقم: ۳۷۳)

سئل البقالي عن قراءة القرآن أهي أفضل أم الصلاة على النبي صلى الله عليه وآله وأصحابه؟ فقال: أما عند طلوع الشمس، وفي الأوقات التي نهي عن الصلاة فيها، فالصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم، والدعاء والتسبيح أولىٰ من قراءة القرآن، وكان السلف يسبحون في هذه الأوقات، ولا يقرأون القرآن، كذا في الغرائب. (الفتاوىٰ الهندية / الباب الرابع في الصلاة والتسبيح وقراءة القرآن ۳۱٦/٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۲۷ / ۱۴۴۱/۹/۲۹ھ)

کیا ظہر کا وقت عصر تک رہتا ہے؟

سوال (۱۴۴):- کیا ظہر کا وقت عصر کے وقت تک رہتا ہے؟ اور عصر سے کتنے پہلے تک ظہر کی نماز پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- ظہر کا وقت عصر تک رہتا ہے، اور اِس

درمیان کوئی مکروہ وقت نہیں ہے؛ اِس لئے عصر کا وقت شروع ہونے سے پہلے پہلے ظہر کی نماز اَدا کی جاسکتی ہے۔ (اور عصر کا وقت کب شروع ہورہا ہے؟ اُسے جنتریوں میں دیکھ لینا چاہئے)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: أمّني جبریل علیه السلام عند البیت مرتین، فصلی بي الظهر حین زالت الشمس – إلیٰ قوله – فلما کان الغد صلی بي الظهر حین کان ظله مثله وصلی بي العصر حین کان ظله مثلیه. (سنن أبي داؤد، کتاب الصلاة / باب في المواقیت ۱/٥٦ رقم: ۳۹۳)

في حدیث طویل: عن أبي هریرة رضي اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: وإن آخر وقتها حین یدخل وقت العصر. (سنن الترمذي، أبواب الصلاة / باب ما جاء في مواقیت الصلاة ۱/۳۹ رقم: ۱٥۱)

وأول وقت الظهر إذا زالت الشمس وآخر وقتها عند أبي حنیفةؒ إذا صار ظل کل شيء مثلیه سویٰ فيء الزوال. (الهدایة، کتاب الصلاة / باب المواقیت ۱/۸۱ المکتبة الأشرفیة دیوبند)

ووقت الظهر من زواله إلی بلوغ الظل مثلیه وعنه مثله (الدر المختار) وتحته في الشامیة: قوله عنه أي عن الإمام. (الدر المختار مع الشامي / کتاب الصلاة ۲/۱٤ زکریا، ۱/۳۹۱ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۳۱ / ۱۴۴۱/۱۰/۲۱ھ)

ظہر کی نماز کے درمیان عصر کا وقت شروع ہوگیا

سوال (۱۴۵):- ایک آدمی ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا، درمیان میں عصر کا وقت شروع ہوگیا، تو ظہر کی نماز اَدا ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصلیًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں دورانِ نماز عصر کا وقت شروع ہونے کی وجہ سے اُس شخص کی نماز ظہر فاسد نہ ہوگی؛ بلکہ اَدا مان لی جائے گی۔

لـو شـرع فـي الـوقتية عند الضيق ثم خرج الوقت في خلالها لم تفسد، وهو الأصح. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر ١٤٦/١ دار إحياء التراث العربي بيروت)

ثـم الأداء فـعـل الـواجـب في وقته وبالتحريمة فقط بالوقت يكون أداء عـنـدنا (الدر المختار) وما ذكره أنه بالتحريمة يكون أداءً عندنا هو ما جزم به في التحرير، وذكر شارحه أنه المشهور عند الحنفية. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب قضاء الفوائت ٥١٩/٢-٥٢٠ زكريا، ٦٢/٢ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۳۴ / ۱۴۴۱/۱۱/۶ھ)

عصر کی نماز کا ابتدائی اور آخری وقت

سوال (۱۴۶):- عصر کی نماز کا وقت کیا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- حنفیہ کے مفتی بہ قول پر جب سورج کا سایہ دو مثل ہو جائے تو عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔ اور آج کل اِس سلسلے میں جو دائمی جنتریاں چھپی ہوئی ہیں یا موبائل میں بھی ایسے ایپس یا پروگرام آگئے ہیں جن سے آپ ہر جگہ کا وقت معلوم کر سکتے ہیں اُنہیں دیکھ لیا جائے تو اُن سے پتہ چل جائے گا کہ عصر کا وقت کب شروع ہو رہا ہے اور وقت شروع ہونے کے بعد جب تک سورج میں پیلا پن غالب نہ ہو جائے، اُس سے پہلے پہلے نماز بلا کراہت پڑھی جا سکتی ہے، اور جب سورج پیلا پڑ جائے تو اُس وقت نماز پڑھنا مکروہ ہوتا ہے؛ البتہ اُس دن کی عصر اگر چھوٹی ہوئی ہے تو اُسی وقت میں پڑھ لینی چاہئے، اور اگر کسی اور دن کی قضا نماز ہے تو اِس مکروہ وقت میں نہیں پڑھ سکتے۔

ووقـت الـظهـر من زواله إلى بلوغ الظل مثليه، وعنه مثله، وهو قولهما وزفـر والأئمة الثلاثة. قال الإمام الطحاوي: وبه نأخذ. وفي غرر الأذكار: وهو الـمـاخـوذ بـه، وفـي البرهان: وهو الأظهر ببيان جبرئيل، وهو نص في الباب. وفـي الـفـيـض: وعـلـيـه عمل الناس اليوم، وبه يفتى سوى فيء الزوال، ووقت العصر منه إلى الغروب. (الدر المختار / كتاب الصلاة ١٤/٢-١٦ زكريا)

وكره تحريمًا صلاة مطلقًا ولو قضاءً أو واجبة أو نفلاً مع شروق واستواء وغروب إلا عصر يومه. (تنوير الأبصار مع الدر المختار / كتاب الصلاة ۲/ ۳۲)

عن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا بدا حاجب الشمس فأخروا الصلاة حتى تبرز، وإذا غاب حاجب الشمس فأخروا الصلاة حتى تغيب. (صحيح مسلم، كتاب الصلاة / باب الأوقات التي نهي عن الصلاة فيها ۱/ ۲۷۵ رقم: ۸۲۹)

ثلاث ساعات لا تجوز فيها المكتوبة ولا صلاة الجنازة ولا سجدة التلاوة إذا طلعت الشمس حتى ترتفع، وعند الإنتصاف إلىٰ أن تزول، وعند احمرارها إلى أن تغيب. (الفتاوىٰ الهندية ۱/ ۵۲، الهداية ۱/ ۸٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۴۷ / ۲/۲/ ۱۴۴۲ھ)

عصر پڑھتے پڑھتے مغرب کی اَذان ہوگئی

سوال (۱۴۷):- اگر عصر کی نماز کسی مجبوری میں مؤخر ہوجائے اور پڑھتے ہوئے مغرب کی اَذان ہوگئی، تو یہ عصر اَدا ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- اگر اُسی دن کی عصر کی نماز ہے اور پڑھتے پڑھتے سورج غروب ہوگیا، تو عصر کا فریضہ بکراہت اَدا ہوجائے گا، بعد میں قضا کی ضرورت نہیں ہے۔

إلا عصر يومه عند الغروب؛ لأن السبب هو الجزء القائم من الوقت ...... وإذا كان كذٰلك فقد أداها كما وجبت، بخلاف غيرها من الصلوات؛ لأنها وجبت كاملة فلا تتأدى بالناقص. (الهداية، كتاب الصلاة / باب المواقيت، فصل في الأوقات التي تكره فيها الصلاة ۱/ ۸۵، الدر المختار مع الشامي / كتاب الصلاة ۲/ ۳۲ زكريا، ۱/ ۳۷۰- ۳۷۱ كراچی)

لكن يكره تاخيره إلىٰ أن تتغير الشمس، هٰكذا ذكر في الأصل. وفي القدوري: وذكر الطحاوي إلىٰ أن تحمر الشمس، ولكن مع هٰذا لو صلى جاز؛ لأنه صلى في الوقت. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل الأول في المواقيت ١٠/٢ رقم: ١٥٠٨، ١٣/٢ رقم: ١٥١٧ زكريا)

إلا عصر يومه فقد ذكر في كتب أصول الفقه أن الجزء المقارن للأداء سبب لوجوب الصلاة، وآخر وقت العصر وقت ناقص، إذ هو وقت عبادة الشمس، فوجب ناقصًا فإذا أدَّاه أداه كما وجب، فإذا اعترض الفساد بالغروب لا تفسد. (شرح الوقاية / كتاب الصلاة ١٤٩/١ مير محمد كتب خانه كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۳۱ / ۱۴۴۱/۱۰/۲۱ھ)

سحری کے بعد اَذان سے قبل کے وقفہ میں نفل پڑھنا

سوال (۱۴۸):- سحری ختم ہونے کے بعد اَذان سے پہلے جو ۵-۶ / منٹ کا وقفہ ہوتا ہے، کیا اُس میں نفل نماز پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- بہتر ہے کہ اِس وقت نوافل نہ پڑھی جائیں؛ کیوں کہ یہ وقفہ احتیاطی طور پر رکھا گیا ہے، اور بہت ممکن ہے کہ کسی جگہ اِس وقفے کی مقدار کم وبیش ہو؛ لہٰذا احتیاط اِسی میں ہے کہ اِس وقت نماز نہ پڑھیں؛ بلکہ ذکر ودعا میں مشغول رہیں۔

الفجر فجران – إلىٰ – والثاني هو البياض الذي يستطير ويعترض في الأفق، ولا يزال يزداد حتى ينتشر، وسمي مستطيرًا لذلک، يثبت به أحكام النهار من حرمة الطعام والشراب للصائم وخروج وقت العشاء وجواز أداء الفجر. (الفتاویٰ التاتا رخانية، كتاب الصلاة / الفصل الأول في المواقيت ٤/٢ رقم: ١٤٩٠ زكريا)

وقت صلاة الفجر ...... من أول طلوع الفجر الثاني وهو البياض المنتشر المستطير لا المستطيل إلى قبيل طلوع ذكاء بالضم (الدر المختار)

قـولـه مـن أول طلوع الفجر الثاني: هو المعتمد والأحوط كذا في القهستاني. قـولـه: الـمـنتشـر فـي الأفق يمنة ويسرة وهو المسمى بالصبح الصادق؛ لأنه أصـدق ظهـورًا من المستطيل ويسمى الصبح الأول؛ لأنه أول نور يظهر كذنب السـرحـان لـدقتـه واستـطـالتـه؛ ولأن الـضوء في أعلاه دون أسفله، وبالصبح الـكاذب؛ لأنه يعقبه ظلمة كما في نهاية الإدراك، قهستاني. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار / كتاب الصلاة ١٧٣/١ مكتبة الاتحاد ديوبند)

قـولـه وهـو البياض: فالمعتبر الفجر الصادق وهو الفجر المستطير في الأفـق: أي الذي ينتشر ضوءه في أطراف السماء، لا الكاذب وهو المستطيل الـذي يبـدو طويلا في السماء كذنب السرحان، أي الذئب ثم يعقبه ظلمة. (رد المحتار / كتاب الصلاة ١٤/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:٦ / ١٤٤١/٩/٨ھ)

اَذان واِقامت

اَذان واِقامت میں ''اللہ اکبر اللہ اکبر'' کیسے اَدا کریں؟

سوال (۱۴۹):- ''کتاب المسائل'' میں اِقامت کا طریقہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہر لفظ پر جزم کیا جائے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ **''أکبرُ اللّٰہُ أکبر''** نہ پڑھا جائے؛ بلکہ اگر ملا کر پڑھنا ہے تو **''اللّٰہ أکبرَ اللّٰہ أکبر''** پڑھا جائے، زبر کے ساتھ تو **''أکبرُ''** میں اور **''أکبرَ''** میں فرق کیوں کیا گیا؟

الجواب حامدًا ومصلیًا أما بعد:- دراصل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا ہے کہ: **''اَلْأَذَانُ جَزْمٌ وَالإِقَامَۃُ جَزْمٌ''** (اَذان اور اِقامت کے ہر کلمے میں جزم ہوگا) یعنی اُن پر کوئی اعراب ظاہر نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ ہر کلمے کے آخر پر جزم ہوگا، جیسے: **''اللّٰہ أکبرْ، اللّٰہ أکبرْ''** اَب اگر ہم راء کے ضمہ کے ساتھ **''اللّٰہ أکبرُ اللّٰہ أکبرُ''** پڑھیں تو اِس طرح پڑھنا حدیث کے خلاف ہوگا، اِس لئے اِس سے فقہاء نے منع فرمایا ہے۔ البتہ اگر اِقامت میں تکبیر کو ملا کر پڑھنا چاہیں، تو راء پر زبر کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں، جو اگرچہ بظاہر دیکھنے میں اعراب معلوم ہو رہا ہے؛ لیکن حقیقت میں یہ جزم کو ملا کر پڑھنے کی ایک صورت ہے، گویا کہ دوسرے **''اللّٰہ أکبر''** کے شروع میں جو فتحہ آ رہا تھا، وہ ملانے کی وجہ سے پہلے **''اللّٰہ أکبر''** کی راء پر لگا دیا ہے؛ لہٰذا یہ جزم کی ہدایت کے خلاف نہیں ہے۔ صرف پڑھنے میں محسوس ہو رہا ہے۔

وبفتح راء أکبر والعوام یضمونها (الدر المختار) قال ابن الأنباري: عوام الناس یضمون الراء في أکبر. وکان المبرد یقول: الأذان سمع موقوفًا

في مقاطيعه، والأصل في أكبر تسكين الراء فحولت حركة ألف اسم اللّٰه إلى الراء كما في: الم، اللّٰه الخ، وفي الإمداد: ويجزم الراء: أي يسكنها في التكبير، قال الزيلعي: يعني على الوقف؛ لكن في الأذان حقيقة، وفي الإقامة ينوي الوقف. أي للحدر الخ، قلت: والحاصل أن التكبيرة الثانية في الأذان ساكنة الراء للوقف حقيقة، ورفعها خطأ، وأما التكبيرة الأولى من كل تكبيرتين منه وجميع تكبيرات الإقامة، فقيل: حركة الراء بالفتحة على نية الوقف، وقيل: بالضمة إعرابًا، وقيل: ساكنة بلا حركة على ما هو ظاهر كلام الإمداد الخ. وحاصلها أن السنة أن يسكن الراء من اللّٰه أكبر الأول أو يصلها باللّٰه أكبر الثانية، فإن سكنها كفى وإن وصلها نوى السكون فحرك الراء بالفتحة، فإن ضمها خالف السنة؛ لأن طلب الوقف على أكبر الأول صيره كالساكن أصالة فحرك بالفتح. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الأذان ٢/ ٥٢-٥٣ زكريا)

قوله: وبفتح راء أكبر: بتحويل فتحة الهمزة إليها للتخلص من الساكن. (طحطاوي على الدر المختار ١/ ١٨٥ مكتبة الاتحاد ديوبند)

قال مولانا عبد الحي في السعاية بعد ما بسط الكلام فيه: أن الحاصل فيه أربعة أقوال: الفتح كما هو مختار الدماميني، وهو مختار صاحب الروضة وتبعه الحصكفي والضم كما هو مختار ابن هشام في المغني، ومال إليه القهستاني. والسكون بغير حركة على ما هو ظاهر كلام الشرنبلالي والزيلعي. والتخيير بين أن يضم وبين أن يجزم كما نقله صاحب البحر عن جامع المضمرات، واختاره السيد الطحطاوي في حواشي الدر المختار، والحق هو القول الأول، وقد صنف الشيخ عبد الغني النابلسي في هذه المسألة رسالة سماها تصديق من أخبر بفتح راء اللّٰه أكبر – خلاصة ما ذكره فيها أن السنة أن يسكن الراء أو يصلها، فإن سكنها كفى ذلک، وإن وصلها نوى السكون

فحرک الراء بالفتحة، فلتراجع. (فيض الباري شرح صحيح البخاري، كتاب الأذان / ترجيع الأذان وإفراد الإقامة ١٥٩/٢ ديوبند، ٢٠٥/٢ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۳۰ / ۱۴۴۱/۱۰/۱۴ھ)

اَذان سن کر سبحان اللہ کہنا

سوال (۱۵۰):- اَذان سن کر ''سبحان اللہ'' کہنے کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اَذان کے جواب میں ''سبحان اللہ'' کہنا ثابت نہیں ہے۔ بلکہ سنت یہ ہے کہ جب اَذان کی آواز سنے تو اُس کے کلمات بعینہٖ دہرائے، اور ''حی علی الصلوٰۃ'' اور ''حی علی الفلاح'' کے جواب میں ''لاحول ولاقوۃ الا باللہ'' کہے۔

عن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب عن أبيه عن جده عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا قال المؤذن: اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر، فقال: أحدكم اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر، ثم قال: أشهد أن لا إله إلا اللّٰه، قال: أشهد أن لا إله إلا اللّٰه، ثم قال: أشهد أن محمدا رسول اللّٰه، قال: أشهد أن محمدا رسول اللّٰه، ثم قال: حي على الصلاة، قال: لا حول ولا قوة إلا باللّٰه، ثم قال: حي على الفلاح، قال: لا حول ولا قوة إلا باللّٰه، الخ.

(صحيح مسلم، كتاب الصلاة / باب استحباب القول مثل قول المؤذن ١٦٧/١ رقم: ٣٨٥)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا أذن المؤذن فقولوا مثل قوله. (سنن ابن ماجة / باب ما يقال إذا أذن المؤذن ص: ٥٢ النسخة الهندية، رقم: ٧١٨ دار السلام)

فقولوا مثل قوله عام مخصوص بحديث عمر أنه يقول فى الحيعلتين لاحول ولا قوة إلا باللّٰه، اعلم أنه يستحب للسامع إذا أذن المؤذن أن يقول مثل قوله إلا في الحيعلتين؛ فإنه يقول لاحول ولا قوة إلا باللّٰه. (انجاح الحاجة حاشية ابن ماجة ص: ٥٢ المكتبة الأشرفية ديوبند)

قال يحيىٰ: وحدثني بعض إخواننا، أنه قال: لما قال: حي على الصلاة، قال: لا حول ولا قوة إلا باللّٰه، وقال: هكذا سمعنا نبيكم صلى اللّٰه عليه وسلم يقول. (صحيح البخاري / باب ما يقول إذا سمع المنادي؟ ٨٦/١ رقم: ٦٠٥، ف: ٦١٣)

عن عبد اللّٰه بن الحارث بن نوفل أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان إذا سمع المؤذن يؤذن، قال: اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر – إلىٰ قولهٖ – وإذا قال: حي على الصلاة، قال: لا حول ولا قوة إلا باللّٰه العلي العظيم. (المصنف لعبد الرزاق ٤٧٨/١ رقم: ١٨٤٣ المجلس العلمي)

عن معاوية رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم سمع المؤذن، فقال كما قال، حتى قال: حي على الصلاة، فقال: لا حول ولا قوة إلا باللّٰه.

(المعجم الأوسط ١٦١/٦ رقم: ٨٣٦٤ دار الفكر بيروت، المعجم الكبير للطبراني ٣٢١/١٩ رقم: ٧٣٠ دار إحياء التراث العربي بيروت، مسند الدارمي ٧٦٧/٢ رقم: ١٢٣٨ دار المغني، صحيح ابن خزيمة ٢٤٦/١ رقم: ٤١٤ المكتب الإسلامي) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۳۳ / ۱۴۴۱/۱۰/۲۸ھ)

حیعلتین کے جواب میں کیا پڑھیں؟

سوال (۱۵۱):- اَذان کا جواب دیتے وقت ''حی علی الصلوٰۃ'' اور ''حی علی الفلاح'' جب مؤذن کہے، تو کیا پڑھنا چاہئے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- حیعلتین کے جواب میں ''لاحول ولا قوۃ الا باللہ'' پڑھنا چاہئے؛ یہ بھی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

عن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب عن أبيه عن جده عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا قال المؤذن: اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر، فقال: أحدكم اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر، ثم قال: أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه، قال: أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه، ثم قال: أشهد أن محمدا رسول

اللّٰه، قال: أشهد أن محمد رسول اللّٰه، ثم قال: حي على الصلاة، قال: لا حول ولا قوة إلا باللّٰه، ثم قال: حي على الفلاح، قال: لا حول ولا قوة إلا باللّٰه. الخ.

(صحيح مسلم، كتاب الصلاة / باب استحباب القول مثل قول المؤذن ١٦٧/١ رقم: ٣٨٥)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا أذن المؤذن فقولوا مثل قوله. (سنن ابن ماجة / باب ما يقال إذا أذن المؤذن رقم: ٧١٨)

"فقولوا مثل قوله" عام مخصوص بحديث عمر أنه يقول فى الحيعلتين لا حول ولا قوة إلا باللّٰه، إعلم أنه يستحب للسامع إذا أذن المؤذن أن يقول مثل قوله إلا في الحيعلتين؛ فإنه يقول لا حول ولا قوة إلا باللّٰه. (إنجاح الحاجة حاشية ابن ماجة ص: ٥٢ الأشرفية ديوبند، كفاية الحاجة في شرح سنن ابن ماجة حاشية السندي ص: ١٨٢ دار الفكر بيروت)

قال يحيى: وحدثني بعض إخواننا أنه قال: لما قال: حي على الصلاة، قال: لا حول ولا قوة إلا باللّٰه. وقال: هكذا سمعنا نبيكم صلى اللّٰه عليه وسلم يقول. (صحيح البخاري / باب ما يقول إذا سمع المنادي؟ ٨٦/١ رقم: ٦٠٥ ف: ٦١٣)

عن عبد اللّٰه بن الحارث بن نوفل أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان إذا سمع المؤذن يؤذن، قال: اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر – إلىٰ قولهٖ – وإذا قال: حي على الصلاة، قال: لا حول ولا قوة إلا باللّٰه العلي العظيم. (المصنف لعبد الرزاق ٤٧٨/١ رقم: ١٨٤٣ المجلس العلمي)

عن معاوية رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم سمع المؤذن، فقال كما قال، حتى قال: حي على الصلاة، فقال: لا حول ولا قوة إلا باللّٰه.

(المعجم الأوسط للطبراني ١٦١/٦ رقم: ٨٣٦٤ المجلس العلمي، المعجم الكبير للطبراني ٣٢١/١٩ رقم: ٧٣٠ دار إحياء التراث العربي بيروت، مسند الدارمي ٧٦٧/٢ رقم: ١٢٣٨ دار المغني، صحيح ابن خزيمة ٢٤٦/١ رقم: ٤١٤ المكتب الإسلامي) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲۲ / ۱۴۴۱/۹/۲۴ھ)

اَذان یا تلاوت کے وقت سلام کرنا

سوال (۱۵۲):- اَذان یا تلاوت کے وقت سلام کرنا یا جواب دینا کیسا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- جو شخص تلاوت کررہا ہو، یا اَذان کے جواب دینے میں مشغول ہو، اُس کو سلام کرنا صحیح نہیں، اور جواب دینا بھی اُس پر واجب نہیں؛ البتہ اگر اَذان کا جواب دیتے ہوئے سلام کا بھی جواب دیدے تو حرج نہیں۔

يكره السلام على العاجز عن الجواب حقيقة كالمشغول بالأكل أو الاستفراغ أو شرعًا كالمشغول بالصلاة وقراءة القرآن، ولو سلم لا يستحق الجواب. (شامي، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ٣٧٥/٢ زكريا، ٦١٧/١ كراچی)

وفي الخانية: ويكره أن يسلم على من هو في الخلاء، ولا يرد عليه السلام، وكذا الآكل والقاري والمشتغل بالعلم، وكذا في الحمام إن كان مكشوف العورة. (البحرالرائق، كتاب الكراهية / فصل في البيع ٣٨٠/٨ زكريا، ٢٠٧/٨ كوئٹه، بزازية على هامش الهندية، كتاب الكراهية / نوع في السلام ٢٠٠/٣ جديد زكريا، ٥٥/٦ قديم زكريا)

ودع أكلاً إلا إذا كنت جائعًا، وتعلم منه أنه ليس يمنع. (النهر الفائق / باب ما يفسد الصلاة ٢٧١/١ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۴۹ / ۱۴۴۲/۲/۱۶ھ)

تلاوت کے درمیان اَذان شروع ہوگئی

سوال (۱۵۳):- اگر تلاوت کرتے ہوئے اَذان شروع ہوجائے، تو زبانی جواب کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- مسئولہ صورت میں بہتر یہ ہے کہ تلاوت روک کر اَذان کا جواب دیں۔ اور بعض حضرات نے اُس میں یہ تفصیل کی ہے کہ اگر گھر میں رہ کر تلاوت کررہے ہیں تو تلاوت روک کر اپنی مسجد کی اَذان کا جواب دیں؛ لیکن اگر مسجد میں

تلاوت کررہے ہیں تو زبانی جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے، پڑھتے رہیں۔اور یہ صورت بھی اپنائی جاسکتی ہے کہ جب اَذان ختم ہونے لگے تو تلاوت روک کر پوری اَذان کا ایک ساتھ ہی جواب دے دیں، اوراَذان ختم ہونے پر دعائے وسیلہ پڑھ لیں، اُس کے بعد پھر تلاوت شروع کردیں۔

عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما يقول المؤذن. (صحيح البخاري، كتاب الأذان / باب ما يقول إذا سمع المنادي ٨٦/١)

عن ابن جريج، قال: حدثت أن ناسا كانوا فيما مضى، كانوا ينصتون للتأذين كإنصاتهم للقرآن، فلا يقول المؤذن شيئًا إلا قالوا مثله. (المصنف لعبد الرزاق، أبواب الأذان / باب القول إذا سمع الأذان والإنصات له ٤٨٠/١ رقم: ١٨٤٩ المجلس العلمي)

فيقطع قراءة القرآن لو كان يقرأ بمنزله ويجيب لو أذان مسجده ...... وأما عندنا فيقطع ويجيب بلسانه مطلقًا، والظاهر وجوبها باللسان لظاهر الأمر في حديث: "إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول". (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة / باب الأذان ٦٨/٢-٦٩ زكريا، ٣٩٨/١ كراچی، بدائع الصنائع، كتاب الصلاة / فصل فيما يجب على السامعين ٦٦٠/١ بيروت)

وفي مجموع النوازل: رجل في مسجد يقرأ القرآن فسمع الأذان، فإن كان هٰذا الرجل في المسجد يمضي علىٰ قراءته، ولا يجيب المؤذن، وإن كان في منزله فإن لم يكن هٰذا أذان مسجده لا يجيب المؤذن، ويمضي في قراءته. وإن كان هٰذا أذان مسجده يقطع القرآن ويجيب المؤذن. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل الثاني في فرائض الصلاة وواجباتها وسننها وآدابها، نوع آخر: في المتفرقات من هٰذا الفصل ١٥٤/٢ رقم: ٢٠١١ زكريا)

ولا يشتغل بقراءة القرآن، ولا بشيء من الأعمال سوى الإجابة، ولو كان في القراءة ينبغي أن يقطع ويشتغل بالاستماع والإجابة، كذا في البدائع.

(الـفتـاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني ٥٧/١ زكريا، بدائع الصنائع، كتـاب الـصلاة / فصل فيما يجب على السامعين ٣٨٣/١ زكريا، حاشية چلپى / باب الأذان ٢٣٩/١ زكريا، البحر الرائق ٤٥٠/١ زكريا، ٢٥٩/١ كوئٹه)

ويستحب إجابة المؤذن باللسان، فيمسک عن التلاوة وغيرها في المسجد وغيره. (شرح النقاية، كتاب الصلاة / باب الأذان ٦١/١ المكتبة الإعزازية ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۱۴ / ۱۴۴۱/۹/۱۶ھ)

ایک مسجد میں اَذان پڑھ کر دوسری مسجد میں نماز پڑھنا

سـوال (۱۵۴):- ایک مؤذن صاحب نے ایک مسجد میں اَذان پڑھ کرنماز دوسری مسجد میں جا کر پڑھی، تو اُن کا یہ عمل شرعاً کیسا ہے؟

الجـواب حـامدًا ومـصليًا أما بعد:- جس مسجد میں اَذان دی ہے، بہتر یہ ہے کہ وہیں نماز اَدا کی جائے، اور بلا عذر دوسری جگہ نماز اَدا نہ کریں؛ البتہ اگر کوئی عذر ہو تو گنجائش ہے۔

عـن أبـي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا يسـمع النداء في مسجدي هذا، ثم يخرج منه، إلا لحاجة، ثم لا يرجع إليه إلا منافق. (المعجم الأوسط ٥٢/٣ رقم: ٣٨٤٢ دار الفكر، مجمع الزوائد ٥/٢ دار الكتب العلمية بيروت)

عـن أبـي الشعثاء، قال: خرج رجل من المسجد بعد ما أذن فيه بالعصر، فقال أبـوهـريـرة رضي اللّٰه عنه: أما هذا فقد عصى أبا القاسم صلى اللّٰه عليه وسلم، وعلى هذا العمل عند أهل العلم من أصحاب النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، ومن بعدهم، أن لا يخرج أحد من المسجد بعد الأذان إلا من عذر، أن يكون على غير وضوء، أو أمر لا بد منه. (سنن الترمذي / باب ماجاء في كراهية الخروج من المسجد بعد الأذان ٥٠/١ رقم: ٢٠٤)

والـمعنى أن جواز الخروج من المسجد بعد الأذان مخصوص بمن له عـذر في الخروج، وأما من لا عذر له فلا يجوز له الخروج. (تحفة الأحوذي بشرح جامع الترمذي، أبواب الصلاة / باب كراهية الخروج من المسجد بعد الأذان تحت رقم: ٢٠٤)

قال الشيخ الكنكوهي: فإن كان له ضرورة في الخروج ولا يمكنه العود إلى حين إقامة الصلاة صلى صلاته وخرج. فإن كان صلى قبل ذلك لا بأس بخروجه؛ فإنه ليس عليه إجابة الدعوة، فإن ذمته فارغة، فأما إذا أقيم فالأكثر على أنه إن كان قد صلى قبله يصلي نافلة في غير الأوقات التي تكره فيها النوافل، فإن كان مغربًا ضم معه ركعة (الكوكب) قلت: ههنا أربعة مسائل خلافية ...... والرابعة: الخروج من المسجد بعد ما أقيمت الصلاة فمكروه عندنا للتهمة كذا في الأوجز. وفي الدر المختار: من صلى الفجر والعصر والمغرب فيخرج مطلقًا، وإن أقيمت لكراهة النفل بعد الأوليين، وفي المغرب أحد المحظورين البُتيراء أو مخالفة الإمام بالإتمام، انتهى.

(الكوكب الدري مع تعليقات الشيخ ۱/ ۲۳۰-۲۳۱ مطبعة ندوة العلماء لكناؤ)

من دخل المسجد بعد ما أذن فيه، وأذن بعد ما دخله يكره له الخروج قبل أن يصلي فيه كما هو مصرح في متون أصحابنا الحنفية، وصرح في البحر بأن الكراهة تحريمية، وصرح فيه أيضًا بجواز الخروج بعد الأذان لمن أراد الرجوع بعد قضاء حاجته، كذلك الحكم عند سائر أصحاب المذاهب.

(العرف الذكي شرح جامع الترمذي / للشيخ محمد أنور شاه الكشميري ۲/ ۲٤۲ جامعة الإمام محمد أنور شاه ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۱۱ / ۱۳/۹/۱۴۴۱ھ)

کیا گھر میں باجماعت نماز کے لئے اذان کا حکم ہے؟

سوال (۱۵۵):- آج کل لاک ڈاؤن کی وجہ سے گھر کے اندر نماز پڑھی جارہی ہیں، تو کیا گھر کے اندر بھی نماز پڑھنے کے لیے اذان دینی ہوگی؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- گھر میں نماز پڑھنے والے کے لئے محلے کی مسجد کی اَذان کافی ہے، اس سے سنت اَدا ہوجائے گی؛ تاہم افضل اور مستحب یہ ہے کہ گھر

میں باجماعت نماز کے لئے بھی اَذان دے دی جائے۔

عن علقمة قال: صلّى عبد الله بن مسعود رضي الله عنه بي وبالأسود بغير أذانٍ ولا إقامةٍ، وربما قال: يجزئنا أذان الحي وإقامتهم. (رواه البيهقي في السنن الكبرىٰ، كتاب الصلاة: جماع أبواب الأذان / باب الاكتفاء بأذان الجماعة وإقامتهم ۵۹۷/۱ رقم: ۱۹۱۸ دار الكتب العلمية بيروت)

وهو سنة مؤكدة للفرائض الخمس في وقتها ولو قضاءً؛ لأنه سنة للصلاة لا للوقت (الدر المختار) قوله: للفرائض الخمس: وشمل حالة السفر والحضر والانفراد والجماعة، قال في مواهب الرحمن ونور الإيضاح: ولو منفردًا أداء أو قضاء سفرًا أو حضرًا؛ لكن لا يكره تركه لمصلي في بيته في المصر؛ لأن أذان الحي يكفيه. وفي الإمداد: أنه يأتي به ندبًا. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الأذان ۴۹/۲ زكريا)

إذا صلى رجل في بيته واكتفى بأذان الناس وإقامتهم أجزأه من غير كراهة. وفي التجريد: وإن أذن فهو أفضل. (الفتاوىٰ التاتارخانية ۱۵۰/۲ رقم: ۲۰۰۵ زكريا)

أي لا يكره تركهما لمصل في بيته في مصر، أي إذا فعلا في مسجد محلته؛ لأنهم لما نصبوا مؤذنا صار فعله كفعلهم حكما، كما يشير إليه ابن مسعود حين صلى بعلقمة والأسود في داره بلا أذان ولا إقامة حيث قال: أذان الحي يكفينا، رواه الأثرم حكاه سبط ابن الجوزي وغيره. (شرح النقاية، كتاب الصلاة / شروط الصلاة ۶۳/۱ المكتبة الإعزازية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۳ / ۱۴۴۱/۹/۵ھ)

گھر میں باجماعت نماز کیلئے مسجد کی اَذان سے پہلے اَذان دینا

سوال (۱۵۶):- کیالاک ڈاؤن کی وجہ سے گھر میں نماز پڑھنے کے لئے مسجد کی اَذان

کا انتظار ضروری ہے یا اپنی اَذان پڑھ کر بھی اول وقت میں گھر میں نماز پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- لاک ڈاؤن کی وجہ سے جب گھر میں جماعت کا اہتمام ہورہا ہے، تو اُس کے لئے مسجد کی اَذان کا انتظار ضروری نہیں ہے؛ بلکہ گھر میں ہی اَذان دے کر نماز باجماعت پڑھی جاسکتی ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۲/۱۱۴، ۲/۱۲۹)

وهو سنة مؤكدة للفرائض الخمس في وقتها ولو قضاءً؛ لأنه سنة للصلاة لا للوقت (الدر المختار) لكن لا يكره تركه لمصل في بيته في المصر؛ لأن أذان الحي يكفيه. وفي الإمداد: أنه يأتي به ندبًا. (رد المحتار / باب الأذان ٢/٤٩ زكريا)

إذا صلى رجل في بيته واكتفى بأذان الناس وإقامتهم أجزأه من غير كراهة. وفي التجريد: وإن أذن فهو أفضل. (الفتاویٰ التاتارخانية ٢/١٥٠ رقم: ٢٠٠٥ زكريا)

الأذان سنة لأداء المكتوبات بالجماعة، كذا في فتاویٰ قاضي خان. وقيل: إنه واجب، والصحيح أنه سنة مؤكدة، كذا في الكافي. وعليه عامة المشائخ.

(الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الثاني في الأذان ١/٥٣ دار إحياء التراث العربي بيروت)

وكره تركهما للمسافر، لا لمصل في بيته في المصر. وندبا لهما لا للنساء. (كنز الدقائق، كتاب الصلاة / باب الأذان ١/١٥٧ دار البشائر الإسلامية ودار السراج)

قال ابن عابدين: وقد علمت تصريح الكنز بندبه للمسافر وللمصلي في بيته في المصر، فالمقصود من كفاية أذان الحي نفي الكراهة المؤثمة. قال في البحر: ومفهومه أنه لو لم يؤذنوا في الحي يكره تركهما للمصلي في بيته، وبه صرح في المجتبى. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الأذان ٢/٦٣-٦٤ زكريا)

قوله: "وندبا لهما" أي الأذان والإقامة للمسافر والمصلي في بيته في المصر ليكون الأداء على هيئة الجماعة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب الأذان ١/٤٦٢ دار الكتب العلمية بيروت وزكريا ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۵ / ۱۴۴۱/۹/۷ھ)

گھر میں بغیر اِقامت کے جماعت کرنا

سوال (۱۵۷):- ہمارے گھر میں نماز عشاء اور تراویح ہوتی ہے؛ لیکن اتفاقاً عشاء کی نماز بغیر اقامت کے پڑھ لی گئی، تو سوال یہ ہے کہ ہماری نماز عشاء اور تراویح درست ہوئی یا نہیں؟ بالتفصیل جواب سے نوازیں۔

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- سنت یہی ہے کہ اِقامت کے بعد جماعت اَدا کی جائے؛ لیکن اگر اتفاقاً اِقامت کے بغیر نماز پڑھی گئی تو بھی فرض اَدا ہوگیا، اور اُس کے بعد جو تراویح پڑھی گئی وہ بھی درست ہوگئی۔ تاہم آئندہ اِقامت کا مزید اہتمام کرنا چاہئے۔

ويكره أداء المكتوبة بالجماعة في المسجد بغير أذان وإقامة، كذا في فتاویٰ قاضي خان. ولا يكره تركهما لمن يصلي في المصر إذا وجد في المحلة، ولا فرق بين الواحد والجماعة. هكذا في التبيين، والأفضل أن يصلي بالأذان والإقامة، كذا في التمرتاشي. وإذا لم يؤذن في تلك المحلة يكره له تركهما، ولو ترك الأذان وحده لا يكره، كذا في المحيط. ولو ترك الإقامة يكره، كذا في التمرتاشي. (الفتاویٰ الهندية / كتاب الصلاة ۱/ ٥٤ قديم زكريا، الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الأذان ۲/ ٦٣ زكريا)

وكذا الإقامة سنة مؤكدة، في قوة الواجب لقول النبي صلى الله عليه وسلم: إذا حضرت الصلاة فليؤذن لكم أحدكم وليؤمكم أكبركم، وللمداومة عليهما للفرائض. (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة / باب الأذان ص: ٧٦ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۸ / ۱۰/۹/۱۴۴۱ھ)

اِمام صاحب کا خود ہی اِقامت کہنا

سوال (۱۵۸):- اگر اِمام کے علاوہ اِقامت کہنے والا کوئی نہ ہو، تو کیا اِمام ہی مصلیٰ پر

کھڑے کھڑے اِقامت کہہ سکتا ہے؟ یا پیچھے اگر کوئی عورت نماز پڑھ رہی ہو تو وہ اِقامت کہے گی یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں۔

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- مسئولہ صورت میں بہتر یہ ہے کہ اِمام صاحب خود ہی اِقامت کہہ کر نماز شروع کردے، عورت کا اِقامت کہنا مکروہ ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۲/۲۸۳، فتاویٰ رحیمیہ ۴/۹۶)

وفي الضياء: أنه عليه السلام أذن في سفره بنفسه وأقام وصلى الظهر. قوله: الأفضل الخ، لقول عمر رضي الله عنه لو لا الخليفة لأذنت أي مع الإمامة كما قدمناه، وفي السراج أن أباحنيفة كان يباشر الأذان والإقامة بنفسه. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب الأذان ٢/ ٧١ زكريا)

ويكره ...... وأذان امرأة؛ لأنها إن خفضت صوتها أخلت بالإعلام، وإن رفعته ارتكبت معصيةً؛ لأنه عورةٌ. (مراقي الفلاح) قوله: لأنه عورة، ضعيف والمعتمد أنه فتنة فلا تفسد برفع صوتها صلاتها. (حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة / باب الأذان ص: ١٠٨ قديمی كتب خانه كراچی)

اتفق الفقهاء على عدم جواز أذان المرأة وإقامتها بجماعة الرجال ...... الخ. (الموسوعة الفقهية ٦/ ٩ الكويت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۱۶ / ۱۸/ ۹/ ۱۴۴۱ھ)

کیا ۱۰-۱۱/ سال کا بچہ اِقامت کہہ سکتا ہے؟

سوال (۱۵۹):- اگر اِقامت کہنے کے لئے مقتدیوں میں کوئی مرد موجود نہ ہو، تو ۱۰-۱۱/ سال کا بچہ تکبیر کہہ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- ۱۰-۱۱/ سالہ بچہ اگر باشعور ہو تو اُس کی اَذان واِقامت اگرچہ درست ہے؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ مسئولہ صورتِ حال میں بچے کے بجائے خود اِمام ہی کو تکبیر کہہ کر نماز پڑھانی چاہیئے۔

وكذا يعاد أذان امرأة ومجنون ومعتوه وسكران وصبي لا يعقل، لا إقامتهم لما مر (الدر المختار) أي من قوله: لمشروعية تكراره. وعلل الوجوب في الكل بأنه غير معتد به، والندب بأنه معتد به إلا أنه ناقص. قال: وهو الأصح، كما في التمرتاشي. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الأذان ٢/٦١ زكريا، مجمع الأنهر / كتاب الصلاة ١/١١٨-١١٩ دار الكتب العلمية بيروت)

وأشار به إلى كراهة أذان المجنون والصبي الذي لا يعقل بالأولى لما ذكرنا. ولم يتعرض المصنف لإعادة أذان من كره أذانه، وفيه تفصيل ...... ويعاد أذان المرأة ...... والصبي الذي لا يعقل لعدم الاعتماد على أذان هؤلاء، فلا يلتفت إليهم فربما ينتظر الناس الأذان المعتبر، والحال أنه معتبر، فيؤدي إلى تفويت الصلاة أو الشك في صحة المؤدي أو إيقاعها في وقت مكروه.

(البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب الأذان ١/٤٥٨-٤٥٩ دار الكتب العلمية بيروت وزكريا ديوبند، الموسوعة الفقهية، مادة: إقامة / شرائط المقيم ٦/٩ الكويت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲۳ / ۱۴۴۱/۹/۲۵ھ)

قضاءِعمری پڑھتے وقت اِقامت کا حکم

سوال (۱۶۰):- قضاءِعمری پڑھتے وقت اِقامت اور ترکِ اِقامت کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ یعنی کوئی آدمی اپنی قضائے عمری پڑھ رہا ہے، تو اُس سے پہلے اِقامت یعنی تکبیر کہے گا یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- فقہاء نے لکھا ہے کہ بہتر یہی ہے کہ قضا پڑھتے وقت بھی کم سے کم اِقامت کہہ لینی چاہئے، اور وہ زور سے کہنی ضروری نہیں ہے آہستہ آواز سے بھی کہہ سکتے ہیں، باقی اگر بغیر اِقامت کے قضا پڑھ لی پھر بھی اَدا ہو جائے گی، اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ اُس کی نماز اَدا نہیں ہوئی۔

سن الأذان والإقامة سنة مؤكدة للفرائض ولو منفردًا أداء أو قضاءً، سفرًا أو حضرًا للرجال. (نور الإيضاح / باب الأذان ص: ٦٠ ثاقب بك ڈپو ديوبند)

ولو قضاء؛ لأنه سنة للصلاة الخ، قال في الدر: لأنه وقت القضاء وإن فات وقت الأداء لقوله عليه السلام: فليصلها إذا ذكرها فإن ذلك وقتها أي وقت قضائها، وهذا إذا لم يقضها في المسجد. (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الصلاة / باب الأذان ٤٩/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۴۸ / ۱۴۴۲/۲/۹ھ)

کیا مسجد میں ظہر عصر کے درمیان قضا نماز پڑھنے کے لئے اذان واقامت کہنی ہوگی؟

سوال (۱۶۱):- ایک شخص ظہر کی نماز کے بعد مسجد ہی میں اپنی قضا نماز پڑھنا چاہتا ہے تو کیا اس کو اذان واقامت کا حکم دیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- کوئی ضرورت نہیں ہے اس کو اذان واقامت کی، کیونکہ مسجد کی اذان واقامت سب نمازوں کے لئے کافی ہے۔

بخلاف مصل ولو بجماعة في بيته بمصر أو قربة لها مسجد، فلا يكره تركها، إذ أذان الحي يكفيه أو مصلٍ في مسجد بعد صلاة جماعة فيه؛ بل يكره فعلها (الدر المختار) لأن أذان المحلة وإقامتها كأذانه وإقامته؛ لأن المؤذن نائب أهل المصر كلهم، كما يشير إليه ابن مسعود حين صلى بعلقة والأسود بغير أذان وإقامة حيث قال: أذان الحي يكفينا. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الأذان ٦٣/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۳۷ / ۱۴۴۱/۱۱/۲۷ھ)

مکبر کہاں کھڑا ہو؟

سوال (۱۶۲):- جماعت کی نماز میں مکبر کہاں کھڑا ہوگا، اِمام کے دائیں یا بائیں یا بالکل پیچھے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- تکبیر کہنے والے شخص کے لئے اِمام کے بالکل پیچھے کھڑا ہونا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ دائیں بائیں؛ حتیٰ کہ پچھلی صف میں بھی کھڑے ہوکر تکبیر کہی جاسکتی ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۲/۲۸۲ دارالاشاعت دہلی، فتاویٰ محمودیہ ۵/۴۶۵ ڈابھیل)

ويقيم على الأرض، هٰكذا في القنية. وفي المسجد، هكذا في البحر الرائق. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الفصل الثاني في كلمات الأذان ۱/۵٦ زكريا)

ويسن الأذان في موضع عال والإقامة على الأرض. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب الأذان ۱/٤٤٣ دار الكتب العلمية بيروت وزكريا ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۶ / ۱۴۴۱/۹/۸ھ)

بے داڑھی والے شخص کی اَذان

سوال (۱۶۳):- ایک شخص پنج وقتہ نمازی ہے، عبادات کا شوقین ہے، اور دینی خدمت کا جذبہ رکھتا ہے، مگر وہ داڑھی منڈاتا ہے، اور مسجد میں اَذان بھی پڑھتا ہے، تو اُس کی اَذان درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مذکورہ شخص کی اَذان کراہت کے ساتھ درست ہوجائے گی؛ لیکن حسب تحریر سوال جب اُس شخص کو دینی خدمت اور عبادت کا شوق ہے تو اُسے چاہئے کہ داڑھی کا بھی اہتمام کرے؛ تاکہ ترک سنت کے گناہ سے محفوظ رہے اور اُس کی اَذان وغیرہ پر بھی کوئی اشکال نہ ہو۔

ويكره أذان الفاسق ولا يعاد. (الفتاوىٰ الهندية / كتاب الصلاة ۱/٥٤)

ویکره أذان ...... وفاسق ولو عالمًا ...... وجزم المصنف بعدم صحة أذان مجنون ومعتوه وصبي لا يعقل، قلت: وكافر وفاسق لعدم قبول قوله في الديانات. (الدر المختار) قوله: قلت: وكافر وفاسق، ذكر الفاسق هنا غير مناسب؛ لأن صاحب البحر جعل العقل والإسلام شرط صحة، والعدالة والذكورة والطهارة شرط كمال. وقال في البحر: فغذا في الفاسق والمرأة والجنب صحيح. ثم قال: وينبغي أن لا يصح أذان الفاسق بالنسبة إلى قبول خبره والاعتماد عليه، أي لأنه لا يقبل قوله في الأمور الدينية فلم يوجد الإعلام، كما ذكره الزيلعي. وحاصله أنه يصح أذان الفاسق وإن لم يحصل به الاعلام أي الاعتماد على قبول قوله في دخول الوقت ...... ثم اعلم أنه ذكر في الحاوي القدسي من سنن المؤذن: كونه رجلا عاقلا عالمًا بالسنن والأوقات، مواظبًا عليه محتسبًا. ثقة متطهرًا مستقبلا. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الأذان ٦١/٢-٦٢ زكريا)

وأما الأخذ منها وهي دون ذٰلک دون القبضة كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال، فلم يبحه أحد. (شامي، كتاب الصوم / مطلب في الأخذ من اللحية ٣٩٨/٣ زكريا، ٢١٨/٢ كراچی، فتح القدير، كتاب الصوم / باب ما يوجب القضاء والكفارة ٣٥٢/٢ زكريا، ٤١٨/٢ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۳۱/ ۱۴۴۱/۱۰/۲۱ھ)

○❖○

شرائطِ نماز

اِمام فرض نماز کی نیت کیسے کرے؟

سوال (۱۶۴):- اِمام فرض نماز کی نیت کیسے کرے گا؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- اِمام نیت باندھتے وقت یہ تصور کرے گا کہ میں فلاں وقت کی نماز کی اِمامت کر رہا ہوں؛ گویا کہ اپنی نماز کے ساتھ ساتھ اِمامت کی بھی نیت کرے گا؛ تاکہ اُسے اِمامت کا ثواب بھی مل جائے۔ اگر اِمام نے صرف فرض نماز کی نیت کی اور اِمامت کی نیت نہیں کی، تو جماعت تو درست ہوجائے گی؛ لیکن اِمام کو اِمامت کا ثواب نہیں ملے گا۔

وأما المقتدي فينوي الاقتداء أيضًا ولا يكفيه في صحة الاقتداء نية الفرض والتعيين أي تعيين الفرض؛ بل يحتاج في صحته إلى نيتين نية الصلاة مطلقًا إن تطوعًا ومعينةً إن غيره ونية المتابعة للامام. (حلبي كبير ص: ۲۵۱ لاهور)

ولا يحتاج الإمام في صحة الاقتداء بهٖ إلى نية الإمامة حتى لو شرع على نية الانفراد فاقتدى بهٖ يجوز. (حلبي كبير ص: ۲۵۱ لاهور)

وتصح الإمامة بدون نيتها ...... ولكن لا ثواب له على الإمامة. (الأشباه والنظائر، الفن الأول / القاعدة الأولىٰ ص: ۱۸ دار الكتب العلمية بيروت)

إلا أنّه لايكون مثابًا عليها لما تقدم أنه لا ثواب إلا بالنية. (غمز عيون البصائر ۶۲/۱ دار الكتب العلمية بيروت)

والإمام ينوي صلاته فقط، ولا يشترط لصحة الاقتداء نية إمامة المقتدي؛ بل لنيل الثواب عند اقتداء أحد به قبله، كما بحثه في الأشباه. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب شروط الصلاة ۱۰۳/۲-۱۰٤ زكريا)

نية الائتمام واجبة على المأموم دون الإمام إلا لصحة صلاة النساء خلفه أو لحصول الفضيلة. (غمز عيون البصائر، الفن الثالث: الجمع والفرق / ما افترق فيه الإمام والمأموم ۹۱/٤ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۳۰ / ۱۴۴۱/۱۰/۱۴ھ)

کیا زبان سے نیت کے الفاظ کہنا بدعت ہے؟

سوال (۱۶۵):- کیا نماز سے پہلے نیت کے الفاظ زبان سے اَدا کرنا بدعت ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اگر کوئی شخص زبان سے نیت کے اَلفاظ کہنے کو ضروری سمجھے، تو یہ بدعت ہوگا؛ لیکن اگر ضروری نہ سمجھے؛ بلکہ صرف اپنے دل کو مطمئن کرنے کے لئے زبان سے نیت کے اَلفاظ کہہ لے، تو اِس میں کوئی حرج نہیں، یہ بدعت نہیں ہے۔ اور بہرحال نیت کا تعلق دل کے اِرادے سے ہے، زبان سے اُس کا تلفظ ضروری نہیں ہے۔ (کتاب النوازل ۴۵۱/۳)

لا يشترط مع نية القلب التلفظ في جميع العبادات. (الأشباه والنظائر، الفن الأول / القاعدة الثانية: الأمور بمقاصدها، الأصل الثاني من التاسع ۱٦۳/۱ زكريا)

وفي القنية والمجتبى: ومن لا يقدر أن يحضر قلبه لينوي بقلبه أو يشک في النية يكفيه التكلم بلسانه؛ لأنه لا يكلف الله نفسًا إلا وسعها.

(الأشباه والنظائر، الفن الأول / القاعدة الثانية: الأمور بمقاصدها، التاسع بيان محلها ۱٥٦/۱ زكريا)

فالحاصل أن حضور النية بالقلب من غير احتياج إلى اللسان أفضل وأحسن، وحضورها بالتكلم باللسان إذا تعسر بدونه حسن، والاكتفاء

بمجرد التكلم من غير حضورها رخصةٌ عند الضرورة، وعدم القدرة علىٰ استحضارها. (حلبي كبير، شرائط الصلاة / الشرط السادس ٢٥٥ لاهور، الفتاویٰ السراجية، كتاب الصلاة / باب الدخول في الصلاة ٦١ دار العلوم زكريا أفريقية الجنوبية)

النية: بالإجماع، وهي الإرادة المرجحة لأحد المتساويين أي إرادة الصلاة للّٰه تعالىٰ على الخلوص لا مطلق العلم في الأصح، والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للإرادة فلا عبرة للذكر باللسان إن خالف القلب؛ لأنه كلام لا نية، إلا إذا عجز عن إحضاره لهموم إصابته فيكفيه اللسان، وهو أي عمل القلب أن يعلم عند الإرادة بداهة بلا تأمل أي صلاة يصلي والتلفظ عند الإرادة بها مستحبٌ هو المختار. وقيل: سنة، يعني أحبه السلف أو سنَّه علماؤنا إذ لم ينقل عن المصطفى ولا الصحابة ولا التابعين؛ بل قيل بدعة (الدر المختار) قوله: إذ لم ينقل الخ في الفتح عن بعض الحفاظ لم يثبت عنه صلى اللّٰه عليه وسلم من طريق صحيح ولا ضعيف أنه كان يقول عند الافتتاح: أصلي كذا. ولا عن أحد من الصحابة والتابعين، زاد في الحلية: ولاعن الأئمة الأربع؛ بل المنقول أنه صلى اللّٰه عليه وسلم كان إذا قام إلى الصلاة كبر. قوله: بل قيل بدعة، نقله في الفتح. وقال في الحلية: ولعل الأشبه أنه بدعة حسنة عند قصد جمع العزيمة؛ لأن الإنسان قد يغلب عليه تفرق خاطره، وقد استفاض ظهور العلم به في كثير من الأمصار في عامة الأعصار فلا جرم أنه ذهب في المبسوط والهداية والكافي إلى أنه إن فعله ليجمع عزيمة قلبه فحسن فيندفع ما قيل إنه يكره. (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الصلا ة / باب شروط الصلاة ٩٢/٢ زكريا، ٤١٤/١ كراچی، البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب شروط الصلاة ٤٨٤/١ زكريا، بدائع الصنائع، كتاب الصلاة / فصل في بيان شرائط الأركان ٥٨٧/١ دار الكتب العلمية بيروت)

وتشترط: أي النية، وهي الإرادة الجازمة لتتميز العبادة عن العادة، ويتحقق الإخلاص فيها لله سبحانه وتعالیٰ. (مراقي الفلاح) قال الطحطاوي: قوله: هي الإراد ة الجازمة: أي لغة؛ لأنها فسرت لغة بالعزم، والعزم هي الإرادة الجازمة القاطعة. وفي الشرع: قصد الطاعة والتقرب إلی الله تعالیٰ في إيجاد فعل، كما في التلويح. وهو يعم فعل الجوارح وفعل القلب سواء كان إيجادًا أو كفًا. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة / باب شروط الصلاة وأركانها ۲۱۵/۱ قديمی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲۱ / ۱۴۴۱/۹/۲۳ھ)

ناپاکی کے دنوں میں پہنے ہوئے کپڑوں میں نماز پڑھنا

سوال (۱۶۶):- عورت کے لئے ناپاکی کے دنوں میں پہنے ہوئے کپڑوں کو پاک ہونے کے بعد بغیر دھوئے پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- ناپاکی کے زمانے میں پہنے گئے کپڑوں پر اگر نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو، تو پاک ہونے کے بعد اُنہیں پہن کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ البتہ اگر اُن کپڑوں میں ناپاکی لگنے کا گمان ہو، تو پاک کئے بغیر نماز پڑھنا درست نہ ہوگا۔

عرق كل شيء معتبر بسؤره كذا في الهداية ......، سؤر الآدمي طاهر ويدخل في هذا الجنب والحائض والنفساء الخ، كذا في السراج الوهاج.

(الفتاویٰ الهندية، كتاب الطهارة / الفصل الثاني فيما لا يجوز به التوضؤ ۲۳/۱ قديم زكريا)

شروط الصلاة: وهي عندنا سبعة: الطهارة من الأحداث والطهارة من الأنجاس. تطهير النجاسة من بدن المصلي وثوبه، والمكان الذي يصلی عليه واجب، هكذا في الزاهدي في باب الأنجاس. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الطهارة / الباب الثالث في شروط الصلاة ۵۸/۱ زكريا، كذا في الدر المختار / كتاب الصلاة ۷۳/۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۱۵ / ۱۴۴۱/۹/۱۷ھ)

نماز شروع کرنے کے بعد نیت میں تبدیلی کا حکم

سوال (۱۶۷):- نماز شروع کرنے کے بعد نیت میں تبدیلی کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ مثلاً میں نے دو رکعت نفل کی نیت سے شروع کی، پھر خیال آیا کہ مجھے تو دو یا چار رکعت سنت پڑھنی تھی، تو اَب نیت بدلے گی یا نہیں؟ اور اگر بدلے گی تو کیسے بدلے گی؟ (یہ ایسا سوال ہے جو بکثرت لوگوں کو پیش آتا رہتا ہے)

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اِس سلسلے میں یہ سمجھنا چاہئے کہ جتنی بھی سنت نمازیں ہیں، شریعت میں وہ سب نفل کے درجہ میں آتی ہیں؛ گویا کہ نفل کے کئی درجات ہیں، کوئی سنت مؤکدہ ہے، کوئی غیر مؤکدہ، اور کوئی عام نفل ہے، اور اِس طرح کی تمام نمازیں مطلق نماز کی نیت سے صحیح ہوجاتی ہیں، لفظ سنت یا نفل کا خیال کرنا ضروری نہیں؛ لہٰذا اگر کسی شخص نے نفل کی نیت سے سنت شروع کردی، تو بھی اُس کی سنت اَدا ہوجائے گی۔ اِسی طرح اگر دو رکعت کی نیت کی اور چار پڑھنی تھیں، تو بھی کوئی بات نہیں، اِسی نیت سے چاروں درست ہوجائیں گی۔ اور یاد رکھنا چاہئے کہ نیت میں زبان سے کہنا اصل نہیں ہے؛ بلکہ دل کا ارادہ اصل ہے؛ لہٰذا اگر دل کے اِرادے سے نماز شروع کردی ہے (کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں/ یا پڑھ رہی ہوں) تو اُس سے سنت بھی اَدا ہوجائے گی اور نفل بھی۔

البتہ ایک اور سوال ہے کہ اگر کسی آدمی نے دو رکعت فرض کی نیت باندھی، پھر اُسے یاد آیا کہ اُسے تو چار رکعت پڑھنی تھی۔ مثلاً فرض کرو اُسے ظہر کی فرض نماز پڑھنی تھی، اور ظہر کی نماز میں اُس نے نیت کی کہ میں دو رکعت ظہر کی نماز پڑھ رہا ہوں/ یا پڑھ رہی ہوں، تو اِس بارے میں حضرات فقہاء نے لکھا ہے کہ وقتیہ فرض نماز پڑھنے کے لئے نیت کرتے وقت رکعات کی تعداد کو بیان کرنا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ صرف یہ سوچنا کافی ہے کہ ''میں ظہر کی نماز پڑھ رہا ہوں''؛ لہٰذا جب رکعات کی تعداد بیان کرنا ضروری ہی نہیں، تو اگر اُس میں کوئی غلطی ہوجائے، تو یہ غلطی مضر بھی نہیں ہے؛ بہرحال نماز درست ہوجائے گی۔ تاہم بہتر یہی ہے کہ پوری توجہ کے ساتھ نیت

کر کے نماز شروع کی جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۵/۵۰۶)

وكفى مطلق نية الصلاة وإن لم يقل لله لنفل وسنةٍ راتبةٍ وتراويح على المعتمد، إذ تعيينها بوقوعها وقت الشروع، والتعيين أحوط (الدر المختار) وقال العلامة ابن عابدين رحمه اللّٰه: قوله: "كفى" أي بأن يقصد الصلاة بلا قيد نفل أو سنة أو عدد. قوله: "لنفل" هٰذا بالاتفاق. قوله: "وسنة" ولو سنة فجر، حتىٰ لو تهجد بركعتين ثم تبين أنها بعد الفجر نابت عن السنة. وكذا لو صلى أربعًا ووقعت الأخريان بعد الفجر، وبهٖ يفتىٰ، خلاصة. قوله: "على المعتمد" أي من قولين مصححين، وإنما اعتمد هٰذا لما في البحر: من أنه ظاهر الرواية، وجعله في المحيط قول عامة المشائخ، ورجحه في الفتح ونسبه إلى المحققين، قوله: "أو يعينها" لأن السنة ما واظب عليها النبي صلى اللّٰه عليه وسلم في محل مخصوص، فإذا أوقعها المصلي فيه فقد فعل الفِعلَ المسمى سنة، والنبي صلى اللّٰه عليه وسلم لم يكن ينوي السنة؛ بل الصلاة للّٰه تعالىٰ. قوله: "والتعيين" أي بالنية أحوط: أي لاختلاف التصحيح. (رد المحتار مع الدر المختار / كتاب الصلاة ٢/٩٤ زكريا، شامي / تحقيق: علامة فرفور ٣/٦٣ دار الثقافة والتراث دمشق سورية)

قال الحصكفي رحمه اللّٰه تعالىٰ: دون تعيين عدد ركعاته لحصولها ضمنًا، فلا يضر الخطأ في عددها (الدر المختار) وفي الأشباه: الخطأ فيما لا يشترط له التعيين لا يضر، كتعيين مكان الصلاة وزمانها وعدد الركعات. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة / باب شروط الصلاة ٢/٩٧-٩٨ زكريا، شامي / تحقيق: علامة فرفور ٣/٧٠-٧١ دار الثقافة والتراث دمشق سورية، الموسوعة الفقهية ١٩/٤١ الكويت)

دون تعيين عدد ركعاته؛ لأنه لما نوى الظهر مثلاً، فقد نوى عدد الركعات، والخطأ في عددها لا يضر، حتى لو نوى الفجر أربعًا أو الظهر

ركعتين أو ثلاثًا جاز، وتلغو نية التعيين، كذا في الخانية. بخلاف المتنفل؛ فإن مطلق النية كاف فيه؛ لأنه أدنى أنواع الصلاة فينصرف مطلق النية إليه، ولو كان ذٰلک النفل التراويح أو السنن المؤكدة، فإن مطلق النية كافٍ فيهما أيضًا عند الجمهور؛ لأنها نوافل في الأصل. (درر الحكام في شرح غرر الأحكام، كتاب الصلاة / باب شروط الصلاة ٦٣/١ مير محمد كتب خانه آرام باغ كراچى) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۱ / ۱۴۴۱/۹/۳ھ)

جس جگہ سمت قبلہ ۶۷ ڈگری ہو وہاں ۶۵ ڈگری پر مسجد بنانا

سوال (۱۶۸):- ایک مسجد کی تعمیر کا مسئلہ ہے؛ لیکن اس قبلہ کا رخ ۶۷ ڈگری پر ہے؛ لیکن اس کی وجہ سے صفوں میں برابری نہیں آ رہی ہے تو کیا ہم ۶۵ ڈگری پر اس کی تعمیر کر سکتے ہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- ۶۷ کے بجائے ۶۵ ڈگری پر مسجد بنانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ بہت معمولی انحراف ہے، اِس کی وجہ سے نماز میں کوئی فرق نہیں آتا۔

ثم اعلم أنه ذكر في المعراج عن شيخه أن جهة الكعبة هي الجانب الذي إذا توجه إليه الإنسان يكون مسامتًا للكعبة أو هوائها تحقيقًا أو تقديرًا، ومعنى التحقيق أنه لو فرض خط من تلقاء وجهه على زاوية قائمة إلى الأفق يكون مارًا على الكعبة أو هوائها. ومعنى التقريب أن يكون منحرفًا عنها أو عن هوائها بما لا تزول به المقابلة بالكلية، بأن يبقى شيء من سطح الوجه مسامتا لها أو لهوائها ...... كذا قال النحرير التفتازاني في شرح الكشاف. فيعلم منه أنه لو انحرف عن العين انحرافًا لا تزول منه المقابلة بالكلية جاز، ويؤيده ما قال في الظهيرية: إذا تيامن أو تياسر تجوز؛ لأن وجه الإنسان

مقوس؛ لأن عند التيامن أو التياسر يكون أحد جوانبه إلى القبلة ...... فعلم أن الانحراف اليسر لا يضر، وهو الذي يبقى معه الوجه أو شيء من جوانبه مسامتًا للكعبة أو لهوائها ...... وعلى ما قررناه يحمل ما في الفتح والبحر عن الفتاوىٰ من أن الانحراف المفسد أن يجاوز المشارق إلى المغارب. (شامي، كتاب الصلاة / باب شروط الصلاة ۱۰۹/۲-۱۱۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۱۰ / ۱۴۴۱/۹/۱۲ھ)

۴۵؍ڈگری تک قبلہ سے انحراف کی گنجائش کی وجہ؟

سوال (۱۶۹):- مکہ سے باہر رہنے والے شخص کی قبلہ سے معمولی انحراف کے باوجود نماز ہوجاتی ہے، اور فقہاء کرام نے انحراف کی جو مقدار ۴۵؍ڈگری لکھی ہے، اُس کی کیا وجہ ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- دراصل قرآنِ پاک میں چہرہ کو قبلہ کی طرف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اِرشادِ خداوندی ہے: ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ اور اِنسانی چہرہ اپنے اندر گولائی لئے ہوتا ہے، پس اگر قبلہ سے تھوڑا بہت انحراف بھی ہو، تو پھر بھی چہرہ کا کوئی نہ کوئی جزء قبلہ کے مقابل رہے گا، جس کا اندازہ ۴۵؍ڈگری سے لگایا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ کوشش تو یہی کرنی چاہئے کہ قبلہ کے بالکل صحیح رخ پر نماز پڑھی جائے؛ لیکن اگر کچھ انحراف ہوجائے تو بھی نماز درست ہوجاتی ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۳۱۳/۲ دارالاشاعت دہلی، کتاب المسائل ۲۸۳/۱)

فيعلم منه أنه لو انحرف عن العين انحرافًا لا تزول منه المقابلة بالكلية جاز، ويؤيده ما قال في الظهيرية: إذا تيامن أو تياسر تجوز؛ لأن وجه الإنسان مقوس، لأن عند التيامن أو التياسر يكون أحد جوانبه إلى القبلة. (شامي، كتاب الصلاة / باب شروط الصلاة، مبحث في استقبال القبلة ۱۰۹/۲ زكريا، ۴۲۸/۱ كراچی)

قوله: ولغيره إصابة جهتها أي لغير المكي، فرضه إصابة جهتها وهو

الـجـانـب الـذي إذا تـوجـه إليه الشخص يكون مسامتًا للكعبة أو لهوائها، أما تـحـقيـقًـا بـمـعنى أنه لو فرض خط من تلقاء وجهه على زاوية قائمة إلى الأفق يـكـون مـارًا على الكعبة أو هوائها، وأما تقريبًا بمعنى أن يكون ذلک منحرفًا عـن الـكـعبة أو هـوائهـا انـحرافًا لا تزول به المقابلة بالكلية بأن بقي شيء من سـطـح الوجه مسامتًا لها؛ لأن المقابلة إذا وقعت في مسافة بعيدة لا تزول بما تـزول بـه مـن الانـحراف لو كانت في مسافة قريبة، ويتفاوت ذلک بحسب تفاوت البعد، وتبقى المسامتة مع انتقال مناسب لذلک البعد، فلو فرض مثلا خـط من تلقاء وجه المستقبل للكعبة على التحقيق في بعض البلاد وخط آخر يـقطعه على روايتين قائمتين من جانب يمين المستقبل وشماله لا تزول تلک الـمـقـابـلة بـالانتـقال إلى اليمين والشمال على ذلک الخط بفراسخ كثيرة، ولهذا وضع العلماء قبلة بلد وبلدين وبلاد على سمت واحدٍ. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب شروط الصلاة ۱/۲۸٤-۲۸۵ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۹ / ۱۱/۹/۱۴۴۱ھ)

❍❖❍

فرائض وواجبات

کیا ۱۳ر سالہ بچے پر نماز فرض ہے؟

سوال (۱۷۰):- ایک لڑکا جس کی عمر ۱۳ر سال کی ہے، اور گھر والے یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ بالغ ہو چکا ہے، تو اُس لڑکے پر نمازیں فرض ہوں گی یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اگر واقعۃً وہ بالغ ہو چکا ہے، یعنی علاماتِ بلوغ میں سے کوئی علامت اُس میں پائی جارہی ہے، مثلاً اُسے غسل کی حاجت ہونے لگی ہے وغیرہ، تو ظاہر ہے کہ وہ بالغ سمجھا جائے گا، اور اُس پر نمازیں فرض ہوں گی؛ اِس لئے کہ ۱۲ر سال کے بعد بچہ بالغ ہوسکتا ہے؛ البتہ اگر کوئی علامت نہ پائی جائے تو ۱۵ر سال کی عمر سے پہلے اُسے بالغ نہیں مانا جائے گا۔

والسن الذي يحكم ببلوغ الغلام والجارية، إذا انتهيا خمس عشرة سنة عند أبي يوسف ومحمد والشافعي، وهو رواية عن أبي حنيفة، وعليه الفتوىٰ. وعن أبي حنيفة في الغلام تسع عشرة سنة، وقيل: المراد أن يطعن في التاسع عشرة ويتم له ثمانية عشر، ولهٰذا إذا لم يوجد علامات البلوغ نحو الاحتلام والإحبال والإنزال في الغلام، والاحتلام والحبل في الجارية.

وأدنىٰ السن يمكن أن يبلغ فيه الغلام اثنتا عشرة سنة، وفي حق الجارية تسع سنين. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الحجر / الفصل الثاني في بيان أنواع الحجر علىٰ مذهبهما ١٦/ ٢٨٠-٢٨١ رقم: ٢٤٩١١-٢٤٩١٢ زكريا)

الوجوب يتعلق عندنا بآخر الوقت مقدار التحريمة حتى أن الكافر إذا أسلم والصبي إذا بلغ. (الفتاویٰ الهندية / كتاب الصلاة ۱/۲۲۵ مكتبة الاتحاد ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۳۵ / ۱۳/۱۱/۱۴۴۱ھ)

ٹرین کی سیٹ پر بیٹھے ہوئے فرض نماز پڑھنا

سوال (۱۷۱):- ٹرین پر سیٹ پر بیٹھے ہوئے فرض نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- جو آدمی کھڑے ہونے پر قادر ہے اُس کے لئے ٹرین میں بیٹھ کر نماز اَدا کرنا صحیح نہیں ہے، اِس سے فرض نماز اَدا نہیں ہوتی ہے۔ بعض لوگ اِس میں بڑی کوتاہی کرتے ہیں، ہاں اگر کوئی معذور شخص ہے اور اُس کے لئے کھڑا ہونا مشکل ہے، تو وہ بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے، اور اگر قیام پر قادر شخص قبلہ رو ہوکر سنتیں وغیرہ بیٹھ کر پڑھے گا تو نماز درست ہوجائے گی۔ (فتاویٰ محمودیہ ۵/۵۵۵ ڈابھیل)

ولو صلى الفريضة قاعدًا مع القدرة على القيام لا تجوز صلاته. (حلبي كبير ص: ۲٦۱ لاهور)

ومنها: القيام في فرض وملحق به، كنذر وسنة فجر في الأصح لقادر عليه. (الدر المختار) فلو عجز حقيقة وهو ظاهر أو حكمًا كما لو حصل له به ألم شديد أو خاف زيادة المرض فإنه يسقط. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ۲/۱۳۲ زكريا)

فعلم منه أن العذر إن كان من قبل الله تعالىٰ لا تجب الإعادة وإن كان من قبل العبد وجبت الإعادة. (البحر الرائق / باب التيمم ۱/۲٤۹ دار الكتب العلمية بيروت)

ويتنفل مع قدرته على القيام قاعدًا أي على أي حالة كانت، وفيه أجر غير النبي صلى الله عليه وسلم على النصف إلابعذر (الدر المختار) أما النبي صلى الله عليه وسلم فمن خصائصه أن نافلته قاعدًا مع القدرة على القيام كنافلته قائمًا، ففي صحيح مسلم عن عبد الله بن عمرو قلت: حدثت يا

رسول اللّٰہ أنک قلت: صلاة الرجل قاعدًا علی نصف الصلاة، وأنت تصلي قاعدًا، قال: أجل، ولکني لست کأحد منکم، أي لأنہ تشریع لبیان الجواز، وهو واجب علیه. أما مع العذر فلا ینقص ثوابه عن ثوابه قائمًا لحدیث البخاري في الجهاد: إذا مرض العبد أو سافر کتب له مثل کان یعمل مقیمًا صحیحًا، فتح. وحکی في النهایة الإجماع علیه. (رد المحتار، کتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ۲/۴۸٤ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۴۷ / ۱۴۴۲/۲/۲ھ)

گدے پر مصلیٰ بچھا کر نماز پڑھنا

سوال(۱۷۲):- گدے کے اُوپر مصلیٰ بچھا کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامدًا ومصلیًا أما بعد :- مسئولہ صورت میں اگر گدا بھاری ہے اور پیشانی اُس میں ٹک نہیں پا رہی ہے، تو اُس پر نماز صحیح نہیں ہوگی، اور اگر گدا ہلکا ہے اور اُس پر پیشانی ٹک جائے تو نماز درست ہو جائے گی۔

وأن یجد حجم الأرض والناس عنه غافلون (الدر المختار) تفسیره أن الساجد لو بالغ لا یتسفّل رأسه أبلغ من ذلک، فصح علی طنفسة وحصیر وحنطة وشعیر وسریر وعجلة إن کانت علی الأرض، لا علی ظهر حیوان کبساط مشدود بین أشجار، ولا علیٰ أرز أو ذرة إلا في جوالق أو ثلج إن لم یُلبّده، وکان یغیب فیه وجهه ولا یجد حجمه، أو حشیش إلا إن وجد حجمه، ومن هنا یعلم الجواز علی الطراحة القطن، فإن وجد الحجم جاز وإلا فلا، بحر. قوله: والناس عنه غافلون، أي عن اشتراط وجود الحجم في السجود علی نحو الکور والطراحة. (رد المحتار، کتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ۲/۲۰٦، کذا في البحر الرائق، کتاب الصلاة /باب صفة الصلاة ۲/۵۵۸ دار الکتب العلمیة بیروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲٦ / ۱۴۴۱/۹/۲۸ھ)

نماز میں مسنون قرأت کا تعلق صرف فرائض سے ہے

سوال (۱۷۳):- نماز میں قرأت کے متعلق جو تفصیل ہے کہ فجر اور ظہر میں طوالِ مفصل (سورۂ حجرات تا سورۂ بروج) عصر اور عشاء میں اَوساطِ مفصل (سورۂ طارق تا سورۂ لم یکن) اور مغرب میں قصارِ مفصل (سورۂ زلزال تا سورۂ ناس) تو یہ صرف فرض کے لئے ہے یا سنتوں اور نفلوں کے لئے بھی ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- یہ ترتیب صرف فرائض میں مسنون ہے۔ اور سنن ونوافل میں اختیار ہے، جتنا چاہیں اور جہاں سے چاہیں قرآنِ کریم پڑھ سکتے ہیں، اُن میں کوئی پابندی نہیں ہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: ما صليت وراء أحد أشبه صلاة برسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم من فلان. قال سليمان: كان يطيل الركعتين الأوليين من الظهر، ويخفف الأخريين، ويخفف العصر، ويقرأ في المغرب بقصار المفصل، ويقرأ في العشاء بوسط المفصل، ويقرأ في الصبح بطوال المفصل. (سنن النسائي، كتاب الافتتاح / تخفيف القيام والقراءة رقم: ۹۸۲)

ويسن في الحضر لإمام ومنفرد ذكره الحلبي والناس عنه غافلون. طوال المفصل من الحجرات إلى آخر البروج في الفجر والظهر، ومنها إلى آخر "لم يكن" أوساطه في العصر والعشاء، وباقيه قصاره في المغرب أي في كل ركعة سورة، فما ذكر ذكره الحلبي. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ۲/ ۲٦۰-۲٦۱ زكريا، حلبي كبير ص: ۳۱۰ سهيل اكيڈمی لاهور)

ولا يكره في النفل شيء من ذلك (الدر المختار) بأن النفل لا تساع بابه نزلت كل ركعة منه فعلاً مستقلاً، فيكون كما لو قرأ إنسان سورة ثم سكت ثم قرأ ما فوقها، فلا كراهة فيه. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب آخر صفة الصلاة ۲/ ۲۷۰ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۲٦ / ۲۸/ ۹/ ۱۴۴۱ھ)

فرض کی آخری ۲؍رکعت میں قرأت کا حکم؟

سوال (۱۷۴):- ۴؍رکعت والی نماز میں اَخیر کی ۲؍رکعتوں میں اِمام کے پیچھے مقتدی قرأت نہیں کرتا؛ لیکن اگر ہم یہی نماز تنہا پڑھیں تو کیا اخیر کی ۲؍رکعتوں میں قرأت کی جائے گی؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- ۴؍رکعت والی فرض نماز کی آخری ۲؍رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھی جائے گی، اِن رکعتوں میں سورت ملانے کا حکم نہیں ہے؛ لہٰذا تنہا نماز پڑھنے والا شخص بھی اخیر کی دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھے گا، سورت نہیں ملائے گا؛ لیکن سنن ونوافل کی ہر رکعت میں فاتحہ کے ساتھ ضم سورت واجب ہے۔

فصل في واجب الصلاة وهو ثمانية عشر شيئًا: قراء ة الفاتحة، وضم سورة أو ثلاث آيات في ركعتين غير متعينتين من الفرض، وفي جميع ركعات الوتر والنفل وتعيين القراء ة في الأوليين (نور الإيضاح) ويجب تعيين القراء ة في الأوليين من الفرض لمواظبة النبي صلى الله عليه وسلم على القراء ة فيهما.

(مراقي الفلاح مع نور الإيضاح / فصل في واجب الصلاة ص: ۹۰-۹۲ دار الكتب العلمية بيروت)

ضم سورة إلى الفاتحة في جميع ركعات النفل والوتر والأوليين من الفرض. (الفقه على المذاهب الأربعة ۲۵/۱ دار إحياء التراث العربي بيروت)

وفي أظهر الروايات لا يجب سجود السهو؛ لأن القراء ة فيهما مشروعة من غير تقدير، والاقتصار على الفاتحة مسنون لا واجب. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ۱۵۰/۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲۱ / ۱۴۴۱/۹/۲۳ھ)

فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں ضم سورت کا حکم

سوال (۱۷۵):- فرض کی تیسری یا چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت ملالی، تو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت ملانے کا حکم نہیں ہے؛ لیکن اگر کسی نے ملالی تو اِس سے نماز فاسد نہیں ہوگی اور نہ سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

إن قرأ الفاتحة في الأخريين مرتين أو ضم فيها سورة ...... لا سهو عليه.

(حلبي كبير ص: ٤٦٠ لاهور)

واكتفى المفترض فيما بعد الأوليين بالفاتحة فإنها سنة على الظاهر، ولو زاد لا بأس به، وهو مخير بين قراءة الفاتحة وتسبيح ثلاثًا وسكوت قدرها على المذهب لثبوت التخيير عن علي وابن مسعود رضي الله عنهما (الدر المختار) فالقراءة أفضل بالنظر إلى التسبيح. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ٢٢١/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۳۰ / ۱۴۴۱/۱۰/۱۴ھ)

فرض اور سنت میں فاتحہ اور ضم سورت کا مسئلہ

سوال (۱۷۶):- فرض نماز میں سورۂ فاتحہ ہر رکعت میں پڑھنا کیسا ہے؟ سورت ملانے کا کیا حکم ہے؟ اور سنت نماز کا کیا مسئلہ ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- فرض کی ابتدائی دو رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا مستقل واجب ہے، اور ساتھ میں سورت ملانا بھی واجب ہے۔ اور سورت ملانے کا مطلب یہ ہے کہ تین آیت یا اُس کے بقدر قرآنِ کریم سورۂ فاتحہ کے بعد پڑھنا، یہ دونوں الگ الگ واجب ہیں؛ لیکن مجموعی طور پر فرض ہیں۔ اور فرض نمازوں کی اخیر کی رکعات میں سورۂ فاتحہ پڑھنا مسنون ہے، اور اُن میں ضم سورت کا حکم نہیں ہے (لیکن اگر کوئی شخص پڑھ لے تو اُس سے نماز فاسد نہیں ہوتی) اور سنت یا واجب نمازوں میں ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور ضم سورت دونوں واجب ہیں، اُنہیں ترک نہیں کیا جائے گا۔

منها: تعيين قراءة الفاتحة؛ فإن قراءتها واجبةٌ عندنا. ومنها: ضم السورة، أو ما يقوم مقامها من الآيات التي تعدل سورة إليها أي إلى الفاتحة. (حلبي كبير ص: ٩٥-٩٦ لاهور)

ويجب تعيين القراءة الواجبة في الأوليين من الفرض لمواظبة النبي صلى الله عليه وسلم على القراءة فيهما. (مراقي الفلاح ص: ١٣٥، ٩٢ دار الكتب العلمية بيروت)

لها واجبات: وهي قراءة فاتحة الكتاب وضم سورة في الأوليين من الفرض، وهل يكره في الأخريين؟ المختار: لا. وجميع ركعات النفل وكل الوتر وتعيين القراءة في الأوليين من الفرض على المذهب. قوله: من الفرض: أي الرباعي أو الثلاثي، وكذا في جميع الفرض الثنائي كالفجر الجمعية، ومقصورة السفر، قوله: لا: أي لا يكره تحريمًا؛ بل تنزيهًا؛ لأنه خلاف السنة. (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ١٤٦/٢-١٥١ زكريا)

وتجب قراءة الفاتحة وضم السورة أو ما يقوم مقامها من ثلاث آيات قصار أو آية طويلة في الأوليين بعد الفاتحة. (الفتاویٰ الهندية ١٧/٢ جديد زكريا)

وفيها واجبات: كقراءة الفاتحة وضم السورة إليها. (فتح القدير ٢٨٢/١ مكتبة الاتحاد ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۳۶/ ۱۴۴۱/۱۱/۲۰ھ)

بڑی آیت کو۲ رکعت میں پڑھنا

سوال (۱۷۷):- بڑی آیت کا کچھ حصہ ایک رکعت میں پڑھتا ہے، اور بقیہ حصہ دوسری رکعت میں پڑھتا ہے، تو نماز صحیح ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں نماز تو صحیح ہوجائے گی، مثلاً: آیت الکرسی کا نصف حصہ ایک رکعت میں اور مابقیہ دوسری رکعت میں پڑھا، تو

نماز درست ہوجائے گی؛ تاہم اولیٰ یہی ہے کہ کم اَز کم ۳؍آیتیں یا ایک مکمل طویل آیت ہر رکعت میں پڑھی جائے۔

وتجب قراءة الفاتحة وضم السورة أو ما يقوم مقامها من ثلاث آيات قصار أو آية طويلة في الأوليين بعد الفاتحة، كذا في النهر الفائق. (الفتاویٰ الهندية، الباب الرابع / الفصل الثاني في واجبات الصلاة ۷۱/۱ زكريا)

وإذا أراد أن يقرأ آية طويلة مثل آية المداينة أو ثلاث آيات اختلفوا فيه، والصحيح أنه قراءة ثلاث آيات أولىٰ إذا بلغت الآيات مقدار أقصر سورة من القرآن، كذا في التاتارخانية ...... وإذا جمع بين آيتين بينهما آيات أو آية واحدة في ركعة واحدةٍ أو في ركعتين فهو علىٰ ما ذكرنا في السور، كذا في المحيط، هذا كله في الفرائض، وأما في السنن فلا يكره، هٰكذا في المحيط.

(الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الفصل الرابع في القراءة ۷۸/۱ زكريا)

وإذا قرأ آية طويلة في الركعتين نحو آية الكرسي وآية المداينة البعض في ركعة والبعض في أخرىٰ عامتهم أنه يجوز، كذا في المحيط، وهو الأصح، كذا في الكافي ومنية المصلي. (الفتاویٰ الهندية، الباب الرابع / الفصل الأول في فرائض الصلاة ۶۹/۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۲۷ / ۱۴۴۱/۹/۲۹ھ)

نماز میں ﴿كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْمَلُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾ پڑھ دیا

سوال (۱۷۸):- ایک شخص نے نماز میں ﴿كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾ کے بجائے ''يعملون ما تفعلون'' پڑھ دیا، تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں نماز درست ہوجائے گی، اور یہ توجیہہ کی جائے گی کہ ''يعملون'' سے عمل کتابت مراد ہے، پس معنی یہ ہوں گے کہ: ''وہ فرشتے مخلوق کے اعمال لکھتے ہیں''۔ اِس توجیہہ کے اعتبار سے نماز فاسد نہ ہوگی۔

ومنها ذكر كلمة مكان كلمةٍ علىٰ وجه البدل إن كانت الكلمة التي قرأها مكان كلمة يقرب معناها، وهي في القرآن لا تفسد صلاته. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري ۸۰/۱ زكريا، حلبي كبير، كتاب الصلاة / زلة القاري ٤٨٨ لاهور، شامي، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب: مسائل زلة القاري ۳۹٦/۲ زكريا، ٦٣٣/١ كراچی)

أن لا تخرج الكلمة بحرفِ البدل من ألفاظ القرآن، ومعناه: أن هذه الكلمة مع حرف البدل توجد في القرآن ...... ففي هٰذا الوجه لا تفسد صلاته.

(الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل الثاني في فرائض الصلاة وواجباتها وسننها وآدابها، مسائل زلة القاري ۸۱/۲-۸۲ رقم: ۱۸۰۹ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۳۰ / ۱۴۴۱/۱۰/۱۴ھ)

’’ض‘‘ کی اَدائیگی کا صحیح طریقہ

سوال (۱۷۹):- ایک صاحب کہتے ہیں کہ ’’ض‘‘ کو دال کے مخرج سے پڑھنا چاہئے، اور فتاویٰ رشیدیہ کا حوالہ دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اِمام کعبہ بھی ’’دال‘‘ کے مخرج سے پڑھتے ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ ’’ض‘‘ کو ’’د‘‘ کے مخرج سے پڑھنا ہے یا ’’ظ‘‘ کے مخرج سے یا ’’ذ‘‘ کی طرح؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- ’’ض‘‘ ایک مستقل حرف ہے، جس کا الگ مخرج ہے، جو اُسے دیگر حروف سے ممتاز کرتا ہے؛ تاہم اِس کے قریب قریب بعض حروف اور ہیں، جیسے: ’’ظ-ز-ذ‘‘، تو جو لوگ فن تجوید سے مناسبت رکھتے ہیں، وہ تو اِن حروف میں بآسانی فرق کرلیتے ہیں؛ لیکن جو عوام الناس ہیں، اُن کے لئے تفریق دشوار ہوتی ہے؛ لہٰذا جو شخص کوشش کے باوجود حرف ’’ض‘‘ کو اُس کے اصل مخرج سے نہ نکال سکے، تو اُس کے لئے اکابر نے یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ ’’د‘‘ کو پُر کرکے پڑھ لے، تو اُس کا مخرج ’’ض‘‘ کے قریب قریب ہوجائے گا۔ اِس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ ’’ض‘‘ کو بعینہٖ ’’د‘‘ سے بدل دیا جائے، جیسا کہ

بعض لوگ پروپیگنڈہ کرتے ہیں؛ بلکہ یہ صرف ناواقف اور لاعلم عوام کے لئے ایک قریبی تدبیر بتائی گئی ہے، ورنہ اصل حکم تو یہی ہے کہ ہر مسلمان کو فن تجوید کی رعایت رکھتے ہوئے تمام حروف کو اُن کے اصل مخارج سے اَدا کرتے ہوئے تلاوتِ قرآنِ پاک کا اہتمام کرنا چاہئے۔ (اِمداد الفتاویٰ جدید مطول حاشیہ ۲/۲۶ زکریا)

وإن ذكر حرفًا مكان حرفٍ وغير المعنى، فإن أمكن الفصل بين الحرفين من غير مشقة كالطاء مع الصاد فقرأ: الطالحات مكان ﴿الصّٰلِحٰتِ﴾ تفسد صلاته عند الكل، وإن كان لا يمكن الفصل بين الحرفين إلا بمشقة كالظاء مع الضاد والصاد مع السين، والطاء مع التاء. واختلف المشايخ فيه، قال أكثرهم: لا تفسد صلاته، ولو قرأ الدالين بالدال تفسد صلاته. (فتاویٰ قاضي خان، كتاب الصلاة / فصل في القراءة في القرآن ۱/۱۲۹-۱۳۱ دار الكتب العلمية بيروت)

في الجزرية: والضاد من حافته إذ وَلِيَ الأضراس من أيسر أو يمناها.

(المقدمة الجزرية مع المنح الفكرية ص: ۱۲ مكتبة أرك بازار قندهار)

لو قرأ غير المغظوب عليهم بالظاء أو بالذال تفسد صلاته. (قاضي قان على الهندية / فصل في الأحكام المتعلقة بالقراءة ۱/۹۰ زكريا)

منهم من يجعلها أي الضاد ظاء، هذا ليس بعجيب لثبوت التشاب وعسر التمييز بينهما؛ فإنه يشارك الظاء في صفاتها كلها، ويزيد عليها بالاستطالة فلو لا اختلاف المخرجين والاستطالة في الضاد لكانت ظاء. (جهد المقل ص: ۱۱۰ مكتبة الصديق ڈابھیل، امداد الفتاویٰ جدید مطول حاشیة ۲/۳۰-۳۱ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۱۱ / ۱۴۴۱/۹/۱۳ھ)

نیند کے غلبے سے رکوع یا سجدہ چھوٹ گیا

سوال (۱۸۰):- نماز باجماعت کے دوران نیند کے غلبہ کی وجہ سے مقتدی کا رکوع

یا سجدہ چھوٹ جائے، تو اُسے کیا کرنا چاہئے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مذکورہ شخص لاحق کے درجے میں ہے، اُس کے لئے حکم یہ ہے کہ جب وہ نیند سے متنبہ ہو، تو پہلے اپنا چھوٹا ہوا رکوع اور سجدہ کرے، پھر اِمام کے ساتھ شامل ہو۔

اللاحق: وهو الذي أدرك أولها، وفاته الباقي لنوم أو حدث أو بقي قائمًا للزحام. ...... كأنه خلف الإمام لا يقرأ ولا يسجد للسهو، كذا في الوجيز لكردري ...... وإذا كبر مع الإمام ثم نام حتى صلى الإمام ركعة ثم انتبه فإنه يصلي الركعة الأولى، وإن كان الإمام يصلي الركعة الثانية، هكذا في الذخيرة. ولو لم يشتغل بقضاء ما سبقه الإمام ولكن يتابع الإمام أولا ثم قضاء ما سبقه الإمام بعد تسليم الإمام جازت صلاته عندنا، كذا في شرح الطحاوي.

(الفتاویٰ الهندية / الفصل السابع في المسبوق واللاحق ۹۲/۱ زكريا)

ويبدأ بقضاء ما فاته عكس المسبوق ثم يتابع إمامه إن أمكنه وإدراكه، وإلا تابعه ثم صلى ما نام فيه بلا قراءة، ثم ما سبق به بها إن كان مسبوقًا أيضًا، ولو عكس صح، وأثم لترك الترتيب. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب الإمامة، مطلب: فيما لو أتى بالركوع والسجود أو بهما مع الإمام أو قبله أو بعده ۳٤٥/۲ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۲۰ / ۱۴۴۱/۹/۲۲ھ)

ایک رکعت میں صرف ایک ہی سجدہ کیا اور اخیر میں سجدۂ سہو کرلیا

سوال (۱۸۱):- ایک رکعت میں ایک ہی سجدہ کیا، اور آخر میں سجدۂ سہو بھی کرلیا، تو نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- ہر رکعت میں دو سجدے کرنا فرض ہے، اور دونوں کو ایک ساتھ کرنا واجب ہے؛ لہٰذا جس رکعت میں دو کے بجائے ایک سجدہ کیا

ہے، اَب سلام پھیرنے سے پہلے پہلے وہ چھوٹا ہوا سجدہ اَدا کرنا ضروری ہے، اوراخیر میں سجدۂ سہو بھی واجب ہے؛ اِس لئے کہ واجب میں تاخیر ہوئی ہے۔ پس اگر مسئولہ صورت میں چھوٹا ہوا سجدہ کرنے کے بعد سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کی ہے، تو نماز درست ہوجائے گی۔ اور اگر چھوٹا ہوا سجدہ اَدا کئے بغیر سجدۂ سہو کیا ہے، تو نماز درست نہ ہوگی؛ بلکہ واجب الاعادہ ہوگی۔

السجود الثاني فرض كالأول بإجماع الأمة. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الأول ۷۰/۱ زكريا، مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / باب شروط الصلاة وأركانها ۸٦ دار الكتب العلمية بيروت)

إن المتروك ثلاثة أنواعٍ: فرض وسنة وواجب، ففي الأول إن أمكنه التدارك بالقضاء يقضي، وإلا فسدت صلاته. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الثاني عشر في سجود السهو ۱۲٦/۱ زكريا، الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل السابع عشر في سجود السهو ۳۸۷/۲ رقم: ۲۷٥۱ زكريا، طحطاوي على الد رالمختار، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ۳۱۰/۱ مكتبة الاتحاد ديوبند)

والمراد من السجود والسجدتان، فأصله ثابت بالكتاب والسنة والإجماع، وكونه مثنى في كل ركعة بالسنة والإجماع. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ٥۱۱/۱ دار الكتب العلمية بيروت وزكريا ديوبند)

ورعاية الترتيب فيما يتكرر في كل ركعة كالسجدة (تنوير الأبصار) قوله: كالسجدة، إذ لم يتكرر في الركعة سواها. والمراد بها السجدة الثانية من كل ركعة، فالترتيب بينها وبين ما بعدها واجبٌ. قال في شرح المنية: حتى لو ترك سجدة من ركعةٍ ثم تذكرها فيما بعدها من قيام أو ركوع أو سجودٍ فإنه يقضيها، ولا يقضي ما فعله قبل قضائها مما هو بعد ركعتها من قيامٍ أو ركوع أو سجودٍ؛ بل يلزمه سجود السهو فقط. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ۱٥٤/۲ زكريا، الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الثاني عشر في سجود السهو ۱۲۷/۱ زكريا)

مـراعاة الترتيب فيما شرع مكررًا من الأفعال في الصلاة وهو السجدة الثـانية، والأدق أن يـقـال: رعاية الترتيب بين القراء ة والركوع، وفيما يتكرر فـي كـل ركـعة، فيـأتي بالسجدة الثانية قبل الانتقال لغيرها من أفعال الصلاة، بـدليـل الـمواظبة منه صلى الله عليه وسلم على مراعاة الترتيب. ومعنى كون الترتيـب فيما يتكرر في كل ركعة واجبًا. أن الصلاة بعد إعادة ما قدمه لا تفسد بتـرك التـرتيب صورة، الحاصل بزيادة ما قدمه، فلو نسي سجدة من الركعة الأولـى قـضـاهـا، ولـو بـعد القعود الأخير، أو بعد السلام قبل الكلام. ثم يعيد التشهد والقعود ويسجد للسهو بعد التسليمة الأولى ثم يتشهد. (الفقه الإسلامي وأدلته للزحيلي، كتاب الصلاة / واجبات الصلاة ٦٢٥/١-٦٢٦ دار الفكر بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۳۱ / ۱۴۴۱/۱۰/۲۱ھ)

۴؍رکعت سنت میں قعدۂ اولیٰ بھول گئے

ســوال (۱۸۲):- ہم نے سنت کی نیت سے ۴؍رکعات نماز شروع کی؛ لیکن دوسری رکعت میں قعدہ کرنا بھول گئے، بعد میں یاد آنے پر سجدۂ سہو کرلیا؟

الـجـواب حامـدًا ومـصـليًا أما بعد :- مسئولہ صورت میں آپ کی اخیر کی صرف ۲؍رکعت نماز درست ہوئی، اور قعدہ چھوٹنے کی وجہ سے پہلی ۲؍رکعت کالعدم ہوگئیں۔

ويـجب القعود الأول مقدار قراء ة التشهد بأسرع ما يكون بلا فرق في ذٰلک بيـن الـفـرائـض والـواجبـات والـنـوافـل استحسانًا عندهما وهو ظاهر الـرواية و الأصـح، وقـال مـحمدؒ وزفرؒ والشافعيؒ: هو فرض في النوافل، وهو القياس. (حاشية الطحطاوي / فصل في بيان واجب الصلاة ص: ١٣٦ قديمى كتب خانه كراچى، شـامـي، كتـاب الـصـلاة / باب صفة الصلاة ١٥٨/٢ زكريا، بدائع الصنائع، كتاب الصلاة / فصل في صلاة التطوع ٢٨٢/١ دار الكتب العلمية بيروت)

أو صلى أربعًا فأكثر ولم يقعد بينهما استحسانًا (الدر المختار) **والقياس فساد الشفع الأول كما هو قول محمد، بناءً على أن كل شفع صلاة فتكون القعدة فيه فرضًا.** (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ٤٨٣/٢ زكريا، كذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار ٤٣٦/٢ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۲۸ / ۱۴۴۱/۹/۳۰ھ)

جس کو التحیات یاد نہ ہو وہ کیا پڑھے؟

سوال (۱۸۳):- اگر کسی کو التحیات بالکل یاد نہ ہو یا تھوڑی بہت یاد ہو، تو وہ نماز کیسے پڑھے گا؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- جس شخص کو پوری التحیات یاد نہ ہو، وہ جس قدر یاد ہے اُتنی پڑھ لے، اور بہرحال قعدے میں اتنی دیر بیٹھے جتنے میں پوری التحیات پڑھی جاسکتی ہے، یہ بیٹھنا فرض ہے، اور آئندہ سیکھنے کا عمل جاری رکھے۔ (مستفاد: فتویٰ دارالعلوم دیوبند۲۳۹۴=۱۳۹۰-۱۴۳۲/۱۱)

وقدر الفرض في القعدة هو القعود مقدار أدنى قراءة التشهد وهو أسرع ما يكون مع تصحيح الألفاظ لقوله عليه السلام: إذا قلت هذا أو فعلت هذا، فقد تمت صلاتك، علق الاتمام بأحد الشيئين، إما قوله التحيات إلى عبده ورسوله، وإما القعود مقدار ذلك القول. (حلبي كبير، فرائض الصلاة / السادس القعدة الأخيرة ص: ٢٩٠ لاهور)

والقعود الأخير قدر التشهد وهي فرض بإجماع العلماء ...... قوله: قدر التشهد بيان لقدر الفرض منها وهو الأصح للعلم بأن شرعيتها لقراءته. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ٥١٣/١ دار الكتب العلمية بيروت وزكريا ديوبند، كذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ١٣٦/٢ زكريا)

وتـجب القعدة الأولى قدر التشهد إذا رفع رأسه من السجدة الثانية في الـركـعة الثـانية فـي ذوات الأربـع والثـلاث هـو الأصح، هٰكذا في الظهيرية. ويـجـب التشهـد فـي الـقـعـدة الأخيرة، وكذا في القعدة الأولى وهو الأصح، هٰكذا في السراج الوهاج، وهو الأصح، كذا في المحيط السرخسي. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الفصل الثاني في واجبات الصلاة ۷۱/۱ قديم زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۶ / ۱۴۴۱/۹/۸ھ)

اِمام کا ایک بار آہستہ اور دوسری بار زور سے سلام پھیرنا

ســــوال (۱۸۴):- گھر میں نماز پڑھاتے ہوئے آہستہ سے سلام پھیر دیا، پھر یاد آنے پر زور سے سلام پھیرا، تو اِس نماز کا کیا حکم ہے؟

الـجـواب حـامـدًا ومـصـليًا أمـا بعد :- جب اُس نے پہلی مرتبہ آہستہ سے سلام پھیر دیا تو وہ خود تو نماز سے باہر ہوگیا؛ لیکن مقتدی ابھی نماز ہی میں ہیں، جب اُس نے دوسری مرتبہ زور سے سلام پھیرا تو اَب مقتدیوں نے بھی سلام پھیرا، تو اِس وقت مقتدیوں کی نماز ختم ہوئی ہے، اور بظاہر اس میں مقتدیوں کی نماز فاسد نہیں ہوگی؛ کیوں کہ مقتدیوں کے سارے اَرکان پورے ہوچکے ہیں، اور اِمام کے بالکل ساتھ سلام پھیرنا مقتدیوں پر لازم نہیں ہے؛ بلکہ بعد میں بھی سلام پھیریں تب بھی اُن کی نماز درست ہوجاتی ہے، اِس لئے مسئولہ صورت میں اِمام اور مقتدی سب کی نماز صحیح ہوگئی۔

ثـم يسـلـم عـن يـمينه ويساره مع الإمام، ولا يخرج المؤتم بنحو سلام الإمـام الخ، كالتحريمة مع الإمام، وقالا: الأفضل فيهما بعده. (الدر المختار) قـولـه: ولا يـخـرج الـمـؤتـم أي عن حرمة الصلاة فعليه أن يسلم. قوله: بنحو سـلام الإمـام أي مـمـا هـو متمم لها لا مفسد؛ فإنه لو سلم بعد القعدة أو تكلم انتهت صلاته ولم تفسد. (رد المحتار / كتاب الصلاة ۲۳۸/۲ زكريا)

مستفاد: يستحب للمسافر الإمام أن يقول عقب التسليمتين: أتموا صلاتكم؛ فإني مسافر، لدفع التوهم أنه سها، ولئلا يشتبه على الجاهل عدد ركعات الصلاة، فيظن أن الرباعية ركعتان، وذكر الحنفية أنه ينبغي أن يقول ذلك قبل شروعه في الصلاة وإلا فبعد سلامه. (الفقه الإسلامي وأدلته / المبحث الثالث: صلاة المسافر ٣٣٦/٢ دار الفكر بيروت)

وسن جهر إمام تكبير وتسميع وتسليمة أولىٰ ليقتدي به المأموم بخلاف التسليمة الثانية الخ. (مطالب أولى النهى في شرح غاية المنتهى، كتاب الصلاة / فصل ثم يقول مصل ...... الله أكبر ٤٢٠/١ للشيخ مصطفى السيوطي الرحيباني) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۳۰ / ۱۴۴۱/۱۰/۱۴ھ)

نماز میں شیطانی وساوس؟

سوال (۱۸۵):- مجھ کو نماز میں شیطان پریشان کرتا ہے، وہم ہوتا ہے، شیطان وسوسہ ڈالتا ہے اس وہم اور شیطانی وسوسوں سے بچنے کی کوئی دعا بتائیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- آپ کثرت سے ''سورۂ ناس'' اور ''اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم'' کا ورد رکھیں، اور جی لگا کر نماز پڑھیں تو یہ پریشانی اللہ تعالیٰ دور فرمادیں گے۔ اِن شاءاللہ تعالیٰ۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ. مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ. وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ. وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِيْ الْعُقَدِ. وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ. [سورة الفلق]

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ. مَلِكِ النَّاسِ. اِلٰهِ النَّاسِ. مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ. الَّذِیْ يُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ. مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ. [سورة الناس]

عن زيد بن خالد الجهني رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من توضأ فأحسن وضوئه ثم صلى ركعتين لا يسهو فيهما غفر له ما

تقدم من ذنبه. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / باب كراهية الوسوسة في الصلاة رقم: ٩٠٥)

قال العيني رحمه الله: قوله لا يسهو الخ: زعم من أن يكون السهو في الأركان أو الأقوال أو الأفعال، والسهو لا يكون إلا من اشتغال القلب بأمور الدنيا، فإذا انقطع عن تعلقات الدنيا، وتوجه بكلتيه إلى الله، غفر له ما تقدم من ذنبه ما خلا الكبائر وحقوق العباد. (شرح أبي داؤد للعيني ١٢٧/٤ مكتبة الرشد رياض)

عن أبي العلاء أن عثمان بن أبي العاص رضي الله عنه أتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله! إن الشيطان قد حال بيني وبين صلاتي وقرائتي يلبسها عليّ. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ذاك شيطان يقال له: خِنزَبٌ، فإذا أحسسته فتعوذ بالله منه، واتفِل على يسارك ثلاثًا. قال: ففعلت ذلك، فأذهبه الله عني. (صحيح مسلم، كتاب السلام / باب التعوذ من شيطان الوسوسة في الصلاة رقم: ٢٢٠٣)

عن عقبة بن عامر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن الناس لم يتعوذوا بمثل هذين: ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ و ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ وفي رواية عنه مرفوعًا قال: ما سأل سائل بمثلها ولا استعاذ مستعيذ بمثلها. وفي رواية عنه قال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: اقرأ بهما كلما نمت وكلما قمت. وفي رواية عنه قال: أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أقرأ بالمعوذات في دبر كل صلاة. (تفسير ابن كثير مكمل ص: ١٤٧٤ دار السلام رياض) *فقط واللہ تعالیٰ اعلم*

(دینی رہنمائی: ۷ / ۱۴۴۱/۹/۹ھ)

قضانمازیں

کیا قرآن وحدیث میں قضانمازوں کا حکم ہے؟

سوال (۱۸۶):- کیا قرآنِ پاک یا اَحادیث شریفہ میں قضانمازوں کا حکم موجود ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- اگرکسی کی نماز فوت ہوجائے تو اُس کو بعد میں قضا کرنا ضروری ہے۔ اِس کی کئی دلیلیں ہیں:

(۱) اول یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز چھوڑنے پر سخت وعیدیں اِرشاد فرمائی ہیں، یہاں تک فرمایا کہ: اِسلام اور کفر کے درمیان امتیاز نماز چھوڑنے سے ہوتا ہے۔ اِس طرح کی اَحادیث سے نماز کی فرضیت اور اُس کی اَدائیگی کا ضروری ہونا مطلقاً معلوم ہوتا ہے۔

(۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ صحیح روایات میں وارد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سفر میں فجر کی نماز چھوٹ گئی، جب آنکھ کھلی تو سورج نکل چکا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اُس جگہ سے کوچ کرنے کا حکم فرمایا، اور وہاں سے دور جاکر نماز فجر باجماعت قضا اَدا فرمائی، اُس کے بعد صحابہ کرام کو تسلی دیتے ہوئے اِرشاد فرمایا کہ: ''**من نسي صلاة فليصلها إذا ذكرها**'' (یعنی جو شخص کسی وجہ سے نماز کو بھول جائے تو یاد آنے پر اُسے اَدا کرے) اِس سے صاف معلوم ہوا کہ وقت نکلنے کے بعد چھوٹی ہوئی نماز قضا کرنی ضروری ہے۔

(۳) تیسری دلیل یہ ہے کہ غزوۂ اَحزاب کے موقع پر خندق کھودنے یا جنگ کی شدت کی وجہ سے مسلسل کئی نمازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم وقت پر اَدا نہ فرما سکے، جن کی آپ نے بعد میں قضا فرمائی۔ اِس سے بھی اُمت کو یہ رہنمائی ملی کہ جو نمازیں چھوٹ جائیں؛ خواہ عمداً ہوں یا

سہواً، بہرحال اُن کی قضا کی جائے گی، یہی اَحناف کا مذہب ہے، اوراسی پرفتویٰ ہے۔

(۴) چوتھی قیاسی دلیل یہ ہے کہ تمام اَئمہ کے نزدیک اگر کوئی آدمی رمضان المبارک کا روزہ عمداً یا سہواً چھوڑ دے، تو بعد میں بہرحال اُس کی قضا لازم ہوتی ہے۔تو جس طرح رمضان کا روزہ فرض ہے اِسی طرح نماز بھی ایک فریضہ ہے، تو جب روزے کی قضا ہے تو نماز کی بھی قضا ہونی چاہئے، یہ بات بالکل واضح ہے، جس سے قضاءِ عمری کی تائید ہوتی ہے۔

اس لئے ہمارے جن بھائی بہنوں کے ذمے نمازیں قضا ہیں، اُنہیں حساب لگا کر اَدائیگی کا اہتمام کرنا چاہئے۔

عن عبد الله بن بريدة عن أبيه رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: العهد الذي بيننا وبينهم الصلاة، فمن تركها فقد كفر. (سنن الترمذي، أبواب الإيمان عن رسول الله صلى الله عليه وسلم / باب ما جاء في ترك الصلاة رقم: ٢٦٢١، المسند لإمام أحمد بن حنبل ٣٨/٢٠ رقم: ٢٢٩٣٧)

عن جابر رضي الله عنه يقول: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إن بين الرجل وبين الشرك والكفر ترك الصلاة. (صحيح مسلم، كتاب الإيمان / باب بيان اطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة رقم: ٨٢ بيت الأفكار الدولية)

قال الإمام النووي: وتأوّلوا قوله صلى الله عليه وسلم بين العبد وبين الكفر ترك الصلاة، على معنى أنه يستحق بترك الصلاة عقوبة الكافر، وهي القتل، أو أنه محمول على المستحل، أو على أنه قد يؤول به إلى الكفر، أو أن فعله فعل الكفار، والله أعلم. (المنهاج شرح النووي على مسلم ص: ١٤٤ بيت الأفكار الدولية)

قال الشيخ الكنكوهي: قد تكلفوا في توجيهه مع أنه مستغن عنه، فالمراد أن فرق ما بين الكفر والإيمان ترك الصلاة، فمن ترك الصلاة دخل في الكفر ومن لم يتركها كان مؤمنًا (الكوكب الدري) وحاصل ما أفاد الشيخ أن

تـرک الـصلاة من علامات الكفر كما أن فعلها من علامات الإيمان فهو الفارق بين آثارها. (تعليقات الشيخ على الكوكب) قوله: تركه كفر غير الصلاة، أي مستحلاً أو كالكفر (الكوكب الدري) أي في شدة القبح أو علامة الكفر كما تـقدم، أو نوع من أنواع الكفر فإن الكفر والإيمان كليان مشككان كما تقدم في محله. (الكوكب الدري مع تعليقات الشيخ محمد زكريا الكاندهلوي ۳۵۱/۳ ندوة العلماء لكناؤ)، ۲۰٦/٦ رقم: ۲٦۱۸ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي مظفرفور أعظم جراه)

عـن عبـد الـلّٰـه بـن شـقيق العقيلي قال: كان أصحاب محمد صلى اللّٰه عليه وسلم لا يرون شيئًا من الأعمال تركه كفر غير الصلاة. (سنن الترمذي، أبواب الإيمان / باب ما جاء في ترك الصلاة رقم: ۲٦۲۲)

عـن أبـي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم حين قـفل من غزوة خيبر فسار ليلةً حتى إذا أدركنا الكرى عرّس وقال لبلال: أكُلأْ لـنـا الـليلَ. قال: فغلبت بلالاً عيناه وهو مستند إلى راحلته، فلم يستيقظ النبي صـلـى الـلّٰـه عـليـه وسـلـم ولا بلال ولا أحد من أصحابـه، حتى إذا ضربتهم الشمس، فكان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أولهم استيقاظًا، ففزع رسول الـلّٰـه صـلـى الـلّٰـه عـليـه وسـلـم فـقال: يا بلال؟ فقال: أخذ بنفسي الذي أخذ بنفسک بأبي أنت وأمي يا رسول اللّٰه! فاقتادوا رواحلهم شيئًا. ثم توضأ النبي صـلـى الـلّٰـه عـليه وسلم وأمر بلالاً فأقام لهم الصلاة وصلى بهم الصبح. فلما قضى الصلا ة قـال: مـن نسـي صـلاة فليصلها إذا ذكرها، فإن اللّٰه تعالىٰ قال: ﴿اَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِیْ﴾ (سـنـن أبـي داؤد، كتاب الصلاة / باب في من نام عن صلاة أو نسيها ص: ۹۵ رقم: ٤۳۵ دار الفكر بيروت)

عـن أبي عبيدة بن عبد اللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه عنه قال: قال عبد اللّٰه:

إن الـمشـركيـن شغلوا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن أربع صلوات يوم الـخـنـدق حتـى ذهـب مـن الـليـل ما شاء اللّٰه، فأمر بلالاً فأذن، ثم أقام فصلى الـظهـر، ثـم أقام فصلى العصر، ثم أقام فصلى المغرب، ثم أقام فصلى العشاء.

(سنن الترمذي، أبواب الصلاة / باب ما جاء في الرجل تفوته الصلوات بأيتهن يبدأ رقم: ۱۷۹)

عـن ابـن عبـاس رضـي اللّٰه تعالىٰ عنهما قال: جاء رجل إلى النبي صلى الـلّٰـه عـليه وسلم فقال: يا رسول اللّٰه! إن أمي ماتت وعليها صوم شهر أفأقضيه عنها؟ قال: نعم! قال: فدين اللّٰه أحق أن يقضى. (صحيح البخاري، كتاب الصوم / باب من مات وعليه صوم ص: ٤٦٢ رقم: ۱۹۵۳ دار الفكر بيروت)

قـلـت: استـدل الـمـوجبـون للقضاء على العامد بدلالة هذا النص ...... فـقـول ابـن تيمية: والمنازعون ليس لهم حجة قط، وكذلک قول الشوكاني فإني لم أقف مع البحث الشديد للموجبين للقضاء على العامد على دليل ينفق فـي سـوق الـمـنـاظرة، ويصلح للتعويل عليه، ناش عن الغفلة، فإن الاستدلال بدلالة عند الموجبين كالاستدلال بعبارة النص ...... على أن هٰهنا أمرين:

أحـدهـمـا:– ثبـوت الإثـم عـلـى تركـ الصلاة عامدًا، فتركـ الصلاة عامدًا معصية، والمعصية صغيرة كانت أو كبيرة ترتفع بالتوبة.

والثـانـي:– شغل الذمة بوجوب الفعل، فإن الفعل إذا وجب على العبد لا يسقط عنه إلا بالأداء أوالقضاء، ولا يفرغ ذمته إلا بأحدهما، فعند المحققين من عـامة الـحـنفية وغيرهم يجب القضاء بالسبب الذي يجب به الأداء، وهو النص الموجب للأداء، فحينئذٍ لا يحتاجون إلى دليل مستقل على وجوب القضاء.

وفـراغ من عليه الحق عن الحق إما بالأداء ولم يوجد، وإما بالعجز ولم يـوجـد، فإنه قادر على أصل العبادة وإن عجز عن إدراكـ فضيلة الوقت، وإما

بإسقاط صاحب الحق وهو لم يوجد، لا صراحة – كما هو الظاهر – ولا دلالة، فإنه لم يحدث إلا خروج الوقت، وهو لا يصلح مسقطًا؛ بل يقرر ما على ذي الحق من العهدة. ولما لم يوجد فراغ الذمة كان الواجب مطلوبًا من الشارع، فيجب الإتيان به لأجل براءة الذمة من الواجب. فلو لم يصح اتيان القضاء من العامد لكان طلب الشارع طلبًا للمحال، فقول المانعين: إنه لا يسقط لإثم عنه، فلا فائدة في إتيان القضاء فيكون عبثًا، خلط بين الأمرين وغلط منهم، فإنا نسلم أيضًا أن إتيان القضاء لا يسقط عنه الإثم، ولكن نقول: إن سقوط الإثم عنه منوط بالتوبة، وسقوط الواجب عن الذمة منوط باتيان القضاء، فلا يكون إتيان القضاء عبثًا. (بذل المجهود في حل سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / باب: فيمن نام عن صلاة أو نسيها ١٢٧/٣ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي، وكذا في نور الأنوار ص: ١٣٣ مكتبة البشرىٰ كراچی)

قوله صلى اللّٰه عليه وسلم: من نسي صلاة فليصلها إذا ذكرها، فيه وجوب قضاء الفريضة الفائتة، سواء تركها بعذر كنوم ونسيان أو بغير عذر ، وإنما قيد في الحديث بالنسيان لخروجه على سبب؛ لأنه إذا وجب القضاء على المعذور فغيره أولى بالوجوب وهو من باب التنبيه بالأدنى على الأعلى. (شرح النووي على مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة / باب قضاء الصلاة الفائتة الخ ص: ٤٧٨ تحت رقم: ٦٨٠ بيت الأفكار الدولية) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۹ / ۱۴۴۱/۹/۱۱ھ)

قضاءعمری کا طریقہ اور عصر و فجر کے بعد نماز کا حکم

سوال (۱۸۷):- قضاءعمری پڑھنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ کیوں کہ اگر ہر فرض نماز کے بعد پڑھی جائے، تو فجر اور عصر کے بعد کس طرح پڑھیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- فقہاءِ کرام نے قضائے عمری کا آسان طریقہ یہ لکھا ہے کہ جب نماز پڑھے تو یہ نیت کرے کہ میں چھوٹی ہوئی نمازوں میں سے پہلی یا آخری نماز اَدا کررہا ہوں، مثلاً فجر پڑھنے کا اِرادہ ہے، تو دل میں یہ نیت کرے کہ میرے اُوپر جو پہلی یا آخری فجر قضا ہے؛ وہ اَدا کرنے جارہا ہوں۔ تو اندازاً جتنے دنوں کی نمازیں قضا ہیں اُن کی رفتہ رفتہ اَدائیگی کرلے، اور مکروہ اَوقات کے علاوہ سبھی وقتوں میں قضا نماز پڑھی جاسکتی ہے۔

اور فجر کے بعد سورج نکلنے تک اور عصر کے بعد سورج میں زردی آنے سے پہلے تک قضا نماز پڑھنے کی گنجائش ہے؛ لیکن آدمی کو اپنی قضا نمازیں اِن اَوقات میں مسجد میں نہیں پڑھنی چاہئیں؛ بلکہ گھر میں اَدا کرنی چاہئیں؛ تاکہ کسی کو چہ می گوئی کا موقع نہ ملے، اور اپنا راز بھی پوشیدہ رہے۔

كثرة الفوائت نوى أول الظهر عليه أو آخره. (الدر المختار) **قوله: كثرة الفوائت الخ، مثاله: لو فاته صلاة الخميس والجمعة والسبت فإذا قضاها لا بد من التعيين؛ لأن فجر الخميس مثلا غير فجر الجمعة، فإذا أراد تسهيل الأمر يقول: أول فجر مثلا فإنه إذا صلاه يصير ما يليه أولًا، أو يقول: آخر فجر، فإن ما قبله يصير آخرًا، ولا يضره عكس الترتيب لسقوطه بكثرة الفوائت.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة / باب قضاء الفوائت ۵۳۸/۲ زكريا، ۷۶/۲ كراچی، الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل العشرون في قضاء الفائتة ۴۵۴/۲ رقم: ۲۹۶۸،

وإذا كثرت الفوائت يحتاج لتعيين كل صلاة يقضيها لتزاحم الفروض والأوقات كقوله: أصلي ظهر الإثنين ثامن عشر جمادي الثانية سنة أربع وخمسين وألف، وهذا فيه كلفة، فإذا أراد تسهيل الأمر عليه نوى أول ظهر عليه أدرك وقته ولم يصله، فإذا نواه كذلك فيما يصليه يصير أولا فيصح بمثل ذلك، وهكذا أو إن شاء أخره، فيقول: صلى آخر ظهر أدركته ولم أصله بعد فإذا فعل كذلك فيما يليه يصير آخر بالنظر لما قبله فيحصل التعيين. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة / باب قضاء الفوائت ص: ۴۴۶ دار الكتاب ديوبند)

یـكـره أن يتنفل بعد الفجر حتى تطلع الشمس وبعد العصر حتى تغرب ...... ولا بـأس بـأن يـصلي في هذين الوقتين الفوائت. (الهـداية، كتـاب الصلاة / باب الـمـواقيـت، فـصل في الأوقات التي تكره فيها الصلاة ٨٦/١ المكتبة الأشرفية ديوبند، مجمع الأنهر / كتاب الصلاة ١١٠/١ مكتبة فقيه الأمة ديوبند)

قوله: لا يكره قضاء فائتة أي إلى قبيل التغير كما في القهستاني. (حاشية الطحطاوي على الدر ص: ١٨١ مكتبة الاتحاد ديوبند)

وجـميـع أوقـات العمر وقت القضاء إلا الثلاثة المنهية (الدر المختار) وهي الطلوع والاستواء والغروب. (الدر المختار مع الشامي ٥٢٤/٢ زكريا)

وعـن التـنـفـل أي منع عن التنفل بعد صلاة الفجر والعصر لا عن قضاء فائتة. (البحر الرائق / كتاب الصلاة ٢٥١/١)

تـسـعة أوقـات يـكـره فيهـا النوافل، وما في معناها إلا الفرائض، فيجوز فيها قضاء الفائتة ......، منها ما بعد طلوع الفجر قبل صلاة الفجر ...... ومنها ما بـعـد صلاة الفجر قبل طلوع الشمس، هٰكذا في النهاية والكفاية ...... ومنها ما بـعـد صـلاة العصر قبل التغير، هٰكذا في النهاية والكفاية. (الـفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الأول في المواقيت، الفصل الثالث ٥٢/١-٥٣)

ويـنـبـغـي أن لا يـطلع غيره على قضائه؛ لأن التاخير معصية فلا يظهرها (الـدر الـمـختـار) قال الشامي: تقدم في باب الأذان أنه يكره قضاء الفائتة في الـمسـجـد. وعلله الشارح بما هنا من أن التاخير معصية فلا يظهرها، وظاهره أن الـمـمـنـوع هو القضاء مع الإطلاع عليه، سواء كان في المسجد أو غيره. قـلـت: والظاهر أنه ينبغي الوجوب وأن الكراهة تحريمية؛ لأن إظهار المعصية مـعصية لحديث الصحيحين: كل أمتي معافىً إلا المجاهرين، وأن من الجهار

أن يعمل الرجل بالليل عملاً ثم يصبح وقد ستره الله فيقول: عملت البارحة كذا و كذا، وقد بات يستره ربه ويصبح يكشف ستر الله عنه، والله تعالیٰ أعلم. (شامي / آخر باب قضاء الفوائت ۲/ ۵۳۹ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۱۲ / ۱۴/ ۹/ ۱۴۴۱ھ)

ترتیب اور صاحبِ ترتیب کی تعریف

سوال (۱۸۸):- ترتیب کسے کہتے ہیں؟ اور صاحبِ ترتیب کون ہوتا ہے؟ اِس کی وضاحت کی جائے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- شریعت میں صاحبِ ترتیب وہ شخص ہے کہ جس کی بالغ ہونے کے بعد سے کوئی نماز قضا نہ ہوئی ہو، یا اگر قضا ہوئی ہو تو اُس نے اَدا کر لی ہو؛ گویا اُس کے ذمہ میں کوئی قضا نماز باقی نہ ہو، وہ صاحبِ ترتیب ہے۔ اور صاحبِ ترتیب کا حکم یہ ہے کہ اگر اُس کی کوئی نماز قضا ہو جائے تو اُس کی اگلی نماز اُس وقت تک درست نہیں ہوگی جب تک کہ پہلے قضا شدہ نماز اَدا نہ کرلے، اور بھی اِس سلسلے کے کچھ مسائل ہیں جو تفصیلی کتابوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

وإن فاتته صلوات رتبها لزومًا في القضاء كما وجبت عليه في الأصل: أي قبل الفوات، وهذا حيث كانت الفوائت قليلة دون ست صلوات، وأما إذا صارت ستًا فأكثر فلا يلزمه الترتيب؛ لما فيه من الحرج، ولذا قال: (إلا أن تزيد الفوائت على ست صلوات) وكذا لو كانت ستًا، والمعتبر خروج وقت السادسة في الصحيح، إمداد فيسقط الترتيب فيها: أي بينها، كما سقط فيما بينها وبين الوقتية، ولا يعود الترتيب بعودها إلى القلة على المختار، كما في التصحيح. (اللباب في شرح الكتاب ۱/ ۸۷ المكتبة العلمية بيروت)

وصيرورتها ستا أي ويسقط الترتيب بصيرورة الفوائت ست صلوات.

(البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب قضاء الفوائت ۱٤۹/۲)

وقيد بقضاء البعض؛ لأنه لو قضى الكل عاد الترتيب عند الكل. (شامي، كتاب الصلاة / باب قضاء الفوائت ۵۲۹/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۴۹ / ۱۴۴۲/۲/۱۶ھ)

صاحبِ ترتیب کو وقتیہ اَدا کرنے کے بعد فوت شدہ نماز یاد آئی؟

سوال (۱۸۹):- ایک صاحبِ ترتیب نے ایک وقتیہ نماز باجماعت اَدا کرلی، بعد میں اُس کو فوت شدہ نماز یاد آئی، تو اُس فوت شدہ نماز کا اِعادہ کرے گا یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- جی ہاں! اُسے فوت شدہ نما اِعادہ کرنا ہوگا، اور جو اُس نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھی ہے وہ نفل ہوجائے گی۔

ولو صلى السادسة قبل الاشتغال بالقضاء صح الخمس عنده. وقال شمس الأئمة السرخسي: وهٰذه التي يقال لها واحدة تفسد خمسًا وواحدة تصح خمسًا، وإلا بأن لم تصر ستًا لا تظهر صحتها؛ بل تصير نفلاً أي بأن قضى الفائتة قبل خروج وقت الخامسة. (الفتاویٰ التارتاخانية / كتاب الصلاة ٤٥۰/۲ زكريا)

لم يثبت عنه عليه السلام تقديم صلاة على ما قبلها أداءً ولا قضاءً، ففي الصحيحين عن جابر أنه عليه السلام صلى العصر يعني يوم الخندق بعد ما غربت الشمس ثم صل المغرب بعدها ...... عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من نسي صلاة فلم يذكرها إلا وهو مع الإمام فليتم صلاته، فإذا فرغ من صلاته فليعد التي نسي ثم ليعد التي صلاها مع الإمام. (حلبي كبير، كتاب الصلاة / فصل في قضاء الفوائت ۵۲۹)

قال في المراقي: والفساد موقوف فإن صلى خمسًا متذكرًا لفائتة وقضاها قبل خروج وقت الخامسة بطل وصف ما صلاه قبلها وصار نفلاً، وإن

لم يقضها حتى خرج وقت الخامسة صحت، وارتفع فسادها. وفي الطحطاوى: لصيرورة الفائت ستًا بضميمة المتروكة أولا. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ۱۸۰، شامي ۵۲۴/۲، مجمع الأنهر ۱۱۵/۱، حاشية الطحطاوي على المراقي ۳۲۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۴۷ / ۱۴۴۲/۲/۲ھ)

شب قدر میں قضا نمازیں پڑھنا

سوال (۱۹۰):- شب قدر میں ترتیب کے ساتھ قضا نمازیں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور جب قضا کریں گے تو سنت مؤکدہ اور وتر بھی پڑھی جائیں گی یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- شب قدر میں قضا نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اور قضا صرف پانچوں نمازوں اور وتر کی ہوتی ہے، سنن ونوافل کی قضا کا حکم نہیں ہے۔

عن أنس بن مالک رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من نسي صلاة فليصل إذا ذكرها، لا كفارة لها إلا ذٰلک، وأقم الصلاة لذكري.

(صحيح البخاري، كتاب مواقيت الصلاة / باب من نسي صلاةً فليصل إذا ذكرها ۸۴/۱ رقم: ۵۹۷)

قال المؤلف: دلالته علىٰ وجوب القضاء ظاهرة، حيث دلَّ لفظ الأمر عليه. (إعلاء السنن ۱۴۱/۷ دار الكتب العلمية بيروت)

وقد قالوا: إنما تقضي الصلوات الخمس والوتر على قول أبي حنيفة، وصلاة العيد إذا فاتت مع الناس على تفصيل يأتي في بابها، وسنة الفجر تبعًا للفرض قبل الزوال والقضاء فرض في الفرض، واجب في الواجبة، سنة في السنة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب قضاء الفوائت ۱۴۱/۲ زكريا، الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت ۱۲۱/۱ زكريا)

وقضاء الفرض والواجب والسنة فرض، وواجب وسنة لف ونشر

مـرتـب، وجميع أوقات العمر وقت القضاء إلا الثلاثة المنهية (الدر المختار) قـولـه: وقـت لـلـقـضـاء أي لصحته فيها، وإن كان القضاء على الفور إلا لعذر. قـولـه: إلا الثلاثة المنهية، وهي الطلوع والاستواء والغروب. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب قضاء الفوائت ٥٢٤/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۲۴ / ۱۴۴۱/۹/۲۶ھ)

کل گذشتہ کی عصر آج اَدا کرنا

سوال (۱۹۱):- گذشتہ کل عصر کی قضا نماز آج عصر کے بعد اَدا کر سکتے ہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- عصر کے بعد کوئی بھی قضا نماز سورج کے پیلا ہونے سے پہلے پہلے پڑھی جا سکتی ہے، لیکن اگر آدمی صاحب ترتیب ہے تو اس کے مسائل الگ ہیں، اس کی تفصیل بتائی جائے تو اُس کا حکم واضح ہوگا۔

تسعة أوقات يكره فيها النوافل وما في معناها لا الفرائض فيجوز فيها الفوائت الخ، ومنها ما بعد صلاة العصر قبل التغير، هٰكذا في النهاية والكفاية. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الفصل الثالث ٥٢/١-٥٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۴۷ / ۱۴۴۲/۲/۲ھ)

زندگی میں نماز کا فدیہ دینا

سوال (۱۹۲):- میری چند نمازیں بیماری کی وجہ سے قضا ہوگئی ہیں، تو اُن کا فدیہ کیا ہوگا؟ کیا زندگی میں نماز کا فدیہ اَدا کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- زندگی میں نماز کا فدیہ معتبر نہیں ہے؛ لہٰذا آپ کو چاہئے کہ جیسے جیسے موقع ملتا رہے اپنی چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا کرتے رہیں۔ اور جو نمازیں رہ جائیں اُن کے متعلق وفات کے بعد فدیہ اَدا کرنے کی وصیت کریں۔

ولـو فدي عن صلاته في مرضه لا يصح (الدر المختار) في التاتارخانية

عن التتمة: سئل الحسن بن علي عن الفدية عن الصلاة في مرض الموت هل تجوز؟ فقال: لا. وسئل أبويوسف عن الشيخ الفاني هل تجب عليه الفدية عن الصلوات كما تجب عليه عن الصوم وهو حي؟ فقال: لا. وفي القنية: ولا فدية في الصلاة حالة الحياة بخلاف الصوم. أقول: ووجه ذلک أن النص إنما ورد في الشيخ الفاني أنه يفطر ويفدي في حياته ...... ومقتضاه أن غير الشيخ ليس له أن يفدي عن صومه في حياته لعدم النص، ومثله الصلاة. ولعل وجهه أنه مطالب بالقضا إذا قدر. ولا فدية عليه إلا بتحقيق العجز عنه بالموت فيوصی بها، بخلاف الشيخ الفاني فإنه تحقق عجزه قبل الموت عن أداء الصوم وقضائه فيفدي في حياته، ولا يتحقق عجزه عن الصلاة؛ لأنه يصلي بما قدر ولو مؤميًا برأسه، فإن عجز عن ذٰلک سقطت عنه إذا كثرت ولا يلزمه قضاؤها إذا قدر. (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الصلاة / باب قضاء الفوائت ۵۳۵/۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۳۳ / ۱۴۴۱/۱۰/۲۸ھ)

○❖○

سجدۂ سہو کے مسائل

سجدۂ سہو کا صحیح طریقہ

سوال (۱۹۳):- سجدۂ سہو کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- راجح قول کے مطابق سجدۂ سہو کا طریقہ یہ ہے کہ آخری قعدے میں التحیات پڑھنے کے بعد اوّلاً صرف دائیں طرف سلام پھیریں، پھر دو سجدے کریں، اُس کے بعد قعدے میں بیٹھ کر دوبارہ التحیات پڑھیں، بعد ازاں درود شریف اور دعائے ماثورہ پڑھ کر دونوں طرف سلام پھیر دیں۔

يجب بعد سلام واحد عن يمينه فقط سجدتان ويجب أيضًا تشهد وسلام. قوله واحد: هٰذا قول الجمهور، منهم شيخ الإسلام وفخر الإسلام، وقال في الكافي: إنه الصواب، وعليه الجمهور، وإليه أشار في الأصل. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ٢/٥٤٠ زكريا)

ومحله بعد السلام، سواء كانت من زيادة أو نقصان ولو سجد قبل السلام أجزأه عندنا، هٰكذا رواية الأصول، ويأتي بتسليمتين هو الصحيح، كذا في الهداية. والصواب أن يسلم تسليمة واحدة وعليه الجمهور، وإليه أشار في الأصل، كذا في الكافي. ويسلم عن يمين كذا في الزاهدي. وكيفيته أن يكبر بعد سلامه الأول ويخر ساجدًا ويسبح في سجوده ثم يفعل ثانيًا كذلک، ثم يتشهد ثانيًا ثم يسلم، كذا في المحيط. ويأتي بالصلاة على النبي

صلى الله عليه وسلم والدعاء في قعدة السهو هو الصحيح، وقيل: يأتي بهما في القعدة الأولى، كذا في التبيين، والأحوط أن يصل في القعدتين، كذا في فتاوىٰ قاضي خان. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الثاني عشر في سجود السهو ۱۲۵/۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۲۷ / ۱۴۴۱/۹/۲۹ھ)

لاعلمی میں سجدۂ سہو کرنا

سوال (۱۹۴):- اگر کسی نے دوسری رکعت میں بھول سے اِمام سے پہلے تکبیر کہہ دی اور اَخیر میں سجدۂ سہو کرلیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں نماز درست ہوگئی، سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں تھی، لاعلمی میں کرلیا تو آئندہ نہ کرے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۱/۵۲۴ زکریا)

ولو ظن الإمام السهو فسجد فتابعه فبان أنه لا سهو ...... وتحته وفي الفيض وقيل لا تفسد وبه يفتى، وفي البحر عن الظهيرية قال الفقيه أبو الليث: في زماننا لا تفسد؛ لأن الجهل في القراء غالب. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة / باب الإمامة ۳۵۰/۲، وهكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية / الفصل السابع عشر في سجود السهو، نوع آخر في المتفرقات ۴۲۷/۲ رقم: ۲۸۷۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۴۳ / ۱۴۴۲/۱/۳ھ)

سجدۂ سہو کے بعد بھول سے کھڑا ہونا

سوال (۱۹۵):- اِمام صاحب غلطی سے سجدۂ سہو کرکے پھر قیام کی حالت میں چلے گئے، تو اُنہیں دوبارہ سجدۂ سہو کرنا ہوگا یا پہلا والا سجدۂ سہو کافی ہوجائے گا؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں قعدہ میں بیٹھ کر اَولاً التحیات پڑھیں، اُس کے بعد دوبارہ سجدۂ سہو کرکے نماز پوری کریں، پہلا والا سجدۂ سہو کافی

نہ ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ ۷/۴۳۶ ڈابھیل)

حدثنا محمد بن يحيىٰ نا محمد ابن عبد اللّٰه الأنصاري، قال: أخبرني أشعث، عن ابن سيرين، عن خالد الحذّاء، عن أبي قلابة، عن أبي مهلب، عن عمران بن حصين: أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم صلى بهم، فسها فسجد سجدتين، ثم تشهد ثم سلم. (سنن الترمذي، أبواب الصلاة / باب ما جاء في التشهد في سجدتي السهو رقم: ٣٩٥)

قوله: (فسها، فسجد سجدتين، ثم تشهد، ثم سلم) هذا ظاهر في إثبات ما ذهب إليه الإمام من إثبات التشهد بعد سجدتي السهو، ولا يخفى أن تركهم أحاديث التشهد بعد اتفاقهم على أن زيادة الثقة معتبرة: رفض للقاعدة المقررة، ولذلك ترى الإمام قال بالتشهد بعد سجدتي السهو، وحمل الروايات التي لم يُذكر فيها ذلك على أن الراويَ لم يذكره، كما لم يُذكر في حديث أبي هريرة السلامُ؛ بل قال: "ثم سجد مثل سجوده أو أطول"، فليحفظ. (الجامع الكبير على سنن الترمذي، أبواب الصلاة / باب ما جاء في التشهد في سجدتي السهو رقم: ٣٩٥ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي)

قوله: (فسجد سجدتين، ثم تشهد، ثم سلم) قال الشيخ رحمه اللّٰه: حديث الباب فيه واقعة ذي اليدين، وهو حجة لنا في التشهد والسلام، وكونهما بعد السلام، والحديث قوي. قال: ومما يدل على مذهبنا ما أخرجه الطحاوي في شرح معاني الآثار مرفوعًا وموقوفًا بسند صحيح بلفظ: "ثم ليسجد سجدتي السهو يتشهد ويسلم". قال: ونفى البخاري رحمه اللّٰه التشهد ولكنه لم يأت بما ينفي. (العرف الذكي، أبواب الصلاة / باب ما جاء في التشهد في سجدتي السهو ٥/٤ تحت رقم: ٣٩٥ جامعة الأنور محمد أنور شاه ديوبند)

وسجدتان ويجب أيضًا تشهد وسلام؛ لأن سجود السهو يرفع التشهد دون القعدة لقوتها. قوله: يرفع التشهد: أي قرأته، حتى لو سلم بمجرد رفعه من سجدتي السهو صحت صلاته، ويكون تاركًا للواجب. وكذا يرفع السلام. قوله: لقوتها، أي لأنها أقوى منه لكونها فرضًا. (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ٥٤١/٢ زكريا)

وعلله في المحيط بأن السجدة المتقدمة لا ترفع النقصان المتأخر، فأما السجدة المتأخرة فإنها ترفع النقصان المتقدم. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ٩٩/٢ كراچی)

قال في الهندية: القعدة بعد سجدتي السهو ليست بركن، وإنما أمر بها بعد سجدتي السهو ليقع ختم الصلاة بها، حتى لو تركها فقام وذهب لا تفسد صلاته، كذا قاله الحلواني، كذا في السراج الوهاج. (الفتاویٰ الهندية / الباب الثاني عشر في سجود السهو ١٢٦/١ زكريا)

وصفته: أن يسجد سجدتين بعد أن يسلم عن يمينه التسليمة الأولى فقط، ثم يتشهد بعدهما وجوبًا، ويأتي بالصلاة على النبي – صلى الله عليه وسلم – والدعاء في قعدة السهو على الصحيح؛ لأن الدعاء موضعه آخر الصلاة ...... ودليلهم على صفته: حديث عمران بن حصين أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى بهم، فسها فسجد سجدتين، ثم تشهد ثم سلم. (الفقه الإسلامي وأدلته / الفصل التاسع أنواع خاصة من السجود وقضاء الفوائت ١٠٦/٢ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۳۴ / ۱۴۴۱/۱۱/۶ھ)

مقتدی کی غلطی پر سجدۂ سہو کا حکم

سوال (۱۹۶):- اگر کسی کی اِمام کے پیچھے ایک رکعت چھوٹ گئی، اور اُس نے اِمام

کے ساتھ جب قعدۂ اُولیٰ کیا تو التحیات پڑھی، اور اُس کے ساتھ اُس نے درود شریف بھی پڑھ لی، تو کیا اُس مسبوق شخص پر اَخیر میں سجدۂ سہو واجب ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اُس مقتدی پر سجدۂ سہو واجب نہیں؛ کیوں کہ یہ قعدۂ اُولیٰ میں اِمام کے تابع تھا، اور ضابطہ یہ ہے کہ مقتدی سے کوئی غلطی یا سہو ہو جائے، تو اُس پر الگ سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۱/۵۳۶ زکریا)

سهو المؤتم لا يوجب السجود على الإمام؛ لأنه متبوع لا تابع، ولا عليه أي ولا على المؤتم. (حلبی کبیر / باب سجود السهو ص: ٤٣٧ المكتبة الرحيمية ديوبند، رد المحتار، كتاب الصلاة / باب السجود السهود ٢/ ٨٢، البحر الرائق ٢/ ١٠٠ المكتبة الماجدية كويٹه) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۴۶ / ۱۴۴۲/۱/۲۴ھ)

صلوٰۃ التسبیح میں سجدۂ سہو

سوال (۱۹۷):- صلوٰۃ التسبیح میں اگر سہو پیش آ جائے تو اُس کی تلافی کی صورت کیا ہے؟ کیا اُس میں بھی عام نمازوں کی طرح سجدۂ سہو کیا جائے گا؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- صلوٰۃ التسبیح میں دو طرح سے سہو پیش آتا ہے:

(۱) ایک تو یہ کہ مقررہ تسبیحات کے عدد میں کمی بیشی ہو جاتی ہے، مثلاً: پندرہ کی جگہ دس پڑھ دی، یا کسی رکن میں تسبیحات پڑھنی بھول گئے، تو اِس طرح کے سہو سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا؛ بلکہ اگر یاد آ جائے تو دوسرے یا اگلی رکعت میں تسبیحات کی مقدار پوری کر سکتے ہیں، اور یہ خیال رکھا جائے کہ ۴؍ رکعت میں ۳۰۰؍ مرتبہ تسبیحات پوری ہو جانی چاہئیں۔

(۲) البتہ اگر صلوٰۃ التسبیح میں کوئی ایسا سہو پیش آیا جو عام نمازوں میں موجب سجدۂ سہو ہے، مثلاً: سورۂ فاتحہ چھوڑ دی، یا سورت ملانا بھول گئے یا تکرار واجب وغیرہ پایا گیا، تو ایسی

صورت میں حسب ضابطہ سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ اور اُس کی شکل یہ ہوگی کہ آخری رکعت میں قعدہ کے بعد التحیات پڑھ کر دائیں جانب سلام پھیر کر سجدۂ سہو کریں گے، اور اُن میں تیسرے کلمے والی تسبیحات نہیں پڑھی جائیں گی؛ بلکہ حسب دستور صرف ''سبحان ربی الاعلیٰ'' والی تسبیح پڑھی جائے گی۔

سجدة السهو واجبة ...... ووجهه أنه شرع لجبر النقصان وأداء العبادة بصفة الكمال واجب، فوجب وصار كدماء الحج ...... وإذا تقرر أنه واجب فليعلم أنه لا يجب إلا بترك الواجب من واجبات الصلاة، فلا يجب بترك السنن والمستحبات كالتعوذ والتسمية والثناء والتأمين وتكبيرات الانتقالات والتسبيحات. (حلبي كبير، كتاب الصلاة / فصل في سجود السهو ص: ٤٥٥ لاهور)

وقيل لابن المبارك: لو سها فسجد هل يسبح عشرًا عشرًا؟ قال: لا، إنما هي ثلاث مائة تسبيحة. قال الملا علي في شرح المشكاة: مفهومه أنه إن سها ونقص عددًا من محل معين يأتي به في محل آخر تكملة للعدد المطلوب الخ. ...... قلت: وكذا تسبيح السجدة الأولى يأتي به في الثانية لا في الجلسة؛ لأن تطويلها غير مشروع عندنا. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل، مطلب في صلاة التسبيح ٤٧٢/٢ زكريا، مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة / باب صلاة التسبيح ٣٧٧/٣ تحت رقم: ١٣٢٨ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۶ / ۱۴۴۱/۹/۸ھ)

نماز میں سورۂ فاتحہ کا سراً وجہراً تکرار

سوال (۱۹۸):- جہری نماز میں اِمام صاحب نے اَولاً سورۂ فاتحہ سراً پڑھی اور یاد دلانے پر جہراً پڑھ دی، نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں چوں کہ مکمل سورۂ

فاتحہ کا تکرار پایا گیا، نیز جہر کے بجائے سراً قرأت ہوئی؛ اِس لئے سجدۂ سہو واجب ہے۔

ولو قرأها في ركعة من الأوليين مرتين وجب سجود السهو لتاخير الواجب، وكذا لو قرأ أكثرها ثم أعادها كما في الظهيرية. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة، مطلب: كل شفع من النفل صلاة ٢/١٥٠ زكريا، حلبي كبير / فصل في سجود السهو ص: ٤٦٠)

والجهر فيما يخافت فيه الإمام وعكسه لكل مصل في الأصح (الدر المختار) في العبارة قلب، وصوابها: والجهر فيما يخافت لكل مصل وعكسه للإمام، وهذا ما صححه في البدائع والدرر ...... من أن وجوب الجهر والمخافتة من خصائص الإمام دون المنفرد. فعلى ظاهر الرواية: لا سهو على المنفرد إذا جهر فيما يخافت فيه، وإنما هو على الإمام فقط. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ٢/٥٤٥ زكريا)

وكما إذا جهر الإمام فيما يخافت أو خافت فيما يجهر؛ لأن الجهر في محله والمخافتة في محلها واجب كل منهما على الإمام ...... وإن خافت فيها يجهر إن الفاتحة أو أكثرها أو خافت من السورة ثلاث آيات قصار أو آية طويلة فعليه السهو. (حلبي كبير / فصل في سجود السهو ص: ٤٥٥ سهيل اكيڈمی لاهور، كذا في مجمع الأنهر / باب سجود السهو ١/١٤٨ دار إحياء التراث العربي بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۱۰ / ۱۴۴۱/۹/۱۲ھ)

ظہر کی نماز میں زور سے قرأت کردی؟

سوال (۱۹۹):- اگر ظہر کی نماز کی پہلی رکعت میں بھول سے زور سے قرأت کردی، تو اِس صورت میں سجدۂ سہو کرنا چاہئے یا نہیں؟ کیا سجدۂ سہو کرنے سے نماز ہو جائے گی؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اگر ظہر کی نماز میں ۳؍ آیت کے بقدر

زور سے قرأت کردی ہے، تو سجدۂ سہو لازم ہے؛ کیوں کہ ظہر سری نماز ہے، اُس میں جہر کا حکم نہیں ہے۔

والجهر فيما يخافت فيه للإمام وعكسه لكل مصل في الأصح، والأصح تقديره بقدر ما تجوز به الصلاة في الفصلين. قوله: والأصح: صححه في الهداية والفتح والتبيين والمنية؛ لأن اليسير من الجهر والإخفاء لا يمكن الاحتراز عنه، وعن الكثير يمكن وما تصح به الصلاة كثير غير أن ذلك عنده آية واحدة، وعندهما ثلاث آيات. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ٥٤٥/٢ زكريا، كذا في الهداية مع فتح القدير، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ٥٠٤/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۵۰ / ۱۴۴۲/۲/۲۳ھ)

فجر کی نماز میں بھولے سے سراً قرأت کردی

سوال (۲۰۰):- آج کل لاک ڈاؤن کی وجہ سے گھر میں تراویح پڑھا رہا ہوں، فجر کی نماز میں بسا اَوقات جہراً سورۂ فاتحہ کے بجائے سراً پڑھ دیتا ہوں، بعد میں یاد آتا ہے کہ جہراً پڑھنا تھا، پھر دوبارہ پڑھتا ہوں، تو اِس کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- اگر جہری نماز میں کوئی شخص اِمامت کررہا ہو تو اُس پر جہراً قرأت واجب ہے؛ لہٰذا اگر جہر چھوڑ کر سراً سورۂ فاتحہ پڑھی یا قرأت کی، تو ترکِ واجب کی وجہ سے سجدۂ سہو لازم ہوگا، اگر بعد میں سجدۂ سہو کرلیا جائے تو نماز درست ہوجائے گی۔ اور اگر سجدۂ سہو نہیں کیا تو وقت کے اندر اندر نماز کا اِعادہ زیادہ مؤکد ہے، اور اگر وقت نکل جائے تو بھی دوہرانا اچھی بات ہے۔

عن ابن عباس رضي الله عنهما في قوله تعالىٰ: ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾ [الإسراء: ١١] قال: نزلت ورسول الله صلى الله عليه

وسلم مختف بمكة كان إذا صلى بأصحابه رفع صوته بالقرآن، فإذا سمع المشركون سبوا القرآن ومن أنزله ومن جاء به، فقال اللّٰه تعالىٰ لنبيه صلى اللّٰه عليه وسلم: ﴿وَلاَ تَجْهَرْ بِصَلاتِكَ﴾ أي بقراءتك فيسمع المشركون فيسبوا القرآن، ﴿وَلاَ تُخَافِتْ بِهَا﴾ عن أصحابك، فلا تسمعهم ﴿وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلاً﴾ (رواه البخاري رقم: ٤٧٢٢)

قلت: في الآية دلالة علىٰ وجوب الجهر صراحة؛ لأنه تعالىٰ قال بعد المنع عن الإفراط والتفريط فيه: ﴿وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلاً﴾ والأمر أصله للوجوب إلا إذا وجد صارف ولم يوجد، فثبت وجوب مطلق بها. (إعلاء السنن / أبواب القراءة ٣/٤ رقم: ٩٦٧ دار الكتب العلمية بيروت)

ويجهر الإمام وجوبًا بحسب الجماعة في الفجر وأوليي العشائين الخ (الدر المختار) قوله: والعشاءان: المغرب والعتمة. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ٢٤٩/٢ زكريا)

عن ابراهيم قال: إذا جهر فيما يخافت فيه أو خافت فيما يجهر فيه فعليه سجدتا السهو. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة / باب من قال إذا جهر فيما يخافت فيه الخ ٢٤٥/٣ رقم: ٣٦٦٩)

ويجهر الإمام بالقراءة في الفجر وأولي المغرب والعشاء والجمعة والعيدين للتوارث من زمن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إلىٰ هٰذا الآن، والجهر واجبٌ ويخفي الإمام في الظهر والعصر للتوارث المذكور. (رسائل الأركان ص: ١٠٠، المطبع العلوي لكناؤ، بحواله: فتاویٰ محموديه ٤٥٢/١٠ ميرٹھ، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي / فصل في بيان واجب الصلاة ص: ١٣٧ قديمى كتب خانه كراچى)

ولها واجبات لا تفسد بتركها وتعاد وجوبًا في العمد والسهو إن لم

یسجد له، وإن لم یعدها یکون فاسقًا آثمًا. (الدر المختار، کتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ۱٤٦/۲ زکریا)

وحکم الواجب استحقاق العقاب بترکه عمدًا وعدم إکفار جاحده والثواب بفعله ولزوم سجود السهو لنقص الصلاة بترکه عمدًا وسقوط الفرض ناقصًا إن لم یسجد ولم یعد. (مراقي الفلاح مع الطحطاوي / فصل في بیان واجب الصلاة ص: ۱۳٤ قدیمی کتب خانه کراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۲ / ۱۴۴۱/۹/۴ھ)

اِمام نے فجر میں سورۂ فاتحہ کی دو آیتیں سراً پڑھ دیں؟

سوال (۲۰۱):- فجر کی نماز میں اِمام صاحب نے سراً سورۂ فاتحہ شروع کی، دو آیتیں پڑھ کر اُن کو یاد آیا، تو تیسری آیت سے اُنہوں نے جہراً پڑھنا شروع کر دیا، تو نماز درست ہوئی یا نہیں؟ جواب سے نوازیں۔

الجواب حامدًا ومصلیًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں نماز درست ہوگئی؛ البتہ اگر وہ ۳/ آیتیں سراً پڑھ دیتے، تو اُن پر سجدۂ سہو لازم ہوتا۔

ومنها جهر الإمام فیما یجهر فیه، والإسرار في محلّه مطلقًا، واختلف في القدر الموجب للسهو، والأصح أنه قدر ما تجوز به الصلاة فی الفصلین.

(حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح / باب سجود السهو ص: ٤٦۱ دار الکتب العلمیة بیروت)

والجهر فیما یخافت فیه للإمام وعکسه لکل مصل في الأصح، والأصح تقدیره بقدر ما تجوز به الصلاة في الفصلین، وقیل: قائله قاضي خان: یجب السهو بهما أي بالجهر والمخافتة مطلقًا أي قل أو کثر، وهو ظاهر الروایة، واعتمده الحلواني. (الدر المختار) قال القهستاني: والمتبادر أن یکون هذا في صورة أن ینسی أن علیه المخافتة فیجهر قصدًا، وأما إذا علم أن

علیہ المخافتة فیجهر لتبیین الکلمة فلیس علیه شيء. ولذا قال القهستاني: ویجب السهو بمخافتة کلمة لکن فیه شدة. وقال في شرح المنیة، والصحیح ظاهر الروایة، وهو التقدیر بما تجوز به الصلاة من غیر تفرقةٍ؛ لأن القلیل من الجهر في موضع المخافتة عفوٌ أیضًا. (الدرالمختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة / باب سجود السهو ۲/ ٥٤٥ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲۱ / ۱۴۴۱/۹/۲۳ھ)

جہری نماز کی آخری رکعت میں سورۂ فاتحہ جہراً پڑھنا

سوال (۲۰۲):- اگر اِمام صاحب جہری فرض کی آخری ۲؍رکعت میں سے کسی ایک رکعت میں سورۂ فاتحہ مکمل یا آدھی بجائے سراً پڑھنے کے جہراً پڑھ دیں، تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامدًا ومصلیًا أما بعد :- جہری نماز کی آخری رکعت میں سورۂ فاتحہ سراً پڑھنی چاہئے؛ تاہم اگر جہراً پڑھ لی تو سجدۂ سہو کے ساتھ نماز درست ہوجائے گی۔

وواجبها: قراءة الفاتحة ...... والجهر والإسرار فیما یُجهر ویُسرُّ. (کنز الدقائق، کتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ص: ١٦٠ دار البشائر الإسلامیة، دار السراج)

قوله: "والجهر والإسرار فیما یجهر ویسر" للمواظبة علی ذلک ...... فالحاصل أن الإخفاء في صلاة المخافتة واجب علی المصلي إمامًا کان أو منفردًا، وهي صلاة الظهر والعصر، والرکعة الثالثة من المغرب والأخریان من صلاة العشاء وصلاة الکسوف والاستسقاء وهو واجب علی الإمام اتفاقًا، وعلی المنفرد علی الأصح. (البحر الرائق، کتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ١/ ٣٠٢ کراچی، حاشیة الچلپي علی تبیین الحقائق، کتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ١/ ١٠٦ المکتبة الإمدادیة ملتان)

والإسرار فیما یجهر فیه ویسر لف ونشر مرتب للمواظبة واجبان اعتمادًا علی ما سیأتي. (النهر الفائق، کتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ١/ ٢٠٠ دار الکتب العلمیة بیروت)

والجهر والإسرار فيما يجهر ويسر وعند بعضهم هما سنتان حتى لا يجب سجود السهو بتركهما؛ لأنهما ليسا مقصودين، وإنما المقصود القراءة فصارا كالقومة. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ١٠٦/١ المكتبة الإمدادية ملتان)

قوله ويسر في غيرها. وهو الثالثة من المغرب والأخريان من العشاء، وكذا جمع ركعات الظهر والعصر وإن كان بعرفة. أقول: ونقل في التاترخانية عن المحيط أنه لا سهو عليه إذا جهر فيما يخافت لأنه لم يترك واجبًا، وعلله في الهداية في باب سجود السهو بأن الجهر والمخافتة من خصائص الجماعة. وقال الشراح: إنه جواب ظاهر الرواية. وأما جواب رواية النوادر فإنه يلزمه السهو. وفي الذخيرة: إذا جهر فيما يخافت عليه السهو. وفي ظاهر الرواية: لا سهو عليه، نعم صحح في الدرر تبعًا للفتح والتبيين وجوب المخافتة، ومشى عليه في شرح المنية والبحر والنهر والمنح. وقال في الفتح: فحيث كانت المخافتة واجبة على المنفرد ينبغي أن يجب بتركها السجود اهـ فتأمل. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ٢٢١/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۱۱ / ۱۴۴۱/۹/۱۳ھ)

دورانِ نماز مقتدی کا غلطی کرنا

سوال (۲۰۳):- اگر اِمام کے پیچھے مقتدی سے کوئی غلطی ہوجائے، مثلاً: کوئی واجب چھوٹ جائے، یا نیند کی وجہ سے اِمام کے ساتھ رکوع نہ کرسکے، تو اُس کی تلافی کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اگر مقتدی سے اِمام کے سلام پھیرنے سے قبل کوئی واجب چھوٹ جائے، وغیرہ۔ (مثلاً: التحیات نہیں پڑھی) تو ایسی صورت میں مقتدی پر سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا، اور اُس کی نماز درست ہوجاتی ہے؛ تاہم جو کمی ہوئی ہے، اُس پر استغفار کرنا چاہئے۔

اور اگر کوئی رکن چھوٹ جائے، مثلاً: نیند کی وجہ سے اِمام کے ساتھ رکوع نہ کر سکے، یا سجدہ چھوٹ جائے، تو ایسا مقتدی لاحق کہلاتا ہے۔ اور اُس کا حکم یہ ہے کہ جب بیدار ہو تو اَولاً چھوٹا ہوا رکن اَدا کرے، اُس کے بعد اِمام کی متابعت کرے۔ اور اگر اِس دوران اِمام سلام پھیر دے تو اُس کے بعد حسب ترتیب اپنی نماز پوری کرے، اور اُس پر بھی کوئی سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا۔

فإن سها المؤتم لم يلزم الإمام ولا المؤتم السجود؛ لأنه لو سجد وحده كان خالفًا لإمامه، ولو تابعه الإمام ينقلب الأصل تبعًا. (الهداية، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ۱/۳۳۵ مكتبة البشرىٰ كراتشي)

اللاحق: وهو الذي أدرك أولها، وفاته الباقي لنوم أو حدث أو بقي قائمًا للزحام. ...... كأنه خلف الإمام لا يقرأ ولا يسجد للسهو، كذا في الوجيز لكردري ...... وإذا كبر مع الإمام ثم نام حتى صلى الإمام ركعة ثم انتبه فإنه يصلي الركعة الأولى، وإن كان الإمام يصلي الركعة الثانية، هكذا في الذخيرة. ولو لم يشتغل بقضاء ما سبقه الإمام ولكن يتابع الإمام أولا ثم قضىٰ ما سبقه الإمام بعد تسليم الإمام جازت صلاته عندنا، كذا في شرح الطحاوي. (الفتاوىٰ الهندية / الفصل السابع في المسبوق واللاحق ۱/۹۲ زكريا)

والصواب إبدال قوله إن أمكنه إدراكه بقوله: إن أدركه مع إسقاط ما بعده. وحق التعبير أن يقول: ويبدأ بقضاء ما فاته بلا قراءة عكس المسبوق ثم يتابع إمامه إن أدركه ثم ما سبق به الخ، ففي شرح المنية: وحكمه أنه يقضي ما فاته أولاً؛ ثم يتابع الإمام إن لم يكن قد فرغ. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الإمامة، مطلب: فيما لو أتى بالركوع والسجود أو بهما مع الإمام الخ۔ ۲/۳٤٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۱۷ / ۱۴۴۱/۹/۱۹ھ)

نماز کے سنن وآداب

ایک ہی سورت کو ۲؍رکعتوں میں پڑھنا

سوال (۲۰۴):- کیا ایک ہی سورت دونوں رکعتوں میں پڑھی جاسکتی ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- بہتر یہ ہے کہ ہر رکعت میں الگ الگ سورت پڑھی جائے؛ لیکن اگر ایک ہی سورت دونوں رکعتوں میں پڑھ دی، پھر بھی نماز درست ہوجائے گی۔

عن ابن عمر رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم، أنه قال: ما من سورة في المفصل صغيرة ولا كبيرة، إلا قد سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقرؤها في الصلاة كلها. (المعجم الكبير للطبراني ۲۸۰/۱۲ رقم: ۱۳۳۵۹ دار إحياء التراث العربي)

الأفضل أن يقرأ في كل ركعة الفاتحة وسورة كاملة في المكتوبة ...... ولو قرأ بعض السورة في ركعة والبعض في ركعة قيل يكره، وقيل لا يكره، وهو الصحيح؛ ولكن لا ينبغي أن يفعل، ولو فعل لا بأس به. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة، الفصل الرابع في القراءة، ۷۸/۱ قديم زكريا، ۱۳۵/۱ جديد زكريا)

الأفضل أن يقرأ في كل ركعة بفاتحة الكتاب وسورة تامة، ولو قرأ بعض السورة في ركعة، والبعض في ركعة، بعض مشايخنا رحمهم الله قالوا: يكره؛ لأنه خلاف ما جاء به الأثر. وفي الغياثية: وكأنهم أرادوا بذلك سورة قصيرة،

وروي عن أصحابنا، أنه لا يكره. وفي الظهيرية: هو الصحيح. وفي الخلاصة: لا يكره؛ ولكن لا ينبغي أن يفعل، ولو فعل لا بأس به. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل الثاني في فرائض الصلاة، فصل في القراءة ٢/٦٦ رقم: ١٧٥٩ زكريا)

لا بأس بأن يقرأ سورةً ويُعيدها في الثانية. قوله لا بأس بأن يقرأ سورة الخ: أفاد أنه يكره تنزيهًا وعليه يحمل جزم القنية بالكراهة، ويحمل فعله – عليه السلام – لذلك على بيان الجواز، هذا إذا لم يضطرّ، فإن اضطرّ بأن قرأ في الأولىٰ: ﴿قُلُ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ أعادها في الثانية إن لم يختم، نهر. (الدر المختار / كتاب الصلاة ١/٥٤٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۳۵ / ۱۳/۱۱/۱۴۴۱ھ)

نماز میں رکوع سجدہ کی تسبیح قصداً چھوڑ دینا

سوال (۲۰۵): - اگر کوئی شخص رکوع میں رکوع کی تسبیح ''سبحان ربی العظیم'' چھوڑ دے، بالکل ہی نہ پڑھے، یا سجدے کی تسبیح چھوڑ دے، یا ایک مرتبہ پڑھے تین مرتبہ نہ پڑھے، تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد: - نماز میں رکوع یا سجدے کی تسبیحات چھوڑنے سے نماز فاسد تو نہ ہوگی؛ لیکن ترکِ سنت کا اِرتکاب لازم آئے گا، اِس لئے بالقصد ایسا نہ کیا جائے۔ اور تسبیحات کو تین مرتبہ سے کم پڑھنا بھی مکروہ تنزیہی ہے۔

عن حذيفة رضي الله عنه قال: صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فركع، فقال في ركوعه: سبحان ربي العظيم، وفي سجوده: سبحان ربي الأعلى. رواه النسائي وآخرون، وإسناده صحيح. (آثار السنن ص: ٨٥ رقم: ٤٢٣ مكتبة طلحة بنجلور)

عن عقبة بن عامر الجهني رضي الله عنه قال: لما نزلت فسبح باسم ربك العظيم، قال لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم: اجعلوها في ركوعكم

فلما نزلت: سبح اسم ربک الأعلیٰ، قال لنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: اجعلوها في سجودکم. رواہ أحمد وأبوداؤد وابن ماجة والحاکم وابن حبان وإسنادہ حسن. (آثار السنن ص: ۸۵ رقم: ٤٢٤ مکتبة طلحة بنجلور)

عن أبي بکرة رضي اللّٰہ عنه أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم کان یسبح في رکوعه: سبحان ربي العظیم ثلاثًا، وفي سجودہ: سبحان ربي الأعلی ثلاثًا. رواہ البزار والطبراني وإسنادہ حسن. (آثار السنن ص: ۸۵ رقم: ٤٢٥ مکتبة طلحة بنجلور)

ثالث عشرها تسبیحات الرکوع، ورابع عشرها تسبیحات السجود.

(حلبي کبیر / فصل في السنن ص: ۳۸۲ لاهور)

والتسبیح فیه ثلاثًا، قوله: ثلاثًا فلو ترکه أو نقصه کرہ تنزیهًا. (رد المحتار مع الدر المختار، کتاب الصلاۃ / باب صفة الصلاۃ ۱۷۳/۲ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲٦ / ۱۴۴۱/۹/۲۸ھ)

کرسی پرنماز پڑھتے ہوئے سجدہ کی حالت میں انگلیاں کیسے رکھیں؟

سوال (۲۰٦):- کرسی پر بیٹھ کرنماز پڑھنے کی حالت میں سجدہ کرتے وقت ہاتھوں کی اُنگلیاں سیدھی قبلہ کی طرف رہنی چاہئے، یا کلائی گھٹنے پر رکھ کراور اُنگلیاں موڑ کر بھی سجدہ کیا جاسکتا ہے؟

الجواب حامدًا ومصلیًا أما بعد:- سجدہ تو دونوں طرح اَدا ہوجائے گا؛ کیوں کہ کرسی پر اِشارے سے سجدہ کرنا ہوتا ہے؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ اُنگلیاں قبلہ کی طرف رہیں؛ کیوں کہ اِس میں سجدہ سے زیادہ مشابہت پائی جائے گی۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۳۵۹/۱)

کما في الشامیة؛ بل المصرح بها توجیهًا نحو القبلة سنة. (شامي ۲۰۵/۲ زکریا)

ضامًّا أصابع یدیه لتوجه للقبلة. (الدر المختار مع رد المحتار ۲۰۳/۲ زکریا)

(دینی رہنمائی:۴۱ / ۱۴۴۱/۱۲/۱۸ھ)

قعدہ اُولیٰ میں التحیات پر اِضافہ کا حکم

سوال (۲۰۷):- ۴؍رکعت والی نماز میں قعدۂ اُولیٰ میں التحیات کے بعد دھوکے سے درود شریف پڑھ دی؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اگر فرض نماز کے قعدۂ اولیٰ میں ''التحیات'' کے بعد ''اللہم صل علی محمد'' تک پڑھ دیا، تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ اور اگر سنت غیر مؤکدہ یا نفل نماز پڑھ رہے ہیں تو اُس کے قعدۂ اُولیٰ میں درود شریف وغیرہ پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔ اورسنت مؤکدہ کے بارے میں دونوں قول ہیں۔ (کفایت المفتی ۴۴/۵)

عن الشعبي قال: من زاد في الركعتين الأوليين على التشهد فعليه سجدتا السهو. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة / قدر كم يقعد في الركعتين الأوليين ٤٧/٣ رقم: ٣٠٣٩)

وتاخير قيام إلى الثالثة بزيادة على التشهد بقدر ركن. وقيل: بحرف، وفي الزيلعي: الأصح وجوبه باللّٰهم صل على محمد. وقدمنا عن القاضي الإمام أنه لايجب ما لم يقل: وعلىٰ آل محمد. وفي شرح المنية الصغير: إنه قول الأكثر وهو الأصح (الدر المختار) **قوله: وفي الزيلعي، جزم به المصنف في متنه في فصل إذا أراد الشروع، وقال: إنه المذهب، واختاره في البحر تبعًا للخلاصة والخانية.** (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ٥٤٤/٢ زكريا، ٨١/٢ كراچی، كذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل السابع عشر في سجود السهو ٤٠٠/٢ رقم: ٢٧٩٣ زكريا)

وكذا لو صلى على النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فيها لتأخيره،واختلفوا في قدره، والأصح وجوبه باللّٰهم صل على محمد. وإن لم يقل وعلى آله.

(البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ١٧٢/٢ زكريا)

ولا يصل على النبي صلى اللّٰه عليه وسلم في القعدة الأولى في الأربع قبل الظهر والجمعة وبعدها، ولو صلى ناسيًا فعليه السهو، وقيل لا ...... وفي

البـواقـي من ذوات الأربع يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم ...... لأن كل شفع صلاة، وقيل: لا يأتي في الكل وصححه في القنية. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ٢/٤٥٦ زكريا، ٢/١٦-١٧ كراچی)

ولا يـزيـد فـي الفرض على التشهد في القعدة الأولىٰ، إجماعًا، فإن زاد عـامـدًا كـره، فتـجـب الإعـادة، أو سـاهيًا وجب عليه سجود السهو إذا قال: "اللّٰهـم صـل عـلى محمد" على المذهب المفتى به. لا خصوص الصلاة؛ بل لتـأخيـر الـقيـام (الـدر الـمختـار) قوله: ولا يزيد في الفرض: أي وما ألحق به كـالوتر والسنن الرواتب وإن نظر صاحب البحر فيهما ...... والظاهر أنهما في حـكـم النفل؛ لأن الوجوب فيها عارض. قوله: فقط، وقيل: لا يجب ما لم يقل "وعلى آل محمد" ذكره القاضي الإمام ...... ورد الكل في البحر، وذكر أن ما ذكـر المصنف هنا هو المختار كما في الخلاصة، واختاره في الخانية وصرح الـزيـلعي في السهو بأنه الأصح، وكلام الحلبي في شرح المنية الكبير يقتضي تـرجيـحـه أيـضًـا؛ لـكن ذكر في شرحه الصغير أن ما ذكره القاضي الإمام هو الذي عليه الأكثر وهو الأصح. قال الخير الرملي: فقد اختلف التصحيح كما ترى، وينبغي ترجيح ما ذكره القاضي الإمام، تأمل. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ٢/٢٢٠ زكريا، حلبي كبير / فصل في سجود السهو ص: ٤٦٠ المكتبة الأشرفية ديوبند)

قـوله: الأصح وجوبه باللّٰهم صل على محمد، وذكر في البدائع أنه يجب عـليـه السهو عنده، وعندهما لا يجب ...... وجه قول الإمام أنه لا يجب السهو بالصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم؛ بل بتأخير الفرض، وهو القيام إلا أن التـأخير حصل بالصلاة ...... وفي المحيط: استقبح محمد السهو، لأجل الصلاة عـلـى الـنـبـي صـلـى الـلّٰـه عـلـيـه وسـلم ونعم ما قال روَّح الله روحه؛ لكن في

المضمرات: أن الفتوى على قول الإمام. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ۲/۳ ۵۰ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲۴ / ۱۴۴۱/۹/۲۶ھ)

درودشریف پڑھ کرسلام پھیرنا

سوال (۲۰۸):- آج کل لوگ جلد بازی میں خاص طور پر تراویح میں تشہد کے بعد درودشریف پڑھتے ہی سلام پھیر دیتے ہیں، اور دعائے ماثورہ نہیں پڑھتے، اور بعض لوگ تو فرض میں بھی ایسا ہی کرتے ہیں، تو اُن کا یہ عمل کیسا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- قعدہ اخیرہ میں درودشریف کے بعد دعائے ماثورہ پڑھنا مسنون ہے؛ لہٰذا تراویح یا فرض نماز میں مسلسل دعا کو چھوڑنے کی عادت بنالینا صحیح نہیں ہے، اور نماز میں جلد بازی مناسب نہیں ہے۔

وتسن الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم في الجلوس الأخير فيقول مثل ما قال محمد رحمه الله تعالىٰ لما سئل عن كيفيتها؟ فقال يقول: اللّٰهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم، وبارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم في العالمين إنك حميد مجيد. وزيادة في العالمين ثابت في رواية مسلم وغيره فالمنع منها ضعيف، ويسن الدعاء بعد الصلاة عن النبي صلى الله عليه وسلم لقوله عليه السلام: إذا صلى أحدكم فليبدأ بتحميد الله عزوجل والثناء عليه ثم ليصل على النبي ثم ليدع بعد ما شاء؛ لكن لما ورد عنه صلى الله عليه وسلم إن صلاتنا هذه لا يصلح فيها شيء من كلام الناس قدم على المانع على إباحة الدعاء بما أعجبه في الصلاة، فلا يدعو فيها إلا بما يشبه ألفاظ القرآن ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا﴾ وبما يشبه ألفاظ السنة، ومنها ما

روي عن أبي بكر رضي اللّٰه عنه أنه قال لرسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم علّمني يا رسول اللّٰه! دعاء أدعو به في صلاتي، فقال: قل: "اللّٰهم إني ظلمت نفسي ظلمًا كثيرًا وإنه لا يغفر الذنوب إلا أنت فاغفر لي مغفرة من عندك ورحمني إنك أنت الغفور الرحيم". وكان ابن مسعود رضي اللّٰه عنه يدعو بكلمات فيها: "اللّٰهم إني أسألك من الخير كله ما علمت منه وما لم أعلم، وأعوذ بك من الشر كله ما علمت منه وما لم أعلم". (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة / فصل في سننها ص: ٩٩-١٠٠ دار الكتب العلمية بيروت، حلبي كبير، كتاب الصلاة / قبيل فصل في النوافل ص: ٣٨٢ لاهور، الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة / الفصل الثالث في سنن الصلاة وآدابها وكيفيتها ٧٦/١ زكريا)

وفي البحر عن الحاوي القدسي: من سنن القعدة الأخيرة: الدعاء بما شاء من صلاح الدين والدنيا لنفسه ولوالديه وأستاذه وجميع المؤمنين، قال: وهو يفيد أنه لو قال: اللّٰهم اغفر لي ولوالدي وأستاذي لا تفسد مع أن الأستاذ ليس في القرآن فيقتضي عدم الفساد في اللّٰهم اغفر لزيد. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة، مطلب في الدعاء بغير العربية ٢٣٥/٢ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۲۱ / ۱۴۴۱/۹/۲۳ھ)

نماز میں درودشریف کے بعد "رَبَّنَا آتِنَا" الخ پڑھنا؟

سوال (۲۰۹):- میں ہرنماز میں درودشریف کے بعد "رَبَّنَا آتِنَا" الخ والی دعا پڑھتی ہوں، اور "اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ ظَلَمْتُ" والی نہیں پڑھی، تو کیا میری نماز درست ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- نماز میں درودشریف کے بعد مطلقاً کوئی بھی دعا کرنا مسنون ہے، اِس میں کسی دعا کی تخصیص نہیں ہے، قرآن وسنت سے ثابت کوئی بھی دعا پڑھی جاسکتی ہے؛ لہٰذا اِس وقت "رَبَّنَا آتِنَا" الخ والی دعا پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

والصلاة على النبي صلى اللّٰه عليه وسلم في الجلوس الأخير والدعاء بما يشبه ألفاظ القرآن والسنة لا كلام الناس (نور الإيضاح) وكان ابن مسعود يدعو بكلمات منها: اللّٰهم إني أسألك من الخير كله ما علمت منه وما لم أعلم، وأعوذ بك من الشر كله ما علمت منه وما لم أعلم. (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / فصل في سنتها ص: ۱۰۰ دار الكتب العلمية بيروت، كذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ۲۳۷/۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲۲ / ۱۴۴۱/۹/۲۴ھ)

قعدۂ اخیرہ میں استغفار کے ساتھ ''رَبَّنَا آتِنَا'' الخ پڑھنا؟

سوال (۲۱۰):- قعدۂ اَخیرہ میں درودشریف کے بعد ''اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ'' اور ''رَبَّنَا آتِنَا'' دونوں دعائیں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- مذکورہ دونوں دعائیں پڑھ سکتے ہیں، اور اِن کے علاوہ دیگر اَدعیہ ماثورہ پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

ويستغفر بعد الصلاة على النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أي يطلب المغفرة لنفسه ولوالديه إن كانا مؤمنين ولجميع المؤمنين والمؤمنات، فيقول: ربي اغفرلي ولوالدي وللمؤمنين يوم يقوم الحساب ونحو ذلك، ويدعو بالدعوات الماثورة أي المنقولة عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كما في صحيح مسلم عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا تشهد أحدكم فليستعذ باللّٰه من أربع، يقول: اللّٰهم إني أعوذ بك من عذاب جهنم ومن عذاب القبر، ومن فتنة المحيا والممات، ومن شر المسيح الدجال، وفيه عن علي رضي اللّٰه عنه قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إذا قام إلى الصلاة يكون آخر ما يقول بعد التشهد والتسليم:

اللّٰهم اغفرلي ما قدمت وما أخرت وما أعلنت وما أسررت وما أسرفت وما أنت أعلم به مني أنت المقدم وأنت المؤخر لا إلٰه إلا أنت. وفي الصحيحين عن عبد اللّٰه بن عمرو بن العاص عن أبي بكر الصديق أنه قال لرسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: علمني دعاء أدعو به في صلاة، قال: قل: اللّٰهم إني ظلمت نفسي ظلمًا كثيرًا ولا يغفر الذنوب إلا أنت، فاغفرلي مغفرة من عندك وارحمني إنك أنت الغفور الرحيم. ويدعو بما يشبه ألفاظ القرآن كما تقدم. وكقوله: ربنا آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار. ربنا لا تزغ قلوبنا بعد إذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة إنك أنت الوهاب، ونحو ذلك؛ فإن هذه الأدعية تشبه ألفاظ القرآن وليست بقرآن؛ لأنه لم يقصد بها القراءة؛ بل الدعاء حتى جاز الدعاء بها مع الجنابة والحيض. (حلبي كبير / صفة الصلاة ٣٣٤-٣٣٥ لاهور، الدر المختار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ٢٣٧/٢ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۲۶ / ۱۴۴۱/۹/۲۸ھ)

کس نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف رخ کرنا سنت ہے؟

سوال (۲۱۱):- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کن نمازوں کے بعد مقتدیوں کی طرف رخ کر کے تشریف فرما ہوتے تھے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- فجر اور عصر کی نمازوں کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نمازیوں کی طرف دائیں یا بائیں طرف رخ کر کے تشریف فرما ہوتے تھے۔ اور جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں، اُن میں نماز سے فراغت کے بعد سنتیں اَدا فرماتے تھے۔

عن سمرة بن جندب رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إذا صلى أقبل علينا بوجهه. (صحيح البخاري، كتاب الأذان / باب يستقبل الإمام الناس إذا سلم رقم: ٨٤٥)

عن البراء رضي الله عنه قال: كنا إذا صلينا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم أحببنا أن نكون عن يمينه، يقبل علينا بوجهه، قال: فسمعته يقول: رب قني عذابک يوم تبعث أو تجمع عبادک. (صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة / باب ا استحباب يمين الصلاة رقم: ۷۰۹)

ويستحب أن يستقبل بعده أي بعد التطوع وعقب الفرض إن لم يكن بعده نافلة يستقبل الناس إن شاء إن لم يكن في مقابلة مصلي لما في الصحيحين كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا صلى أقبل علينا بوجهه، وإن شاء الإمام انحرف عن يساره وجعل القبلة عن يمينه، وإن شاء انحرف عن يمينه وجعل القبلة عن يساره، وهٰذا أولىٰ. وإن شاء ذهب لحوائجه. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة / فصل في صفة الأذكار ص: ۱۷۱ قديمي كتب خانه كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۳۳ / ۱۴۴۱/۱۰/۲۸ھ)

○❖○

مکروہاتِ نماز

ماسک لگا کر نماز پڑھنا

سوال (۲۱۲):- حکومت نے لاک ڈاؤن کے بعد مساجد کھولنے کے لئے ماسک لگا کر آنے کی شرط لگائی ہے، تو کیا ماسک لگا کر نماز پڑھنے سے درست ہوجائے گی؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اَحادیث شریفہ میں منہ پر ایسا ڈھاٹا باندھ کر نماز پڑھنے کو مکروہ کہا گیا ہے جس سے منہ ڈھک جاتا ہو۔ اِس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بعض مرتبہ اس کی وجہ سے قرأت کے وقت حروف کی اَدائیگی میں بھی دشواری پیش آتی ہے، اِس لئے اصل حکم تو یہی ہے کہ ماسک وغیرہ لگائے بغیر ہی نماز اَدا کی جائے؛ لیکن جہاں قانونی مجبوری ہو اور اُس کے بغیر مسجد میں آنے اور نماز پڑھنے کی اِجازت نہ ہو، تو اِس مجبوری کی بنیاد پر ماسک لگا کر نماز پڑھنے کی گنجائش ہوگی۔

عن أبي حنيفة عن حماد عن إبراهيم أنه كان يكره أن يغطي الرجل فاه وهو في الصلاة، ويكره أن تصلي المرأة وهي متنقبة. (كتاب الآثار ص: ۳۰)

يكره اشتمال الصماء والاعتجار والتلثم (الدر المختار) قوله: والتلثم: وهو تغطية الأنف والفم في الصلاة؛ لأنه يشبه فعل المجوس حال عبادتهم النيران، زيلعي. ونقل ط عن أبي السعود: أنها تحريمية. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۴۲۳/۲ زكريا)

الضرورات تبيح المحظورات. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الطلاق / فصل في الحداد ۲۱۷/۵-۲۱۸ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۳۰ / ۱۴۴۱/۱۰/۱۴ھ)

کورونا وائرس کی وبا میں ماسک لگا کر نماز پڑھنا

سوال (۲۱۳):- موجودہ حالات میں حکومت کی طرف سے پابندی ہے کہ گھر سے ماسک لگا کر ہی نکلیں، تو ایسے حالات میں اگر چہرے پر ماسک لگا کر نماز پڑھی جائے، تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- عام حالات میں تو ماسک لگا کر اور چہرہ ڈھک کر نماز پڑھنا مکروہ ہے، لیکن آج کل انفیکشن سے بچنے کے لئے اگر کوئی ماسک لگا کر نماز پڑھے گا تو امید ہے کہ ان شاء اللہ کوئی کراہت نہ ہوگی۔ (فتویٰ دارالعلوم دیوبند رقم: ۶۲۷-۶۷۳=۸/۱۴۴۱)

يكره اشتمال الصماء والاعتجار والتلثم والتنخم، وكل عمل قليل بلا عذر (الدر المختار) قوله التلثم: وهو تغطية الأنف والفم في الصلاة؛ لأنه يشبه فعل المجوس حال عبادتهم النيران، ونقل ط عن أبي السعود: أنها تحريمية. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ٤٤/٢ دار الكتب العلمية بيروت وزكريا ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۶ / ۱۴۴۱/۹/۸ھ)

آدھی اور مڑی ہوئی آستین کے ساتھ نماز پڑھنا

سوال (۲۱۴):- آدھی آستین کے ساتھ اور کرتے کی مڑی آستین کے ساتھ نماز ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- مرد کے لئے آدھی آستین والی قمیص پہن کر یا کہنیوں سے اوپر آستین موڑ کر نماز اَدا کرنا مکروہ ہے، یعنی نماز تو ہو جائے گی مگر کراہت کے ساتھ ہوگی۔ اور عورت اگر آدھی آستین والی قمیص پہنے اور اُوپر سے چادر یا دوپٹہ نہ اوڑھے، تو اُس کی نماز نہیں ہوگی؛ کیوں کہ نماز میں گٹوں تک پورا ہاتھ ڈھکنا عورت کے لئے لازم اور ضروری ہے؛ البتہ اگر آدھی آستین کے اوپر دبیز چادر اِس طرح اوڑھ رکھی ہے کہ پوری نماز میں آستین کا

کھلا ہوا حصہ ظاہر نہیں ہوا، تو نماز درست ہوجائے گی؛ لیکن بہرحال کسی بھی مسلمان عورت کو ایسا مختصر لباس پہننے کی عادت نہیں بنانی چاہئے، مکمل آستین والا لباس ہی پہننا چاہئے۔ بچپن ہی سے بچیوں کو اِس کی عادت ڈلوانی چاہئے۔ (کتاب النوازل ۴/۸۸-۱۰۵، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۱۰۰-۱۰۸)

عن عائشة رضي اللّٰه عنها أن أسماء بنت أبي بكر دخلت على رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وعليها ثياب رقاق، فأعرض عنها رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم و قال: يأ اسماء إن المرأة إذا بلغت المحيض لم يصلح لها، أن يري منها إلا هذا وهذا وأشار إلى وجهه و كفيه. (سنن أبي داؤد، كتاب اللباس / باب فيما تبدي المرأة من زينتها ٥٦٧/٢ رقم: ٤١٠٤)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ما أسفل من الكعبين من الإزار في النار. (صحيح البخاري، كتاب اللباس / باب ما أسفل من الكعبين الخ رقم: ٥٧٨٧)

اتفق العلماء على النهي عن الصلاة وثوبه مشمر أو كمه أو نحوه، أو رأسه معقوص أو مردود شعره تحت عمامته أو نحو ذلک، فكل هذا منهي عنه باتفاق العلماء، وهو كراهة تنزيهية، فلو صلى كذلک فقد أساء وصحت صلاته. (المنهاج شرح صحيح مسلم تحت رقم: ٤٩٠-٢٣٠ بيت الأفكار الدولية)

وكره كفه أي رفعه ولو لتراب كمشمّر كم أو ذيل (الدر المختار) أي كما لو دخل في الصلاة وهو مشمر كمه أو ذيله ...... واختلف فيمن صلى وقد شمر كميه لعمل كان يعمله قبل الصلاة أو هيئة ذلک. ومثله ما لو شمر للوضوء ثم عجل لإدراک الركعة مع الإمام، وإذا دخل في الصلاة كذٰلک وقلنا بالكراهة فهل الأفضل إرخاء كميه فيها بعمل قليل أو تركهما لم أره، والأظهر الأول بدليل قوله الآتي ولو سقطت قلنسوته فإعادتها أفضل. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ٤٠٦/٢ زكريا، بدائع الصنائع ٥٠٦/١)

وتشـميـر كـميه عنهما للنهي عنه، لما فيه من الجفا المنافي للخشوع.

(مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة، فصل في المكروهات ١٢٨/١)

ولـو صلى رافعًا كميه إلى مرفقين كره. (فتـاوىٰ قـاضي خان / فصل فيما يفسد الصلاة ١٣٥/١، الفتاوىٰ الهندية / كتاب الصلاة ١٠٦/١ زكريا)

وفـي التنوير: وللحرة جميع بدنها خلا الوجه والكفين والقدمين. (تنوير الأبصار مع الشامي ٧٨/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۸ / ۱۴۴۱/۹/۱۰ھ)

آدھی آستین والی قمیص پر دوپٹہ اوڑھ کر نماز پڑھنا

سوال (۲۱۵):- کیا خواتین کے لئے ہاف آستین والی قمیص کے اوپر حجاب پہن کر یا اسی طرح الگ سے آستین پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اگر ہاتھ کے کھلے ہوئے حصے کو حجاب سے یا الگ آستین سے ڈھک کر نماز پڑھی، تو فی نفسہٖ نماز درست ہوجائے گی؛ لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ آدھی آستین کا کپڑا پہننا دین بیزار عورتوں کا طریقہ ہے، جو شرعاً درست نہیں ہے۔ ایسی عورتوں کی مشابہت سے ہمیں منع کیا گیا ہے، اِس لئے گھر کا ماحول یہی بنانا چاہئے کہ سبھی خواتین اور بچیاں مکمل آستین اور پورے بدن کو ڈھانپنے والے کپڑے پہنا کریں، اور بے حیائی والے لباس سے احتراز کریں۔

عـن أبـي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: صـنفان من أهل النار......ونساء كاسيات عاريات الخ. (صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة / باب النساء الكاسيات العاريات ٢٠٥/٢ رقم: ٥٥٤٧)

قـال الإمـام الـنـووي: وقيـل مـعـناه بعض بدنها وتكشف بعضه إظهارًا بجمالها ونحوه، معناه تلبس ثوبا رقيقا يصف لون بدنها. (شرح النووي علىٰ صحيح مسلم / باب النساء الكاسيات العاريات ٢٠٥/٢)

قلت: الوجه الأول ضعيف، فالظاهر هو الوجه الثاني أو الثالث وكلاهما واقع في عصرنا، والعياذ بالله العظيم. (تكملة فتح الملهم، كتاب اللباس والزينة / باب النساء الكاسيات الخ ۱۷۳/۳ دار إحياء التراث العربي بيروت)

من شبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس أو غيره أو الفساق أو الفجار فهو منهم أي في الإثم، قال الطيبي: وهذا عام في الخلق والخلق والشعار. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح ٤٣١، بذل المجهود في شرح سنن أبي داؤد ٤١/٥)

أما لو كان غليظًا لا يرىٰ منه لون البشرة إلا أنه التصق بالعضو وتشكل بشكله فصار شكل العضو مرئيًا، فينبغي أن لا يمنع جواز الصلوة لحصول الستر. قال: وانظر هل يحرم النظر إلىٰ ذٰلك المتشكل مطلقًا أو حيث وجدت الشهوة؟ الخ والذي يظهر من كلامهم هناك هو الأول. (شامي، كتاب الصلاة / باب شروط الصلاة، مطلب في ستر العورة ۸٤/۲ زكريا، ٤١۰/۱ كراچی، حلبي كبير، كتاب الصلاة / شرائط الصلاة، الشرط الثالث ۲۱٤ لاهور)

وحد الستر أن لا يُرى ما تحته، حتى لو سترها بثوب رقيق يصف ما تحته لا يجوز. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب شروط الصلاة ۲٦۸/۱ كوئٹه، ٤٦۷/۱ زكريا، تبيين الحقائق، كتاب الصلاة / باب شروط الصلاة ۹٥/۱ المكتبة الإمدادية ملتان) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۱۴ / ۱۴۴۱/۹/۱۶ھ)

آستین چڑھا کر نماز پڑھنا یا نماز کے درمیان آستین اُتارنا؟

سوال (۲۱۶):- بہت سے لوگ وضو کے بعد آستین کہنی سے نیچے کیے بغیر ہی نماز کی نیت باندھ لیتے ہیں، اور پھر یا تو اِسی حالت میں نماز پوری کر لیتے ہیں اور یا نماز کے دوران آستین کھول لیتے ہیں، تو دونوں صورتوں میں کیا حکم ہے؟ اِس کی وضاحت فرمائیں۔

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اِس بارے میں عرض ہے کہ آستین

چڑھائے ہونے کی حالت میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، حدیث میں اِس کی ممانعت آئی ہے؛ لہٰذا اِس حالت میں تو نماز نہیں پڑھنی چاہئے؛ بلکہ نیت باندھنے سے پہلے آستین کھول لینی چاہئے، اُس کے بعد ہی نیت باندھنی چاہئے۔ اور اگر اِسی حالت میں نماز شروع کردی تو ایک ہاتھ سے عمل قلیل کے ذریعہ آستین کھول سکتے ہیں، ایسا محسوس نہ ہو کہ آدمی نماز میں نہیں ہے، تو اِس سے نماز پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

ولو صلى رافعًا كميه إلى المرفقين كره. (فتح القدير ٤١٨/١ بيروت، الفتاوى الهندية ١٠٦/١ زكريا)

الثالث: الحركات الثلاث المتوالية كثير وإلا فقليل. (الدر المختار مع الشامي ٢٨٥/٢ زكريا، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ٣٢٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۴۱ / ۱۸/۱۲/۱۴۴۱ھ)

آئینہ کے سامنے نماز پڑھنا

سوال (۲۱۷):- آئینہ کے سامنے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- آئینہ کے سامنے بھی نماز درست ہوجاتی ہے؛ لیکن اگر اُس کی وجہ سے خشوع وخضوع میں فرق آتا ہو، تو مکروہ تنزیہی ہوگی۔ اور اگر خشوع وخضوع میں فرق نہیں ہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۶۷۷/۶ ڈابھیل)

[تتمة] بقي في المكروهات أشياء أخر ...... منها: الصلاة بحضرة ما يشغل البال ويخل بالخشوع كزينة ولهو ولعب ...... قوله: لأنه يلهي المصلي: أي فيخل بخشوعه من النظر إلى موضع سجوده ونحوه، وقد صرح في البدائع في مستحبات الصلاة: أنه ينبغي الخشوع فيها، ويكون منتهى بصره إلى موضع سجوده الخ، وكذا صرح في الأشباه: أن الخشوع في الصلاة مستحب، والظاهر من هذا أن الكراهة هنا تنزيهية فافهم. (رد المحتار، كتاب

الصلاة / بـاب مـا يفسد الصلاة وما يكره فيها ۱/٦٥٤-٦٥٨ كراچى، البحر الرائق، كتاب الصلاة / بـاب مـا يـفسـد الـصـلاة وما يكره فيها ۲/٦٥ رشيدية، وكذا في تبيين الحقائق / فصل: كره استقبال القبلة بالفرج الخ ۱/٤٢٠ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۴۷ / ۱۴۴۲/۲/۲ھ)

دورانِ نماز سامنے لٹکے ہوئے کلینڈر پر قرآن کی سورت پڑھنا

سـوال (۲۱۸):- اگر نماز کے دوران سامنے لٹکے ہوئے کلینڈر وغیرہ پر لکھی ہوئی سورت کو اگر نمازی پڑھ لے، تو اُس کی نماز باقی رہے گی یا ٹوٹ جائے گی؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اگر کلینڈر پر بلا اِرادہ نظر پڑ گئی تو نماز میں کوئی کراہت نہیں آئی؛ لیکن اگر بالقصد کلینڈر دیکھ کر دل سے یہ سمجھ لیا کہ کیا لکھا ہے، تو اگرچہ نماز فاسد نہ ہوگی؛ لیکن بالقصد ایسا کرنا مکروہ ہے؛ البتہ اگر کلینڈر دیکھ کر کم از کم ایک آیت زبان سے پڑھ لی تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

ولا يفسدها نظره إلى مكتوب وفهمه ولو مستفهما وإن كره (الدر المختار) قوله ولو مستفهما: أشار به إلى نفي ما قيل أنه لو مستفهمًا تفسد عند محمد. قال في البحر: والصحيح عدمه لعدم الفعل منه وشبهة الاختلاف قوله: وإن كره. أي لاشتغاله بما ليس من أعمال الصلاة، وأما لو وقع عليه نظره بلا قصد وفهمه فلا يكره. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۲/۳۹۸ زكريا، الهداية، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۱/۲۷۰ مكتبة البشرىٰ كراچى، البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۲/۱٤ كراچى)

وتفسد الخ، وقراءته من مصحفٍ أي ما فيه قرآن مطلقًا؛ لأنه تعلمٌ الخ. وقيل: لا تفسد إلا بآيةٍ، واستظهره الحلبي (الدر المختار) قوله: أي ما فيه قرآنٌ عممه ليشمل المحراب؛ فإنه إذا قرأ ما فيه فسدت في الصحيح

الـخ. وقيـل: ما لم يقرأ آيةً، وهو الأظهر؛ لأنه مقدار ما تجوز به الصلاة عنده.
(شامي، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۲/۳۸۳-۳۸٤ زكريا)

لـو نـظـر الـمـصـلي إلى مكتوب وفهمه، سواء كان قرآنًا أو غيره قصد الاستـفـهـام أو لا أسـاء الأدب، ولـم تـفـسد صلاته لعدم النطق بالكلام (مراقي الـفـلاح) وبـالـنـظـر والفهم لم تحصل، وإليه أشار المؤلف بقوله لعدم النطق، قـصـد الاستـفـهـام الـخ، بهـذا عـلـم أن تـرك الخشوع لا يخل بالصحة؛ بل بـالكمال، ولذا قال في الخانية والخلاصة إذا تفكر في الصلاة فتذكر شعرًا أو خـطبةً فـقـرأهـا بـقـلبه ولم يتكلم بلسانه لا تفسد صلاته كما في البحر. أساء الأدب الـخ؛ لأنـه فيه اشتغالا عن الصلاة، وظاهره أن الكراهة تنزيهية. (حاشية الـطـحـطـاوي عـلـى مـراقـي الـفـلاح / فصل فيما لا يفسد الصلاة ص: ۱۸۷ کراچی، ص: ۳٤۱ دار الكتاب ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۶ / ۱۴۴۱/۹/۸ھ)

تصویر والے ڈبوں کے سامنے نماز اَدا کرنا

سوال (۲۱۹):- ہماری ریڈی میٹ گارمینٹس کی دوکان ہے، اورآج کل کمپنیاں جو ڈبے وغیرہ بھیجتی ہیں اُن پرفوٹو بنے ہوئے رہتے ہیں، اَب ہم جب دوکان میں نماز اَدا کریں گے تو وہ تصویر والے ڈبے سامنے پڑ جاتے ہیں، تو ہم کیا کریں؟ کیا اُن کے سامنے رہتے ہوئے ہماری نماز درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- جس وقت دوکان میں نماز اَدا کریں تو اُن ڈبوں کے اُوپر کوئی کپڑا وغیرہ ڈال دیں یا وہ ڈبے سامنے سے ہٹادیں؛ کیوں کہ اُن تصویروں کے سامنے رہتے ہوئے نماز پڑھنا مکروہ ہوگا۔

عـن أنـس رضـي اللّٰه عنه قال: كان قرام لعائشة سترت به جانب بيتها،

فقال النبي صلى الله عليه وسلم: أميطي عنا قرامک هٰذا، فإنه لا تزال تصاويره تعرض في صلاتي. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة / باب إن صلى في ثوب مصلب أو تصاوير هل تفسد صلاته؟ ٥٤/١ رقم: ٣٧٤)

ويكره أن يصلي وبين يديه أو فوق رأسهٖ أو علىٰ يمينهٖ أو علىٰ يسارهٖ أو في ثوبهٖ تصاوير الخ، وأشدها كراهة أن تكون أمام المصلي. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، الفصل الثاني ١٠٧/١ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۳۱ / ۲۱/۱۰/۱۴۴۱ھ)

میاں بیوی یا ماں بیٹے کا ایک جائے نماز پر اپنی اپنی نماز پڑھنا

سوال (۲۲۰):- گھر کے اندر میاں بیوی یا ماں بیٹے ایک جانماز پر یا برابر برابر جانماز پر کھڑے ہوکر اپنی الگ الگ نمازیں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- میاں بیوی یا ماں بیٹے یا بھائی بہن کا ایک جائے نماز پر قریب قریب نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اِسی طرح عورت اگر اگلی صف میں ہو تو اُس کے پیچھے مرد کو کھڑا ہونا مکروہ ہے؛ البتہ مرد آگے کھڑا ہو، اور اُس کے پیچھے عورتیں اپنی نماز پڑھیں تو اِس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (یہ تفصیل اِنفرادی نمازوں کے بارے میں ہے، اور اگر مرد وعورت ایک ہی جماعت میں نماز پڑھ رہے ہوں تو عورت کے محاذات میں کھڑے ہونے پر مرد کی نماز فاسد ہوجائے گی)

محاذاة المرأة مفسدة لصلاته ولها شرائط: منها: أن تكون المحاذية مشتهاة تصلح للجماع ولا عبرة للسن وهو الأصح. ومنها: أن تكون الصلاة مطلقةً وهي التي لها ركوع وسجود. ومنها: أن تكون الصلاة مشتركة تحريمة وأداءً. ومنها: أن يكونا في مكان واحد. ومنها: أن يكونا بلا حائل وأدنى الحائل قدر مؤخر الرجل وغلظه غلظ الأصبع والفرجة تقوم مقام ......

الحائل وأدناه قدر ما يقوم فيه الرجل، كذا في التبيين. ومنها: أن تكون ممن تصح منها الصلاة. ومنها: أن ينوي الإمام إمامتها أو إمامة النساء وقت الشروع. ومنها: أن تكون المحاذاة في ركن كامل. ومنها: أن تكون جهتهما متحدة ...... ثم المرأة الواحدة تفسد صلاة ثلاثة واحد عن يمينها وآخر عن يسارها وآخر خلفها، ولا تفسد أكثر من ذلك. وهكذا في التبيين، وعليه الفتوىٰ. كذا في التاتارخانية. والمرأتان صلاة أربعة واحد عن يمينهما وآخر عن يسارهما وإثنان خلفهما بحذائهما، وإن كن ثلاثًا أفسدت صلاة واحد عن يمينهن وآخر عن يسارهن وثلاثة خلفهن إلى آخر الصفوف، وهذا جواب الظاهر. هكذا في التبيين. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الخامس في الإمامة، الفصل الخامس في بيان مقام الإمام والماموم ۸۹/۱ زكريا، كذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الإمامة ۳۱٤/۲ زكريا، تبيين الحقائق، كتاب الصلاة / باب الإمامة ۱۳٦/۱ المكتبة الإمدادية ملتان)

قوله: مشتركة، احترز به عن محاذاة المصلية لمصل ليس هو في صلاتها حيث تكره، ولا تفسد كما في الدر. قال في العناية: والاشتراك إنما يتحقق باتحاد الصلاتين حقيقة كاقتداء مفترض بمثله ومتطوع بمثله أو ضمنًا كاقتداء متنفل بمفترض. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة ص: ۳۳۰ دار الكتب العلمية بيروت)

فمحاذاة المصلية لمصل ليس في صلاتها مكروهة لا مفسد (الدر المختار) قوله: ليس في صلاتها: بأن صليا منفردين أو مقتديًا أحدهما بإمام لم يقتد به الآخر، شرح المنية. قوله: مكروهة: الظاهر أنها تحريمية؛ لأنها مظنة الشهوة والكراهة على الطارئ. قلت: وفي معراج الدراية: وذكر شيخ الإسلام مكان الكراهة الإساءة والكراهة أفحش. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الإمامة ۳۱۷/۲-۳۱۸ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۳۰ / ۱۴۴۱/۱۰/۱۴ھ)

میاں بیوی کا ایک ساتھ ایک مصلیٰ پر نماز پڑھنا

سوال (۲۲۱):- کیا میاں بیوی ایک ساتھ ایک مصلیٰ پر نماز پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- اگر دونوں اپنی الگ الگ نماز پڑھ رہے ہیں تو اگر چہ ایک مصلیٰ پر نماز پڑھنے سے نماز فاسد تو نہیں ہوگی؛ لیکن اِس طرح سے ایک ساتھ پڑھنے کو فقہاء نے مکروہ قرار دیا ہے؛ لہٰذا مرد کو آگے اور عورت کو پیچھے کھڑے ہوکر یا الگ الگ جگہوں پر نماز پڑھنی چاہئے، ایک ساتھ مل کر اِنفرادی نماز پڑھنا بھی بہتر نہیں ہے۔ اور اگر جماعت کے ساتھ پڑھیں اور محاذات وقربت کی شکل ہوجائے، تو حسبِ شرائط نماز فاسد ہوجائے گی۔

وشروط المحاذاة: أولها، المشتهاة. ثانيها: أن تكون بالساق والكعب على ماذكره. ثالثها: أن تكون في أداء ركن أو قدره. رابعها: أن تكون في صلاة مطلقة. خامسها: أن تكون في صلاة مشتركة تحريمة. سادسها: اتحاد المكان. سابعها: عدم الحائل. ثامنها: عدم الإشارة إليها بالتأخر. وتاسعها: أن يكون الإمام قد نوى إمامتها. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ۳۳۱ دار الكتب العلمية بيروت)

فمحاذاة المصلية لمصل ليس في صلاتها مكروهة لا مفسد (وتحته في الشامية) قوله: "ليس في صلاتها" بأن صلى منفردين أو مقتديًا أحدهما بإمام لم يقتد به الآخر. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الإمامة ۳۱۷/۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۴۲ / ۱۴۴۱/۱۲/۲۵ھ)

پہلی رکعت میں چھوٹی اور دوسری میں بڑی سورت پڑھنا

سوال (۲۲۲):- پہلی رکعت میں چھوٹی سورت اور دوسری رکعت بڑی سورت پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں نماز تو درست

ہوجائے گی؛ لیکن فرائض میں ایسا کرنا مکروہ ہے۔ اَفضل یہ ہے کہ پہلی رکعت میں بڑی سورت اور دوسری میں اُس سے چھوٹی سورت پڑھی جائے؛ البتہ نوافل میں گنجائش دی گئی ہے۔

وتطويل الركعة الثانية على الأولىٰ في جميع الصلوات الفرض والنفل مكروه، ونقل ابن فرشتة في شرح المجمع عن جامع المحبوبي أن إطالة الثانية إنما تكره في الفرائض، وأما في النوافل فغير مكروه، ولعل الوجه فيه أن النفل بابه واسعٌ، فيغتفر فيه ما لا يغتفر في غيره؛ لأن المتطوع أمير نفسه لا يلزمه إلا ما التزمه باختياره وقصده، بخلاف الفرض؛ لأنه مقدار معين أصلاً ووصفًا فلا يتجاوز فيه عن ذلك، وحينئذٍ فالمتنفل لم يلتزم التسوية بين الركعتين فلا تلزمه، بخلاف غيره فإن الشارع قد حدّ له فيه حدًا فلا يتجاوزه، وإذا لم يكره إطالة الثانية في النفل لم تكره إطالة الأولىٰ. (حلبي كبير / فصل في ما يكره فعله في الصلاة وما لا يكره ص: ٣٥٦ سهيل اكيڈمی لاهور، خانية على الهندية ١١٩/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۳۵ / ۱۳/۱۱/۱۴۴۱ھ)

دوسورتوں کے درمیان ایک سورت چھوڑنا

سوال (۲۲۳):- دوسورتوں کے درمیان ایک سورت کا فصل کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- چھوٹی سورتوں میں درمیان میں کوئی سورت چھوڑنا خلافِ اَولیٰ ہے، مثلاً ''الم تر کیف'' کے بعد ''سورۂ قریش'' چھوڑ کر ''سورۂ ماعون'' پڑھ دی، تو ایسا کرنا مکروہ ہے؛ البتہ اگر لمبی سورتوں میں سے کوئی سورت چھوٹ جائے تو اِس میں کوئی حرج نہیں ہے، مثلاً: ''سورۂ مزمل'' کے بعد دوسری رکعت میں ''سورۂ قیامۃ'' پڑھنا؛ تو اِس میں کراہت نہ ہوگی۔

ويكره الفصل بسورة قصيرة. (رد المحتار، كتاب الصلاة / فصل في القراءة ٢٦٩/٢ زكريا)

وإن كان في الركعتين، فإن كان بينهما سور لا يكره، وإن كانت سورة واحدة قال بعضهم: يكره. وقال بعضهم: إن كانت السورة طويلة لا يكره. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل الثاني في فرائض الصلاة ٦٨/٢ زكريا)

ولو قرأ في كل ركعة سورة وترك بين السورتين سورة يكره لما قلنا، إلا أن تكون تلك السورة أطول من التي قرأها في الركعة الأولىٰ، بحيث يلزم منه إطالة الركعة الثانية إطالة كثيرة، فلا يكره. (حلبي كبير، كتاب الصلاة / تتمات فيما يكره من القرآن في الصلاة وما لا يكره ص: ٤٩٤ سهيل اكيڈمی لاهور)

ويكره فصله لسورة بين سورتين قرأهما في ركعتين لما فيه من شبهة التفضيل والهجر، وقال بعضهم: لا يكره إذا كانت السورة طويلة، كما لو كان بينهما سورتان قصيرتان (مراقي الفلاح) قوله: ''طويلة'' لأنها بمنزلة سورتين قصيرتين بحر. قوله: ''سورتان قصيرتان'' هو الأصح، كذا في الدر المنيفة. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / فصل في المكروهات ص: ١٩٤ قديمی كتب خانه كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۳۵ / ۱۳/۱۱/۱۴۴۱ھ)

سجدہ سے اُٹھتے وقت زمین پر ہاتھ ٹیکنا

سوال (۲۲۴):- زمین پر ہاتھ رکھ کر سجدے سے اُٹھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- بہتر یہ ہے کہ سجدے سے اُٹھتے وقت بلاعذر زمین پر ہاتھ نہ ٹیکیں، پھر بھی اگر ٹیک لئے تو نماز درست ہوجائے گی، سجدۂ سہو واجب نہیں ہے۔

ويكبر للنهوض على صدور قدميه بلا اعتماد وقعود استراحة ولو فعل لا بأس. قوله: بلا اعتماد أي على الأرض، قال في الكفاية: أشار به إلى خلاف الشافعي في موضعين: أحدهما يعتمد بيديه على ركبتيه عندنا وعنده على

الأرض. والثاني الجلسة الخفيفة. قال شمس الأئمة الحلواني: الخلاف في الأفضل حتى لو فعل كما هو مذهبنا لا بأس به عند الشافعي، ولو فعل كما هو مذهبه لا بأس به عندنا، كذا في المحيط. قال في الحلية: والأشبه أنه سنة أو مستحب عند عدم العذر فيكره فعله تنزيهًا لمن ليس به عذر. وتبعه في البحر وإليه يشير قولهم: لا بأس فإنه يغلب فيما تركه أولىٰ. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ٢/ ٢١٣-٢١٤ زكريا، حلبي كبير ص: ٣٢٣ سهيل اكيڈمی لاهور، كذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة، فصل في تركيب أفعال الصلاة ١/ ٥٦٢ دار الكتب العلمية بيروت وزكريا ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲۸ / ۱۴۴۱/۹/۳۰ھ)

رکوع سجدہ اورالتحیات کی جگہ قرآن پڑھنا

سوال (۲۲۵):- اگرکوئی شخص نماز میں رکوع اور سجدے کی تسبیحات، التحیات، درود شریف اور دعائے ماثورہ نہ پڑھ کر اِن سب کی جگہ قرآنِ کریم پڑھ لے یا خالی سوچتا رہے، تو کیا نماز ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اِمام یا منفرد شخص اگر رکوع، سجدے یا قعدے کی حالت میں قرآنِ پاک کی تلاوت کرے، یا تین تسبیح کے بقدر بلا وجہ سوچتا رہ جائے، تو کراہت تحریمی کے اِرتکاب کی وجہ سے اُس پر سجدۂ لازم ہوگا۔ نیز التحیات پڑھنا مستقل واجب ہے، اُس کا ترک بھی موجب سجدۂ سہو ہے۔ اور اگر مقتدی شخص اِمام کے پیچھے کسی رکن میں قرآنِ کریم پڑھ لے، تو اگرچہ اُس کا یہ عمل مکروہ ہے؛ لیکن اُس پر سجدۂ سہو لازم نہیں ہے۔

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنه قال: كشف رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم الستارة والناس صفوف خلف أبي بكر، فقال: ...... إلا وإني نهيت أن أقرأ القرآن راكعًا أو ساجدًا. فأما الركوع فعظموا فيه الرب عزوجل، وأما

السجود فاجتهدوا في الدعاء فقمن أن يستجاب لكم. (صحيح مسلم، كتاب الصلاة / باب النهي عن قراءة القرآن في الركوع والسجود رقم: ٤٧٩)

ويكره إتمام القراءة راكعًا والقراءة في غير حالة القيام. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب: في بيان السنة والمستحب ٤٢٥/٢ زكريا)

والتشهدان ويسجد للسهو بترك بعضه ككله (الدر المختار) أي تشهد القعدة الأولىٰ وتشهد الأخيرة. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ١٥٩/٢ زكريا)

ويلزم المأموم السجود مع الإمام بسهو إمامه لا بسهوه؛ لأنه لو سجد وحده كان مخالفًا لإمامه ولو تابعه الإمام ينقلب التبع أصلاً، فلا يسجد أصلاً، قال صلى الله عليه وسلم: الإمام لكم ضامن يرفع عنكم سهوكم وقراء تكم، قوله: كان مخالفًا لإمام، وهو منهي عنه لقوله عليه السلام: لا تختلفوا علىٰ أئمتكم. (حاشية الطحطاوي مع مراقي الفلاح / باب سجود السهو ص: ٢٥٢ قديمي كتب خانه كراچی، ص: ٤٦٤ دار الكتب العلمية بيروت)

والثالثة تكره عمدًا حتى شغله عن مقدار ركن سئل فخر الإسلام البديعي كيف يجب بالعمد، قال: ذاك سجود العذر لا سجود السهو. أي السجود الذي يفعل للاعتذار عما وقع منه. (مراقي الفلاح مع الطحطاوي، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ص: ٤٦٢ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۳۳ / ۱۴۴۱/۱۰/۲۸ھ)

نماز پڑھتے ہوئے آنکھیں بند کرنا

سوال (۲۲۶):- نماز پڑھتے ہوئے آنکھیں بند کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- نماز میں قصداً آنکھیں بند کرنا مکروہِ تنزیہی ہے؛ لیکن اگر اتفاقاً آنکھیں بند ہوجائیں یا کسی صحیح غرض سے بند کی جائیں، مثلاً آس

پاس شور ہونے کی وجہ سے دھیان بٹ رہا ہے، تو ایسی صورت میں فقہاء نے لکھا ہے کہ نماز کے دوران آنکھ بند کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ تاہم اِس کا معمول بنانا مناسب نہیں ہے۔ اور بالقصد وبلا عذر ایسا نہیں کرنا چاہئے؛ کیوں کہ بعض روایات میں آنکھ بند کر کے نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ مسنون یہ ہے کہ نماز میں آنکھیں کھولی رکھی جائیں، اور قیام کی حالت میں سجدے کی جگہ پر نگاہ جمائی جائے، وغیرہ۔

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا قام أحدكم في الصلاة فلا يغمض عينيه. رواه الطبراني في الثلاثة، وفيه ليث بن أبي سليم وهو مدلس، وقد عنعنه. (رواه الهيثمي في مجمع الزوائد، كتاب الصلاة / باب تغميض البصر في الصلاة ٥٦٧/٤ رقم: ٢٤٧٩ دار المنهاج، والطبراني في المعجم الكبير ٣٤/١١ رقم: ١٠٩٥٦)

ويكره أن يغمض عينيه في الصلاة، لما روي عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه نهى عن تغميض العين في الصلاة، ولأن السنة أن يرمى ببصره إلىٰ موضع سجوده. وفي التغميض ترك هٰذه السنة، ولأن كل عضو وطرف ذو حظ من هٰذه العبادة، فكذا العين. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة / فصل فيما يستحب ويكره فيها ٨١/٢ دار الكتب العلمية بيروت)

وتغميض عينيه للنهي إلا إذا قصد قطع النظر عن الأغيار والتوجه إلىٰ جناب الملك الستار. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ١٢٤/١ دار إحياء التراث العربي بيروت)

وتغميض عينيه للنهي لإكمال الخشوع (الدر المختار) بأن فات فوت الخشوع بسبب رؤية ما يفرق الخاطر، فلا يكره؛ بل قال بعض العلماء: إنه الأولىٰ، وليس ببعيد. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ٤١٤/٢ زكريا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۳۳۰ / ۱۴۴۱/۱۰/۲۸ھ)

مسجد کی لائٹیں بند کر کے نماز پڑھنا

سوال (۲۲۷):- فرض نماز دن میں کمرہ کی لائٹ بند کر کے پڑھنا کیسا ہے؟ اِسی طرح تراویح کے دوران مسجد کی لائٹیں بند کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- نماز میں ایسا اَندھیرا کہ قبلہ مشتبہ ہوجائے، یا اُس کی وجہ سے نمازی اپنی صفیں سیدھی نہ کر پائیں، تو ایسے اندھیرے میں نماز پڑھنا ممنوع ہے؛ لیکن اگر لائٹ ہلکی کردی جائے، اور زائد لائٹیں بجھادی جائیں، یا صرف پیچھے کی لائٹیں جلادی جائیں؛ تاکہ یکسوئی حاصل ہو، تو فرض اور تراویح ہر طرح کی نماز میں ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ قاسمیہ ۷/۴۰۷)

مستفاد: عن عائشة رضي الله عنها زوج النبي صلى الله عليه وسلم أنها قالت: كنت أنام بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم ورجلاي في قبلته، فإذا سجد غمزني فقبضت رجلي فإذا قام بسطتها، قالت: والبيوت يومئذ ليس فيها مصابيح. (صحيح البخاري ۲۳/۱ رقم: ۵۱۳)

حكم الصلاة في الظلام:- هل يجوز أن يصلي أحد في الظلام وهو داخل المنزل أم لا بد من وجود نور عنده وهو يصلي؟ نرجو الإفادة.

ج:- لا حرج أن يصلي في الظلام إذا عرف القبلة وصار اتجاهه إلى القبلة، فلا حرج أن يصلي في الظلام ولا يشترط له النور ولا يجب؛ بل ذلک جائز، إن صلى في النور أو في الظلام لا بأس إذا كانت القبلة معروفة، ولا يحتاج إلى النور لمعرفة القبلة فلا حاجة إلى النور، المقصود أنه لا يتعلق بهذا شيء، الصلاة صحيحة مطلقًا، سواء كان ذلک في نور أو في ظلمة إذا كان إلى القبلة.

(فتاویٰ نور على الدرب لابن باز بعناية الشويعر / حكم الصلاة في الظلام ۳۷۰/۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۴۵ / ۱۴۴۲/۱/۱۷ھ)

مفسداتِ نماز

کراہنے سے فسادِ نماز کا حکم

سوال (۲۲۸):- مفتی اعظم حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ دورانِ نماز رنج یا بیماری کی وجہ سے کراہنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، اَب ایک شخص کو عین نماز میں گردے میں درد ہوگیا، تو وہ نماز کیسے اَدا کرے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اِس مسئلہ میں قدرے تفصیل ہے، وہ یہ کہ اگر کوئی شخص بالقصد نماز میں کراہتا ہے، یعنی وہ کراہنے کی آواز کو روکنے پر قدرت کے باوجود آواز نکالے، تو اُس کی نماز فاسد ہوجائے گی۔ یہی بات حضرت مفتی اعظمؒ نے لکھی ہے؛ لیکن اگر درد یا تکلیف کی شدت کی وجہ سے بلا اِرادہ کراہنے کی آواز نکل گئی تو اُس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، حضرات فقہاء نے اِس کی وضاحت فرمائی ہے۔

اِس تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ اگر دورانِ نماز گردے میں درد کی وجہ سے کراہ نکل جائے تو اُس سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اور اگر درد کی شدت کی وجہ سے نماز پوری کرنا مشکل ہو، تو ایسی صورت میں نماز توڑنے میں بھی حرج نہیں ہے۔

والأنين هو قوله: "أهـ" بالقصر، والتأوه هو قوله: "آه" بالمد، والبكاء بصوت يحصل به حروف لوجع أو مصيبة قيد للأربعة إلا لمريض لا يملك نفسه عن أنين وتاؤه الخ، لا لذكر جنة ونار. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب: المواضع التي لا يجب فيها رد السلام ۲/۳۷۷-۳۷۸ زكريا)

وإن أن المصلي في صلاته بأن قال: أه بقصر الهمزة مفتوحة أو تاوه بأن قال أوه بفتح الهمزة وتشديد الواو مفتوحة أو بضم الهمزة وإسكان الواو،

أو قال: آه بمد الهمزة، أو بکی فیها فارتفع بکاؤه أي حصل منه صوت مسموع ...... وإن کان ذلک الأنین ونحوه من وجع حصل له في بدنه أو مصیبة أصابته في أهله أو ماله یقطعها؛ لأنه بمنزلة الشکایة ...... وعن محمد أنه إن کان شدید الوجع بحیث لا یملک نفسه لا تفسد، ولا فرق في الحکم المذکور بین قوله أوه أي التأوه وبین قوله أه بالقصر أي الأنین عند أبي حنیفة ومحمد وهو قول أبي یوسف أولا، وهو ظاهر الروایة عنه، وقال أبویوسف: آخرا لا تفسد صلاته في نحو أه واف وتف مما هو مشتمل علی حرفین ...... أما لو کانت ثلاثة أحرف فتفسد بالاتفاق. (حلبي کبیر / فصل فیما یفسد الصلاة ص: ٤٣٦-٤٣٧، البحر الرائق، کتاب الصلاة / باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها ٣/٢-٤ کراچی، الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة / الباب السابع فیما یفسد الصلاة وما یکره فیها ١٠٠/١)

التأفیف والأنین والتأوّه وارتفاع بکاءه وهو أن یحصل به حروف مسموعة من وجع أو مصیبة کذا قیّده في الفتح، والسراج وشروح الکنز، ومرادهم بالجمع ما فوق الواحد، وفیه إشارة إلی أن مجرد الصوت غیر مفسد خلافًا لظاهر البحر، ومحل الفساد به عند حصول الحروف إذا أمکنه الامتناع عنه، أما إذا لم یمکنه الامتناع عنه فلا تفسد به عند الکل کما في الظهیریة کالمریض إذا لم یمکنه منع نفسه عن الأنین والتأوّه؛ لأنه حینئذ کالعطاس والجشاء إذا حصل بهما حروف لا من ذکر جنة أو نار اتفاقًا لدلالتها علی الخشوع. (حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، کتاب الصلاة / باب ما یفسد الصلاة ص: ٣٢٤-٣٢٥ دار الکتاب دیوبند، وکذا في النهر الفائق، کتاب الصلاة / باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها ٢٦٧/١-٢٦٨ زکریا دیوبند، فتح القدیر، کتاب الصلاة / باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها ٤٠٧/١ زکریا دیوبند، ٣٤٥/١ کوئٹه، مجمع الأنهر، کتاب الصلاة / باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها ١٧٨/١-١٧٩ دار الکتب العلمیة بیروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۹ / ۱۴۴۱/۹/۱۱ھ)

اگر دورانِ نماز وضوٹوٹ جائے تو کیا کرے؟

سوال (۲۲۹):- نماز پڑھ رہا تھا، تیسری رکعت میں وضوٹوٹ گیا، تو کیا کریں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- اگر دورانِ نماز بلا اِرادہ حدث لاحق ہوجائے، تو بہتر یہی ہے کہ وضو کرکے اَز سرِنو نماز پڑھی جائے؛ تاہم اگر کسی کو اچھی طرح بناء کا مسئلہ معلوم ہوتو وہ حسبِ شرائط وضو کرکے واپس آ کر مابقیہ اپنی نماز مکمل کرسکتا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۶/۵۷۵ ڈابھیل، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۳/۴۰۲)

عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أصابه قيء أو رعاف أو قلس أو مذي، فلينصرف فليتوضأ، ثم ليبن على صلاته وهو ذلك لا يتكلم. (سنن ابن ماجة / باب ما جاء في البناء على الصلاة ٨٥ رقم: ١٢٢١)

عن علي بن طلق رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا فسا أحدكم في الصلاة فلينصرف، فليتوضأ وليعد الصلاة. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / باب من يحدث في الصلاة ١/٢٧ رقم: ٢٠٥، سنن الدار قطني، كتاب الطهارة / باب في الوضوء من الخارج من البدن ١/١٦٠ رقم: ٥٥٤ دار الكتب العلمية بيروت)

من سبقه حدث سماوي من بدنه موجب للوضوء في الصلاة انصرف من فوره وتوضأ من غير أن يشتغل بشيء غير ضروري في وضوئه وبنى على صلاته عندنا، إن لم يعرض له ما ينافيها. (حلبي كبير، كتاب الصلاة / باب الحدث في الصلاة ٤٥٢ المكتبة الأشرفية ديوبند)

ومن سبقه الحدث في الصلاة انصرف أو تنحنح فخرجت ريح بقوته في الصلاة انصرف، فإن كان إمامًا استحلف وتوضأ وبنى على صلاته ما لم يوجد منه ما ينافي صلاته مما له بد الكلام والأكل والشرب والبول والتغوط ونحو ذلك، والقياس أن يستقبل وهو قول الشافعي؛ لأن الحدث ينافيها والمشي والانحراف يفسدانها فأشبه الحدث العمد، ولنا قوله عليه السلام: من قاء أو رعف أو أمذى

في صلاته فلينصرف وليتوضأ وليس على صلاته ما لم يتكلم. (الهداية) والمعنى من غير توقف بعد سبق الحدث؛ لأنه إذا وقف يصير مؤديًا جزء الصلاة مع الحدث فتنقطع صلاته، ولو مكث في مكانه قدر ما يؤدي ركنًا فسدت صلاته، قوله: فإن كان إمامًا استخلف وتوضأ. وتفسير الاستخلاف هو أن يأخذه بثوبه ويجره إلى المحراب، كذا في الخلاصة. قوله: وبني أي على صلاته. (البناية شرح الهداية، كتاب الصلاة / باب الحدث في الصلاة ۳۷۶/۲-۳۸۲ المكتبة النعيمية ديوبند)

والمقتدي يعود إلى مكانه إلا أن يكون إمام قد فرغ. (الهداية / باب الحدث في الصلاة ۱۱۵/۱ المكتبة الأشرفية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۲۲ / ۱۴۴۱/۹/۲۴ھ)

دورانِ نماز موبائل میں قرآن دیکھنا

سوال (۲۳۰):- کیا اِمام صاحب تراویح میں غلطی آجانے پر جیب سے موبائل نکال کر اور اُس میں قرآنِ پاک دیکھ کر غلطی کی اصلاح کر سکتے ہیں یا نہیں؟ یا سننے والا کوئی موبائل میں قرآن دیکھ کر اِمام کو لقمہ دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اَحناف کے نزدیک تراویح یا کسی بھی نماز میں قرآنِ پاک کو بالقصد دیکھ کر پڑھنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اور اُس کی فقہاء نے ۲/وجوہات لکھی ہیں:

(۱) فساد کی پہلی وجہ یہ ہے کہ اِس میں عمل کثیر پایا جاتا ہے، یعنی قرآنِ پاک کا ہاتھ میں اُٹھانا اور اَوراق پلٹنا، اِسی طرح موبائل ہاتھ میں لے کر ایپ کھولنا اور صفحات دیکھنا؛ یہ مسلسل عمل ہے، جو مفسد نماز ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ عمل کثیر کی پہچان یہ ہے کہ دیکھنے والا یہ سمجھے کہ یہ آدمی نماز میں نہیں ہے۔

(۲) اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اِس میں نماز کے اندر باہر سے تعلیم اور تلقین پائی جا رہی ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی غیر مقتدی اِمام کو غلطی پر لقمہ دے، تو اِس سے نماز فاسد ہو جاتی

ہے۔ اِسی طرح قرآنِ پاک دیکھ کر پڑھنے سے نماز فاسد ہوجائے گی؛ خواہ موبائل میں دیکھ کر پڑھے یا قرآنِ پاک کھول کر پڑھے، دونوں کا حکم یہی ہے۔

علاوہ اَزیں نماز میں قرآن ہاتھ میں لے کر پڑھنے میں بے اَدبی کا پہلو بھی پایا جاتا ہے۔ ہم نے حرم شریف میں خود دیکھا ہے کہ آدمی قرآن ہاتھ میں لئے پڑھ رہا ہے، جب وہ سجدہ میں گیا تو اُس کو ویسے ہی زمین پر رکھ دیا، پھر جب سجدے سے اُٹھا تو ہاتھ میں لے لیا۔

یہاں یہ اہم پہلو بھی قابل توجہ ہے کہ اگر غلطی آنے پر حفاظ کو دورانِ نماز قرآنِ کریم دیکھنے کی اِجازت دی جائے، تو ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے علاقوں میں ۹۰رفی صد حفاظ کو قرآنِ کریم حفظ نہیں رہ پائے گا؛ کیوں کہ پکا حفظ تو جبھی رہتا ہے جب آدمی ذہن پر زور ڈال کر پڑھے، اور اُسے یہ احساس ہو کہ میں نماز میں خود نہیں دیکھ سکتا۔ اور اگر یہ اطمینان ہو کہ غلطی آنے پر دیکھ لیں گے، تو قرآن پاک پکا یاد نہیں ہو پائے گا۔ اِس لئے مصلحت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ دورانِ نماز قرآن دیکھنے کی اِجازت نہ دی جائے۔

جن بعض ائمہ کرام نے نماز کے دوران قرآنِ کریم دیکھنے کی اِجازت دی ہے، وہ اُس روایت سے استدلال کرتے ہیں جس میں یہ مضمون ہے کہ ''اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خادم حضرت ذکوانؒ قرآنِ کریم سامنے رکھ کر آپ کی اِمامت فرماتے تھے''۔ مگر ہمارے اَکابر علماء نے اِس روایت کی توجیہ یہ فرمائی ہے کہ حضرت ذکوان رحمۃ اللہ علیہ ہر دو رکعت کے بعد قرآن دیکھ کر یاد کرتے تھے، پھر نماز پڑھاتے تھے؛ کیوں کہ اُن کے پیچھے کوئی لقمہ دینے والا حافظ نہ تھا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ قرآن ہاتھ میں لے کر نماز پڑھاتے ہوں؛ کیوں کہ اُس دور میں اِس کا تصور نہ تھا؛ اِس لئے کہ قرآنِ پاک آج کی طرح کتابی شکل میں نہیں تھا؛ بلکہ الگ الگ تختوں، پتھروں اور چمڑوں وغیرہ پر لکھا ہوا تھا، جس کو دورانِ نماز تسلسل کے ساتھ پڑھنا متصور نہ تھا۔

بہرحال حنفیہ کے نزدیک نماز میں قرآنِ پاک دیکھ کر غلطی درست کرنے سے نماز فاسد ہوجائے گی۔ اِسی طرح اگر مقتدی نے قرآن دیکھ کر لقمہ دیا، تو بھی نماز درست نہ رہے گی، اِس لئے اِمام تراویح کو چاہئے کہ اچھی طرح یاد کرکے سنائے، اور کسی اچھے حافظ کو سامع بنائے، پھر

بھی اگر قرآن دیکھنے کی ضرورت ہوتو سلام پھیر کر مراجعت کرے۔

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: نهانا أمير المؤمنين عمر رضي اللّٰه عنه أن نؤم الناس في المصحف، ونهانا أن يؤمنا إلا المحتلم. (رواه ابن أبي داؤد، كنز العمال / فصل في آداب الإمام ٢٤٦/٤ رقم: جامع الأحاديث: ٣١٥٥٩، إعلاء السنن، كتاب الصلاة / باب فساد الصلاة بالقراءة من المصحف ٦١/٥ دار الكتب العلمية بيروت، ٤٩/٥ كراچی)

وقراءة ما لا يحفظه من مصحف، وإن لم يحمله للتلقى من غيره. (مراقي الفلاح) وفي الطحطاوي: ولأبي حنيفة في فسادها وجهان: أحدهما: أن حمل المصحف والنظر فيه وتقليب الأوراق عملٌ كثيرٌ الخ. والثاني: أنه تلقن من المصحف فصار كما لو تلقن من غيره وهو مناف للصلاة، وهذا يوجب التسوية بين المحمول وغيره، فتفسد بكل حال وهو الصحيح، كذا في الكافي.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح / باب ما يفسد الصلاة ١٨٥ قديمی کتب خانه کراچی)

وإن قرأ المصلي القرآن من المصحف أو من المحراب تفسد صلاته عند أبي حنيفة – إلىٰ قولهٖ – وعند الشافعي لا يكره أيضًا. (غنية المستملي / فصل فيما يفسد الصلاة ٤٤٧ المكتبة الأشرفية ديوبند)

وكانت عائشة يؤمها عبدها ذكوان من المصحف. (صحيح البخاري / باب إمامة العبد تعليقا ٩٦/١)

يحتمل أن يكون معنى يؤمها في رمضان في المصحف أنه لم يكن خلفه حافظ يفتح عليه في الصلاة؛ بل كان يراجع المصحف مرة بعد مرة في جلسات ترويحاته، فهذا يطلق عليه الإمامة من المصحف عرفًا. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة / باب فساد الصلاة بالقراءة من المصحف ٦٢/٥ دار الكتب العلمية بيروت، ٥١/٥ کراچی)

وقراءته من مصحف أي ما فيه قرآن مطلقًا؛ لأنه تعلم (الدر المختار) أي ما فيه قرآن عممه ليشمل المحراب فإنه إذا قرأ ما فيه فسدت في الصحيح، بحر. قوله: مطلقًا أي قليلا أو كثيرًا، إمامًا أو منفردًا، أميًا لا يمكنه القراءة إلا

منه أو لا الخ. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۳۸٤/۲ زكريا)

قوله من المصحف: والقراءة من المصحف مفسدة عندنا، فتأوله بعضهم أنه كان يحفظ من المصحف في النهار، ويقرأه في الليل عن ظهر قلب. قلت: إن كان ذكوان يقرأ من المصحف، قلنا ما رواه العيني رحمه الله: أن عمر رضي الله عنه كان ينهى عنه، ورأيت في الخارج أنه كان من دأب أهل الكتاب؛ فإنهم لا يتمكنون أن يقرأوا كتبهم عن ظهر قلب، على أنه مخالف للتوارث قطعًا. (فيض الباري / باب إمامة العبد والمولى ۲۷۷/۲ تحت رقم: ٦۹۲ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۹ / ۱۱/۹/۱۴۴۱ھ)

مصحف میں دیکھ کر تراویح پڑھانے والے کی اقتداء کرنا

سوال (۲۳۱):- میں کویت میں ایسی جگہ تراویح کی نماز پڑھتا ہوں جہاں دیکھ کر قرآن پڑھا جاتا ہے، تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- بہتر یہ ہے کہ آپ مذکورہ اِمام کے پیچھے تراویح کی نماز نہ پڑھیں؛ بلکہ یا تو کہیں اور حفظ نماز پڑھانے والے کے پیچھے پڑھیں، یا اپنی الگ پڑھ لیا کریں؛ تاہم چوں کہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے، اور بعض دیگر ائمہ (شوافع وغیرہ) کے یہاں اِس کی گنجائش ہے، اِس لئے اگر اُن کے پیچھے نماز پڑھ لی تو اَدا ہوجائے گی؛ لیکن کوئی حنفی شخص اِس طرح اِمامت بالکل نہ کرے۔

قال الإمام النووي: لو قرأ القرآن من المصحف لم يبطل صلاته، سواء كان يحفظه أم لا؛ بل يجب عليه ذلك إذا لم يحفظ الفاتحة كما سبق، ولو قلّب أوراقه أحيانًا في صلاته لم تبطل، ولو نظر في مكتوب غير القرآن وردّد ما فيه في نفسه لم تبطل صلاته، وإن طال لكن يكره نص عليه الشافعي في الإملاء وأطبق عليه الأصحاب. (المجموع شرح المهذب للإمام النووي ۲۷/٤ مكتبة الإرشاد جدة)

وذهب المالكية إلى أنه يكره للمصلي القراءة من المصحف في فرض أو نفل لكثرة الشغل بذلك، لكن كراهته عندهم في النفل إن قرأ في أثنائه، ولا يكره إن قرأ في أوله؛ لأنه يغتفر في النفل ما لا يغتفر في الفرض. (الشرح الكبير وحاشية الدسوقي ٣١٦/١ دار الفكر بيروت)

فصل: قال أحمد: لا بأس أن يصلي بالناس القيام وهو ينظر في المصحف، قيل له: في الفريضة؟ قال: لا، لم أسمع فيه شيئًا. وقال القاضي: يكره في الفرض، ولا بأس به في التطوع إذا لم يحفظ، فإن كان حافظًا كره أيضًا. قال: وقد سئل أحمد عن الإمامة في المصحف في رمضان؟ فقال: إذا اضطر إلى ذلك. (المغني لابن قدامة، كتاب الصلاة / فصل يصلي بالناس القيام وهو ينظر في المصحف ٤١١/١ مكتبة القاهرة)

ويكره في الفرض على الإطلاق؛ لأن العادة أنه لا يحتاج إليه فيه. ويكره للحافظ حتى في قيام رمضان؛ لأنه يشغل عن الخشوع وعن النظر إلى موضع السجود. (شرح منتهى الإرادرت ٢٤١/١، بحوالة: الموسوعة الفقهية ١٢/٣٨ الكويت)

وقراءة ما لا يحفظه من مصحف. (مراقي الفلاح) وفي الطحطاوي: ولأبي حنيفة في فسادها وجهان: أحدهما: أن حمل المصحف والنظر فيه وتقليب الأوراق عملٌ كثيرٌ الخ. والثاني: أنه تلقن من المصحف فصار كما لو تلقن من غيره وهو مناف للصلاة، وهذا يوجب التسوية بين المحمول وغيره، فتفسد بكل حال وهو الصحيح، كذا في الكافي. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ١٨٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۹ / ۱۴۴۱/۹/۱۱ھ)

فجر میں ایک رکعت پر سلام پھیرنے پر مقتدی نے اُردو میں لقمہ دیا

سوال (۲۳۲):- زید نے فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھائی، اور ایک رکعت چھوٹ گئی، اور بھول سے پہلی ہی رکعت پر سلام پھیر دیا، تو پیچھے سے مقتدی نے یہ کہا کہ آپ کی

ایک رکعت ہوئی ہے، یعنی اللہ اکبر نہیں کہا، الحمد للہ نہیں کہا؛ بلکہ زبان سے کہہ دیا کہ ابھی تو ایک ہی رکعت ہوئی ہے؛ چناں چہ اُس کے بعد اِمام نے دوسری رکعت پڑھائی اور سلام پھیر دیا اور سجدۂ سہو کرلیا، تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ نماز میں جس مقتدی نے اُردو میں بول دیا کہ ''ایک رکعت ہوئی ہے'' تو اُس مقتدی کی نماز باطل ہوگئی، اَب اِس کے بعد اِمام صاحب نے اُس کے کہنے پر اگر بغیر سوچے سمجھے اگلی رکعت پڑھادی تو اِمام صاحب اور مقتدیوں سب کی نماز فاسد ہوجائے گی؛ اِس لئے کہ ایک غیر نمازی کی طرف سے تلقی اور تعلیم پائی گئی؛ لیکن اگر اُس مقتدی نے جو نماز سے خارج ہو چکا تھا، یوں کہا کہ ''ایک رکعت ہوئی ہے''، تو اِمام کو بھی یاد آ گیا کہ ہاں ایک ہی رکعت ہوئی ہے اور وہ کھڑا ہوگیا، اور پھر اُس نے اخیر میں سجدۂ سہو کرلیا، تو اِمام اور اُس کے ساتھ جو نماز میں شامل مقتدی تھے، اُن کی نماز درست ہوجائے گی، اور وہ مقتدی جس نے یہ اَلفاظ کہے تھے کہ ابھی تو ایک رکعت ہوئی ہے وہ تو پہلے سے نماز سے خارج ہو چکا تھا، تو اِس میں اِمام صاحب سے تفصیل معلوم کرنی پڑے گی کہ جب اُس نے لقمہ دیا تھا، تو اُنہوں نے کیا سمجھ کر اُس کے لقمے کو قبول کیا تھا؟ جیسا حال ہوگا ویسا ہی حکم ہوگا۔

باب ما يفسد الصلاة: وهو ثمانية وستون شيئًا: الكلمة ولو سهوًا أو خطأً (نور الإيضاح) كما لو أراد أن يقول: يا أيها الناس! فقال: يا زيد! ولو جهل كونه مفسدًا ولو نائمًا في المختار لقوله عليه السلام: إن هذه الصلاة لا يصلح فيها شيء من كلام الناس. (مراقي الفلاح / باب ما يفسد الصلاة ص: ۱۱۸ دار الكتب العلمية بيروت)

وكذا الأخذ. قال الشامي: أي أخذ الإمام بفتح من ليس في صلاته.

(رد المحتار ۲/۳۸۱ زكريا)

وتفسد بأخذ الإمام ممن ليس معه. (حاشية الطحطاوي ۱۸۳)

إلا السلام ساهيًا، للتحليل أي للخروج من الصلاة قبل إتمامها على

ظـن إكـمـالهـا فلا يفسد، بخلاف السلام على إنسان للتحية، أو على ظن أنها تـرويـحة مثلاً؛ فـإنـه يـفسدها مطلقًا (الدر المختار) قال الشامي: أي بأن كان يـصـلـي الـعشـاء فظن أنها التراويح ومثله ما لو صلى ركعتين من الظهر فسلم عـلـى ظـن أنـه مسـافـر أو أنهـا جمعة أو فجر. (رد المحتار ۲/۳۷۲ زكريا، حاشية الطحطاوي ۱۷٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۵۰ / ۲۳/۲/۱۴۴۲ھ)

کیا فضا میں بدبو پھیل جانے پر نماز توڑ سکتے ہیں؟

سـوال (۲۳۳):- اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا تھا، اور وہاں بدبو پھیل گئی تو بدبو کی وجہ سے یہ شخص نماز توڑے گا یا نہیں؟

الـجـواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں محض بدبو کی وجہ سے نماز کو توڑنے کا حکم نہیں دیا جائے گا؛ اگر ناگواری ہو تو نماز مختصر کرسکتا ہے۔

والصلاة إنـمـا يـجـب إتـمـامهـا صيانة للتحريمة عن البطلان. (فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت ۱/۴۳۸ دار الكتب العلمية بيروت)

ومـن شـرع فـي الـنـافـلة ثـم أفسدها قضاها، ولنا أن المؤدى وقع قربة فيـلـزم الإتمام ضرورة صيانة عن البطلان (الهداية) وإبطال العمل حرامٌ بقوله تـعـالـیٰ: ﴿وَلَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَكُمْ﴾ [محمد: ۳۳] والاحتـراز عـن إبطال العمل فيـمـا لا يـحتمل الوجه بالتجزي لا يكون إلا بإتمام. (البناية شرح الهداية / فصل في القراءة ۲/۵۳۰ المكتبة النعيمية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۳۵ / ۱۳/۱۱/۱۴۴۱ھ)

اِمامت وجماعت

جنات کی اقتداء میں نماز پڑھنا

سوال (۲۳۴):- سوال یہ کیا گیا ہے کہ کسی جگہ پر تراویح ہورہی تھی تو وہاں کسی جن نے تراویح پڑھنے والوں سے کہا کہ ہم بھی نماز میں شریک ہوتے ہیں، تمہیں پتہ نہیں چلتا، اور ہم میں بھی حافظ موجود ہیں، ایسا کرو کہ دس رکعات تم پڑھا دیا کرو، اور دس ہم پڑھا دیں گے۔ تو کیا کوئی انسان شرعاً کسی جنات کی اقتدا میں نماز پڑھ سکتا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- جنات کی اِمامت کی دو شکلیں ہیں: ایک یہ کہ وہ نظر ہی نہیں آرہے ہوں، تو اِس صورت میں اُن کی اِمامت صحیح نہیں؛ کیوں کہ ہوا میں اِمامت نہیں ہوتی۔

البتہ اگر کوئی مسلمان جن انسان کی شکل میں آجائے، اور بالفرض ہمیں پتہ بھی چل جائے کہ یہ جن ہے، اور وہ اِمام بنے اور ہم اُس کے مقتدی بنیں، تو اُس کی اقتداء میں نماز درست ہوگی۔

علامہ شامیؒ نے اس کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ جس طرح انسان احکامِ شریعت کے مکلّف ہیں، اِسی طرح جنات بھی مکلّف ہیں: لہٰذا اگر وہ ہمیں نماز پڑھائیں تو ہماری نماز ہوجائے گی، مگر شرط یہ ہے کہ وہ ہماری جیسی شکل میں آئیں، اور شریعت کی تمام شرائط کو پورا کرتے ہوئے نماز پڑھائیں۔

وتصح إمامة الجني (الدر المختار) لأنه مكلفٌ، بخلاف إمامة الملَك فإنه متنفل. (شامي، كتاب الصلاة / باب الإمامة ۲۹۰/۲ زكريا)

نقل ابن أبي الصيرفي الحلواني الحنبلي في فوائده عن شيخه أبي البقاء العكبري الحنبلي أنه سئل عن الجن: هل تصح الصلاة خلفه؟ فقال: نعم؛ لأنهم مكلفون، والنبي صلى الله عليه وسلم مرسل إليهم. (آكام المرجان في أحكام الجان / الباب السادس والعشرون في حكم الصلاة خلف الجني ص: ٦١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۱ / ۱۴۴۱/۹/۳ھ)

کورونا کی وجہ سے صفوں میں فاصلہ رکھنا

سوال (۲۳۵):- کیا موجودہ صورتِ حال میں تراویح کی صفوں میں ایک دوفٹ کے فاصلے سے کھڑے ہوسکتے ہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- عام حالات میں نماز میں مل جل کر کھڑے ہونا مسنون ومؤکد ہے؛ لیکن اگر کسی بیماری کے اندیشہ سے فاصلہ سے کھڑے ہوں گے، تو اُمید ہے کہ نماز بلاکراہت درست ہوجائے گی۔

عن أنس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: سووا صفوفكم؛ فإن تسوية الصف من تمام الصلاة. (صحيح البخاري، كتاب الأذان / باب إقامة الصف من تمام الصلاة رقم: ٧٢٣، صحيح مسلم، كتاب الصلاة / باب تسوية الصفوف وإقامتها وفضل الأول فالأول منها رقم: ٤٣٣)

ثم إن تسوية الصفوف من سنة الصلاة عند أبي حنيفة ومالك والشافعي. وزعم ابن حزم أنه فرض؛ لأن إقامة الصلاة فرض، وما كان من الفرض فهو فرض. قال عليه السلام: فإن تسوية الصف من تمام الصلاة. قلنا: قوله: فإنه من حسن الصلاة، يدل على أنها ليست بفرضٍ؛ لأن ذلك أمر زائد على نفس الصلاة. ومعنى قوله: من تمام الصلاة: من تمام كمال الصلاة، وهو أيضًا أمر زائد، فافهم. (شرح أبي داؤد للعيني، كتاب الصلاة / باب تفريع أبواب الصفوف ٢١٨/٣-٢١٩ تحت رقم: ٦٤٩ مكتبة الرشد الرياض)

قوله: فيأمرهم الإمام بذلک: تفريع على الحديث الدال على طلب الموالاة، واسم الإشارة راجع إليها ويأمرهم أيضًا بأن يتراصوا ويسدوا الخلل، ويستووا مناكبهم وصدورهم كما في الدر عن الشمني، وفي الفتح: ومن سنن الصف التراص فيه والمقاربة بين الصف والصف والاستواء فيه. قوله: ”استووا“ أي في الصف. قوله: ”تستو“ بحذف الياء جواب الأمر، وهذا سر علمه الشارع صلى الله عليه وسلم كما علم أن اختلاف الصف يقتضي اختلاف القلوب، قوله: ”أقيموا الصفوف“ أي عدلوها. قوله: ”وحاذوا بين المناكب“ ورد كأن أحدنا يلزق منكبه بمنكب صاحبه وقدمه بقدمه، قوله: ”وسدوا الخلل“ أي الفرج. روى البزار بإسناد حسن عنه صلى الله عليه وسلم: من سد فرجة في الصف غفر له“. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / باب الإمامة، فصل في بيان الأحق بالإمامة ٣٠٦ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۴ / ۱۴۴۱/۹/۶ھ)

کیا پہلے کبھی صفوں میں دور دور کھڑے ہونے کا واقعہ پیش آیا ہے؟

سوال (۲۳۶):- کیا کبھی ایسا وقت آیا ہے کہ کسی عمومی وبا میں ہمارے اکابر واَسلاف میں شوشل ڈسٹینسنگ کے ساتھ نماز پڑھنے کی اجازت دی ہو، جیسا کہ آج کل ایک ایک میٹر دور کھڑے ہوکر نماز میں صفیں بنائی جارہی ہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اِس طرح کی کوئی روایت یا واقعہ ہمارے علم میں نہیں ہے، اور جہاں تک مسئلہ کی بات ہے، وہ یہ ہے کہ اگر اپنے اختیار کا معاملہ ہوتو صفوں میں مل مل کر کھڑے ہونا چاہئے۔ اور اگر قانونی مجبوری ہو یا وبائی بیماری پھیلنے کا خطرہ ہو، تو فاصلہ سے کھڑے ہونے کی بھی گنجائش ہے، اور پوری مسجد اقتداء کے اعتبار سے ایک مقام واحد کے حکم میں ہوتی ہے، اِس لئے مسجد کے اندر فاصلہ کے باوجود اِمام کی اقتداء درست ہوجائے گی۔

عن عامر ابن سعد بن وقاص عن أبيه أنه سمعه يسأل أسامة بن زيد ماذا سمعت من رسول اللّٰه في الطاعون؟ فقال أسامة: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: الطاعون رجس أرسل على طائفة من بني إسرائيل أو على من كان قبلكم، فإذا سمعتم بأرض فلا تقدموا عليه، وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوا فرارا منه. (صحيح البخاري ٤٩٤/١ رقم: ٣٤٧٤)

عن أنس رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: رصوا صفوفكم وقاربوا بينها وحاذو بالاعناق فوالذي نفسي بيده إلى لأرىٰ الشيطان يدخل من خلال الصف كأنها الحذف. (سنن أبي داؤد رقم: ٦٦٧)

وينبغي أن يأمرهم بأن يتراصوا ويسدوا الخلد ويقف وسطًا ...... الخ، وظاهره الندب أو السنية لا الوجوب. (معارف السنن، كتاب الصلاة / باب ما جاء في إمامة الصفوف ٢٩٩/٢)

والاصطفاف بين الاسطوانتين غير مكروه؛ لأنه صف في حق كل فريق وإن لم يكن طويلا وتخلل الاسطوانة بين الصف كتخلل متاع موضوع أو كفرجة بين رجلين وذلك لا يضع صحة الاقتداء ولا يوجب الكراهة. (المبسوط للسرخسي ٣٥/٢)

قوله: فيأمرهم الإمام بذلك: تفريع على الحديث الدال على طلب الموالاة واسم الإشارة راجع إليها ويأمرهم أيضًا بأن يتراصوا ويسدوا الخلل، ويستووا مناكبهم وصدورهم، كما في الدر عن الشمني، وفي الفتح: ومن سنن الصف التراص فيه، والمقاربة بين الصف والصف والاستواء فيه. قوله: استووا: أي في الصف، قوله: تستو: بحذف الياء جواب الأمر، وهذا سر علمه الشارع صلى اللّٰه عليه وسلم كما علم أن اختلاف الصف يقتضي

اختلاف القلوب، قوله: أقيموا الصفوف: أي عدلوها، قوله: وحاذوا بين المناكب، ورد كأن أحدنا يلزق منكبه بمنكب صاحبه وقدمه بقدمه، قوله: وسدوا الخلل: أي الفرج، روى البزار بإسناد حسن عنه صلى الله عليه وسلم: من سد فرجة في الصف غفر له. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / باب الإمامة، فصل: في بيان الأحق بالإمامة ص: ۳۰۶ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۴۴ / ۱۴۴۲/۱/۱۰ھ)

دور گھر میں رہ کر مسجد کے اِمام کی اقتداء کرنا

سوال (۲۳۷):- اگر مسجد میں حافظ قرآن تراویح میں قرآنِ پاک پڑھ رہے ہوں اور مسجد کے اِسپیکر کے کنکشن گھروں میں جوڑ دیئے جائیں اور محلے میں گھر والے اپنے اپنے گھروں میں رہ کر مسجد کے اِمام کی اقتداء میں تراویح پڑھیں اور قرآن سنیں، تو یہ صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں جو گھر مسجد سے دور ہیں، اور وہاں تک جماعت کی صفیں متصل نہیں ہورہی ہیں، تو اُن گھروں میں رہتے ہوئے مسجد کے اِمام کی اقتداء میں نماز صحیح نہیں ہوگی؛ اِس لئے کہ جماعت کی صحت کے لئے صفوں کا اتصال ضروری ہے؛ لہٰذا یا تو مسجد میں آکر جماعت میں شرکت کی جائے، یا گھروں میں الگ الگ نماز پڑھی جائے، اِمامِ مسجد کی اقتداء نہ کی جائے؛ البتہ اگر مسجد کی جماعت سے صفیں متصل ہوجائیں تو نماز درست ہوجائے گی۔ (فتاویٰ محمودیہ ۶/۵۳۹ ڈابھیل، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۳/۳۶۴ مکتبہ دارالعلوم دیوبند)

لو اقتدى خارج المسجد بإمام في المسجد، إن كانت الصفوف متصلة جاز، وإلا فلا. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة / باب تقدم الإمام على المأموم ۱/۳۶۲ زكريا)

ويجوز اقتداء جار المسجد بإمام المسجد وهو في بيته إذا لم يكن بينه وبين المسجد طريق عام. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الفصل الرابع في بيان ما يمنع صحة الاقتداء ۱/۸۸ زكريا)

ويـمـنـع مـن الاقتـداء طـريـق تـجـري فيـه عجلة أو خلاء أي فضـاء في الـصحراء يسع صفين إلا إذا اتصلت الصفوف فيصح مطلقًا ...... ولو اقتدى من سـطـح داره الـمتـصلة بالمسجد لم يجز لاختلاف المكان (الدر المختار) قوله عـند اتصال الصفوف: أي في الطريق أو على جسر النهر فإنه مع وجود النهر أو الـطـريق يختلف المكان، وعند اتصال الصفوف يصير المكان واحدًا حكمًا فلا يـمنع كما مر ...... قال قاضي خان: وإن قام على سطح داره، وداره متصلة بالمسجد لا يـصـح اقتـداء ه، وإن كـان لا يشتبـه عليه حال الإمام؛ لأن بين المسجد وبين سـطـح داره كثيـر التـخـلل فصار المكان مختلفًا. أما في البيت مع المسجد لم يتـخـلـل إلا الحائط ولم يختلف المكان، وعند اتحاد المكان يصح الاقتداء إلا إذا اشتبـه عـليـه حال الإمام. أقول: حاصل كلام الدرر أن اختلاف المكان مانع مـطـلـقًـا، وأمـا إذا اتحد، فإن مصل اشتباه منع وإلا فلا، وما نقله عن قاضي خان صريح في ذلك. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الإمامة ٢/ ٣٣٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۵ / ۱۴۴۱/۹/۷ھ)

مسجد کی دوسری منزل کے نمازیوں کا پہلی منزل پر کھڑے ہوئے اِمام کی اقتداء کرنا

سوال (۲۳۸):- موجودہ حالات میں مسجد کے نچلے حصے میں حکومت کی طرف سے ۵؍لوگوں کو نماز پڑھنے کی اجازت ہے، اب اگر کسی مسجد میں نیچے تو ۵؍آدمی کھڑے ہوں اور دوسری منزل پر بھی ۵؍آدمی کھڑے ہوجائیں اور لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ سے اُنہیں اِمام کی آواز آتی رہے، تو اُن اوپر والوں کی نماز درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں دوسری منزل والے

نمازیوں کی نماز تو شرعاً درست ہوجائے گی؛ اِس لئے کہ پوری مسجد مقام واحد کے حکم میں ہے، اور اِمام کے نقل وحرکت کی آواز ہر جگہ پہنچ رہی ہے؛ لیکن حکومت کی طرف سے محتاط رہنے کی ضرورت ہے، کوئی ایسا عمل نہ کیا جائے جس کی وجہ سے کسی کو کوئی اعتراض کا موقع ہو یا مسجد پر کوئی آنچ آئے۔

قال الزيلعي: ولهذا يصح الإقتداء من على سطح المسجد بمن فيه. (شامي، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة، مطلب: في أحكام المسجد ٤٢٨/٢ زكريا، ٦٥٦/١ كراچی)

وإذا صلى فوق المسجد مقتديًا بالإمام أجزأه. (المبسوط للسرخسي، كتاب الصلاة / باب الحدث في الصلاة ٢١٠/١ دارالكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۳۶ / ۲۰/۱۱/۱۴۴۱ھ)

نیا آنے والا شخص اگلی صف سے مقتدی کو کیسے ملائے؟

سوال (۲۳۹):- نیا آنے والا شخص جماعت میں شامل ہونا چاہتا تھا؛ لیکن پچھلی صف میں اُس کے ساتھ کوئی مقتدی نہیں ہے، وہ اکیلا پڑ گیا، اگلی صف پوری بھری ہوئی ہے، اَب ہم نے سنا ہے کہ حکم یہ ہے کہ اگلی صف سے پیچھے کھینچ کر کے تب ساتھ میں کھڑا ہونا چاہئے، تو پہلا سوال یہ ہے کہ کس جگہ سے آدمی کو کھینچا جائے، بیچ میں سے یا کنارے سے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر یہ آگے سے پیچھے شخص آئے گا تو اُس کی نماز پر کوئی اثر تو نہیں پڑے گا؟

تیسرا سوال یہ ہے کہ اگر اِس بات کا اندیشہ ہو کہ پیچھے کھینچنے کی وجہ سے اُس سے لڑائی ہوجائے گی یا اُس مقتدی کی نماز فاسد ہوجائے گی جو اگلی صف میں کھڑا تھا، تو اَب صورت میں کیا کرے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ اگلی صف کے کنارے سے آدمی کو پیچھے لایا جائے، اور دونوں وہیں کنارے پر صف بنالیں، اور پچھلی صف میں آنے کی وجہ سے نماز میں کوئی خرابی نہ آئے گی۔ اور جہاں مسئلہ سے لاعلمی کی بنا پر یہ

عمل کرنے میں نماز فاسد ہونے یا نزاع کا اندیشہ ہو، تو یہ بعد میں آنے والا شخص اکیلے ہی صف میں کھڑا ہوجائے، اگلی صف والے کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش نہ کرے۔ (کتاب المسائل ۱/۴۳۵)

قوله: ولو كان الصف منتظمًا الخ: الأصح أنه ينتظر إلى الركوع؛ فإن جاء رجل وإلا جذب إليه رجلاً أو دخل في الصف، والقيام وحده أولى في زماننا لغلبة الجهل فلعل إذا جره تفسد صلاته، وقيل: إن رأى من لا يتأذى بجذبه لصداقة أو دين زاحمه أو عالمًا جذبه قالوا: لو جاء واحد والصف ملآن يجذب واحد منه ليكون معه صفًا آخر، وينبغي لذلك الواحد أن لا يجيبه فتنتفي الكراهة عن هذا أى الجائي؛ لأنه فعل وسعه. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح / فصل في بيان: الأحق بالإمامة ص: ١٦٨)

مشى مستقبل القبلة هل تفسد إن قدر صف ثم وقف قدر ركن ثم مشى ووقف كذلك، وهكذا لا تفسد وإن كثر ما لم يختلف المكان. (قوله: وإن كثر) أي وإن مشى قدر صفوف كثيرة على هذه الحالة، وهو مستدرك بقوله: وهكذا (قوله: ما لم يختلف المكان) أي بأن خرج من المسجد أو تجاوز الصفوف، لو الصلاة في الصحراء فحينئذ تفسد كما لو مشى قدر صفين دفعة واحدة. قال في شرح المنية: وهذا بناء على أن الفعل القليل غير مفسد ما لم يتكرر متواليًا، وعلى أن اختلاف المكان مبطل ما لم يكن لإصلاحها. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ٣٨٨/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۴۷ / ۱۴۴۲/۲/۲ھ)

لاک ڈاؤن میں گھروں میں جماعت سے نماز پڑھیں یا تنہا؟

سوال (۲۴۰):- لاک ڈاؤن کی صورت میں گھروں میں جماعت سے نماز پڑھنا

بہتر ہے یا تنہا پڑھنا؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- وبائی بیماری اورحکومتی پابندیوں کی وجہ سے جب مسجدوں میں جانا متعذر رہے، تو گھروں میں ہی باجماعت نماز پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے؛ اِس لئے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں ۲۵/ یا ۲۷/ گنا اجر بڑھ جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جس گھر میں بھی باجماعت نماز کا اہتمام ہوسکے، تو اُس گھر کے لوگ تنہا نماز نہ پڑھیں؛ بلکہ جماعت ہی سے پڑھا کریں۔ اِس جماعت میں پردہ کے ساتھ حسب شرائط گھر کی عورتیں بھی شامل ہوسکتی ہیں۔ (کتاب النوازل ۳۸٦/۴)

عن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: صلاة الجماعة تفضل صلاةَ الفذ بسبع وعشرين درجة. (صحيح البخاري، كتاب الأذان / باب فضل صلاة الجماعة رقم: ٦٤٥، صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة / باب فضل صلاة الجماعة الخ رقم: ٦٥٠)

عن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: فضل صلاةالرجل في الجماعة على صلاته وحده بضع وعشرون درجةً. (رواه أحمد ٣٠/٦ رقم: ٣٥٦٤ الرسالة، حكم الحديث: صحيح لغيره)

عن عبد اللّٰه بن عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنهما قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: إن اللّٰه ليعجَب من الصلاة في الجميع. (رواه أحمد ١٢١/٩ رقم: ٥١١٢ الرسالة)

عن عثمان رضي اللّٰه عنه أنه قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: من توضأ فأسبغ الوضوء، ثم مشى إلى صلاة مكتوبة فصلاها مع الإمام غفر له ذنبه. (رواه ابن خزيمة في صحيحه ٣٧٣/٢، كذا في الترغيب والترهيب مكمل / كتاب الصلاة ص: ١٠٣ رقم: ٥٨٩-٥٩١-٥٩٢-٥٩٣ بيت الأفكار الدولية) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۲۰ / ۱۴۴۱/۹/۲۲ھ)

لاک ڈاؤن میں گھر کے اَفراد کا باجماعت نماز پڑھنا

سوال (۲۴۱):- ایک گھر میں ۳/مرد ہیں تو ان کے لئے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا فرض ہے یا واجب ہے، یا سنت ہے، جب کہ ان میں کوئی بھی نماز پڑھانے والا نہ ہوتو کیا حکم ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مذکورہ گھر والوں کے لئے باجماعت نماز پڑھنا مسنون ہے؛ لہٰذا جب گھر میں تین اَفراد ہیں، تو اُنہیں جماعت کا اہتمام کرنا چاہئے، اور بلاعذر تنہا نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔ اور جو آدمی خود نماز پڑھ سکتا ہے، وہ حسبِ شرائط پڑھا بھی سکتا ہے، اِس لئے ہمت سے کام لیں، شروع میں کچھ جھجھک ہوگی؛ لیکن بعد میں آسانی ہوجائے گی۔ اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

عن مالک بن الحويرث عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا حضرت الصلاة فأذّنا، أقيما ثم ليؤمكما أكبر كما. (صحيح البخاري، كتاب الأذان / باب إثنان فما فوقهما جماعة رقم: ٦٥٨)

وقد اعترض على الترجمة بأنه ليس في حديث مالك بن الحويرث تسمية صلاة الإثنين جماعة. والجواب أن ذلک ماخوذ بالاستنباط من لازم الأمر بالإمامة؛ لأنه لو استوت صلاتهما معًا مع صلاتهما منفردين لاكتفى بأمرهما بالصلاة كأن يقول: أذنا وأقيما وصليا ...... واستدل به على أن أقل الجماعة إمام ومأموم أعم من أن يكون المأموم رجلاً أو صبيًا أو امرأة. (فتح الباري، كتاب الأذان / باب إثنان فما فوقهما جماعة ١٨٠/٣ تحت رقم: ٦٥٨ دار الكتب العلمية بيروت)

قال النووي – رحمه الله تعالىٰ –: فيه الحث على المحافظة على الأذان في الحضر والسفر، وفيه أن الجماعة تصح بإمام وماموم وهو إجماع

المسلمين. (المنهاج شرح صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة / باب من أحق بالإمامة تحت رقم: ٦٧٤ بيت الأفكار الدولية)

الجماعة سنة مؤكدة للرجال. قال الزاهدي: أرادوا بالتاكيد الوجوب، وأقلها: إثنان. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب الإمامة ٢٨٧/٢ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۸ / ۱۴۴۱/۹/۱۰ھ)

دوآدمیوں کا باجماعت نماز پڑھنا؟

سوال (۲۴۲):- کیا ۲؍لوگوں کی جماعت ہوسکتی ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- جی ہاں! ۲؍لوگوں کی بھی جماعت ہوسکتی ہے، اور اُس کی صورت یہ ہوگی کہ مقتدی اِمام کے دائیں طرف کھڑے ہوکر اقتداء کرے گا۔

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: نمت عند ميمونة والنبي صلى الله عليه وسلم عندها تلك الليلة فتوضأ ثم قام يصلي فقمت على يساره فأخذني فجعلني عن يمينه الخ. (صحيح البخاري، كتاب الأذان / باب إذا قام الرجل عن يسار الإمام رقم: ٦٩٨ دار الفكر بيروت، صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة / باب الدعاء في صلاة الليل وقيامه رقم: ٧٦٣)

ويقف الواحد ولو صبيًا محاذيًا أي مساويًا ليمين إمامه على المذهب. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب الإمامة ٣٠٧/٢ زكريا)

ويقف الواحد عن يمينه والإثنان خلفه لحديث ابن عباس أنه عليه السلام: صلى به وأقامه عن يمينه. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب ا لإمامة ٦١٦/١ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۱۴ / ۱۴۴۱/۹/۱۶ھ)

جماعت کی نماز میں ایک بالغ اور ایک بچہ کی صف؟

سوال (۲۴۳):- اگر اِمام کے پیچھے ایک بالغ اور ایک بچہ ہو تو صف کیسے بنے گی؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- مسئولہ صورت میں بالغ اور بچہ دونوں ایک ہی صف میں کھڑے ہوکر جماعت میں شامل ہوں گے، بچہ کو الگ کھڑا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه أن جدته مليكة دعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لطعام صنعته فأكل منه. ثم قال: قوموا فأصلي لكم. قال أنس ابن مالک: فقمت إلى حصير لنا قد اسودّ من طول ما لبس، فنضحته بماء، فقام عليه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، وصففت أنا واليتيم وراءه، والعجوز من ورائنا، فصلى لنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ركعتين، ثم انصرف. (صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة / باب جواز الجماعة في النافلة الخ ص: ٤٦٨ رقم: ٦٥٨ بيت الأفكار الدولية)

ثم الصبيان ظاهره تعددهم، فلو واحدًا دخل الصف (الدر المختار) **وكذا لو كان المقتدي رجلا وصبيًا يصفهما خلفه لحديث أنس رضي اللّٰه عنه.** (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الإمامة ٢/٣١٤ زكريا)

ويقتضي أيضًا أن الصبي الواحد لا يكون منفردًا عن صف الرجال؛ بل يدخل في صفهم. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب الإمامة ١/٦١٨ دار الكتب العلمية بيروت وزكريا ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۱۴ / ۱۴۴۱/۹/۱۶ھ)

کیا گھر کی جماعت میں امام عورتوں کی اِمامت کی نیت بھی کرے گا؟

سوال (۲۴۴):- کیا امام کے لئے گھروں میں جماعت کی شکل میں عورتوں کی نیت کرنا ضروری ہے؟ اگر ضروری ہے تو کس طرح نیت کرے؟ اگر نیت نہ کرے اور خواتین شریک رہیں تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد: - جب اِمام کو پہلے سے معلوم ہے کہ اُس کے پیچھے خواتین بھی جماعت میں شریک ہورہی ہیں، تو اِمامت کرتے ہوئے یہ تصور کافی ہے کہ میں سبھی مقتدیوں بشمول عورتوں کی اِمامت کررہا ہوں، الگ سے زبانی نیت کی ضرورت نہیں ہے؛ کیوں کہ فقہاء کرام نے یہ لکھا ہے کہ اگر اِمام نے مطلقاً یہ نیت کرلی کہ میرے پیچھے جو بھی مرد وعورت نماز پڑھ رہے ہیں، میں سب کی اِمامت کررہا ہوں، تو بھی نماز مطلقاً درست ہوجاتی ہے۔

ولا يصير إمامًا للنساء إلا بالنية، هٰكذا في المحيط. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الرابع في النية ٦٦/١ زكريا)

فإن اقتداء هن به لا يجوز ما لم ينو أن يكون إمامًا لهن أو لمن تبعه عمومًا. (حلبي كبير، شرائط الصلاة / الشرط السادس ٢٥١ لاهور، الأشباه والنظائر، الفن الأول / القاعدة الأولىٰ: لا ثواب إلا بالنية ص: ٧٣ زكريا)

والإمام ينوي صلاته فقط، ولا يشترط لصحة الاقتداء نية إمامة المقتدي؛ بل لنيل الثواب عند اقتداء أحد به قبله، وإن أم نساءً فإن اقتدت به المرأة محاذيةً لرجلٍ في غير صلاة جنازة فلا بد لصحة صلاتها من نية إماميتها؛ لئلا يلزم الفساد بالمحاذاة بلا التزام (الدر المختار) قوله: لصحة الاقتداء، أي بل يشترط نية إمامة المقتدي لنيل الإمامة ثواب الجماعة. قوله: كجنازة، فإنه لا يشترط لصحة اقتداء المرأة فيها نية إمامتها إجماعًا، لأن المحاذاة فيها لا تفسدها. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة / باب شروط الصلاة ١٠٣/٢-١٠٤ زكريا، شامي فرفور ٨٥/٣ دار الثقافة والتراث دمشق سوريا)

وأما في حق النساء فإنه لا يصح اقتداؤهن إذا لم ينو إمامتهن؛ لأن في تصحيحه بلا نية إلزامًا عليه بفساد صلاته إذا حاذته من غير التزام منه، وهو منتف، وخالف في هذا العموم بعضهم، فقالوا: يصح اقتداء النساء وإن لم ينو

الإمام إمامتهن في صلاة الجمعة والعيدين، وصححه صاحب الخلاصة، والجمهور على اشتراطها في حقهن لما ذكرناه. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب شروط الصلاة ٤٩٣/١ دار الكتب العلمية بيروت وزكريا ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲۰ / ۱۴۴۱/۹/۲۲ھ)

مرد کا خواتین کے ساتھ ایک ہی صف میں جماعت سے نماز پڑھنا

سوال (۲۴۵):- میرے گھر میں جماعت سے نماز ہوتی ہے؛ لیکن لاعلمی کی وجہ سے صورت یہ ہوئی کہ میں تو اِمام بنا اور میرے پیچھے ایک ہی صف میں والد صاحب، والدہ صاحبہ اور میری بہن کھڑی رہیں، تو یہ بتایا جائے کہ والد صاحب کی نماز درست ہوئی یا نہیں؟ حضرت مفتی صاحب سے درخواست ہے کہ مسئلہ کی نوعیت پر روشنی ڈالیں۔

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں والد محترم نے چوں کہ والدہ صاحبہ یا بہن کے ساتھ ایک ہی صف میں مل کر جماعت میں شرکت کی ہے، اِس لئے والد صاحب کی نماز درست نہیں ہوئی، جتنی نمازیں اِس طرح پڑھی گئی ہیں، اُن پر اُن کی قضا لازم ہے۔

محاذاة المرأة مفسدة لصلاته ولها شرائط: منها: أن تكون المحاذية مشتهاة تصلح للجماع ولا عبرة للسن وهو الأصح. ومنها: أن تكون الصلاة مطلقةً وهي التي لها ركوع وسجود. ومنها: أن تكون الصلاة مشتركة تحريمة وأداءً. ومنها: أن يكونا في مكان واحد. ومنها: أن يكونا بلا حائل ...... وأدنى الحائل قدر مؤخر الرجل وغلظه غلظ الأصبع والفرجة تقوم مقام الحائل وأدناه قدر ما يقوم فيه الرجل، كذا في التبيين. ومنها: أن تكون ممن تصح منها الصلاة. ومنها: أن ينوي الإمام إمامتها أو إمامة النساء وقت الشروع. ومنها: أن تكون المحاذاة في ركن كامل. ومنها: أن تكون جهتهما

متحدة …… ثم المرأة الواحدة تفسد صلاة ثلاثة واحد عن يمينها وآخر عن يسارها وآخر خلفها، ولا تفسد أكثر من ذلك. وهكذا في التبيين، وعليه الفتوىٰ. كذا في التاتارخانية. والمرأتان صلاة أربعة واحد عن يمينهما وآخر عن يسارهما وإثنان خلفهما بحذائهما، وإن كن ثلاثًا أفسدت صلاة واحد عن يمينهن وآخر عن يسارهن وثلاثة خلفهن إلى آخر الصفوف، وهذا جواب الظاهر. هكذا في التبيين. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الخامس في الإمامة، الفصل الخامس في بيان مقام الإمام والماموم ۸۹/۱ زكريا، كذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الإمامة ۳۱٤/۲ زكريا، تبيين الحقائق، كتاب الصلاة / باب الإمامة ۱۳٦/۱ المكتبة الإمدادية ملتان) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۲٦ / ۱۴۴۱/۹/۲۸ھ)

میاں بیوی اور دولڑکیوں کے ساتھ باجماعت نماز پڑھنا

سوال (۲۴۶):- آج کل چوں کہ گھروں میں نمازیں ہورہی ہیں، تو ایک خیر کا پہلو یہ نکل کرآیا ہے کہ جن لوگوں نے زندگی میں کبھی اِمامت نہ کی تھی، وہ بھی اِمامت کے لئے کھڑے ہوگئے، اَب چوں کہ کبھی اِمامت نہیں کی اِس لئے مسائل کا بھی زیادہ استحضار نہیں رہا۔ اِس لئے سوال پیدا ہوا کہ ہمارے گھر میں میاں بیوی اور دولڑکیاں ہیں، اُن کے ساتھ نماز پڑھنے کی کیا صورت ہوگی اور صفیں کیسے بنائی جائیں گی؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں صف کی ترتیب یہ ہوگی کہ شوہر صاحب اِمام بن جائیں گے اور بیوی اور دونوں لڑکیاں تینوں ایک صف میں پیچھے کھڑی ہوجائیں گی۔ اور اِمام صاحب اُن خواتین کو نماز پڑھانے کی نیت کریں اور خود ہی تکبیر کہہ کر نماز پڑھائیں۔

عن عبد الرحمٰن بن أبي بكر عن أبيه رضي الله عنه أن رسول الله صلى

اللّٰه عليه وسلم أقبل من نواحي المدينة يريد الصلاة، فوجد الناس قد صلوا، فمال إلىٰ منزله، فجمع أهله فصلى بهم. (المعجم الأوسط للطبراني ۳۵/۵ رقم: ٤٦٠١ القاهرة، مجمع الزوائد ٤٥/٢ رقم: ٢١٧٧ دار الكتاب العربي بيروت)

ويصف الرجال ثم الصبيان ثم النساء. (الهداية، كتاب الصلاة / باب الإمامة ١٢٤/١ المكتبة الأشرفية ديوبند، الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / مقام الإمام والمأموم ٢٧٤/٢ زكريا)

عن أسماء رضي اللّٰه عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ليس على النساء أذان ولا إقامة. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ١٧٠/٢ رقم: ١٩٦٠)

أما النساء فيكره لهن الأذان وكذا الإقامة. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الأذان ٤٨/٢ زكريا، كذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل الثاني في الأذان ١٤٤/٢ زكريا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۳ / ۱۴۴۱/۹/۵ھ)

بھائی، بھابھی اور اہلیہ کے درمیان صف بندی کیسے ہوگی؟

سوال (۲۴۷):- زید گھر میں نماز پڑھاتا ہے اور مقتدیوں میں اس کے ۴ر بھائی اور ۳ر بھائیوں کی بیویاں اور خود اس کی اہلیہ ہے، تو صف بندی کس طرح سے ہوگی؟ اور نامحرم جماعت میں شریک ہو تو کیا درمیان میں پردہ لگانا ضروری ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مذکورہ صورت میں صف بندی اِس طرح ہوگی کہ زید اِمام کے پیچھے اُس کے چاروں بھائی ایک صف میں کھڑے ہوں گے، اور اُس کے بعد والی صف میں اُس کی اہلیہ اور بھابھیاں کھڑی ہوں گی، اور چوں کہ یہ بظاہر ایک مشترکہ فیملی ہے، اور گھر میں دیور، جیٹھ وغیرہ کا آنا جانا رہتا ہے، اِس لئے اُن کے درمیان اِس حد تک پردہ کافی ہے کہ چہرے اور ہتھیلیوں کے علاوہ کسی اور عضو پر نظر نہ پڑے۔ بریں بنا نماز کے وقت الگ سے پردہ ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔

قال ابن عباس رضي اللّٰه عنه: صليت إلى جنب النبي صلى اللّٰه عليه وسلم،

وعائشة خلفنا تصلي معنا، وأنا إلى جنب النبي صلى الله عليه وسلم أصلي معه. (صحيح ابن خزيمة ۷۴۳/۱ رقم: ۱۵۳۷ المكتب الإسلامي، المسند لإمام أحمد بن حنبل ۳۰۲/۱ رقم: ۲۷۵۱، المصنف لعبد الرزاق ۴۰۷/۲ رقم: ۳۸۷۵ المجلس العلمي)

ويصف الرجال ثم الصبيان ثم الخناثى ثم النساء. (تنوير الأبصار على الدر المختار، كتاب الصلاة / باب الإمامة ۳۰۹/۲-۳۱۴ زكريا)

النظر إلى وجه الأجنبية إذا لم يكن عن شهوة ليس بحرام؛ لكنه مكروه. وأما النظر إلى الأجنبيات، فنقول: يجوز النظر إلى مواضع الزينة الظاهرة فيهن، وذلك الوجه والكف في ظاهر الرواية، كذا في الذخيرة. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب الثاني ۳۲۹/۵ زكريا)

وأما النوع السادس: وهو الأجنبيات الحرائر فلا يحل النظر للأجنبي من الأجنبية الحرة إلى سائر بدنها إلا الوجه والكفين؛ لقوله تعالىٰ: ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ﴾ إلا أن النظر إلى مواضع الزينة الظاهرة، وهي الوجه والكفان. رخص بقوله تعالىٰ: ﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ والمراد من الزينة مواضعها، ومواضع الزينة الظاهرة الوجه والكفان؛ ولأنها تحتاج إلى البيع والشراء والأخذ والعطاء، ولا يمكنها ذلك عادة إلا بكشف الوجه والكفين، فيحل لهما الكشف وهذا قول أبي حنيفة. (بدائع الصنائع / كتاب الاستحسان ۲۹۳/۴-۲۹۴ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۶ / ۱۴۴۱/۹/۸ھ)

دیور، بھائی اور ماں بہن کے ساتھ صف کس طرح بنے گی؟

سوال (۲۴۸):- اگر گھر میں ایک بھائی، ماں، بہن اور بھابھی ہے، اور نماز پڑھانے والا دیور ہے، تو صف کیسے بنے گی؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں صف اِس طرح

بنے گی کہ دیور اِمام بنے گا، اور اُس کا بھائی اُس کے دائیں طرف کھڑا ہوگا، اور اُس کی ماں، بہن اور بھابھی کی صف پیچھے الگ بنے گی۔

عن أنس بن مالك رضي اللّٰه عنه أن جدته مليكة دعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لطعام صنعته فأكل منه. ثم قال: قوموا فأصلي لكم. قال أنس ابن مالك: فقمت إلى حصير لنا قد اسودّ من طول ما لبس، فنضحته بماء، فقام عليه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، وصففت أنا واليتيم وراءه، والعجوز من ورائنا، فصلى لنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ركعتين، ثم انصرف. (صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة / باب جواز الجماعة في النافلة الخ ص: ٤٦٨ رقم: ٦٥٨ بيت الأفكار الدولية)

قال النووي – رحمه اللّٰه تعالىٰ –: وفيه أن الإثنين يكونان صفًا وراء الإمام وهذا مذهبنا ومذهب العلماء كافة ...... وفيه أن المرأة تقف خلف الرجال وأنها إذا لم يكن معها امرأة أخرى تقف وحدها متأخرة. (المنهاج على صحيح مسلم بن الحجاج ص: ٤٦٨ بيت الأفكارالدولية)

قوله: والعجوز من ورائنا دليل على تأخر النساء عن صفوف الرجال ويقتضي أن المراة المفردة إذا صلت خلف الصف صحت صلاتها ولا خلاف في ذلك نعلمه. (المنتقى شرح الموطأ لإمام مالك، كتاب الصلاة / جامع سبحة الضحى رقم: ٤١٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۱۴۰ / ۱۴۴۱/۹/۱۶ھ)

اِمام کے پیچھے عورتیں قرأت نہیں کریں گی

سوال (۲۴۹):- اگر مستورات فرض نماز میں اِمام کے ساتھ شریک ہیں، تو تیسری اور چوتھی رکعت میں وہ خاموش رہیں گی یا قرأت کریں گی؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- سبھی رکعات میں اِمام کے پیچھے

عورتیں خاموش رہیں گی۔ (کتاب النوازل ۲/ ۵۵۱ فرید بک ڈپو دہلی)

عن جابر رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: كل من كان له إمام فقراء ته له قراء ة. وتحته في هامشه: إسناده صحيح. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة / باب من كره القراء ة خلف الإمام ٣/ ٢٨٢ رقم: ٣٨٢٣ المجلس العلمي بيروت، سنن ابن ماجة، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها / باب إذا قرأ الإمام فأنصتوا رقم: ٨٥٠)

قال محمد: لا قراء ة خلف الإمام فيما جهر فيه، ولا فيما لم يجهر بذٰلك جاء ت عامة الآثار، وقول أبي حنيفة رحمه الله. (الموطأ لإمام محمد ٩٨-٩٩)

عن أبي الدرداء رضي الله تعالىٰ عنه أن رجلاً قال: يا رسول الله! في الصلاة قرآن؟ قال: نعم، فقال رجلٌ من الأنصار: وجبت، قال: وقال لي أبو الدرداء: أرىٰ أن الإمام إذا أمّ القوم فقد كفاهم. (طحاوي شريف، كتاب الصلاة / باب القراءة خلف الإمام ١/ ١٥٨ رقم: ١٢٥٤ المكتبة النعيمية ديوبند، كذا في السنن الكبرىٰ للنسائي ١/ ٣٢٠ رقم: ٩٩٠)

والمؤتم لا يقرأ مطلقًا، فإن قرأ كره تحريمًا؛ بل يستمع إذا جهر وينصت إذا أسرّ، لقول أبي هريرة: كنا نقرأ خلف الإمام فنزل: ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا﴾ (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة، فصل في القراءة ٢/ ٢٦٦ زكريا، ١/ ٥٤٤ كراچی، كذا في البحر الرائق ١/ ٥٩٩ رشيدية، تبيين الحقائق ٣٣٧ دار الكتب العلمية بيروت، بدائع الصنائع ١/ ٥١٨ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۴ / ۱۴۴۱/۹/۶ھ)

حرمین شریفین میں خواتین کا جماعت میں شامل ہونا؟

سوال (۲۵۰):- حرمین شریفین میں جس طرح مرد وعورت نماز پڑھتے ہیں، کیا اِس طرح نماز پڑھنا حدیث سے ثابت ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- دورِنبوت میں چوں کہ مردوں اور عورتوں کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے براہِ راست استفادے کی ضرورت تھی؛ اِس لئے خواتین بھی پنج وقتہ نمازوں میں شرکت کے لئے مسجد میں حاضر ہوتی تھیں۔ اِس کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ: ''عورت کے لئے مسجد کے بجائے گھر کے اندرونی حصے میں نماز پڑھنا زیادہ افضل ہے''۔

تاہم دورِنبوت سے آج تک حرمین شریفین میں خواتین کے لئے نماز کا انتظام برقرار ہے۔ مسجد نبوی میں تو عورتوں کا حصہ بالکل الگ ہے، جس میں کسی مرد کو جانے کی اِجازت نہیں ہے۔ اور حرم مکی میں طواف کی وجہ سے اتنی پابندی تو نہیں ہے؛ لیکن پھر بھی جابجا عورتوں کی نماز کے لئے الگ جگہیں مخصوص کی گئی ہیں، جہاں اطمینان سے عورتیں نماز اَدا کرتی ہیں؛ لہٰذا جہاں اِس طرح کا معقول انتظام ہو، وہاں عورتیں جماعت میں شامل ہوسکتی ہیں۔

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: إن كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ليصلي الصبح فينصرف النساء متلففات بمروطهن ما يعرفن من الغلس، وقال الأنصاري في روايته: متلففات. (صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة / باب استحباب التكبير بالصبح رقم: ٦٤٥)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا تمنعوا إماء اللّٰه مساجد اللّٰه؛ ولكن ليخرجن وهن تفلات. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / باب ما جاء في خروج النساء إلى المساجد رقم: ٥٦٥ دار الفكر بيروت)

لكن ليخرجن إلى المساجد للصلاة والحال أنهن غير متطيبات وغيره متبرجات بزينة ...... والفتوىٰ اليوم على الكراهة في الصلوات كلها لظهور الفساد. (بذل المجهود ٣/٦١٦-٦١٧ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۲۶ / ۱۴۴۱/۹/۲۸ھ)

حکومت کی مقرر کردہ تعداد سے زیادہ کا مسجد میں نماز پڑھنا

سوال (۲۵۱):- حکومت کی طرف سے مقررہ مقدار سے زائد لوگوں کو مسجد میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ ہر جگہ یہ صورت پیش آرہی ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں نماز تو اَدا ہوجائے گی؛ لیکن اپنے کو خطرہ میں ڈالنا بھی شریعت میں پسندیدہ نہیں ہے، اِس لئے محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

عن حذيفة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا ينبغي للمؤمن أن يذل نفسه، قالوا: وكيف يذل نفسه؟ قال: يتعرض من البلاء لما لا يطيق. (سنن الترمذي، أبواب الفتن / باب ٥١/٢ رقم: ٢٢٠٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۲۰ / ۲۲/۹/۱۴۴۱ھ)

لاک ڈاؤن کے اندر ایک مسجد میں متعدد جماعتیں کرنا

سوال (۲۵۲):- آج کل چوں کہ حکومت کی طرف سے مساجد میں زیادہ نمازیوں کے جمع ہونے پر سخت پابندی ہے، تو کیا ایسی ضرورت کے وقت میں جمعہ کی نماز میں الگ اِمام اور الگ مقتدیوں کے ساتھ مختلف جماعتیں ایک مسجد میں اَدا کی جاسکتی ہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اَحناف کے نزدیک اصل حکم یہی ہے کہ ایسی مسجد میں جہاں اِمام اور مقتدی متعین ہوں، وہاں جماعت کا تکرار درست نہیں ہے؛ لیکن یہ عمومی حالات کے اعتبار سے ہے؛ لہٰذا اگر کہیں خصوصی حالات ہوں اور مقامی علماء اور مفتیانِ کرام جمعہ کی متعدد جماعتیں قائم کرنے کی ضرورت محسوس کریں تو اُس کی گنجائش ہونی چاہئے، جب کہ مسجد کے علاوہ کوئی متبادل جگہ دستیاب نہ ہو۔ اور بہر حال حکومتی پابندیوں کو نظر انداز نہ کیا جائے۔ (کتاب النوازل ۴/۵۰۱)

ويكره تكرار الجماعة بأذان وإقامة في مسجد محلة لا في مسجد طريق أو مسجد لا إمام له ولا مؤذن. قوله: بأذان وإقامة الخ، عبارته في الخزائن: أجمع مما هنا ونصها: يكره تكرار الجماعة في مسجد محلة بأذان وإقامة، إلا إذا صلى بهما فيه أولًا غير أهله، أو أهله لكن بمخافتة الأذان، ولو كرر أهله بدونهما أو كان مسجد طريق جاز إجماعًا؛ كما في مسجد ليس له إمام ولا مؤذن، ويصلي الناس فيه فوجًا فوجًا، فإن الأفضل أن يصلي كل فريق بأذان وإقامة على حدة كما في أمالي قاضي خان اهـ. ...... وقدمنا في باب الأذان عن آخر شرح المنية عن أبي يوسف أنه إذا لم تكن الجماعة على الهيئة الأولى لا تكره، وإلا تكره، وهو الصحيح. وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة، كذا في البزازية انتهى. وفي التاتارخانية عن الولوالجية: وبه نأخذ. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الإمامة ۲۸۸/۲-۲۸۹ زكريا، ۵۵۲/۱ كراچی، كذا في الحلبي الكبير / فصل في أحكام المسجد ص: ۶۱۵ لاهور، بزازية على الهندية، الخامس عشر في الإمامة والإقتداء / نوع فيما يكره وما لا يكره ۵۶/۴ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۳۰ / ۱۴۴۱/۱۰/۱۴ھ)

اِمام سے رنجش کی بناپرایک مسجد میں ۲؍جماعت کرنا

سوال (۲۵۳):- چنڈی گڈھ کی ایک مسجد میں اِمام اور مقتدیوں کے درمیان کسی بات پر شدید اختلاف ہوگیا، جس کی وجہ سے کمیٹی نے اِمام صاحب کو مسجد سے علیحدہ کردیا، پھر بعد میں دوگروپ بن گئے، بعض نے نئے اِمام کا انتخاب کرلیا، اور بعض نے سابق اِمام ہی کو نماز پڑھانے پر آمادہ کیا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اَب مسجد میں ایک ہی وقت میں دو جماعتیں ہوتی ہیں، ایک حدودِ مسجد میں اور ایک حدود کے باہر، اگلے دن دونوں جماعتوں کی جگہ بدل جاتی ہے، اندر والے باہر اور باہر والے اندر پڑھتے ہیں، تو اِس طرح ایک ہی مسجد میں بیک وقت دو جماعت

کرنا اور اِمام صاحب سے ناراض لوگوں کا نئے اِمام صاحب کا انتخاب کرکے اصل اِمام سے اعراض کرنا صحیح ہے یانہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- ایک ہی مسجد میں باقاعدہ دو جماعتیں بناکرالگ الگ اِمام کے پیچھے نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے؛ بلکہ سخت مکروہ ہے، ایک مسجد میں ایک ہی جماعت ہونی چاہئے۔ اوراہل مسجد کو چاہئے کہ سب کسی ایک اِمام پرمتفق ہوجائیں، یاتوپرانے اِمام پرمتفق ہوجائیں یانئے اِمام پر، یادونوں کوالگ کرکے کسی اورکولاکراُس پرمتفق ہوجائیں، اورکوئی بھی اپنی بات کی ضد نہ کرے، مسجد کواَنانیت کا مرکز نہ بنایاجائے، ہرسطح پراتحادواتفاق کی کوشش ہونی چاہئے۔

يكره تكرار الجماعة في مسجد محلة بأذان وإقامة. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الإمامة ٢٨٨/٢ زكريا، ٣٩٥/١ كراچی)

وإن صلى فيه أهله بأذان وإقامة أو بعض أهله يكره لغير أهله وللباقين من أهله أن يعيدوا الأذان والإقامة. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة / فصل في بيان محل وجوب الأذان ٣٧٩/١ زكريا، ١٥٣/١ كراچی، ٦٥٤/١ دار الكتب العلمية بيروت)

وإذا دخل القوم مسجدًا قد صلى فيه أهله كرهت لهم أن يصلوا جماعة، بأذان وإقامة ولكنهم يصلون وحدانًا بغير أذان وإقامة. (المبسوط للسرخسي، كتاب الصلاة / باب الأذان ١٣٥/١ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۴۸ / ۱۴۴۲/۲/۹ھ)

اِمام سے ناراضگی کی وجہ سے اِنفرادی نماز پڑھنا

سوال (۲۵۴):- اگرکسی اِمام کی اِمامت سے لوگ خوش نہ ہوں، اورمسجد میں فتنہ کا اندیشہ ہو، توکیاایسے اِمام کی اقتداءکوچھوڑکرگھرمیں اِنفرادی نماز پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ اِمام سے لوگ کیوں ناراض ہیں؟ اگرکوئی واقعی شرعی وجہ ہے مثلاً وہ برسرعام گناہ میں مبتلا ہے، اِس وجہ

سے لوگ ناراض ہیں، تو ایسی صورت میں اُس اِمام کو خود ہی اِمامت چھوڑ دینی چاہئے۔ نبی اکرم علیہ السلام نے ایسے اِمام کے بارے میں فرمایا کہ وہ اِمام قابل مذمت ہے کہ جس سے اُس کے مقتدی ناراض ہوں۔ اور اگر اُن مقتدیوں کے اختیار میں ہو کہ وہ اُسے بدل دیں، اُس کے گناہ وفسق کی وجہ سے، تو اُنہیں ایسا کرنے کا بھی حق ہے؛ لیکن اگر اُن مقتدیوں کو اختیار نہ ہو اور وہ مسجد کے ذمہ دار نہ ہوں، تو اُن کی نماز اُس اِمام کے پیچھے بلاشبہ اَدا ہوجائے گی، اور محض اِمام کی وجہ سے اُنہیں مسجد کی جماعت چھوڑنی نہیں چاہئے، ہاں اگر آس پاس کوئی اور مسجد ہو تو وہاں چلے جائیں۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ مقتدی اِمام سے خواہ مخواہ ناراض ہیں، مثلاً اِس وجہ سے ناراض ہوگئے کہ متولی صاحب کو سلام نہیں کیا، یا کسی وجہ سے کسی بات پر جواب دے دیا، یا اور کوئی چھوٹی موٹی بات، اور اِمام میں دینی اعتبار سے کوئی خرابی نہیں ہے، کوئی فسق یا گناہ کی بات نہیں ہے، تو ایسی صورت میں لاکھ کوئی ناراض ہوا کرے، نہ وہ اِمام قابل مذمت ہے اور نہ اُس کے پیچھے نماز پڑھنے میں کسی طرح کی کوئی کراہت ہے؛ بلکہ ان مقتدیوں کو اپنی اِصلاح کرنی پڑے گی جو خواہ مخواہ اِمام کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، اور اُس کو ذلیل کرنے یا اُس کو بدلنے کے لئے خواہ مخواہ کوشش کر رہے ہیں، اور بہرحال دونوں کو چاہئے کہ ایک دوسرے کی قدر دانی کریں، اور بات کو طول نہ دیں، اَنانیت اور ضد سے بات بگڑتی ہے بنتی نہیں ہے۔ اگر دونوں طرف سے اِس کی کوشش ہوگی تو اِن شاء اللہ مسجد کا ماحول اچھا ہوسکتا ہے۔

عن عبد اللّٰہ بن عمرو رضي اللّٰہ عنهما أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم کان یقول: ثلاثة لا یقبل اللّٰہ منهم صلاة من تقدم قومًا وهم له کارهون الخ.

(سنن أبي داؤد، کتاب الصلاة / باب الرجل یؤم وهم له کارهون ۸۸/۱ تحت رقم: ۵۹۳)

ولو أم قومًا وهم له کارهون، إن الکراهة لفساد فیه أو لأنهم أحق بالإمامة منه، کره له ذٰلک تحریمًا. (الدر المختار مع الشامي، کتاب الصلاة / باب الإمامة ۲۹۷/۲ زکریا، ۵۵۹/۱ کراچی)

من أبغض عالمًا من غیر سبب ظاهر خیف علیه الکفر، ویخاف علیه

الكفر إذا شتم عالمًا أو فقيهًا من غير سبب. (الفتاویٰ الهندية، كتاب السير / الباب التاسع ۲/ ۲۷۰ قديم زكريا)

العلماء ورثة الأنبياء الخ. (رواه أبوداؤد بسنده عن أبي الدرداء مرفوعًا رقم: ۳٦٤۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۵۰ / ۱۴۴۲/۲/۲۳ھ)

اِمام کامحراب چھوڑ کرصحن میں نماز پڑھانا

سوال (۲۵۵):- کبھی کبھی اِمام صاحب محراب میں کھڑے ہونے کے بجائے مسجد کے صحن میں نماز پڑھاتے ہیں، تو بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ ایسا کرنے سے نماز صحیح نہیں ہوتی ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- صورتِ مسئولہ میں صحن میں بھی نماز پڑھ سکتے ہیں، بس اِس کا خیال رہے کہ مصلیٰ ایسی جگہ بچھایا جائے جو صف کے بالکل بیچ اور درمیان میں ہو، یعنی دائیں بائیں دونوں طرف یکساں جگہ ہو، جیسا کہ اَصل محراب ہوتی ہے، تو جن فقہی عبارتوں میں محراب میں نماز پڑھنے کی بات لکھی ہے اُن کا یہی مطلب ہے کہ مصلیٰ ایسی جگہ بچھانا چاہئے جو صف کی بیچ میں ہو، اَب اگر اُسی کو پیچھے بچھالیں تو اِس میں بھی کوئی حرج کی بات نہیں ہے، اِس سے نماز میں کوئی کراہت نہیں آتی ہے۔ (مستفاد: کتاب النوازل ۴/۳۹۸)

السنة أن يقوم الإمام إزاء وسط الصف، ألا ترى أن المحاريب ما نصبت إلا وسط المساجد وهي قد عينت لمقام الإمام. (شامي ۱/۵٦۸ كراچی)

السنة أن يقوم الإمام في المحراب لئلا يلزم عدم قيامه في الوسط، فلو لم يلزم ذلک لا يكره. (رد المحتار / كتاب الصلاة ۲/ ۳۱۰ زكريا)

ويكره أن يقوم في غير المحراب إلا لضرورة. (رد المحتار / كتاب الصلاة ۲/ ٤۱٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۴۰ / ۱۴۴۱/۱۲/۱۱ھ)

امام کے ''سمع اللّٰہ لمن حمدہ'' کہنے سے پہلے جماعت میں شریک ہونا

سوال (۲۵۶):- ایک شخص جماعت میں ایسے وقت پہنچا کہ امام رکوع سے اٹھ چکا تھا؛ لیکن اس نے ابھی تک ''سمع اللّٰہ لمن حمدہ'' نہیں کہا تھا، تو وہ رکعت پانے والا سمجھا جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- وہ رکعت پانے والا نہیں سمجھا جائے گا؛ کیوں کہ اس نے امام کے ساتھ رکوع کو نہیں پایا ہے۔

أي أدرک جميع رکعاتها معه، سواء أدرک معه التحريمة أو أدرکه في جزء من رکوع الرکعة الأولیٰ. (رد المحتار، کتاب الصلاة / باب الإمامة ۲/۳٤۳ زکريا)

وأجمعوا أنه لو انتهی إلی الإمام وهو قائم فکبر ولم يرکع مع الإمام حتی رکع الإمام ثم رکع أنه يصير مدرکًا لتلک الرکعة، وأجمعوا أنه لو اقتدی به في قومة الرکوع لم يصر مدرکًا لتلک الرکعة. (البحر الرائق ۲/۸۲ زکريا)

ومن أدرک إمامه راکعًا فکبر ووقف حتی رفع الإمام رأسه من الرکوع أو لم يقف؛ بل انحط بمجرد إحرامه فرفع الإمام رأسه قبل رکوع المؤتم ''لم يدرک الرکعة'' کما ورد عن ابن عمر رضي الله عنهما. (حاشية الطحطاوي علي مراقي الفلاح ص: ٤٥٥)

قوله: فرفع الإمام رأسه: مراده أنه رفع قبل أن يشارکه المؤتم في جزء من الرکوع وإلا فظاهر التعبير بالفاء أن الرفع تحقق بعد الانحطاط، وحينئذٍ تحقق المشارکة فتکون الصلاة صحيحة، قوله: کما ورد عن ابن عمر رضي الله عنهما: ولفظه إذا أدرکت الإمام راکعًا فرکعت قبل أن يرفع رأسه فقد أدرکت الرکعة، وإن رفع قبل أن ترکع فقد فاتتک الرکعة. فقط والله أعلم.

(حاشية الطحطاوي علي مراقي الفلاح ص: ٤٥٥) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۳۷ / ۲۷/۱۱/۱۴۴۱ھ)

اِمام کا متعینہ وقت سے مؤخر کرکے نماز پڑھانا

سوال (۲۵۷):- کیا اِمام صاحب کسی نماز کے متعینہ وقت سے تاخیر کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور یہ بتلائیں کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں تاخیر فرمایا کرتے تھے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اِمام صاحب کا بلا کسی عذر کے جماعت میں اتنی تاخیر کرنا جس کی وجہ سے مقتدیوں کو ناگواری ہو، مناسب نہیں ہے؛ تاہم ۲-۳ر منٹ کی تاخیر میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ اگر کوئی معقول عذر ہو، مثلاً: مسجد میں پانی ختم ہوجائے، اور لوگ وضو سے رہ جائیں وغیرہ، تو اُن کے انتظار میں کچھ دیر تاخیر کی جاسکتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض مواقع پر عذر کی وجہ سے جماعت میں تاخیر فرمائی ہے۔

عن أنس رضي الله عنه قال: كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ينتظرون العشاء الآخرة حتى تخفق رؤوسهم ثم يصلون ولا يتوضؤون. (سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة / باب في الوضوء من النوم ص: ٥٠ رقم: ٢٠٠ دار الفكر بيروت)

وينتظر المؤذن الناس ويقيم للضعيف المستعجل ولا ينتظر رئيس المحلة وكبيرها، كذا في معراج الدراية. ينبغي أن يؤذن في أول الوقت ويقيم في وسطه حتى يفرغ المتوضئ من وضوئه والمصلي من صلاته، والمعتصر من قضاء حاجته.

(الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / باب الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة الخ ٥٧/١ زكريا)

ولا يفرط في التاخير حتى لا تقع صلاة في وقت مكروه. (رد المحتار، كتاب الطهارة / باب التيمم ٤١٨/١ زكريا)

يجب أن يعلم بأن الفصل بين الأذان والإقامة في سائر الصلوات مستحب، والأصل في ذلك قوله عليه السلام لبلال: اجعل بين أذانك وإقامتك مقدار ما يفرغ الآكل من أكله، والشارب من شربه. (الفتاویٰ التاتارخانية / كتاب الصلاة ١٤٧/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۳۱ / ۲۱/۱۰/۱۴۴۱ھ)

داڑھی منڈے قاری کو اِمام بنانا؟

سوال (۲۵۸):- ایک داڑھی والا آدمی نماز اور قرآن اچھی طرح نہیں پڑھ سکتا، جب کہ غیر ڈاڑھی والا آدمی نماز اور قرآن اچھی طرح پڑھ سکتا ہے، تو اِس صورت میں اِمامت کا زیادہ حق دار کون ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں اگر داڑھی رکھنے والا متبع شریعت شخص قرأت میں کوئی فحش غلطی نہیں کرتا، اور بقدر صحت قرآن پڑھ سکتا ہے، تو داڑھی منڈانے والے قاری کے مقابلے میں اُسی متبع شریعت شخص کی اِمامت کو ترجیح ہوگی؛ البتہ اگر داڑھی رکھنے والا شخص قرأت اور مسائل سے بالکل ناواقف ہو، اور اُس کو اِمام بنانے میں نماز فاسد ہونے کا اندیشہ ہو، تو اِس خاص صورت میں غیر داڑھی والے شخص کو اِمام بنایا جائے گا۔ اور بہر حال ہر مسلمان کو صورت وسیرت میں اتباعِ سنت وشریعت کا اہتمام رکھنا چاہئے۔

ثم الأحسن تلاوة وتجويدًا، أفاد بذلك أن معنى قولهم: أقرأ أي أجود لا أكثرهم حفظًا. (رد المحتار، كتاب الصلاة / مطلب في تكرار الجماعة في المسجد ۲۹٤/۲ زكريا)

ولذا كره إمامة الفاسق العالم لعدم اهتمامه بالدين، فتجب إهانته شرعًا، فلا يعظم بتقديمه للإمامة. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي / فصل في بيان: الأحق بالإمامة ص: ١٦٥ قديمى)

ويكره إمامة الفاسق هذا ...... والكراهة إنما تكون فيما إذا وجد في القوم غير هؤلاء، وإلا فلا كراهة اتفاقًا. (الموسوعة الفقهية ۲۱۲/٦ الكويت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۱۸ / ۱۴۴۱/۹/۲۰ھ)

اِمام اور مقتدی سب بغیر داڑھی والے ہوں تو نماز کون پڑھائے؟

سوال (۲۵۹):- گھر میں نماز پڑھتے ہوئے جب کہ اِمام اور مقتدی سب بے داڑھی والے ہوں، تو نماز کون اَدا کرائے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- مسئولہ صورت میں جب سبھی بے داڑھی والے ہیں، تو جواُن میں سب سے اچھا قرآن پڑھ سکتا ہو، اور ضروری مسائل سے واقف ہو، وہ نماز اَدا کرائے، اور بہرحال مردوں پر داڑھی رکھنا واجب ہے، جولوگ داڑھی نہیں رکھتے اُن پر سچی توبہ کرکے داڑھی رکھنا لازم ہے۔

عن أبی مسعود الأنصاري رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: يؤم القوم أقرأهم لكتاب اللّٰه. (صحيح مسلم / باب من أحق بالإمامة ۲۳٦/۱)

عن عمرو بن سلمة عن أبيه أنهم وفدوا إلى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، فلما أرادوا أن ينصرفوا قالوا: يا رسول اللّٰه! من يؤمنا؟ قال: أكثرهم جمعًا للقرآن أو أخذًا للقرآن، قال: فلم يكن أحد من القوم جمع ما جمعته، قال: فقدموني وأنا غلام وعلي شملة لي، فما شهدت مجمعًا من جرم إلا كنت إمامهم وكنت أصلي على جنائزهم إلى يومي هذا. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، تفريع أبواب الإمامة / باب من أحق بالإمامة ص: ۱۲۲ رقم: ۵۸۷ دار الفكر بيروت)

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنه أنه قال: لما قدم المهاجرون الأولون نزلوا العصبة قبل مقدم النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، فكان يؤمهم سالمٌ مولى أبي حذيفة وكان أكثرهم قرآنًا. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / تفريع أبواب الإمامة ص: ۱۲۲ رقم: ۵۸۸ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۳۱ / ۱۴۴۱/۱۰/۲۱ھ)

کالا خضاب لگانے والے کی اِمامت

سوال (۲۶۰):- داڑھی اور سر میں کالا خضاب لگانے والے کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- مرد کے لئے بلاعذر سر یا داڑھی کے

بال بالکل کالے کرنا مکروہ ہے؛ تاہم ایسے شخص کے پیچھے پڑھی گئی نماز اَدا ہوجائے گی۔ بہتر یہ ہے کہ کالے کے بجائے سرخ یا براؤن مہندی لگائی جائے۔

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: جيء بأبي قحافة يوم الفتح إلى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، وكأنَّ رأسَه ثغامة، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذهبوا بهٖ إلىٰ بعض نسائهٖ، فلتُغيره وجنبوه السواد. (سنن ابن ماجة، كتاب اللباس / باب الخضاب بالسود ۲۵۸، المعجم الكبير للطبراني ۴۰/۹ رقم: ۸۳۲۴ دار إحياء التراث العربي بيروت)

قال النووي: يحرم خضابه بالسواد على الأصح، وقيل: يكره تنزيهًا، والمختار التحريم، لقوله عليه السلام: اجتنبوه السواد وهٰذا مذهبنا. (أوجز المسالك ۳۳۴/۶ المكتبة اليحيوية سهارنفور)

قال ابن عابدين: يكره بالسواد أي لغير الحرب. قال في الذخيرة: أما الخضاب بالسواد ...... وإن ليزين نفسه للنساء فمكروه، وعليه عامة المشائخ، وبعضهم جوزه بلا كراهة. روي عن أبي يوسف أنه قال: كما يعجبني أن تتزين لي يعجبها أن أتزين لها. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء وغيره ۶۰۵/۹ زكريا، ۴۲۲/۶ كراچی، الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب العشرون في الزينة ۳۵۹/۵ زكريا، فتاوىٰ بزازية علىٰ هامش الهندية / كتاب الاستحسان ۳۷۷/۶ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۱۶ / ۱۴۴۱/۹/۱۸ھ)

جس اِمام کے نقلی ہاتھ لگا ہوا ہو اُس کا تراویح پڑھانا

سوال (۲۶۱):- ایک حافظ صاحب بالغ ہیں؛ لیکن اُن کا سیدھا ہاتھ کٹا ہوا ہے اور نقلی ہاتھ لگا ہوا ہے، تو کیا یہ حافظ صاحب تراویح پڑھا سکتے ہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اگر وہ حافظ صاحب صحیح طرح وضو

کر لیتے ہیں اور نماز کے دیگر اَرکان یعنی رکوع اور سجدے وغیرہ میں بھی کوئی پریشانی نہیں ہوتی، تو اُن کی اِمامت مطلقاً درست ہے؛ لیکن اگر طہارت حاصل کرنے میں نقص رہ جاتا ہو، تو اُن کی اِمامت مکروہ ہوگی۔ (فتاویٰ محمودیہ ۶/۳۰۳ ڈابھیل، فتاویٰ قاسمیہ ۶/۶۶۳)

المستفاد: وتكره خلف أمرد وسفيه ومفلوج ...... لكن في وتر البحر أن تيقن المراعاة لم يكره أو عدمها لم يصح، إن شك كره (الدر المختار) لعدم إمكان إكمال الطهارة أيضًا في المفلوج والأقطع والمجبوب ...... قوله: لكن في وتر البحر الخ، هذا هو المعتمد؛ لأن المحققين جنحوا إليه، وقواعد المذهب شاهدة عليه. وقال كثير من المشائخ: إن كان عادته مراعاة مواضع الخلاف جاز وإلا فلا، ذكره السندي المتقدم ذكره. قلت: وهذا بناء على أن العبرة لرأي المقتدي وهو الأصح. وقيل لرأي الإمام وعليه جماعة. قال في النهاية: هو أقيس، وعليه فيصح الاقتداء، وإن كان لا يحتاط كما يأتي في الوتر. قوله: أن يتقن المراعاة لم يكره الخ، أي المراعاة في الفرائض وأركان في تلك الصلاة وإن لم يراع في الواجبات والسنن، كما هو ظاهر من سياق كلام البحر. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الإمامة، مطلب: في إمامة الأمرد ٢/٣٠٢ زكريا)

قوله لعدم إمكان الطهارة الخ: انظر وبه عدم إمكان إكمال الطهارة في المجبوب ولعله عدم تأتي الاستبراء في الاستنجاء، فربما كانت طهارة ناقصة، ووجهه في المفلوج والأقطع ظاهر. (تقريرات الرافعي حاشية ابن عابدين ٢/٧١ زكريا)

قال الحنفية: يكره تقديم ...... الأعمىٰ؛ لأنه لا يتوقى النجاسة ...... والكراهة في حقهم لما ذكر من النقائص فلو عدمت بأن كان الأعمى أفضل من البصير زالت الكراهة. (الموسوعة الفقهية / أمامة الصلاة ٦/٢١١ الكويت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۵ / ۱۴۴۱/۹/۷ھ)

اندر چست پائجامہ پہن کر اِمامت کرنا؟

سوال (۲۶۲):- زید ایک مسجد میں اِمامت کی خدمت انجام دیتا ہے، اور وہ لمبا کرتا پہنتا ہے؛ لیکن اندر لنگی یا پائجامے کے بجائے چست لباس پہننے کی اُس کی عادت ہے، تو اگر یہ چست پائجامہ پہن رکھا ہو اور اُوپر لمبا کرتا اور جبہ ہو تو اُس کی اِمامت درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اگر جبہ کے اُوپر سے اندر کا چست لباس نظر نہیں آتا ہے، تو ایسی صورت میں نماز میں کوئی کراہت نہیں، کراہت اُس شکل میں ہے جب کہ مرد یا عورت ایسا چست لباس پہنے جو باہر سے نظر آئے، جس سے اعضاء اور اُبھر کر آجائیں، اور ستر کامل نہ ہو تو اِس طرح کا لباس مردوں اور عورتوں سب کے لئے ممنوع ہے؛ لیکن جب کہ اوپر شرعی لباس موجود ہے جس سے اندر کا لباس نظر نہیں آرہا ہے تو اِس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے، یہ شرعاً درست ہے۔ (کتاب النوازل ۴/۹۶)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: صنفان من أهل النار......ونساء كاسيات عاريات. (صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة / باب النساء الكاسيات العاريات ۲/۲۰۵)

قال الإمام النووي: معناه تلبس ثوبا رقيقا يصف لون بدنها. (شرح النووي علىٰ صحيح مسلم ۲/۲۰۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۴۴ / ۱۴۴۲/۱/۱۰ھ)

فرائض کے بعد اجتماعی دعا کا حکم

سوال (۲۶۳):- فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اَحادیثِ شریفہ میں فرض نمازوں کے بعد متعدد دعاؤں کا ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً: سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اپنے چہیتے خادم سیدنا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں تم سے

محبت کرتا ہوں اور میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا ضرور پڑھا کرو: ”اَللّٰھُمَّ أَعِنِّيْ عَلیٰ ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ“ (یعنی اے اللہ! میں آپ کے ذکر، شکر اور آپ کی عبادت اچھی طرح انجام دینے پر آپ سے مدد کا طالب ہوں، آپ میری مدد فرمایئے) اِسی طرح اور بہت سی دعائیں اِس وقت پیغمبر علیہ السلام سے مروی ہیں۔ اَب جو لوگ جماعت سے نماز پڑھ رہے ہیں، وہ سب ایک ساتھ سلام پھیر کر دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائیں گے، جن میں اِمام اور مقتدی سب شامل ہیں، تو اِس دعا کے اہتمام کو خلافِ سنت نہیں کہا جاسکتا؛ کیوں کہ یہ دراصل انفرادی دعائیں ہیں، جن کی ہیئت اجتماعی بن گئی ہے۔ البتہ یہ بات صحیح ہے کہ دعا میں اِمام کی متابعت ضروری نہیں ہے؛ کیوں کہ جب اِمام نے سلام پھیر دیا تو نماز پوری ہوگئی۔ اب کوئی بھی نمازی اِمام کا پابند نہیں ہے۔ اگر اُسے ضرورت ہے تو فوراً اٹھ کر جاسکتا ہے، اور اگر چاہے تو اِمام سے پہلے بھی دعا مانگ سکتا ہے، اِس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اِمام کے ساتھ جو لوگ دعا مانگنا ضروری سمجھتے ہیں، اور اِمام سے پہلے اُٹھ کر جانے کو یا دعا ختم کرنے کو معیوب سمجھتے ہیں، تو اُن کا یہ التزام صحیح نہیں ہے۔

عن کعب الأحبار رضي اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: إنا نجد في التوراۃ أن داؤد نبي اللّٰہ علیہ الصلاۃ والسلام کان إذا انصرف من صلاتہ قال: ”اللّٰھم أصلح لي دیني الذي جعلتہ لي عصمۃ، وأصلح لي دنیاي التي جعلت فیھا معاشي، وأصلح لي آخرتي التي جعلت إلیھا معادي، اللّٰھم إني أعوذ برضاک من سخطک، وأعوذ بعفوک من نقمتک“ الخ. قال کعب: وأخبرني صھیب رضي اللّٰہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کان ینصرف بھذا الدعاء من صلاتہ.

عن معاذ بن جبل رضي اللّٰہ عنہ قال: أخذ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بیدي یومًا فقال: یا معاذ! واللّٰہ إني لأحبک، فقال معاذ: بأبي أنت وأمي یا

رسـول الـلّٰه، وأنا والله أحبک، فقال: أوصيک يا معاذ، لا تدعن في دبر كل صلاة أن تقول: اللّٰهم أعني على شكرک وذكرک وحسن عبادتک.

عـن جـابر بن سمرة رضي الله عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا قضى الصلاة قال: اللّٰهم إني أسألک من الخير كله ما علمت وما لم أعلم، وأعـوذ بک مـن الشـر كله ما علمت منه وما لم أعلم. (الدعاء للطبراني ص: ۲۰۷ رقم: ٦٥٣-٦٥٥ دار الكتب العلمية بيروت)

حـدثـنـا محمد بن أبي يحيى قال: رأيت عبد اللّٰه بن الزبير ورأى رجلا رافعًا يديه بدعوات قبل أن يفرغ من صلاته، فلما فرغ منها قال: إن رسول اللّٰه صـلـى الـلّٰـه عليه وسلم لم يكن يرفع يديه حتى يفرغ من صلاته. (المعجم الكبير للطبراني ١٢٩/١٣ رقم: ٣٢٤)

وليعلم أن الدعاء المعمول في زماننا من الدعاء بعد الفريضة رافعين أيديهم عـلـى الهيـئة الـكذائية، لم تكن المواظبة عليه في عهده الصلاة والسلام الخ. (العرف الشذي على الترمذي / باب ما جاء في كراهية أن يخص الإمام نفسه بالدعاء ٨٦/١ كراچی)

الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة. (السعاية، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ٢٦٥/٢ لاهور)

ثم بعد الفراغ عن الصلاة يدعو الإمام لنفسه وللمسلمين رافعي أيديهم حـذو الـصـدور وبـطـونهـا مما يلي الوجه بخشوع وسكون، ثم يمسحون بها وجوههم في آخره أي: عند الفراغ من الدعاء. (التحفة المرغوبة في أفضلية الدعاء بعد الـمـكتوبة ص: ١٧ لجنة التصنيف والتأليف لدار العلوم النعيمية كراچی، وكذا في حاشية الطحطاوي عـلـى مـراقـي الـفـلاح، كتـاب الصلاة / فصل في صفة الأذكار الواردة بعد الفرض ص: ٣١٦-٣١٨ قديمي، السعاية / باب صفة الصلاة ٢٥٧/٢ لاهور) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۳۶ / ۱۴۴۱/۱۱/۲۰ھ)

فرض نماز کے بعد جہری دعا

سوال (۲۶۴):- ہم نے سنا ہے کہ فرض نماز کے بعد آہستہ دعا کرنی چاہئے؟ نیز اگر کسی مسجد میں ۴-۵/ مقتدی ہوں اور مسبوق کوئی نہ ہو، تو کیا جہری دعا کرا سکتے ہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- بہتر اور اَفضل تو یہی ہے کہ عام حالات میں نماز کے بعد سری اور آہستہ دعا کی جائے؛ لیکن اگر کسی تقاضے یا ضرورت کی بنا پر جہری دعا کر لی جائے، بشرطیکہ اُسے مستقل معمول نہ بنایا جائے، تو شرعاً اِس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ [سورة الأعراف: ٥٥]

عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: "خير الدعاء الخفي". عن أنس رضي اللّٰه عنه مرفوعًا: "دعوة في السر تعدل سبعين دعوة في العلانية". (إعلاء السنن، أبواب الوتر / باب إخفاء القنوت في الوتر ٩٣/٦ إدارة القرآن كراچی)

وأما الأدعية والأذكار فبالخفية أولىٰ، قلت: ويجتهد في الدعاء، والسنة أن يخفي صوته، لقوله تعالىٰ: ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً﴾ (رد المحتار، كتاب الحج / مطلب في شروط الجمع بين الصلاتين بعرفة ٥٢٣/٣ زكريا، ٥٠٧/٢ كراچی)

لا يجتمع ملأ فيدعو بعضهم ويؤمّن بعضهم إلا أجابهم اللّٰه. (كنز العمال / الباب الثامن في الدعاء / الإكمال في إجابة الدعاء باعتبار الذوات والأوقات الذوات ١٠٧/٢ رقم: ٣٣٦٧ مكتبة التراث الإسلامي، الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب الرابع في الصلاة والتسبيح وقراء ة القرآن والذكر والدعاء الخ ٣١٨/٥ قديم زكريا)

(والرفع بحذاء أذنيه) كالتحريمة ...... فيبسط يديه حذاء صدره نحو السماء؛ لأنها قبلة الدعاء، ويكون بينهما فرجة. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة، فصل: إذا أراد الشروع ٥٠٧/١ كراچی، وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / فصل في صفة الأذكار ص: ٣١٧ قديمی)

الإصـرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة. (السعاية / باب صفة الصلاة ۲/۲٤٥ لاهور) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۴۹ / ۱۴۴۲/۲/۱۶ھ)

فرض نمازوں کے بعد وقتاً فوقتاً اِجتماعی دعا کرانا

سوال (۲٦٥):- کیا فرض نماز کے بعد وقتاً فوقتاً اِجتماعی دعا کر سکتے ہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اگر کوئی خاص ضرورت ہو تو فرض نماز کے بعد اِجتماعی دعا کرانے کی بھی گنجائش ہے؛ لیکن اِس کی ایسی عادت نہ بنائی جائے کہ لوگ اُسے لازم سمجھنے لگیں؛ جیسا کہ بہت سے علاقوں میں جہری دعا کی ایسی پختہ عادت بن گئی ہے کہ لوگ اُسے نماز کا جزو سمجھنے لگے ہیں، کوئی شخص اُس وقت تک اُٹھ کر نہیں جاتا جب تک کہ وہ جہری دعا پوری نہ ہوجائے، اور اگر کوئی اُٹھ کر جانے لگے تو اُسے بہت برا سمجھا جاتا ہے، تو ایسا التزام نہیں ہونا چاہئے؛ البتہ اتفاقاً کوئی دعا کرادے تو وہ ناجائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ قاسمیہ ۸/۴۱)

عن حبيب بن مسلمة الفهري – وكان مجاب الدعوة – أنه أمر على جيش فدرب الدروب، فلما أتى العدو قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لا يجتمع ملأ فيدعو بعضهم ويؤمن البعض إلا أجابهم الله. وفي رواية الطبراني: فيدعو بعضهم ويؤمن سائرهم، إلا أجابهم الله. (المستدرك للحاكم / كتاب معرفة الصحابة، ٦/٢٠٢٣ رقم: ٥٤٧٨ مكتبة نزار مصطفى الباز بيروت، المعجم الكبير للطبراني ٤/٢١ رقم: ٣٥٣٦ دار إحياء التراث العربي بيروت)

عن أنس رضي الله عنه قال: ما صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاة مكتوبة إلا أقبل بوجهه علينا، فقال: اللّٰهم إني أعوذ بک من كل عمل يخزيني. (عمل اليوم والليلة لابن السني، نوع آخر / باب ما يقول في دبر الصبح ص: ١٠٧ رقم: ١٢٠ مؤسسة علوم القرآن بيروت، مسند البزار ١٤/٣٢ رقم: ٧٤٤٩ مكتبة العلوم والحكم مدينة المنورة)

الإصرار على أمر مندوب يبلغه حد الكراهة. (سعاية ٢/٢٦٥، مستفاد: فتاویٰ

محمودیه ٦٨٢/٥-٦٨٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۴۲ / ۱۴۴۱/۱۲/۲۵ھ)

دعا کی قبولیت فرائض کے بعد کرنے میں ہے یا سنن ونوافل کے بعد؟

سوال (٢٦٦):- ہم نے سنا ہے کہ فرض نماز کے بعد دعا قبول ہوتی ہے، تو کیا اس سے مراد سلام پھیرنے کے فوراً بعد ہے یا سنن ونوافل کے بعد بھی دعا کریں، قبول ہوگی؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اِس میں دونوں باتوں کی گنجائش ہے، یعنی فرض کے فوراً بعد دعا قبول ہوتی ہے، اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ قبولیت کا وقت سنتوں کی تکمیل کے بعد ہے؛ اِس لئے کہ سنتیں بھی فرض کے تابع ہیں۔ (کفایت المفتی ۴۳/۴ زکریا)

القيام إلى أداء السنة التي تلي الفرض متصلاً بالفرض مسنون، غير أنه يستحب الفصل بينهما، كما كان عليه السلام إذا سلم يمكث قدر ما يقول: اللّٰه أنت السلام ومنك السلام، وإليك يعود السلام، تباركت يا ذا الجلال والإكرام، ثم يقوم إلى السنة، قال الكمال: وهٰذا هو الذي ثبت عنه صلى اللّٰه عليه وسلم من الأذكار التي توخر عنه السنة ويفصل به بينهما وبين الفرض.

(مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي / فصل في صفة الصلاة ص: ٣١١ دار الكتب العلمية بيروت)

عن أنس بن مالك رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: الدعاء مخ العبادة. (سنن الترمذي، أبواب الدعوات عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم / باب منه رقم: ٣٣٧١)

والمعنى أن الدعاء لب العبادة وخالصها. (تحفة الأحوذي ٢١٩/٩ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۳۷ / ۱۴۴۱/۱۱/۲۷ھ)

فرض اور سنت کے درمیان کتنا وقفہ ہو؟

سوال (٢٦٧):- فرض نماز اور سنتوں کے درمیان دعا میں کتنا وقفہ ہونا چاہئے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اَحادیثِ شریفہ میں فرائض کے بعد چھوٹی بڑی دعائیں مانگنا ثابت ہے، اِس لئے اگر کوئی محض کچھ لمبی دعا بھی کرلیتا ہے، تو اِس میں

کوئی حرج کی بات نہیں ہے، اس کی وجہ سے سنتوں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آتی؛ البتہ جب آدمی اِمام ہوتو اُسے طویل دعا نہیں کرنی چاہئے؛ تاکہ مقتدیوں کو اُکتاہٹ نہ ہو۔ (فتاویٰ قاسمیہ ۸/۵۳)

عن عبد اللّٰہ بن عمر رضي اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: خلتان لا یحصیھما رجل مسلم إلا دخل الجنۃ، ألا وھما یسیر، ومن یعمل بھما قلیل یسبح اللّٰہ في دبر کل صلاۃ عشرًا، ویحمدہ عشرًا، ویکبرہ عشرًا، قال: فأنا رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یعقدھا بیدہ، قال: فتلک خمسون ومائۃ باللسان وألف وخمس مائۃ في المیزان، وإذا أخذت مضجعک تسبحہ وتکبرہ وتحمدہ مائۃ، فتلک مائۃ باللسان، والألف في المیزان. (سنن الترمذي / أبواب الدعوات ۱۷۸/۲ رقم: ۳۴۱۰)

عن معاذ بن جبل رضي اللّٰہ عنہ أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم أخذ بیدي قال: یا معاذ! واللّٰہ أني لأحبک، فقال: أوصیک یا معاذ لا تدعن في دبر کل صلاۃ تقول: "اللّٰھم أعني علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک". (سنن أبي داؤد، کتاب الصلاۃ / باب في الاستغفار ۲۱۳/۱)

ویکرہ تاخیر السنۃ إلا بقدر اللّٰھم أنت السلام الخ، قال الحلواني: لا بأس بالفصل بالأوراد، واختارہ الکمال. قال الحلبي: إن أرید بالکراھۃ التنزیھیۃ ارتفع الخلاف، قلت: وفي حفظي حملہ علی القلیلۃ (الدر المختار) وأما ما ورد من الأحادیث في الأذکار عقب الصلاۃ، فلا دلالۃ فیہ علی الإتیان بھا قبل السنۃ؛ بل یحمل علی الاتیان بھا بعد السنۃ. (رد المحتار، کتاب الصلاۃ / باب صفۃ الصلاۃ ۲۴۶/۲-۲۴۷ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۴۳ / ۱۴۴۲/۱/۳ھ)

اِمام کی دعا پر مؤذن کا آمین کہنا

سوال (۲۶۸):- نماز کے بعد اِمام صاحب جب دعا کے لئے ہاتھ اُٹھاتے ہیں، تو مؤذن صاحب "اللّٰھم آمین" کہتے ہیں، تو یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- ’’اللّٰهم آمين‘‘ کے معنی ہیں ’’اے اللہ قبول فرما‘‘؛ لہٰذا مؤذن کی طرف سے نماز کے بعد اِس طرح کا جملہ کہنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

عن حبيب بن مسلمة النهري وكان مستجابًا؛ أنه أمّر علىٰ جيش، فدرب الدروب، فلما لقي العدو، قال للناس: سمعت رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم يقول: لا يجتمع ملأ فيدعو بعضهم ويؤمن سائرهم إلا أجابهم اللّٰه.

(المعجم الكبير للطبراني ٢٢/٤ رقم: ٣٥٣٦ دار إحياء التراث العربي بيروت)

عن محمد بن قيس عن أبيه أن رجلاً جاء زيد بن ثابت رضي اللّٰه عنه فسأله عن شيء فقال له زيد: عليك بأبي هريرة فإني بينما أنا وأبوهريرة وفلان ذات يوم في المسجد ندعو ونذكر ربنا عزوجل إذ خرج علينا رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم حتى جلس إلينا، فسكتنا، فقال: عودو للذي كنتم به، قال زيد: فدعوت أنا وصاحبي قبل أبي هريرة وجعل النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يؤمن علىٰ دعائنا. (المعجم الأوسط ٣٣٨/١ رقم: ١٢٢٨ دار الفكر بيروت، المستدرك على الصحيحين / كتاب معرفة الصحابة ٢٢١٨/٦ رقم: ٦١٥٨ مكتبة نزار مصطفىٰ الباز) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۳۳ / ۱۴۴۱/۱۰/۲۸ھ)

دورانِ تلاوت نماز کھڑی ہوجائے تو کیا کریں؟

سوال (۲۶۹):- اگر مسجد میں تلاوت کے دوران اِقامت شروع ہوجائے اور سورت پوری ہونے میں ایک دوآیت ہوں، تو سورت مکمل کر کے نماز میں شامل ہونا چاہئے یا فوراً ہی شامل ہونا چاہئے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اِقامت شروع ہونے پر تلاوت موقوف کر کے جماعت میں شامل ہوجانا چاہئے، سورت کا جو حصہ رہ جائے، وہ نماز کے بعد پورا کرلیں۔

ویسن مقارنة إحرام المقتدي لإحرام إمامه عند الإمام لقوله عليه السلام: إذا كبر فكبروا؛ لأن إذا للوقت حقيقة. وعندهما بعد فراغ الإمام جعلا الفاء للتعقيب، ولا خلاف في الجواز على الأصح؛ بل في الأولوية مع التيقن بحال الإمام (مراقي الفلاح) ولا يدرك فضيلة التحريمية مع الإمام عند الإمام إلا بالمقارنة في الإحرام. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / فصل في بيان سننها ص: ٢٥٧ المكتبة الأشرفية ديوبند، كذا في الهندية، كتاب الصلاة / الباب الرابع في صفة الصلاة ١/٦٨ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۱۶ / ۱۴۴۱/۹/۱۸ھ)

نمازی کے سامنے سے گذرنا کب محقق ہوتا ہے؟

سوال (۲۷۰):- اگر کوئی شخص کسی نمازی کے آگے اگلی صف میں نماز پڑھ رہا تھا، جب اُس نے سلام پھیرا تو پیچھے نماز پڑھنے والے شخص کی نماز پوری نہیں ہوئی تھی، اَب یہ آگے والا شخص اپنی جگہ سے اُٹھ کر جانا چاہے تو اُسے نمازی کے آگے سے گذرنے کا گناہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں آگے بیٹھا ہوا شخص دائیں بائیں ہوکر جاسکتا ہے، اُسے نمازی کے آگے سے گذرنے کا گناہ نہیں ہوگا۔ فقہاء کی بعض عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ گذرنا اُسی وقت پایا جائے گا جب کہ آدمی ایک جانب سے دوسری جانب چلا جائے۔ محض اپنی جگہ سے ہٹنے پر گذرنے کا اِطلاق نہ ہوگا۔

أراد المرور بين يدي المصلي، فإن كان معه شيء يضعه بين يديه، ثم يمر ويأخذه، ولو مر اثنان يقوم أحدهما أمامه ويمر الآخر ويفعل الآخر، هٰكذا يمران. ولو مر رجلان متحاذين فالذي يلي المصلي هو الآثم، قنية. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ٢/٤٠١ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۳۵ / ۱۴۴۱/۱۱/۱۳ھ)

پانی کی بوتل جگ اور پٹری کونماز میں سترہ بنانا

سوال (۲۷۱):- نمازی کے آگے سترہ کے طور پر پانی کی بوتل جگ یا پٹری وغیرہ رکھ کرنماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- اگر مذکورہ چیزوں کی اُونچائی ایک ذراع یعنی ہاتھ کی اُنگلیوں سے کہنی تک ہو، تو اُنہیں سترہ بنا کرنماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اوراگراُونچائی اس سے کم ہوتو وہ سترہ معتبر نہ ہوگا،اوراُس سے آگے سے گذرنا درست نہ ہوگا۔

عن موسى بن طلحة عن أبيه طلحة بن عبيد الله رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا جعلت بين يديك مثل مؤخرة الرحل فلا يضرك من مر بين يديك. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / تفريع أبواب السترة ص: ١٣٧ رقم: ٦٨٥ دار الفكر بيروت)

ويغرز الإمام، وكذا المنفرد في الصحراء ونحوها سترة بقدر ذراع طولاً وغلظ إصبع لتبدو للناظر بقربه دون ثلاثة أذرع على حذاء أحد حاجبيه لا بين عينيه والأيمن أفضل. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ٤٠٢/٢ زكريا، البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ٣٠/٢ دار الكتب العلمية بيروت وزكريا ديوبند، بدائع الصنائع، كتاب الصلاة / فصل فيما يستحب ويكره فيها ٨٤/٢ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۲۶ / ۱۴۴۱/۹/۲۸ھ)

جگہ کی تنگی کی وجہ سے عورتوں کا آگے پیچھے نماز پڑھنا

سوال (۲۷۲):- ہمارے گھر میں جگہ کی کمی کی وجہ سے عورتیں آگے پیچھے کھڑے ہوکر نماز پڑھتی ہیں کہ ایک عورت نے پیچھے مصلیٰ بچھایا اور اُس سے بالکل آگے دوسری عورت نے مصلیٰ بچھایا، اَب آگے پڑھنے والی عورت اگر پیچھے والی عورت سے پہلے سلام پھیر دے تو پیچھے

پڑھنے والی عورت کا سامنا کرنے کی وجہ سے اُسے گناہ تو نہیں ہوگا؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- عورتوں کا اِس طریقے پر آگے پیچھے ہوکر اپنی الگ الگ نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اَب اگر آگے والی نے پہلے سلام پھیر دیا اور پیچھے والی ابھی نماز پڑھ ہی رہی ہے، تو چوں کہ آگے والی کی پیٹھ پیچھے والی کی طرف ہے؛ لہٰذ اُن کے آگے پیچھے بیٹھنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ کسی آدمی کی پیٹھ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے میں کوئی خرابی نہیں ہے۔

عن نافع كان ابن عمر إذا لم يجد سبيلاً إلىٰ سارية من سواري المسجد قال لي ولني ظهرك. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة / باب الرجل يستر الرجل إذا صلى إليه أم لا ۱٤۱/۲ رقم: ۲۸۹۲)

ولا بأس بأن يصلي متوجهًا إلىٰ ظهر رجل قاعدًا الظاهر أن التقييد به باعتبار الغالب، وأنه لا فرق بين كونه قاعدًا أو قائمًا. (حلبي كبير، كتاب الصلاة / فصل في كراهية الصلاة ص: ۳۵۸ سهيل اكيڈمی لاهور)

ولا بأس بأن يصلي إلىٰ ظهر رجل قاعد يتحدث مع غيره عليه الإجماع. (شرح الجامع الصغير، القسم الحقيقي / كتاب الصلاة / باب الإمام أين يستحب له القيام ص: ۱٤٤ دار الكتب العلمية بيروت)

وفي الجامع الصغير لقاضي خان: كان عليه السلام إذا أراد أن يصلي في الصحراء أمر عكرمة أن يجلس بين يديه ويصلي. (البناية شرح الهداية ٥٤٤/۲ دار الكتب العلمية بيروت، كذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل الرابع ما يكره للمصلي وما لا يكره ۲۱۲/۲ زكريا، فتاوىٰ قاضي خان، كتاب الصلاة / باب الحدث في الصلاة وما يكره فيها وما لا يكره ۱۱۲/۱ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۳۵ / ۱۳/۱۱/۱۴۴۱ھ)

مسبوق کا اِمام کے ساتھ سلام پھیرنا

سوال (۲۷۳):- اگر مسبوق اِمام کے ساتھ دونوں طرف سلام پھیر دے، پھر یاد آنے پر کھڑا ہو جائے، تو اُس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اگر مسبوق نے اِمام سے پہلے یا اِمام کے بالکل ساتھ ساتھ سلام پھیرا (اور ایسا بہت کم ہوتا ہے) تو اُس پر سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا؛ لیکن اگر اِمام کے سلام کے بعد مسبوق نے سلام پھیرا ہے؛ جیسا کہ اکثر لوگوں کا معمول ہے، تو ایسی صورت میں مسبوق پر سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ اگر سجدۂ سہو نہیں کیا تو نماز واجب الاعادہ ہوگی۔ (کفایت المفتی جدید ۴/۴۲۹ زکریا)

ثم المسبوق إنما يتابع الإمام في السهو دون السلام؛ بل ينتظر الإمام حتى يسلم فيسجد فيتابعه في سجود السهو، لا في سلامه، وإن سلم فإن كان عامدًا تفسد صلاته، وإن كان ساهيًا لا تفسد، ولا سهو عليه؛ لأنه مقتد، وسهو المقتدي باطل ...... ولا يسلم إذا سلم الإمام؛ لأن هذا السلام للخروج عن الصلاة، وبقي عليه أركان الصلاة، فإذا سلم مع الإمام، فإن كان ذاكرًا لما عليه من القضاء فسدت صلاته؛ لأنه سلام عمد، وإن لم يكن ذاكرًا له لا تفسد؛ لأنه سلام سهو فلم يخرجه عن الصلاة. وهل يلزمه سجود السهو لأجل سلامه ينظر إن سلم قبل تسليم الإمام أو سلما معًا لا يلزمه؛ لأن سهوه سهو المقتدي، وسهو المقتدي تعطل. وإن سلم بعد تسليم الإمام لزمه؛ لأن سهوه سهو المنفرد، فيقضي ما فاته، ثم يسجد للسهو في آخر صلاته. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة / فصل في بيان من يجب عليه سجود السهو ۱/۴۲۲ رشيدية، ۱/۷۲۰-۷۲۱ دار الكتب العلمية بيروت)

ولا سجود عليه إن سلم سهوًا قبل الإمام أو معه، وإن سلم بعده لزمه لكونه منفردًا حينئذٍ، وأراد بالمعية المقارنة وهو نادر الوقوع، كما في شرح

المنية. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ٥٤٦/٢-٥٤٧ زكريا، البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ١٧٦/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۹ / ۱۴۴۱/۹/۱۱ھ)

مسبوق کا اِمام کے ساتھ سلام پھیر دینا؟

سوال (۲۷۴):- اگر مسبوق نے اِمام کے ساتھ ایک طرف یا دونوں طرف بھولے سے یا قصداً سلام پھیر دیا تو مسبوق پر سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اگر مسبوق نے اِمام کے بالکل ساتھ ساتھ یا اِمام سے پہلے سہواً سلام پھیرا ہے، تو اُس پر کوئی سجدۂ سہو لازم نہیں۔ اور اگر اِمام کے بعد اُس نے سلام پھیرا ہے، اور اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ اِمام کے بعد آدمی سلام پھیرتا ہے تو اُس مسبوق پر سجدۂ سہو لازم ہے۔

وهل يلزمه سجود السهو لأجل سلامه ينظر إن سلم قبل تسليم الإمام أو سلما معًا لا يلزمه؛ لأن سهوه سهو المقتدي، وسهو المقتدي تعطل. وإن سلم بعد تسليم الإمام لزمه؛ لأن سهوه سهو المنفرد، فيقضي ما فاته، ثم يسجد في آخر صلاته. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة / فصل في بيان من يجب عليه سجود السهو ٤٢٢/١ رشيدية)

ولا سجود عليه إن سلم سهوًا قبل الإمام أو معه، وإن سلم بعد لزمه لكونه منفردًا حينئذٍ، وأراد بالمعية المقارنة وهو نادر الوقوع، كما في شرح المنية. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ٥٤٦/٢-٥٤٧ زكريا، كذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ١٧٦/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۴۷ / ۱۴۴۲/۲/۲ھ)

مسبوق نماز کیسے پوری کرے؟

سوال (۲۷۵):- فرض کی ۴؍رکعتوں میں اِمام صاحب کے ساتھ ایک شخص کو صرف

ایک رکعت ملی، تو یہ مسبوق اپنی چھوٹی ہوئی رکعتوں کو کیسے پوری کرے گا؟ اِسی طرح مغرب میں ایک رکعت ملی تو مسبوق چھوٹی ہوئی رکعتوں کو کس طرح اَدا کرے گا؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اگر فرض کی ۴؍رکعتوں میں سے مسبوق کو صرف ایک رکعت ملی تو یہ مسبوق جب اپنی نماز پوری کرے گا تو پہلی رکعت میں فاتحہ اور سورت ملائے گا اور اُس کے بعد قعدہ کرے گا، اِس طرح اُس کی ۲؍رکعت اَدا ہوں گی ایک اِمام کے ساتھ، اور ایک اپنی ملا کر۔ پھر قعدے کے بعد جب کھڑا ہوگا تو اُس میں پہلی رکعت میں فاتحہ اور سورت ملائے گا اور آخری رکعت میں سورت نہیں ملائے گا، صرف سورۂ فاتحہ پڑھے گا۔

اور مغرب کی نماز میں اگر اِمام کے ساتھ صرف ایک رکعت ملی ہے، تو اِس کی بہتر شکل یہ ہے کہ مسبوق جب اپنی رکعت پڑھے تو ایک رکعت کے بعد قعدہ کرے، اور اُس کے بعد پھر آخری رکعت میں قعدہ ہوگا، اور اُن دونوں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور ضم سورت کرے گا یہ بہتر شکل ہے؛ لیکن اگر بیچ میں قعدہ نہیں کیا تو بھی نماز درست ہو جائے گی۔

وحكمه أنه يقضي أول صلاته في حق القراءة وآخرها في حق القعدة.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ۳۰۹ دار الكتب العلمية بيروت)

ولو أدرك ركعةً من الرباعية فعليه أن يقضي ركعة ويقرأ فيها الفاتحة والسورة ويقعد؛ لأنه يقضى آخر صلاته في حق القعدة، وحينئذ فهي ثانية ويقضى ركعة يقرأ فيها كذلك ولا يقعد. وفي الثالثة: يتخير والقراءة أفضل. (حلبي كبير ٤٦٨-٤٦٩)

لو أدرك مع الإمام ركعة من المغرب فإنه يقرأ في الركعتين الفاتحة والسورة ويقعد في أولٰهما؛ لأنها ثانية ولو لم يقعد جاز استحسانًا لا قياسًا ولم يلزمه سجود السهو لو سهوًا لكونها أولىٰ من وجه. (حلبي كبير / كتاب الصلاة ٤٦٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۵۰ / ۱۴۴۲/۲/۲۳ھ)

مسبوق اپنی مابقیہ نماز میں کونسی سورت پڑھے گا

سوال (۲۷۶):- ایک شخص کی جماعت میں پہلی رکعت چھوٹ گئی، اِمام صاحب نے دوسری رکعت میں ﴿إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ﴾ پڑھی، تو مسبوق بقیہ نماز مکمل کرتے وقت اُس سے پہلی سورت پڑھے گا یا بعد کی؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں مسبوق کو اختیار ہے، چاہے وہ اِمام کی پڑھی گئی سورت سے پہلی سورت پڑھ لے یا بعد والی۔ سب درست ہے کوئی پابندی نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۳/۲۷۷)

عن ابن مسعود رضي الله عنه في الرجل يفوته بعض الصلاة مع الإمام، قال: يجعل ما يدرك مع الإمام آخر صلاته. (المعجم الكبير للطبراني ۲۷۴/۹ رقم: ۹۳۶۹ دار إحياء التراث العربي بيروت)

وحكمه أنه يقضي أول صلاته في حق القراءة وآخرها في حق القعدة، وهو منفرد فيما يقضيه. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح / فصل فيما يفعله المقتدي ص: ۱۶۹ قديمی كتب خانه كراچی)

ولو أدرك ركعةً من الرباعية فعليه أن يقضي ركعة ويقرأ فيها الفاتحة والسورة ويقعد؛ لأنه يقضي آخر صلاته في حق القعدة، وحينئذ فهي ثانية، ويقضي ركعة يقرأ فيها كذلك ولا يقعد، وفي الثالثة يتخير والقراءة أفضل. (حلبي كبير ۴۶۸-۴۶۹)

فإذا انقضت صلاة الإمام صارت منفردًا فيما وراء ذلك. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ۱۷۷/۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۲۶ / ۲۸/۹/۱۴۴۱ھ)

وتر اور قنوتِ نازلہ کے مسائل

وتر جماعت سے پڑھنا افضل ہے یا بغیر جماعت کے؟

سوال (۲۷۷):- وتر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا بہتر ہے یا بغیر جماعت کے؟ اور اِس بارے میں سے خاص کر رمضان المبارک میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- رمضان المبارک کے علاوہ اَیام میں وتر کی نماز الگ الگ پڑھی جائے گی؛ جیسا کہ اُمت کا عام معمول ہے؛ البتہ رمضان المبارک میں تراویح کے ساتھ وتر کو بھی با جماعت پڑھنا اَولیٰ اور بہتر ہے؛ تاہم اگر کوئی تنہا پڑھ لے تو بھی اُس کی وتر معتبر ہو جائے گی۔ (فتاویٰ دار العلوم دیو بند ۴/۱۶۶)

ولا يصلي الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان أي يكره ذلك ...... وفيه أي رمضان يصلي الوتر وقيامه بها وهل الأفضل في الوتر الجماعة أم المنزل؟ تصحيحان (الدر المختار) قوله: أي يكره ذلك. أشار إلى ما قالوا من أن المراد من قول القدوري في مختصره لا يجوز الكراهة، لا عدم أصل الجواز؛ لكن في الخلاصة عن القدوري أنه لا يكره. وأيده في الحلية بما أخرجه الطحاوي عن المسور بن مخرمة قال: دفنا أبا بكر رضي الله عنه ليلاً، فقال عمر: إني لم أوتر، فقام وصفنا وراءه فصلى بنا ثلاث ركعات لم يسلم إلا في آخرهن، ثم قال: ويمكن أن يقال: الظاهر أن الجماعة فيه غير مستحبة، ثم إن كان ذلك أحيانًا كما فعل عمر كان مباحًا غير مكروه. وإن

كـان عـلـى سبيـل الـمـواظبة كـان بدعة مكروهة؛ لأنه خلاف المتوارث. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ٥٠٠/٢ زكريا)

قوله: فيه أي رمضان يصلي الوتر أي استحبابًا كما في البحر، وظاهر ما سيأتي لأنها فيها سنة كالتراويح، قوله: تصحيحان، رجح الكمال الجماعة بأنه صلى الله عليه وسلم كان أوتر بهم ثم بين العذر في تأخره مثل ما صنع في التراويح، فالوتر كالتراويح، فكما أن الجماعة فيها سنة فكذلك الوتر، بحر. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار / آخر باب الوتر والنوافل ٢٩٧/١ مكتبة الاتحاد ديوبند)

ويوتر بجماعة في رمضان فقط أي على وجه الاستحباب، وعليه إجماع المسلمين كما في الهداية. واختلفوا في الأفضل، ففي الخانية الصحيح أن أداء الوتر بجماعة في رمضان أفضل؛ لأن عمر رضي الله عنه كان يؤمهم في الوتر. وفي النهاية: اختار علماؤنا أن يوتر في منزله لا بجماعة؛ لأن الصحابة لم يجتمعوا على الوتر بجماعة في رمضان، كما اجتمعوا على التراويح؛ لأن عمر كان يؤمهم فيه في رمضان وأبي بن كعب كان لا يؤمهم. ورجح الأول في فتح القدير بأنه صلى الله عليه وسلم كان أوتر بهم الخ. ولو صلوا الوتر بجماعة في غير رمضان فهو صحيح مكروه كالتطوع في غير رمضان بجماعة. وقيده في الكافي بأن يكون على سبيل التداعي، أما لو اقتدى واحد بواحدٍ أو اثنان بواحدٍ لا يكره. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ١٢٢/٢-١٢٣ دار الكتب العلمية بيروت، فتاوىٰ قاضي خان على هامش الهندية، كتاب الصلاة / فصل في الوتر ٢٤٤/١ دار إحياء التراث العربي بيروت، فتح القدير مع الهداية، كتاب الصلاة / فصل في قيام شهر رمضان ٤٦٩/١-٤٧٠ دار الفكر بيروت، الهداية، كتاب الصلاة / باب النوافل، فصل في قيام شهر رمضان ٣١٢/١ مكتبة البشرىٰ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:٦ / ۱۴۴۱/۹/۸ھ)

قنوت کے لئے تکبیر کہنا بھول گیا

سوال (۲۷۸):- وتر کی تیسری رکعت میں دعائے قنوت سے پہلے اگر ہاتھ اُٹھا کر اللہ اکبر کہنا بھول جائے، تو سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- قنوت کی تکبیر میں ہاتھ اُٹھانا سنت ہے، اگر ہاتھ نہیں اُٹھایا تو بھی نماز درست ہوجائے گی، اور سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا؛ البتہ اِس موقع پر تکبیر واجب ہے یا سنت؟ اِس بارے میں دونوں قول مروی ہیں۔ بعض نے واجب کہا ہے، اور بعض نے سنت۔ علامہ شامیؒ نے عدمِ وجوب کو ترجیح دی ہے۔ بریں بنا اگر سرے سے قنوت کی تکبیر نہیں کہی پھر بھی نماز درست ہوجائے گی۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۴/۱۶۵)

ويكبر قبل ركوع ثالثه رافعًا يديه كما مر، ثم يعتمد، وقيل كالداعي وقنت فيه. قوله ويكبر: أي وجوبًا، وفيه قولان كما مر في الواجبات، وقدمنا هناك عن البحر أنه ترجيح عدمه. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ٤٤٢/٢ زكريا)

وقراءة قنوت الوتر وهو مطلق الدعاء، وكذا تكبير قنوته وتكبيرة ركوع الثالثة (الدر المختار) قوله: وكذا تكبير قنوته أي الوتر، قال في البحر في باب سجود السهو: ومما ألحق به أي بالقنوت تكبيره، وجزم الزيلعي بوجوب السجود بتركه، وذكر في الظهيرية أنه لو تركه لا رواية فيه، وقيل: يجب السجود اعتبارًا بتكبيرات العيد، وقيل: لا، وينبغي ترجيح عدم الوجوب؛ لأنه الأصل، ولا دليل عليه، بخلاف تكبيرات العيد. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ١٦٣/٢ زكريا، البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ١٦٩/٢ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۲٦ / ۱۴۴۱/۹/۲۸ھ)

وتر میں قنوت پڑھتے وقت ہاتھ باندھنا

سوال (۲۷۹):- وتر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھنے کے لئے جو ہاتھ اُٹھاتے ہیں، کیا قنوت پڑھتے وقت ہاتھ چھوڑے رکھیں یا باندھنے چاہئیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- وتر میں دعائے قنوت پڑھتے وقت ہاتھ اِس طرح باندھے جائیں، جیسے قرأت کے وقت باندھے جاتے ہیں۔

ويكبر قبل ركوع ثالثته رافعًا يديه كما مرّ، ثم يعتمد، وقيل: كالداعي وقنت فيه (الدر المختار) **قوله ثم يعتمد: أي يضع يمينه على يساره كما في حالة القراءة، قوله: كالداعي: أي عن أبي يوسف أنه يرفعهما إلى صدره وبطونهما إلى السماء، إمداد. والظاهر أنه يبقيهما كذلك إلى تمام الدعاء على هذه الرواية، تأمل. قوله: وقنت فيه: أي في الوتر أو الضمير إلى ما قبل الركوع.** (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ۲/ ٤٤۲ زكريا)

وعن محمد رحمه اللّٰه في النوادر: وأما في صلاة الجنازة وقنوت الوتر ...... يرسل ولا يضع عند محمد رحمه اللّٰه. وفي الظهيرية: أما في صلاة الجنازة وقنوت الوتر يضع وهو المختار، واختلف المشائخ رحمهم اللّٰه على قول أبي حنيفة في قنوت الوتر، قال بعضهم: يرسل وهو قول أبي يوسف. وقال بعضهم: يضع. ...... وكان الشيخ الإمام شمس الأئمة الحلوانيؒ يقول: كل قيام فيه ذكر مسنون، فالسنة فيه الاعتماد، كما في حالة الثناء والقنوت وصلاة الجنازة. وكل قيام ليس فيه ذكر مسنون كما في تكبيرات العيد، فالسنة فيه الإرسال. وفي الهداية: وهو الصحيح. وفي الزاد: وهو المختار، وبه كان يفتي الشيخ شمس الأئمة السرخسي والشيخ الإمام برهان الدين والصدر الشهيد. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / كيفية الصلاة، الفصل الثالث ۲/ ۱٦۱-۱٦۲ زكريا)

قوله: ثم يعتمد أي يضع يمينه على يساره كما في حال القراء ة، حلبي وهو الأصح. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ۲۸۰/۱ مكتبة الاتحاد ديوبند)

ثم كبر لانتقاله إلى حالة الدعاء وبعدالتكبير قنت قائمًا؛ لأن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان يقنت في الوتر قبل الركوع، وعند الإمام يضع يمينه على يساره. وعن أبي يوسف يرفعهما، كما كان ابن مسعود يرفعها إلى صدره وبطونهما إلى السماء. روي خرج مولى أبي يوسف قال: رأيت مولاي أبا يوسف إذا دخل في القنوت للوتر رفع يديه في الدعاء، ووجهه عموم دليل الرفع للدعاء. ويجاب بأنه مخصوص بما ليس في الصلاة للإجماع على أنه لا رفع في دعاء التشهد، انتهى. (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة / باب الوتر ص: ١٤١ دار الكتب العلمية بيروت)

قوله: وعند الإمام يضع يمينه على يساره أي وأبي يوسف وهو الأصح. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / باب الوتر ص: ٢٠٦ قديمى كتب خانه كراچى) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۵ / ۱۴۴۱/۹/۷ھ)

وتر میں بلند آواز سے دعائے قنوت پڑھنا

سوال (۲۸۰):- اِمام صاحب نے دعائے قنوت بلند آواز سے پڑھ دی، تو نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- نماز کے دیگر اَذکار کی طرح دعائے قنوت بھی سراً ہی پڑھنا افضل ہے؛ لیکن اگر جہراً پڑھ دی تو بھی نماز درست ہوجائے گی؛ فاسد نہ ہوگی۔

وقنت فيه مخافتا على الأصح مطلقًا ولو إمامًا لحديث خير الدعاء

الخفي (الدر المختار) قوله على الأصح: كذا في المحيط. وفي الهداية أنه المختار، ومقابله ما في الذخيرة، واستحسنوا الجهر في بلاد العجم للإمام ليتعلموا، وفصل بين أن يعلمه القوم، فالأفضل للإمام الإخفاء، وإلا فالجهر. قلت: هذا التفصيل لا يخرج عما قبله. وفي المنية: من اختار الجهر اختاره دون القراءة. قوله ولو إمامًا قال في الخزائن: إمامًا كان أو موتمًا أو منفردًا أداء أو قضاءً في رمضان أو غيره. والمختار في القنوت الإخفاء؛ لأنه دعاء.

(الهداية، كتاب الصلاة / باب صلاة الوتر ۲۹٤/۱ مکتبة البشریٰ کراچی)

قوله لحديث: أفاد أن المخافتة ليست واجبة. (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ٤٤٤/۲ زكريا)

وقال بعض مشائخ زماننا: إن كان الغالب في القوم أنهم لا يعلمون دعاء القنوت، فالإمام يجهر ليتعلموا منه، وقد صح أن رسول الله صلى الله عليه وسلم جهر به، والصحابة تعلموا القنوت من قراءته، وإن كان الغالب أنهم يعلمونه يخفيه؛ لأنه دعاء والسبيل في الدعاء الإخفاء ...... وقال صاحب شرح الطحاوي: الإمام يجهر بالقنوت، ويكون ذلك الجهر دون الجهر بالقراءة في الصلاة. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة / الفصل الثالث عشر: التراويح والوتر ۲۷۰/۲ إدارة القرآن كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۱۲ / ۱۴۴۱/۹/۱۴ھ)

وتر کی جماعت میں عورت بھی دعائے قنوت پڑھے گی

سوال (۲۸۱):- اگر عورتیں وتر کی نماز میں شریک ہوں اور اِمام تیسری رکعت میں قنوت پڑھے گا، تو عورتیں خاموش رہیں گی یا وہ بھی دعائے قنوت پڑھیں گی؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- وتر میں عورتیں بھی دعائے قنوت

پڑھیں گی؛ اِس لئے کہ دعائے قنوت اَذکار میں سے ہے، قرأت میں سے نہیں ہے۔ اور نماز کا اُصول یہ ہے کہ قرأت میں مقتدی خاموش رہے گا؛ لیکن اَذکار حسبِ معمول کرتا رہے گا، جیسے رکوع کی تسبیح، سجدہ کی تسبیح، التحیات، اور ثنا وغیرہ ہے۔ اِسی طرح جماعت کی نماز میں عورت بھی قنوت پڑھے گی۔

ويأتي المأموم بقنوت الوتر (الدر المختار) هذا من المسائل الخمس الآتية التي يفعلها المؤتم إن فعلها الإمام، وما مشى عليه المصنف تبعًا للكنز هو المختار، كما في البحر عن المحيط. وعبارة المحيط كما في حلية. قال أبويوسف: يسن أن يقرأ المقتدي أيضًا وهو المختار؛ لأنه دعاء كسائر الأدعية. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ٤٤٥/٢ زكريا)

وقال العلامة السيد أحمد الطحطاوي الحنفي: قوله ويأتي المأموم: هو المصحح في المذهب؛ لأنه حقيقةً كسائر الأدعية والثناء والتشهد والتسبيحات بحر. وظاهر أنه واجب في حقه كالإمام. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ٢٨١/١ مكتبة الاتحاد ديوبند)

ولها واجبات ...... وقراءة قنوت الوتر وهو مطلق الدعاء. (الدر المختار) ثم وجوب القنوت مبني على قول الإمام، وأما عندهما فسنةٌ. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ١٦٣/٢ زكريا)

قوله: ويتبع المؤتم قانت الوتر، وقال محمد: لا يأتي به المأموم؛ بل يؤمن لأن للقنوت شبهة القرآن لاختلاف الصحابة في قوله: اللّٰهم إنا نستعينك أنه من القرآن أو لا، فأورث شبهة وهو لا يقرأ حقيقة القرآن، فكذا ماله شبهه، والمختار ما في الكتاب كما في المحيط وغيره وصححوه؛ لأنه دعاء حقيقة كسائر الأدعية والثناء والتشهد والتسبيحات، وظاهر الرواية أنه

لا یکـره قراءته للجنب؛ لأنه لیس بقرآن، وعلیه الفتویٰ کما في الولوالجیة.

(البحر الرائق، کتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ۲/ ٤٤ کراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۴ / ۱۴۴۱/۹/۶ھ)

جسے دعائے قنوت یاد نہ ہو؟

سوال (۲۸۲):- اگر کسی کو دعائے قنوت یاد نہیں ہے تو وہ کیا کرے؟

الجواب حامدًا ومصلیًا أما بعد:- جس شخص کو دعائے قنوت یاد نہ ہو، وہ اس کے بجائے "رَبَّنَا آتِنَا" الخ یا "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ" یا کوئی بھی دعائے ماثورہ پڑھ لے، اِس سے قنوت کا واجب اَدا ہو جائے گا۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند۴/۱۶۴، فتاویٰ محمودیہ۷/۱۶۷ ڈابھیل، فتاویٰ قاسمیہ۸/۱۲۸ مکتبہ اشرفیہ دیوبند)

ومن لم یحسن القنوت یقول: "اللّٰهم اغفرلي" ثلاث مراتٍ، أو ﴿رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ أو "یارب، یا رب، یا رب". (ومن لم یحسن) التقیید به لیس بشرط؛ بل یجوز لمن یعرف الدعاء المعروف أن یقتصر علی واحد مما ذکر، أو یقول: ﴿رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً﴾ قال صاحب البحر: الظاهر أن الاختلاف في الأفضلیة لا في الجواز.

(حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح / باب الوتر ۳۸٤ دارالکتاب دیوبند)

قوله: ویسن الدعاء المشهور: وذکر في البحر عن الکرخي أن القنوت لیس فیها دعاء مؤقت؛ لأنه روي عن الصحابة أدعیة مختلفة؛ ولأن المؤقت من الدعاء یذهب برقة القلب. وذکر الإسبیجابي أنه ظاهر الروایة الخ، والصحیح أن عدم التوقیت فیما عدا المأثور؛ لأن الصحابة اتفقوا علیه، ولأنه ربما یجري علی اللسان ما یشبه کلام الناس إذا لم یؤقت. ومن لا یحسن القنوت یقول: ﴿رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً﴾ الآیة. وقال أبو اللیث یقول:

اللّٰهم اغفرلي يكررها ثلاثًا. وقيل يقول: يا رب ثلاثًا، ذكره في الذخيرة. (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ٤٤٢/٢-٤٤٣ زكريا، وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ٧٣/٢ دار الكتب العلمية بيروت وزكريا ديوبند، البناية، كتاب الصلاة / باب الوتر، ٥٠٤/٢ المكتبة الأشرفية ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۳ / ۱۴۴۱/۹/۵ھ)

دعائے قنوت پڑھے بغیر رکوع کرنا

سوال (۲۸۳):- اِمام صاحب وتر کی نماز میں قنوت پڑھے بغیر رکوع میں چلے گئے، یہ مسئلہ رمضان میں بکثرت پیش آتا ہے، اَب مقتدیوں نے لقمہ دیا تو اِمام صاحب پھر کھڑے ہوکر قنوت پڑھی اور دوبارہ رکوع کیا، بعد میں سجدۂ سہو کرلیا، تو سوال یہ ہے کہ نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں سجدۂ سہو کرنے سے اگرچہ نماز درست ہوگئی؛ لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ:

الف:- اگر دعائے قنوت بھول کر رکوع میں چلا جائے، تو قیام کی طرف نہ لوٹے؛ بلکہ اخیر میں سجدۂ سہو کرلے۔

ب:- اور اگر رکوع کے بعد قیام کی طرف لوٹے، تو قنوت پڑھ کر سیدھا سجدہ میں چلا جائے، دوبارہ رکوع نہ کرے؛ گویا کہ یہ قیام قومہ کے درجے میں ہوگا۔

ج:- اور اگر قنوت کے بعد دوبارہ رکوع کرلیا تو یہ دوسرا رکوع لغو اور زائد کہلائے گا، اِسی وجہ سے اگر کوئی مسبوق اس دوسرے رکوع میں شامل ہوا، تو وہ رکعت پانے والا شمار نہ ہوگا۔

بہرصورت اخیر میں سجدۂ سہو کرلینے سے نماز وتر درست ہوجائے گی۔ (کفایت المفتی ۵۰۵/۴ جدید زکریا، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۱۶۶/۴ مکتبہ دارالعلوم دیوبند)

ولو نسيه أي القنوت ثم تذكره في الركوع لا يقنت فيه لفوات محله، ولا يعود إلى القيام في الأصح؛ لأن فيه رفض الفرض للواجب، فإن عاد إليه

وقنت ولم يعد الركوع لم تفسد صلاته لكون ركوعه بعد قراء ة تامة وسجد للسهو قنت أو لا لزواله عن محله (الدر المختار) قوله: ولا يعود إلى القيام: إن قلت هو وإن لم يقنت فقد حصل القيام برفع رأسه من الركوع، قلنا: هذه قومة لا قيام، فيكون عدم العود إلى القيام كناية عن عدم القنوت بعد الركوع؛ لأن القيام لازم والقنوت ملزوم، فأطلق اللازم لينتقل منه إلى الملزوم قوله: لكون ركوعه بعد قراء ة تامة. أي فلم ينتقض ركوعه ...... بخلاف العود إلى القنوت، حتى لو عاد وقنت ثم ركع فاقتدى به رجل لم يدرك الركعة؛ لأن هذا الركوع لغو. (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ٤٤٧/٢ زكريا، كذا في الخانية على هامش الهندية / فصل فيما يوجب السهو وما لا يوجب السهو ١٢١/١ دار إحياء التراث العربي بيروت، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح)

التاسع: قنوت الوتر، وقدمنا أنه لا يختص بدعاء، وأنه لا يعود إليه لو ركع على الصحيح كما في المجتبى وغيره، فحينئذٍ يتحقق تركه بالركوع. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ١٧٠/٢ دار الكتب العلمية بيروت وزكريا ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۳ / ۱۴۴۱/۹/۵ھ)

وتر میں مسبوق شخص دعائے قنوت کب پڑھے گا؟

سوال (۲۸۴):- ایک شخص کی وتر کی پہلی رکعت چھوٹ گئی، تو اس رکعت کو مکمل کرتے وقت دعائے قنوت پڑھے گا یا نہیں؟ جب کہ وہ امام کے ساتھ دعائے قنوت پڑھ چکا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مذکورہ مسبوق شخص اپنی نماز میں دعائے قنوت نہیں پڑھے گا؛ بلکہ جو دعائے قنوت اُس نے اِمام کے ساتھ پڑھ لی ہے، وہی کافی ہے۔

وأما المسبوق فيقنت مع إمامه فقط، ويصير مدركًا بإدراك ركوع الثالثة (الدر المختار) لأنه آخر صلاته، وما يقضيه أولها حكمًا في حق القراء ة

وما أشبهها وهو القنوت، وإذا وقع قنوته في موضعه بيقين لا يكرر؛ لأن تكراره غير مشروع، شرح المنية. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ٤٤٨/٢ زكريا، منية المصلي / فصل في النوافل ص: ٢٢٢ دار القلم دمشق، حلبي كبير ص: ٤٢١ سهيل اكيڈمی لاهور) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲۰ / ۱۴۴۱/۹/۲۲ھ)

قنوتِ نازلہ

سوال (۲۸۵):- قنوتِ نازلہ کسے کہتے ہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- ''نازلہ'' کے معنی ''حادثے'' کے آتے ہیں، اِسی مناسبت سے وہ خاص دعا جو کسی عمومی پریشانی اور آفت کے وقت فجر کی نماز کی دوسری رکعت میں رکوع سے اُٹھ کر سجدے میں جانے سے پہلے قومہ میں پڑھی جاتی ہے؛ اُسے ''قنوتِ نازلہ'' کہا جاتا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۳۴۷/۷ ڈابھیل)

عن أنس بن مالك رضي الله عنه أن رعلا وذكوان وعصية وبني لحيان استمدوا رسول الله صلى الله عليه وسلم على عدو، فأمدهم بسبعين من الأنصار كنا نسميهم: القراء في زمانهم، كانوا يحتطبون بالنهار، ويصلون بالليل حتى كانوا ببئر معونة قتلوهم، وغدروا بهم، فبلغ النبي صلى الله عليه وسلم فقنت شهرًا يدعو في الصبح على أحياء من أحياء العرب؛ على رعل وذكوان وعصية وبنى لحيان. قال أنس: فقرأنا فيهم قرآنًا، ثم إن ذلك رفع: بلّغوا عنا قومنا أنا لقينا ربنا فرضي عنا وأرضانا. وعن قتادة عن أنس بن مالك حدثه أن نبي الله صلى الله عليه وسلم قنت شهرًا في صلاة الصبح يدعو على أحياء العرب على رعل وذكوان وعصية وبني لحيان. (صحيح البخاري، كتاب المغازي / باب غزوة الرجيع ورعل وذكوان ٥٨٦/٢ رقم: ٣٩٤٣ ف: ٤٠٩٠)

عن أبي الحوراء قال: قال الحسن بن علي رضي اللّٰه عنهما علمني رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كلمات أقولهن في الوتر – قال ابن جوَّاس: في قنوت الوتر –: اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنِيْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنِيْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ، وَبَارِکْ لِيْ فِيْمَا أَعْطَيْتَ، وَقِنِيْ شَرَّ مَا قَضَيْتَ، إِنَّکَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْکَ، وَإِنَّهٗ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ، تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / باب القنوت في الوتر رقم: ١٤٢٥، سنن الترمذي، أبواب الوتر / باب ما جاء في القنوت في الوتر رقم: ٤٦٤)

ويقنت في الأخيرة إذا رفع رأسه من الركوع فيقول: اللّٰهم اهدني فيمن هديت. (حصين حصين ص: ٥٦)

والقنوت في الفجر لا يشرع لمطلق الحرب عندنا، وإنما يشرع لبلية شديدة تبلغ بها القلوب الحناجر. ولو لا ذلک، للزم الصحابة القائلين بالقنوت للنازلة أن يقنتوا أبدًا، ولا يتركوه يومًا لعدم خلو المسلمين عن نازلةٍ ما غالبًا، لا سيما في زمن الخلفاء الأربعة. قلت: وهذا هو الذي يحصل به الجمع بين الأحاديث المختلفة في الباب. وأما دعوى نسخ القنت في الفجر طلقًا فتردها آثار الصحابة وقنوتهم بعد وفاة النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أحيانًا. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة / أبواب الوتر، تتمة في بقية أحكام قنوت النازلة ١١٦/٦ دار الكتب العلمية بيروت، ٩٦/٦ إدارة القرآن کراچی)

إن قنوت النازلة عندنا مختص بصلاة الفجر، دون غيرها من الصلوات الجهرية والسرية. (شامي، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ٤٤٩/٢ زكريا، ١١/٢ کراچی)

وروي في الخبر أنه عليه السلام قنت شهرًا أو أربعين يومًا يدعو على قوم فأنزل اللّٰه تعالىٰ معاتبًا له: ﴿لَيْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ

یُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ﴾ فترک. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ١٧١/١ المكتبة الإمدادية ملتان) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:٦ / ۱۴۴۱/۹/۸ھ)

قنوتِ نازلہ کی دعاؤں میں اِضافہ

سوال (۲۸۶):- کیا قنوتِ نازلہ میں صرف وہی دعا پڑھنی ہے جو حدیث سے ثابت ہے، یا اُس میں اور دعا بھی گھٹا بڑھا سکتے ہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- قنوتِ نازلہ میں مسنون دعاؤں کے ساتھ وقت اور حالات کے اعتبار سے عربی زبان میں دعاؤں کا اِضافہ کیا جاسکتا ہے؛ اِس لئے کہ قنوت میں کوئی دعا متعین نہیں ہے۔

وأن جميع ما ورد من قنوته وقنوت الخلفاء الراشدين وغيرهم مما اختلف فيه إنما هو قنوت النوازل؛ فإنه محل الاجتهاد. (حلبي كبير، كتاب الصلاة / باب الوتر ص: ٤٢٠)

قد روي عن الصديق رضي الله عنه أنه قنت عند محاربة الصحابة مسيلمة، وعند محاربة أهل الكتاب، وكذلک قنت عمر رضي الله عنه، وكذا علي رضي الله عنه في محاربة معاوية رضي الله عنه ومعاوية في محاربته. (فتح القدير، كتاب الصلاة / باب صلاة الوتر ٤٥١/١ زكريا)

وذكر الكرخي أن القنوت ليس فيه دعاء مؤقت؛ لأنه روي عن الصحابة أدعية مختلفة؛ ولأن المؤقت من الدعاء يذهب برقة القلب، وذكر الاسبيجابي أنه ظاهر الرواية. وقال بعضهم: المراد ليس في دعاء مؤقت ما سوى: اللّٰهم إنا نستعينک. وقال بعضهم: الأفضل التوقيت، ورجحه في شرح المنية تبركًا بالمأثور اهـ. والظاهر أن القول الثاني والثالث متحدان،

وحاصلهما تقييد ظاهر الرواية بغير المأثور كما يفيده قول الزيلعي. وقال في المحيط والذخيرة: يعني من غير قوله: اللّٰهم إنا نستعينک الخ. واللّٰهم اهدنا الخ اهـ. فلفظ يعني بيان لمراد محمد في ظاهر الرواية، فلا يكون هذا القول خارجًا عنها؛ ولذا قال في شرح المنية: والصحيح أن عدم التوقيت فيما عدا المأثور؛ لأن الصحابة اتفقوا عليه؛ ولأنه ربما يجري على اللسان ما يشبه كلام الناس إذا لم يؤقت. ثم ذكر اختلاف الألفاظ الواردة في اللّٰهم إنا نستعينک الخ. ثم ذكر أن الأولى أن يضم إليه: اللّٰهم اهدني الخ، وأن ما عدا هذين فلا توقيت فيه، ومنه ماعن ابن عمر أنه كان يقول: ”بعد عذابک الجد بالكفار ملحق: اللّٰهم اغفر للمؤمنين والمؤمنات، والمسلمين والمسلمات، وألف بين قلوبهم، وأصلح ذات بينهم، وانصرهم على عدوک وعدوهم. اللّٰهم العن كفرة أهل الكتاب الذين يكذبون رسلک ويقاتلون أولياءک. اللّٰهم خالف بين كلمتهم، وزلزل أقدامهم، وأنزل عليهم بأسک الذي لا يرد عن القوم المجرمين“. ومنه ما أخرجه الأربعة وحسنه الترمذي أنه عليه الصلاة والسلام كان يقول في آخر وتره: ”اللّٰهم إني أعوذ برضاک من سخطک، وبمعافاتک من عقوبتک، وأعوذ بک منک، لا أحصي ثناءً عليک، أنت كما أثنيت على نفسک“. وغير ذلک من الأدعية التي لا تشبه كلام الناس. (شامي، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ٢/٤٤٢-٤٤٣ زكريا)

أو يحمل على قنوت النوازل كما اختاره بعض أهل الحديث من أنه لم يزل يقنت في النوازل وهو ظاهر ما قدمناه عن أنس: كان لا يقنت إلا إذا دعا الخ، وسننظر فيه، ويكون قوله ثم ترک في الحديث الآخر: يعني الدعاء على أولئک القوم لا مطلقًا. وأما قنوت أبي هريرة المروي فإنما أراد بيان أن

القنوت والدعاء للمؤمنين وعلى الكافرين، وقد كان من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لا أنه مستمر لاعترافهم بأن القنوت المستمر ليس يسن فيه الدعاء لهؤلاء وعلى هؤلاء في كل صبح. (فتح القدير، كتاب الصلاة / باب صلاة الوتر ٤٣٢/١ دار الفكر بيروت)

والقنوت قيل ليس فيه دعاء مؤقت أي معين، ويكره أن يؤقت لأنه إذا وقت يجري على اللسان من غير إحضار قلب ولا صدق رغبة فلا يحصل به المقصود، والصحيح أن ذلک أي عدم التوقيت إنما هو فيما عدا المأثور والدعاء المأثور روي بألفاظ مختلفة ...... وما عدا هذين فلا توقيت فيه، فمنه ما تقدم من رواية الأربعة أنه عليه الصلاة والسلام كان يقول: اللّٰهم إني أعوذ برضاک من سخطک الخ، ومنه ما روي عن عمر أنه كان يقول بعد: إن عذابک الجد بالكفار ملحق، اللّٰهم اغفر للمؤمنين والمؤمنات والمسلمين والمسلمات، وألف بين قلوبهم، واصلح ذات بينهم، وانصرهم على عدوک وعدوهم، اللّٰهم العن كفرة أهل الكتاب الذين يكذبون رسولک ويقاتلون أوليائک، اللّٰهم خالف ببين كلمتهم وزلزل أقدامهم، وأنزل بهم بأسک الذي لا يرد عن القوم المجرمين، وغير ذلک من الأدعية التي لا تشبه كلام الناس. (حلبي كبير / مفسدات الصلاة ٤١٧-٤١٨ سهيل اكيڈمی لاهور)

وأما دعاؤه فليس فيه دعاء مؤقت، كذا ذكر الكرخي في كتاب الصلاة؛ لأنه روي عن الصحابة أدعية مختلفة في حال القنوت؛ ولأن المؤقت من الدعاء يذهب بالرقة كما روي عن محمد، فيبعد عن الإجابة ولأنه لا يؤقت في القراء ة لشيء من الصلوات ففي دعاء القنوت أولى. وقال بعض مشايخنا: المراد من قوله ليس فيه دعاء مؤقت ما سوى، اللّٰهم إنا نستعينک لأن

الصحابة اتفقوا عليه، فالأولى أن يقرأه ولو قرأ غيره جاز، ولو قرأ معه غيره كان حسنًا، والأولى أن يقرأ بعده ما علمه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم الحسن بن علي في قنوته اللّٰهم اهدني فيمن هديت إلى آخره. وقال بعضهم: الأفضل في الوتر أن يكون فيه دعاء مؤقت؛ لأن الإمام ربما يكون جاهلا فيأتي بدعاء يشبه كلام الناس فتفسد صلاته، وما روي عن محمد من أن التوقيت في الدعاء يذهب برقة القلب محمول على أدعية المناسک دون الصلاة، كذا في البدائع. ورجح في شرح منية المصلي قول الطائفة الثانية لما ذكروا وتبركًا بالمأثور الوارد به الإخبار وتوارثه الخلف عن السلف في سائر الأعصار اهـ؛ لكن ذكر الاسبيجابي أن ظاهر الرواية عدم توقيته. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ٢/٤١-٤٢ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۶ / ۱۴۴۱/۹/۸ھ)

قنوت نازلہ میں ''درود تنجینا'' پڑھنا

سوال(۲۸۷):- قنوتِ نازلہ میں ''درود تنجینا'' پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- قنوتِ نازلہ میں ''درود تنجینا'' بھی پڑھ سکتے ہیں؛ لیکن حدیث میں قنوتِ نازلہ جن الفاظ سے مروی ہے اُس کا اہتمام کرنا زیادہ بہتر ہے۔

ويقنت في الأخيرة إذا رفع رأسه من الركوع فيقول: اللّٰهم اهدني فيمن هديت الخ. (حصين حصين، عند النوم وما يتعلق به / إذا صلى الوتر ثلاثًا ص: ١٣٢ غراس الكويت)

عن أبي الحوراء قال: قال الحسن بن علي رضي اللّٰه عنهما علمني رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كلمات أقولهن في الوتر – قال ابن جوَّاس: في قنوت الوتر –: اللّٰهم اهدني فيمن هديت، وعافني فيمن عافيت، وتولني

فيـمن توليت، وبارك لي فيما أعطيت، وقني شر ما قضيت، إنك تقضي ولا يُـقـضـى عليك، وإنه لا يذل من واليت، تباركت ربنا وتعاليت. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / باب القنوت في الوتر رقم: ١٤٢٥)

وقنـت فيـه ويسـن الـدعاء المشهور ويصلي على النبي صلى الله عليه وسلم به يفتى. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب النوافل ۴۴۲/۲ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۱۵ / ۱۴۴۱/۹/۱۷ھ)

رمضان میں قنوتِ نازلہ پڑھنا

سوال (۲۸۸):- رمضان المبارک میں ''قنوتِ نازلہ'' پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- رمضان المبارک میں بھی ضرورت کے وقت نمازِ فجر میں حسبِ ضابطہ قنوتِ نازلہ پڑھی جاسکتی ہے، اِس میں شرعاً کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

إن قـنوت النازلة عندنا مختص بصلاة الفجر، دون غيرها من الصلوات الجهرية والسرية. (شـامي، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ٤٤٩/٢ زكريا، ١١/٢ كراچى)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:٦ / ۱۴۴۱/۹/۸ھ)

کورونا وائرس سے نجات کے لئے قنوتِ نازلہ پڑھنا

سوال (۲۸۹):- کورونا بیماری سے نجات کی غرض سے قنوت نازلہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں، اور کب پڑھیں گے کس نماز میں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مشہور فقیہ علامہ ابن نجیمؒ نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''الاشباہ والنظائر'' کے فن ثالث میں وبائی امراض سے متعلق ایک مستقل باب قائم فرمایا ہے، جس میں دیگر مسائل کے ضمن میں یہ بات لکھی ہے کہ اگر کوئی وبائی مرض مثلاً: طاعون وغیرہ پھیل جائے تو قنوتِ نازلہ پڑھی جاسکتی ہے۔ اور اَحناف کے نزدیک قنوتِ نازلہ

فجر کی نماز کی آخری رکعت میں رکوع سے اُٹھ کر قومہ کی حالت میں سجدے میں جانے سے پہلے پڑھی جائے گی۔ اور موجودہ وبائی ماحول میں اُس میں وہ دعائیں بھی شامل کرلی جائیں جن میں امراض اور وبا سے پناہ مانگی گئی ہے۔

فالقنوت عندنا في النازلة ثابت. وهو الدعاء برفعها، ولا شك أن الطاعون من أشد النوازل. قال في المصباح: النازلة المصيبة الشديدة تنزل بالناس (انتهى). وفي القاموس: النازلة الشديدة (انتهى). وفي الصحاح: النازلة الشديدة من شدائد الدهر تنزل بالناس (انتهى). وذكر في السراج الوهاج قال الطحاوي: ولا في الفجر عندنا من غير بلية. فإن وقعت بلية فلا بأس به كما فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم، فإن قنت شهرًا فيها، يدعو على رعل وذكوان وبني لحيان، ثم تركه، كذا في الملتقط (انتهى). (الأشباه والنظائر / الفن الثالث: الجمع والفرق ص: ٥١٩ دار الفكر بيروت)

إن قنوت النازلة عندنا مختص بصلاة الفجر، دون غيرها من الصلوات الجهرية والسرية. (شامي، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ٤٤٩/٢ زكريا، ١١/٢ كراچی، ٦٢٨/١ مصری) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۸ / ۱۴۴۱/۹/۱۰ھ)

قنوتِ نازلہ کے بعد غلطی سے اِمام رکوع میں چلا گیا

سوال (۲۹۰):- فجر کی نماز میں قنوتِ نازلہ کے بعد اِمام صاحب غلطی سے سجدے میں جانے کے بجائے رکوع میں چلے گئے، پھر بعد میں لقمہ ملنے پر کھڑے ہوئے اور پھر سجدے میں گئے، اور اَخیر میں سجدۂ سہو بھی کرلیا، تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں سجدۂ سہو کرلینے کی بنا پر نماز درست ہوگئی؛ اِس لئے کہ تکرار رکوع کی وجہ سے اُن پر سجدۂ سہو واجب ہو چکا تھا، جو

اُنہوں نے اَدا کرلیا۔

وكـذا إذا سجد في موضع الركوع أو ركع في موضع السجود أو كرر ركـنًـا أو قـدم الـركـن أو أخره، ففي هذه الفصول كلها يجب سجود السهو.

(الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الثاني عشر في سجود السهو ١٢٧/١ زكريا)

وكـذا إذا ركع في موضع السجود أو سجد في موضع الركوع أو ركع ركـوعين أو سجد ثلاث سجدات لوجود تغيير الفرض عن محله أو تأخير الواجب.

(بدائع الصنائع، كتاب الصلاة / فصل: وأما بيان سبب الوجوب ١٦٤/١ دار الكتب العلمية بيروت)

ومـنـه ركـوعـان متواليان أو ثلاث سجدات أو تكبيرتان للتحريمة بأن شك فيهـا فـأعـادهـا، ثـم تـذكـر أنـه أتى بها؛ فإنها توجب السهو على ما في الـمـحـيـط، واختـلف هـل الـمـعتبر الركوع الثاني أو الأول؟ وينبغي أن يكون البـاقـي عـلـى مثـل هـذا الـخـلاف، قهستاني. قال في البحر: المعتبر الركوع الأول لـكـونه صادف محله فوقع الثاني مكررًا. (طحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ٣١١/١ مكتبة الاتحاد ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۳۱ / ۲۱/۱۰/۱۴۴۱ھ)

جمعہ کے مسائل

جہاں جمعہ کی شرائط نہ پائی جائیں وہاں جمعہ کا قیام

سوال (۲۹۱):- ہمارے گاؤں میں جمعہ کی نماز ادا کی جارہی ہے مگر امام صاحب الٰہ آباد سے فتویٰ لے آئیں ہیں کہ یہاں جمعہ کی شرائط نہیں پائی جاتیں اس لیے جمعہ کی نماز نہیں ہو گی، اب لوگوں میں انتشار ہے، کچھ لوگ جمعہ پڑھتے ہیں اور کچھ لوگ ظہر پڑھتے ہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اگر یہ بات ثابت ہے کہ مذکورہ آبادی میں جمعہ کی شرائط متحقق نہیں ہیں، تو وہاں جمعہ قائم نہیں کرنا چاہئے؛ بلکہ سب کو مل کر نماز ظہر باجماعت پڑھنی چاہئے۔

صلاة الجمعة فرض عين على من اجتمع فيه سبعة شرائط: الذكورة والحرية والإقامة بمصر أو فيما هو داخل في حد الإقامة بها في الأصح ...... ويشترط لصحتها ستة أشياء المصر أو فناؤه (نور الإيضاح) **قوله: المصر، أو فناؤه، سواء مصلى العيد وغيره؛ لأنه بمنزلة المصر في حق حوائج أهله.** (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة / باب الجمعة ص: ۱۹۱ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۲۴ / ۱۴۴۱/۹/۲۶ھ)

چھوٹی آبادی والے گاؤں میں عرصۂ دراز سے جمعہ کا معمول ہے

سوال (۲۹۲):- ہمارے گاؤں میں عرصۂ دراز سے جمعہ ہوتا آیا ہے؛ لیکن آبادی چھوٹی ہونے کی وجہ سے اَب یہ فتویٰ آیا ہے کہ جمعہ جائز نہیں، اور کچھ لوگوں نے ظہر کی نماز پڑھنی شروع کردی، تو اَب کیا ہونا چاہئے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- جب اُس گاؤں میں جمعہ کی شرط متحقق نہیں ہے، آبادی مختصر ہےتو وہاں جمعہ نہیں پڑھنا چاہئے؛ بلکہ ظہر کی نماز باجماعت پڑھنی چاہئے۔

عن علي رضي الله عنه قال: لا جمعة ولا تشريق ولا صلاة فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع، أو مدينة عظيمة. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة / من قال: لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع ٤٦/٤ رقم: ٥٠٩٩ مؤسسة علوم القرآن)

عن ابن جريج رحمه الله تعالىٰ قال: قلت لعطاء: ما القرية الجامعة؟ قال: ذات الجماعة، والأمير، والقصاص، والدور المجتمعة غير المفترقة الآخذ بعضها ببعض كهيئة جدة. قال: والقصاص؟ قال: فجدة جامعة، والطائف. قال: وإذا كنت في قرية جامعة فنودى للصلاة من يوم الجمعة، فحق عليك أن تشهدها، إن سمعت الأذان أو لم تسمعه. (المصنف لعبد الرزاق، كتاب الجمعة / باب القرى الصغار ١٦٨/٣ رقم: ٥١٧٩ المجلس العلمي)

قوله في مصر: بخلاف القرى؛ لأنه لا جمعة عليهم فكان هذا اليوم في حقهم كغيره من الأيام. شرح المنية. وفي المعراج عن المجتبىٰ من لا تجب عليهم الجمعة لبعد المواضع صلوا الظهر بجماعة. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صلاة الجمعة ٣٢/٣-٣٣ زكريا)

لأن أهل الواد لا تكره الجماعة في حقهم. (النهر الفائق، كتاب الصلاة / باب صلاة الجمعة ٣٦٣/١ دار الكتب العلمية بيروت، الهداية، كتاب الصلاة / باب صلاة الجمعة ١٧٠/١ المكتبة الأشرفية ديوبند)

تقع فرضًا في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق – إلىٰ قولهٖ – لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب. (شامي، كتاب الصلاة / باب الجمعة ٦/٣ زكريا، ١٣٨/٢ كراچى) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۴ / ۱۴۴۱/۹/۶ھ)

فیکٹری میں نماز جمعہ

سوال (۲۹۳):- شہر میں واقع فیکٹری میں اَذان دے کر جمعہ کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- فیکٹری میں نماز جمعہ اُسی وقت پڑھیں گے جب کہ وہاں نماز کے لئے باہر کے آدمیوں کو آنے کی عام اِجازت ہو، اگر اِجازت نہ ہوگی تو فیکٹری کے اندر جمعہ درست نہیں ہوگا۔ (کتاب المسائل ۱؍۴۵۳)

ويشترط لصحتها سبعة أشياء ...... والسابع: الإذن العام. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب الجمعة ٣/٢٤)

وشرط أدائها (الإذن العام) من الإمام حتى لو غلق بابه وصلى باتباعه لا تجوز. (النهر الفائق / كتاب الصلاة ١/٣٦٠)

ومنها: الإذن العام وصوته تفتح أبواب الجامع فيؤذّن للناس ...... حتى لو اجتمعوا في الجامع واغلقوا أبواب المسجد على أنفسهم وجمعوا لم يجز. (الفتاویٰ الهندية ١/١٤٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۴۳ / ۱۴۴۲/۱/۳ھ)

ایک گاؤں میں متعدد جگہ جمعہ کا قیام درست ہے؟

سوال (۲۹۴):- جمعہ کس جگہ کرنا چاہئے؟ کیا ایک گاؤں میں متعدد جگہ جمعے ہوسکتے ہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- جمعہ کے لئے بڑی آبادی ہونا شرط ہے جہاں ضرورت کی چیزیں آسانی سے دستیاب ہوں، مثلاً کم سے کم ڈھائی تین ہزار کی آبادی ہو، اور بہتر تو یہی ہے کہ ایک آبادی میں ایک ہی جگہ جمعہ قائم ہو؛ لیکن اگر کسی وجہ سے متعدد جگہ جمعہ ہوتا ہے تو وہ بھی درست ہے، شرعاً اِس کی گنجائش ہے۔

ويشترط لصحتها شعبة: الأول المصر، وفي الشامية: عن أبي حنيفة أنه بلده كبيرة فيها وأسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على انصاف

المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أعلم غيره يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الجمعة ۱۵/۳ زكريا)

وتؤدى في مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقًا. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الجمعة ۱۵/۳ زكريا)

لو كان المصر صغيرًا لا مشقة في اجتماع أهله في موضع واحد لا يجوز فيه الزيادة على واحدة. (مجمع الأنهر ۲٤۸/۱ بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۴۲ / ۱۴۴۱/۱۲/۲۵ھ)

لاک ڈاؤن میں گاؤں کے تین محلوں میں الگ الگ جمعہ پڑھنا

سوال (۲۹۵):- ہمارے یہاں تین محلے ہیں اور ہر محلے میں مسجد ہے، دومحلوں کی مسجدوں میں عرصہ سے جمعہ ہوتا ہے، اَب لاک ڈاؤن میں تیسرے محلے والے بھی جمعہ قائم کرنا چاہتے ہیں، تو اُن کا جمعہ قائم کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- بڑی آبادی میں حسب ضرورت متعدد مساجد میں جمعہ قائم کرنا درست ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں تیسرے محلے کی مسجد میں جمعہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وتؤدى في مصر بمواضع كثيرة. (تنوير الأبصار مع الدر المختار / كتاب الصلاة ۱۵/۳ زكريا)

أي يصح أداء الجمعة في مصر واحدٍ بمواضع كثيرة، وهو قول أبي حنيفة ومحمد، وهو الأصح؛ لأن في الاجتماع في موضع واحد في مدينة كبيرة حرجًا بينا وهو مدفوع، كذا ذكره الشارح. وذكر الإمام السرخسي أن الصحيح من مذهب أبي حنيفة جواز إقامتها في مصر واحدٍ في مسجدين وأكثر، وبه نأخذ لإطلاق لا جمعة إلا في مصر شرط المصر فقط. وفي فتح القدير: الأصح

الجواز مطلقًا خصوصًا إذا كان مصرًا كبيرًا كمصر فإن في إلزام اتحاد الموضع حرجًا بينا لاستدعائه تطويل المسافة على الأكثر. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب صلاة الجمعة ۲ / ۲۵۰ دار الكتب العلمية بيروت وزكريا ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۱۴ / ۱۶/ ۹/ ۱۴۴۱ھ)

لاک ڈاؤن میں جمعہ کی نماز کا مسئلہ

سوال (۲۹۶):- لاک ڈاؤن کی وجہ سے ۴-۵/ آدمیوں سے زیادہ مسجدوں میں نماز پڑھنا ممنوع ہے، تو جمعہ کی نماز کیسے پڑھی جائے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اس سلسلے میں حضرات علماء کرام کی مختلف آراء سامنے آئیں اور فتاویٰ بھی جاری ہوئے، سب کا خلاصیہ یہ ہے کہ ایسی بڑی آبادی جہاں پر جمعہ کا قیام ہوتا آیا ہے وہاں کے رہنے والوں پر جمعہ کے دن جمعہ کی نماز پڑھنا فرض ہے، اب کورونا کی پابندی کی وجہ سے مسجد میں ۵/ سے زیادہ پڑھ نہیں سکتے، تو وہ گھر میں کیا پڑھیں؟ تو گھر میں اگر دروازہ بند کر کے جمعہ پڑھیں گے تو وہ اَدا نہیں ہوگا؛ اِس لئے کہ جمعہ کی شرائط میں سے ایک شرط اذنِ عام بھی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ پڑھتے وقت اگر کوئی شخص باہر سے نماز پڑھنے کے لئے آئے تو آپ اسے روک نہیں سکتے؛ لہٰذا اگر ایسا گھر ہو جہاں آنے جانے پر کوئی روک ٹوک نہ ہو، مثلاً: کسی کی بیٹھک ہو، یا کھلا ہوا ایسا گھیر ہو جہاں لوگوں کے آنے جانے پر پابندی نہ ہو، تو وہاں مسئلہ کے اعتبار سے جمعہ درست ہو جائے گا، بشرطیکہ اِمام کے علاوہ کم از کم تین بالغ مرد مقتدی نماز میں شامل ہوں۔

لیکن موجودہ پابندی کے ماحول میں ہم اس بات کی لوگوں کو ترغیب نہیں دیتے کہ وہ اپنے گھروں میں اذنِ عام کے ساتھ جمعہ قائم کریں؛ کیوں کہ اِس کا خطرہ ہے کہ پھر بھیڑ بھاڑ اکھٹی ہونی شروع ہو جائے گی، جس کی حکومت کی طرف سے سخت پابندی ہے؛ لہٰذا جہاں اس طرح کے خطرات ہوں، وہاں گھروں میں جمعہ قائم کرنے کے بجائے ظہر کی نماز پڑھی جائے۔

اور جہاں ایسا خطرہ نہ ہو، وہاں حسب شرائط جمعہ قائم کرلیں۔

اَب سوال یہ ہے کہ گھر میں ظہر تنہا تنہا پڑھیں یا جماعت کے ساتھ؟ تو زیادہ تر فقہی جزئیات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ بڑے شہروں میں اگر جمعہ کے دن جمعہ پڑھنے کا موقع نہ مل سکے تو لوگ اپنی ظہر الگ الگ پڑھیں، اوران کا فریضہ ذمے سے ساقط ہوجائے گا، لیکن ہمارے اکابر علماء نے اس نئی صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بھی مشورہ دیا ہے کہ ایسی صورت میں ظہر کی نماز باجماعت بھی پڑھ سکتے ہیں، تو اگر کوئی ان حضرات کے مشورہ پر ظہر کی نماز باجماعت پڑھ لے تو بھی اس کی نماز درست ہوجائے گی لیکن عام طور پر جو فتویٰ ہے وہ تنہا تنہا نماز پڑھنے کا ہے، جماعت کے ساتھ پڑھیں گے پھر بھی فریضہ ذمہ سے ساقط ہوجائے گا، اس معاملہ میں جس کو جس بات پر اعتماد ہو اس پر عمل کرلے اور اس کو زیادہ موضوع بحث نہ بنائیں۔ (اِمداد الفتاویٰ جدید مطول حاشیہ ۳/۴۱ زکریا)

والسادس: الجماعة، وأقلها ثلاثة رجال سوى الإمام بالنص؛ لأنه لا بد من الذاكر وهو الخطيب، وثلاثة سواه بنص: ﴿فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ (الدر المختار) قوله: سوى الإمام، هذا عند أبي حنيفة، ورجح الشارحون دليله، واختاره المحبوبي والنسفي، كذا في تصحيح الشيخ قاسم، قوله بنص فاسعوا: لأن طلب الحضور إلى الذكر متعلقًا بلفظ الجمع وهو الواو. يستلزم ذاكرًا فلزم أن يكون مع الإمام جمع. (شامي) والسابع: الإذن العام من الإمام، وهو ما يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين. (الدر المختار) قوله الإذن العام: أي أن يأذن للناس إذنًا عامًا بأن لا يمنع أحدًا ممن تصح منه الجمعة عن دخول الموضع الذي تصلى فيه. وهذا مراد من فسر الإذن العام بالاشتهار. قوله من الإمام: قيد به بالنظر إلى المثال الآتي، وإلا فالمراد الإذن من مقيمها لما في البرجندي من أنه لو أغلق جماعة باب الجامع وصلوا فيه الجمعة لا تجوز. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الجمعة ۳/۲۵ زكريا، البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب

صلاة الجمعة ۲/۲٦۲-۲٦٤ دار الكتب العلمية بيروت)

والمسجد الجامع ليس بشرط، لهذا أجمعوا على جوازها بالمصلى في فناء المصر. (حلبي كبير، كتاب الصلاة / فصل في صلاة الجمعة ص: ٥٥١ لاهور)

وكره تحريمًا لمعذور ومسجون ومسافرٍ، أداء ظهر بجماعة في مصر قبل الجمعة وبعدها لتقليل الجماعة وصورة المعارضة. وأفاد أن المساجد تغلق يوم الجمعة إلا الجامع، وكذا أهل مصر فاتتهم الجمعة؛ فإنهم يصلون الظهر بغير أذان ولا إقامة ولا جماعةٍ. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الجمعة ۳/۳۲-۳۳ زكريا)

وكره للمعذور كمريض، ورقيق، ومسافر، والمسجون أداء الظهر بجماعة في المصر يومها أي يوم الجمعة يروىٰ ذلک عن عليؓ. ويستحب له تأخير الظهر عن الجمعة؛ فإنه يكره له صلاتها منفردًا قبل الجمعة في الصحيح (مراقي الفلاح) وفي الطحطاوي قوله: (أداء الظهر بجماعة) سواء كان قبل الجمعة أو بعدها، وإنما قيد بالمعذور ليعلم حكم غيره بالأولىٰ، ووجه الكراهة أنها تفضي إلى تقليل جماعة الجمعة؛ لأنه ربما تطرق غير المعذور للإقتداء غير المعذور؛ ولأن فيه صورة المعارضة بإقامة غيرها.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / باب صلاة الجمعة ٥٢٢ دارالكتاب ديوبند، النهر الفائق، كتاب الصلاة / باب صلاة الجمعة ۱/۳٦۳ زكريا، البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب صلاة الجمعة ۲/۲٦۹-۲۷۰ زكريا، ۲/۱٥٤ كوئٹه، تبيين الحقائق، كتاب الصلاة / باب صلاة الجمعة ۱/٥۳٤ زكريا، ۱/۲۲۲ المكتبة الإمدادية ملتان) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۴ / ۱۴۴۱/۹/۶ھ)

مسجدیں ناکافی ہوں تو جمعہ اور عیدین کہاں پڑھیں؟

سوال (۲۹۷):- ہریانہ میں بڑے بڑے گاؤں ہیں، مگر مسجدیں بہت کم ہیں، تو

موجودہ وبائی ماحول میں جمعہ اور عید کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- بڑی آبادیوں میں اگر مسجد میں انتظام نہ ہو تو کسی بیٹھک یا ہال یا کسی کھلی جگہ میں جمعہ وعیدین کا اہتمام کرنا چاہئے۔

وفي الفتاویٰ الغياثية: لو صلى الجمعة في قرية بغير مسجد جامعٍ والقرية كبيرة لها قرىً، وفيها والٍ وحاكم جازت الجمعة بنوا المسجد أو لم يبنوا وهٰذا أقرب الأقاويل إلى الصواب، والمسجد الجامع ليس بشرط، ولهٰذا أجمعوا علىٰ جوازها بالمصلى في فناء المصر الخ. (حلبي كبير / فصل في صلاة الجمعة ٥٥١ لاهور)

وكذا السلطان إذا أراد أن يصلي بحشمه في داره فإن فتح بابها وأذن للناس إذنًا عامًا جازت صلاته شهدتها العامة أو لا. (شامي، كتاب الصلاة / باب الجمعة ٢٦/٣ زكريا، ١٥٢/٢ كراچی، الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب السادس عشر في صلاة الجمعة ١٤٨/١ زكريا)

قوله أو مصلاه: أي مصلى المصر؛ لأنه من توابعه، فكان في حكمه، والحكم غير مقصور على المصلى؛ بل يجوز في جميع أفنية المصر؛ لأنها بمنزلة المصر في حوائج أهله. والفناء في اللغة: سعة أمام البيوت، وقيل: ما امتد من جوانبه، كذا في المغرب. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب صلاة الجمعة ١٤٠/٢ كراچی)

والحكم غير مقصور على المصلي؛ بل يجوز في جميع أفنية المصر. (الهداية، كتاب الصلاة / باب الجمعة ١٦٨/١ المكتبة الأشرفية ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۲۹ / ۱۴۴۱/۱۰/۷ھ)

جمعہ میں اِمام کے ساتھ صرف دو مقتدیوں کا شامل ہونا

سوال (۲۹۸):- اگر لاعلمی میں اِمام کے علاوہ ۲؍ آدمیوں نے جمعہ کی نماز پڑھ لی، تو

کیا اُن کا جمعہ درست ہوگیا، یا ظہر کی نماز پڑھیں گے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- جمعہ کی نماز کی صحت کے لئے اِمام کے علاوہ کم از کم ۳؍مقتدی ہونا شرط ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں جمعہ کی فرض نماز درست نہیں ہوئی، مذکورہ حضرات کو بعد میں ظہر کی قضا کرنی لازم ہے۔

ألا ترىٰ أن في الجواهر لو صلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الجمعة ۷/۳ زكريا)

والسادس: الجماعة، وأقلها ثلاثة رجال، ولو غير الثلاثة الذين حضروا الخطبة سوى الإمام بالنص؛ لأنه لا بد من الذاكر وهو الخطيب، وثلاثة سواه بنص: ﴿فَاسْعَوْا اِلىٰ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ فإن نفروا قبل سجوده، وقالا: قبل التحريمة بطلت، وإن بقي ثلاثة لا تبطل وأتمها جمعة (الدر المختار) لأن طلب الحضور إلى الذكر متعلقًا بلفظ الجمع، وهو الواو يستلزم ذاكرًا، فلزم أن يكون مع الإمام جمع، وتمامه في شرح المنية. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الجمعة ۲٤/۳ زكريا، البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب صلاة الجمعة ۲٦۲/۲ دار الكتب العلمية بيروت وزكريا ديوبند، بدائع الصنائع، كتاب الصلاة / فصل في صلاة الجمعة ۲۰٦/۲ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۱۴۰ / ۱۴۴۱/۹/۱۶ھ)

ایک اِمام کا دو مرد اور ایک عورت کے ساتھ گھر میں جمعہ پڑھنا

سوال (۲۹۹):- ہم نے اَب تک لاک ڈاؤن میں گھر کے اندر جمعہ کی نماز اِس طرح سے پڑھی کہ ایک اِمام اور مقتدیوں میں ۲؍مرد اور ایک عورت تھی، تو ہمارا جمعہ صحیح ہوا یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اَولاً یہ سمجھنا چاہئے کہ ایسے گھر کے اندر جمعہ درست نہیں ہے، جہاں جمعہ پڑھنے کے لئے باہر سے آنے والوں کو عام اِجازت نہ

ہو۔ دوسرے یہ کہ جمعہ کی نماز صحیح ہونے کے لئے اِمام کے علاوہ کم از کم ۳؍مرد مقتدیوں کا ہونا ضروری ہے، اور یہ شرط مسئولہ صورت میں نہیں پائی گئی؛ لہٰذا آپ کا جمعہ درست نہیں ہوا، جتنی مرتبہ اِس طرح جمعہ پڑھا گیا ہے، اُس کے بجائے ظہر کی نماز قضا کرنی لازم ہے۔

عن طارق بن شهاب رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: الجمعة حق واجبٌ على كل مسلم في جماعة إلا على أربعة: عبد مملوك أو امرأة أو صبي. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / باب الجمعة للملوك والمرأة رقم: ١٠٦٧)

ويشترط لصحتها سبعة أشياء: السادس: الجماعة، والسابع: الإذن العام من الإمام وهو يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين، كافي. (الدر المختار)

قوله السادس: الجماعة، وأقلها ثلاثة رجال، ولو غير الثلاثة الذين حضروا الخطبة سوى الإمام بالنص؛ لأنه لا بد من الذاكر وهو الخطيب وثلاثة سواه بنص: فاسعوا. قوله: الإذن العام، أي أن يأذن للناس إذنًا عامًا بأن لا يمنع أحدًا ممن تصح منه الجمعة عن دخول الموضع الذي تصلى فيه، وهذا مراد من فسر الإذن العام بالاشتهار، وإنما كان هذا شرطًا؛ لأن اللّٰه تعالىٰ شرع النداء لصلاة الجمعة بقوله: ﴿فَاسۡعَوۡا اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰہِ﴾ والنداء للإشتهار وكذا نسمي جمعة لاجتماع الجماعات فيها. فاقتضى أن تكون الجماعات كلها مأذونين بالحضور تحقيقًا لمعنى الإسم. (شامي، كتاب الصلاة / باب الجمعة ٢٤/٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۱۸ / ۲۰؍۹؍۱۴۴۱ھ)

ایک جگہ خطبہ اور جمعہ پڑھانے کے بعد دوسری جگہ خطبہ پڑھنا

سوال (۳۰۰):- کیا اِمام ایک جگہ خطبہ اور جمعہ کی نماز پڑھانے کے بعد دوسری جگہ خطبہ پڑھ سکتا ہے؟ جب کہ نماز جمعہ وہاں کوئی اور پڑھائے، تو اِس طرح دوسری جگہ والوں کا جمعہ درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اصل حکم یہی ہے کہ نماز جمعہ میں خطیب اور اِمام ایک ہی شخص ہونا چاہئے۔ نیز ایک جگہ خطبہ پڑھنے کے بعد اِمام صاحب کو دوسری جگہ خطبہ نہیں پڑھنا چاہئے؛ اِس لئے کہ دوسری جگہ کا خطبہ محض نفل ہوگا، جو مناسب نہیں ہے؛ البتہ جو نمازیں اِس طرح پڑھ لی گئیں اُن کو دوہرانے کا حکم نہ ہوگا۔

حضرت فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ''فتاویٰ محمودیہ'' میں اِسی طرح کے ایک مسئلہ کے جواب میں تحریر فرمایا ہے کہ ''دوسری جگہ والوں کی نماز بھی فی نفسہٖ درست ہوجائے گی''۔ اور حضرتؒ نے اِس بارے میں فقہ کی ایک عبارت سے استدلال فرمایا ہے، جس میں یہ درج ہے کہ اگر کوئی نابالغ باشعور بچہ خطبہ پڑھ دے، اور بالغ امام نماز پڑھائے، تو وہ جمعہ درست ہوجاتا ہے۔ تو اِس سے یہ معلوم ہوا کہ خطبہ پڑھنے والا اگرچہ نفلی خطبہ پڑھ رہا ہو، اور بچہ کا خطبہ بھی دراصل نفلی ہی خطبہ ہوگا، تو جیسے بچے کا خطبہ معتبر مان لیا گیا ہے، اِسی طرح دوسری جگہ خطبہ دینے والے اِمام کا خطبہ بھی معتبر مان لیا جائے گا۔ حضرتؒ نے یہ رائے ظاہر فرمائی اور ساتھ میں یہ بھی لکھا ہے کہ ''اِس مسئلہ کے بارے میں کوئی صریح جزئیہ فقہی کتابوں میں نہیں مل سکا''۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲۱۶/۸ ڈابھیل)

بہرحال خلاصہ یہ ہے کہ آئندہ اِمام کو ایسا نہیں کرنا چاہئے؛ تاکہ نماز کی صحت میں کوئی شک وشبہ نہ رہے۔

لا ينبغي أن يصلي غير الخطيب؛ لأنهما كشيء واحد، فإن فعل بأن خطب صبي بإذن السلطان وصلى بالغ جاز، هو المختار. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب الجمعة ۳۹/۳ زكريا، ۱٦۲/۲ كراچى، مجمع الأنهر، كتاب الصلاة / باب صلاة الجمعة، قبيل باب صلاة العيدين ۲٥٤/۱ دار الكتب العلمية بيروت، البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب الجمعة ۲٥۸/۲ زكريا)

وقد علم من تفاريعهم أنه لا يشترط في الإمام أن يكون هو الخطيب.

(شامي، كتاب الصلاة / باب الجمعة ٣/١٩ زكريا، ٢/١٤٧ كراچی، البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب الجمعة ٢/٥٠٨ زكريا، ٢/١٤٧ كوئٹه)

وفي القنية: واتحاد الخطيب والإمام ليس بشرط على المختار نهر. وفي الذخيرة: لو خطب صبي عاقل وصلى بالغ جاز؛ لكن الأولى الاتحاد كما في شرح الآثار. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / باب صلاة الجمعة ٥٠٨ دار الكتاب ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۶ / ۱۴۴۱/۹/۸ھ)

دو جگہ خطبہ دے کر ایک جگہ جمعہ کی اِمامت کرنا

سوال (۳۰۱):- ایک عالم صاحب ہیں جو ایک مسجد میں بیان کرتے ہیں، اور پھر جمعہ کا خطبہ بھی دیتے ہیں، اور اُس کے بعد اُس مسجد میں جمعہ کی اِمامت مسجد کے اِمام صاحب کرتے ہیں، اور یہ بطور نفل اُس جمعہ میں شریک ہوتے ہیں، اُس کے بعد وہ دوسری مسجد میں جاتے ہیں، اور وہاں جا کر خطبہ اور نماز جمعہ کی اِمامت کرتے ہیں، تو مذکورہ عالم صاحب کا یہ عمل کیسا ہے؟ اور مقتدیوں کی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مذکورہ خطیب صاحب کا یہ عمل شرعاً مناسب نہیں ہے؛ اِس لئے کہ خطبہ حقیقت میں جمعہ کی نماز میں واجب کے درجہ کی چیز ہے، اور بہتر یہی ہے کہ جو اِمامت کرے وہی خطبہ دے۔ نیز یہ بات بھی قابل اِشکال ہے کہ لوگ تو فرض نماز پڑھ رہے ہوں اور آپ نے ابھی فرض اَدا نہ کی ہو، اور پھر آپ نفل کی نیت سے شریک ہوجائیں، اِس لئے ایک جگہ نماز پڑھنی چاہئے، یا تو وہیں پڑھ لیں جہاں بیان کرتے ہیں، یا پھر دوسری جگہ جا کر وہیں خطبہ دیں اور وہیں نماز پڑھیں، یہ دو جگہ خطبہ اور نماز اَدا کرنے کا طریقہ صحیح نہیں ہے، آئندہ اِس سے احتراز کیا جائے؛ البتہ جن مقتدیوں نے پہلی جگہ پر نماز پڑھ لی ہے، تو بعض فقہی عبارات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فی نفسہٖ اُن کی نماز درست ہوجائے گی؛ لیکن اِس کو

معمول نہ بنایا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲۶۹/۸ ڈابھیل)

لا ینبغي أن یصلي غیر الخطیب؛ لأنهما کشيء واحد، فإن فعل بأن خطب صبي بإذن السلطان وصلی بالغ جاز هو المختار. (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة / باب الجمعة ۳۹/۳-۴۰ زکریا)

قوله: لأنهما أي: الخطبة والصلاة کشيء واحد لکونهما شرطًا ومشروطًا، ولا تحقق للمشروط بدون شرطه، فالمناب أن یکون فاعلهما واحدًا (رد المحتار) **وفي ص: ۱۹ من الرد عن البحر: وقد علم من تفاریعهم أنه لا یشترط في الإمام أن یکون هو الخطیب.** فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۴۹ / ۱۶/۲/۱۴۴۲ھ)

جمعہ کی دو جماعتوں کے لئے ایک خطبہ؟

سوال (۳۰۲):- جمعہ کی نماز میں اِمام صاحب سے ۱۰/ لوگوں نے خطبہ سنا، پھر ۵/ لوگوں نے تو اُنہیں امام صاحب کے پیچھے نماز جمعہ اَدا کی، اور بقیہ ۵/ لوگوں نے دوسری جگہ جا کر بغیر خطبہ کے جمعہ کی جماعت اَدا کر لی، تو کیا اِن بعد والوں کی نماز جمعہ اَدا ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصلیًا أما بعد:- جمعہ کی ہر جماعت کے لئے الگ خطبہ شرط ہے، ایک خطبہ دو جماعتوں کے لئے کافی نہ ہوگا؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں جن ۵/ لوگوں نے بعد میں بغیر خطبہ کے جمعہ کی نماز اَدا کی ہے، اُن کی نماز درست نہیں ہوئی، اُن کو چاہئے کہ قضا کے طور پر ظہر کی نماز اَدا کر لیں۔ اور مسئلہ معلوم کئے بغیر اپنی طرف سے ایسی حرکت نہیں کرنی چاہئے۔

ویشترط لصحتها سبعة أشیاء: ...... والرابع: الخطبة فیه، فلو خطب قبله وصلی فیه لم تصح. (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة / باب الجمعة ۱۹/۳ زکریا)

قوله والخطبة فیها الخ: أي وشرط صحتها الخطبة، وکونها قبل الصلاة لما قدمناه من أن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم ما صلاها دون الخطبة،

ونقل في فتح القدير الإجماع على اشتراط نفس الخطبة؛ ولأنها شرط، وشرط الشيء سابق عليه، ولو قال فيه: أي في وقت الظهر لكان أولى؛ لأنه شرط، حتى لو خطب قبله وصلى فيه لم تصح. وشرط الشارح أن يكون بحضرة الجماعة تنعقد بهم الجمعة، وإن كانوا صُمًّا أو نيامًا. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب صلاة الجمعة ۲/۲۵٦ دار الكتب العلمية بيروت وزكريا ديوبند، ۲/۱٤٦ كراچی)

حتى لو صلوا بلا خطبة وخطبوا قبل الزوال لم يجز ...... لأنه لو ترك الخطبة في الجمعة لا يجوز، فكذا لو غير موضعها الخ. (حاشية الچلپی علی تبيين الحقائق، كتاب الصلاة / باب صلاة الجمعة ۱/۲۱۹ المكتبة الإمدادية ملتان) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۷ / ۱۴۴۱/۹/۹ھ)

اَذانِ ثانی کے بغیر جمعہ کا خطبہ پڑھنا

سوال (۳۰۳):- جمعہ کی اَذان دئے بغیر ہی جمعہ کا خطبہ پڑھ لیا تو جمعہ ہوا یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں خطبہ اور جمعہ تو درست ہوگیا؛ لیکن اَذان کی سنت چھوٹنے کی وجہ سے ترکِ سنت کا نقصان ہوا۔

عن الزهري قال: سمعت السائب بن يزيد يقول: إن الأذان يوم الجمعة كان أوله حين يجلس الإمام يوم الجمعة على المنبر في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وعمر رضي الله عنهما، فلما كان في خلافة عثمان بن عفان رضي الله عنه وكثروا، أمر عثمان يوم الجمعة بالأذان الثالث فأذن به على الزوراء، فثبت الأمر على ذلك. (صحيح البخاري، كتاب الجمعة / باب التأذين عند الخطبة رقم: ۹۱٦)

وأيضًا في الحديث: عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين ...... الخ، وفي شرح هذا الحديث قولان، قيل: إن سنة الخلفاء والطريقة المسلوكة

عنهم أيضًا سنة وليس ببدعة، وقيل: إن سنة الخلفاء في الواقع سنة النبي صلى الله عليه وسلم وإنما ظهرت على أيديهم، ويمكن لنا أن نقول: إن الخلفاء الراشدين مجازون في إجراء المصالح المرسلة، وهذه المرتبة فوق مرتبة الاجتهاد، وتحت مرتبة التشريع، والمصالح المرسلة: الحكم على اعتبار علة لم يثبت اعتبارها من الشارع، وهذا جائز للخلفاء الراشدين لا للمجتهدين. (العرف الشذي شرح سنن الترمذي، أبواب الجمعة / باب ما جاء في أذان الجمعة ٢٦/٢ دار إحياء التراث العربي بيروت)

وإذا صعد الإمام المنبر جلس، وأذن المؤذنون بين يدى المنبر، بذٰلک جرى التوارث، ولم يكن علىٰ عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم إلا هذا الأذان. (الهداية، كتاب الصلاة / باب صلاة الجمعة ١٧١/١ المكتبة الأشرفية ديوبند، مجمع الأنهر، كتاب الصلاة / باب صلاة الجمعة ٢٥٤/١ دار الكتب العلمية بيروت، كذا في إعلاء السنن / باب التأذين عند الخطبة ٨٥/٨ دار الكتب العلمية بيروت)

ويؤذن ثانيًا بين يديه أي الخطيب إذا جلس على المنبر (الدر المختار) أي علىٰ سبيل السنية، كما يظهر من كلامهم. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الجمعة ٣٨/٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۳۳ / ۱۴۴۱/۱۰/۲۸ھ)

اَذانِ ثانی کے بغیر جمعہ اَدا ہوگا یا نہیں؟

سوال (۳۰۴):- جمعہ میں خطبہ سے پہلے جو اَذان ہوتی ہے، اگر وہ اَذان چھوٹ جائے اور بغیر اَذان کے خطبہ دے کر نماز پڑھ لی جائے تو جمعہ اَدا ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- جمعہ کے خطبہ سے پہلے کی اَذان سنتِ مؤکدہ ہے، بالقصد اُسے چھوڑنا نہیں چاہئے؛ تاہم اگر کسی وجہ سے وہ چھوٹ گئی اور بغیر اَذان کے خطبہ اور نماز اَدا کر لئے گئے تو بھی نماز اَدا ہو جائے گی۔

ویؤذن ثانیًا بین یدیه أي الخطیب، وفي الشامیة: أي علی سبیل السنیة کما یظهر من کلامهم. (رد المحتار / کتاب الجمعة ۳۸/۳ زکریا)

وإذا صعد الإمام المنبر جلس وأذن المؤذن بین یدي المنبر بذلک جری التوارث. (الهدایة ۱۵۱/۱ المکتبة الأشرفیة دیوبند، مجمع الأنهر ۱۷۱/۱)

أن السنة المؤکدة کالواجب في الإثم بترکها. (الاختیار لتعلیل المختار ٤٦/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۴۶ / ۱۴۴۲/۱/۲۴ھ)

جمعہ کے دونوں خطبوں کے درمیان کیا پڑھیں؟

سوال (۳۰۵):- جمعہ کے دونوں خطبوں کے بیچ میں کیا پڑھنا چاہئے؟

الجواب حامدًا ومصلیًا أما بعد:- دونوں خطبوں کے درمیان زبان سے کچھ نہیں پڑھنا چاہئے؛ البتہ زبان کو حرکت دئے بغیر چپکے چپکے اندر دل میں دعا کرلی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، یہ دعا کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے۔

عن أبي بردة بن أبي موسی قال: سمعت أبي یقول: سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول في شان ساعة الجمعة هي ما بین أن یجلس الإمام إلی أن تُقضی الصلاة. (صحیح مسلم رقم: ۸۵۳)

وسئل علیه الصلاة والسلام عن ساعة الإجابة، فقال: ما بین جلوس الإمام إلی أن یتم الصلاة وهو الصحیح (الدر المختار) قال في المعراج: فیسن الدعاء بقلبه لا بلسانه؛ لأنه مامور بالسکوت. (شامي / کتاب الصلاة ٤٢/٣ زکریا)

وسئل الخلاف قبل الشروع، أما بعده فالکلام مکروه تحریمًا بأقسامه کما في البدائع. وقال البقالي في مختصره: وإذا شرع في الدعاء لا یجوز للقوم رفع الیدین ولا تأمین باللسان جهرًا، فإن فعلوا ذلک أثموا. وقیل:

أساؤوا ولا إثم عليهم، والصحيح هو الأول، وعليه الفتوىٰ. وكذلك إذا ذكر النبي صلى الله عليه وسلم لا يجوز أن يصلوا عليه بالجهر بل بالقلب، وعليه الفتوىٰ. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الجمعة ۳۵/۳ زكريا)

(دینی رہنمائی:۴۹ / ۱۴۴۲/۲/۱۶ھ)

جمعہ کا خطبہ سننے کے دوران دوزانو بیٹھنا ضروری ہے؟

سوال (۳۰۶):- کیا جمعہ کا خطبہ سننے کے دوران دوزانو بیٹھنا ضروری ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- خطبہ کے دوران دوزانو بیٹھنا کوئی ضروری نہیں ہے؛ بلکہ حسب سہولت جیسے چاہے بیٹھ سکتے ہیں؛ تاہم بلا عذر ایسی ہیئت اختیار نہیں کرنی چاہئے جو دوسروں کے لئے ناگواری کا سبب ہو۔ (مستفاد: کتاب النوازل ۲۷۶/۵)

عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده ...... الخ. (صحيح البخاري، كتاب الإيمان / باب المسلم من سلم المسلمون الخ ٦/١ رقم: ١٠، صحيح مسلم رقم: ٤٠)

عن ابن عمر رضي الله عنهما: أنه كان يحتبي والإمام يخطب. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الجمعة / باب في الاحتباء يوم الجمعة ٩١/٤ رقم: ٥٢٨١ المجلس العلمي)

وإذا شهد الرجل عند الخطبة إن شاء جلس محتبيًا أو متربعًا أو كما تيسر؛ لأنه ليس بصلاة حقيقة. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل الخامس والعشرون في صلاة الجمعة، النوع الثاني ٥٦٩/٢ رقم: ٣٣١٥ زكريا، الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب السادس عشر في صلاة الجمعة ١٤٨/١ قديم زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۴۱ / ۱۴۴۱/۱۲/۱۸ھ)

جمعہ کی اَذانِ اول کس طرح پڑھی جائے گی؟

سوال (۳۰۷):- جمعہ کی اَذانِ اَول عام اَذانوں کی طرح ٹھہر ٹھہر کردی جائے گی یا

اُس میں جلدی کی جائے گی؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- جمعہ کی اَذان عام اَذانوں کی طرح دی جائے گی، جلد بازی کی کوئی بات نہیں ہے۔

ويتمهل في الأذان ويسرع في الإقامة. (نور الإيضاح / باب الأذان ٦٠ ثاقب بك ڈپو ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۴۹ / ۱۴۴۲/۲/۱۶ھ)

جمعہ کے دن کی فضیلت کب سے شروع ہوتی ہے؟

سوال (۳۰۸):- جمعہ کے دین کی فضیلت جمعرات کے دن مغرب کے بعد سے شروع ہوتی ہے یا جمعہ کی صبح سے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- بعض روایات سے مستفاد ہوتا ہے کہ جمعرات کے دن مغرب کے بعد سے شب جمعہ کی فضیلت شروع ہو جاتی ہے جو جمعہ کے دن مغرب تک رہتی ہے۔

عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من قرأ سورة الكهف في يوم الجمعة أضاء له من النور ما بين الجمعتين.

(الترغيب والترهيب مكمل، كتاب الجمعة / الترغيب في قراءة سورة الكهف وما يذكر معها ص: ١٧٨ رقم: ١١٠٧ بيت الأفكار الدولية)

روى الدارمي في مسنده موقوفًا على أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: من قرأ سورة الكهف ليلة الجمعة أضاء له من النور ما بينه وبين البيت العتيق. (سنن الدارمي ٥٤٥/٢، كذا في الترغيب والترهيب مكمل ص: ١٧٨)

رجاله ثقات محتج به إلا أبا هاشم يحيى بن دينار الرماني، وقد وثقه أحمد بن حنبل ويحيى بن معين وأبوزرعة، وأبو حاتم. (تحفة الذاكرين للشوكاني ص: ٣٤٦ مؤسسة الكتب الثقافية بيروت)

فیندب قراء تها يوم الجمعة و كذا ليلتها، كما نص عليه الشافعي رحمه اللّٰه ...... قال الحافظ ابن حجر في أماليه: كذا وقع في روايات يوم الجمعة وفي روايات ليلة الجمعة، ويجمع بأن المراد بليلته والليلة بيومها. (فيض القدير ٢٤٤/٦-٢٤٥ تحت رقم: ٨٩٢٩ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۳۶ / ۱۴۴۱/۱۱/۲۰ھ)

کیا شب جمعہ میں سورۂ کہف پڑھ سکتے ہیں؟

سوال (۳۰۹):- جمعرات کی مغرب کے بعد سورۂ کہف پڑھ سکتے ہیں یا جمعہ کی فجر کے بعد سورۂ کہف پڑھی جائے گی؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- بعض صحیح روایتوں میں جمعہ کی رات میں بھی سورہ کہف پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے؛ اِس لئے کہ اگر رات میں بھی پڑھ لیں گے تو فضیلت حاصل ہوجائے گی؛ لیکن زیادہ بہتر یہ ہے کہ دن میں پڑھیں؛ تاکہ کوئی شبہ ہی نہ رہے۔

روى الدارمي في مسنده موقوفًا على أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه قال: من قرأ سورة الكهف ليلة الجمعة أضاء له من النور ما بينه وبين البيت العتيق. (سنن الدارمي ٥٤٥/٢، كذا في الترغيب والترهيب مكمل ص: ١٧٨)

رجاله ثقات محتج به إلا أبا هاشم يحيى بن دينار الرماني، وقد وثقه أحمد بن حنبل ويحيى بن معين وأبوزرعة، وأبو حاتم. (تحفة الذاكرين للشوكاني ص: ٣٤٦ مؤسسة الكتب الثقافية بيروت)

عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من قرأ سورة الكهف في يوم الجمعة أضاء له من النور ما بين الجمعتين.

(الترغيب والترهيب مكمل، كتاب الجمعة / الترغيب في قراءة سورة الكهف وما يذكر معها ص: ١٧٨ رقم: ١١٠٧ بيت الأفكار الدولية)

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من قرأ سورة الكهف في يوم الجمعة سطع له نورٌ من تحت قدمه إلى عنان السماء يضيء له يوم القيامة وغفر له ما بين الجمعتين. (الترغيب والترهيب مكمل، كتاب الجمعة / الترغيب في قراءة سورة الكهف وما يذكر معها ص: ۱۷۸ رقم: ۱۱۰۸ بيت الأفكار الدولية)

فيندب قراء تها يوم الجمعة وكذا ليلتها، كما نص عليه الشافعي رحمه اللّٰه ...... قال الحافظ ابن حجر في أماليه: كذا وقع في روايات يوم الجمعة وفي روايات ليلة الجمعة، ويجمع بأن المراد بليلته والليلة بيومها. (فيض القدير ۲۴۴/۶–۲۴۵ تحت رقم: ۸۹۲۹ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۳۶ / ۱۴۴۱/۱۱/۲۰ھ)

کیا تین جمعہ مستقل چھوڑ دینے سے آدمی کافر ہوجائے گا؟

سوال (۳۱۰):- اگر کوئی آدمی تین جمعے لگاتار چھوڑ دے تو کیا وہ منافق یا کافر ہوجائے گا؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- حدیث شریف میں یہ مضمون وارد ہے کہ جو شخص تین جمعے بلا عذر چھوڑ دے، تو اللہ تعالیٰ اُس کے دل پر مہر لگادیتے ہیں، اور اُس کا دل منافق کے دل کی طرح ہوجاتا ہے۔ تو یہاں دراصل عمل کا نفاق مراد ہے، یعنی جمعہ کی نماز کو بلا عذر چھوڑ دینا منافقین کا طریقہ ہے۔

لہٰذا اگر کوئی شخص لاپرواہی اور غفلت کی وجہ سے جمعہ کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ قابل مذمت ہے، اور منافقوں جیسا عمل کرنے والا ہے؛ لیکن اگر وہ یہ یقین رکھتا ہے کہ نماز جمعہ فرض ہے اور وہ اُس کو عقیدے کے اعتبار سے لازم سمجھتا ہے اور اُس میں کفر کی دوسری کوئی بات نہیں پائی جاتی، تو اُس کو کافر یا منافق حقیقی قرار نہیں دیا جائے گا۔

عن أبي الجعد الضمري رضي اللّٰه تعالیٰ عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من ترک ثلاث جمع تهاونًا بها طبع اللّٰه علیٰ قلبه. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / باب التشديد في ترك الجمعة ١٥١/١، سنن الترمذي، أبواب الجمعة / باب ما جاء في ترك الجمعة من غير عذر ١١٢/١، سنن النسائي رقم: ١٣٦٩)

طبع أي ختم على قلبه بمنع الإيصال الخير إليه، وقيل: كتبه منافقًا، قال: من ترک الجمعة ثلاثًا من غير عذر فهو منافق. (مرقاة المفاتيح ٤٢٠/٣ دار الكتب العلمية بيروت)

وقال العراقي: المراد التهاؤن الترک بلا عذر، وبالطبع أن يصير قلبه قلب منافق. (هامش على النسائي ١٥٤/١ المكتبة النعمية ديوبند)

وفي الينابيع: قال أبو حنيفة: لا يكون الكفر كفرًا متى يعتقد عليه القلب. (الفتاویٰ التاتارخانية ٢٨٦/٧ زكريا)

لا يفتی بکفر مسلم أمكن حمل كلامه على محمل حسن. (شامي ٣٦٧/٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۴۱ / ۱۴۴۱/۱۲/۱۸ھ)

❍❖❍

عیدین کے مسائل

عید کی نماز کی شرائط اور طریقہ

سوال (۳۱۱):- عید کی نماز کی شرائط کیا ہیں؟ اور اُس کی اَدائیگی کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- عید کے لئے بھی وہی شرائط ہیں جو جمعہ کے لئے ہیں۔ مثلاً: بڑی آبادی، اِذنِ عام، اور اِمام کے علاوہ کم اَزکم تین افراد پر مشتمل جماعت وغیرہ؛ البتہ فرق یہ ہے کہ جمعہ میں اَذان واِقامت ہوتی ہے؛ جب کہ عیدین میں اَذان واِقامت نہیں ہے۔ نیز جمعہ کا خطبہ نماز سے پہلے ہوتا ہے؛ جو واجب ہے، جب کہ عید کا خطبہ نماز کے بعد ہوتا ہے، اور وہ سنت ہے۔ علاوہ اَزیں نماز عید میں ۶ر زائد تکبیریں بھی واجب ہیں، جو نماز جمعہ میں نہیں ہے۔ اور نمازِ عید کا مختصر طریقہ یہ ہے کہ نیت کے بعد تکبیرِ تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھ لیں، ثنا پڑھیں، اُس کے بعد دونوں ہاتھ اُٹھاتے ہوئے معمولی فصل سے تین مرتبہ تکبیر کہیں، پہلی دو تکبیروں کے بعد ہاتھ چھوڑتے رہیں، اور تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھیں۔ اُس کے بعد فاتحہ اور سورت ملائیں، پھر رکوع اور سجدہ کر کے رکعت مکمل کرلیں۔ دوسری رکعت میں اَولاً فاتحہ وسورت پڑھنے کے بعد رکوع میں نہ جائیں؛ بلکہ تین مرتبہ ہاتھ اُٹھا کر تین تکبیریں کہیں اور درمیان میں ہاتھ نہ باندھیں، اُس کے بعد بغیر ہاتھ اُٹھائے تکبیر کہہ کر رکوع میں چلے جائیں اور بقیہ نماز حسبِ معمول پوری کریں۔ (حلبی کبیر ۵۶۷)

نماز عید کے بعد خطبہ پڑھا جائے گا، جس میں پہلے خطبہ کے ابتداء میں ۹ر مرتبہ اور دوسرے خطبہ میں ۷ر مرتبہ لگاتار تکبیر پڑھنا مستحب ہے۔ اور کوشش کرنی چاہئے کہ مکمل خطبہ سنے

بغیر اپنی جگہ سے نہ اُٹھیں، اور اِس سنت سے محروم نہ رہیں۔

تجب صلاتهما في الأصح على من تجب عليه الجمعة بشرائطها المقدمة سوى الخطبة؛ فإنها سنة بعدها. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب العيدين ۴۵/۳ زكريا)

ويشترط لصحتها ستة أشياء: المصر أو فناؤه ...... والخطبة قبلها بقصدها في دفنها ...... والإذن العام، والجماعة وهم ثلاثة رجال غير الإمام.

(نور الإيضاح مع مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / باب الجمعة ص: ۱۹۰-۱۹۲ دار الكتب العلمية بيروت)

وكيفية صلاتهما أن ينوي صلاة العيد ثم يكبر للتحريمة ثم يقرأ الثناء ثم يكبر تكبيرات الزوائد ثلاثًا يرفع يديه في كل منها، ثم يتعوذ ثم يسمي سرًا، ثم يقرأ الفاتحة، ثم سورة. وندب أن تكون بسبح اسم ربک الاعلی، ثم يرجع فإذا قام للثانية ابتدأ بالبسملة ثم بالفاتحة ثم بالسورة. وندب أن تكون الغاشية ثم يكبر تكبيرات الزوائد ثلاثًا ويرفع يديه كما في الأولى، هذا أولى من تقديم تكبيرات الزوائد في الركعة الثانية على القراءة، فإن قدم التكبيرات على القراءة جاز، ثم يخطب الإمام بعد الصلاة يعلم فيها أحكام صدقة الفطر ...... وأحكام الأضحى كالفطر (نور الإيضاح) ويكبر في خطبة العيدين وليس لذلک عدد في ظاهر الرواية؛ لكن لا ينبغي أن يجعل أكثر الخطبة التكبير، ويكبر في خطبة العيد الأضحى أكثر مما يكبر في خطبة الفطر، كذا في قاضي خان. ويبدأ الخطيب بالتحميد في الجمعة وغيرها، ويبدأ بالتكبير في خطبة العيدين. ويستحب أن يستفتح الأولى بتسع تترى والثانية بسبع. قال عبد الله بن مسعود: وهو السنة، ويكبر القوم معه. قوله: من فاتته الصلاة فلم يدركها مع الإمام لا يقضيها، والأفضل أربع فيكون له صلاة الضحى لما روي عن ابن مسعود رضي الله عنه أنه قال: من فاتته صلاة

العيد صلى أربع ركعات يقرأ في الأولى بسبح اسم ربك الأعلى، وفي الثانية: والشمس وضحٰها، وفي الثالثة: والليل إذا يغشى، وفي الرابعة: والضحىٰ. وروي في ذلك عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم وعدًا جميلاً وثوابًا جزيلاً، انتهى.

(نورالإيضاح مع مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / باب العيدين ص: ١٩٨-١٩٩ دار الكتب العلمية بيروت، كذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة / باب العيدين ٥٣/٢-٥٧-٥٩ زكريا، النهر الفائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة / باب العيدين ٣٦٦/١ دار الكتب العلمية بيروت)

فإذا دخل وقت الصلاة بارتفاع الشمس وخروج وقت الكراهة على ما بيناه في موضعه يصلي الإمام بالناس ركعتين بلا أذان ولا إقامة لما في الصحيحين: سئل ابن عباس رضي اللّٰه عنه شهدت مع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم العيد، قال: نعم! خرج رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فصلى ثم خطب، ولم يذكر أذانًا ولا إقامةً؛ ولأنه المتوارث، وعليه الإجماع، فيكبر تكبيرة الإحرام ثم يضع يديه تحت سرته ويثنى على ما مر.

ثم ثلث تكبيرات يفصل بين كل تكبيرتين بسكتة قدر ثلث تسبيحات لئلا يؤدى الاتصال إلا الإشتباه على البعيد، ويرفع يديه عند كل تكبيرة منهن ويرسلهما في أثنائهن، ثم يضعهما بعد الثالثة ويتعوذ ويقرأ الفاتحة وسورة كما في الجمعة، ثم يكبر ويركع، فإذا قام إلى الركعة الثانية يبتدئ بالقراءة ثم يكبر بعدها ثلث تكبيرات على هيئة تكبيرة في الأولى، ثم يكبر ويركع، فالزوائد في كل ركعة ثلث. والقراءة في الأولى بعد التكبير وفي الثانية قبله.

هكذا كيفية صلاة العيد عند علمائنا وهو قول ابن مسعود وأبي موسى الأشعري وحذيفة بن اليمان وعقبة بن عامر وابن الزبير وأبي مسعود البدري والحسن وابن سيرين والثوري، وهو رواية عن أحمد، وحكاه البخاري في

صـحيـحـه مذهبًا لابن عباس، وفي التحرير جعله قول عمر بن الخطاب أيضًا، وزاد المرغينياني أبا سعيد والبراء.

وقـال مـالک وأحـمـد في ظاهر قوله: يكبر في الأولى ستا وفي الثانية خـمسًـا ويـقـرأ فيهـا بـعـد التـكبيـر وهو مذهب الزهري والأوزاعي. وقـال الشـافـعـي: يكبر في الأولىٰ سبعًا وفي الثانية خمسًا، ويقرأ فيهما بعد التكبير، وهـو مـروي عـن ابـن عبـاس. وقـال شريک ابن عبد اللّٰه وابن حي: يكبر في الـفطر في الأولى أربعًا زوائد بعد القراء ة، وفي الثانية كذلک، وفي الأضحى واحدة زائدة فـي كـل ركـعة بعد القراء ة، وفيهـا تسـعة أقـوال أخـر ذكرها السروجي في شرح الهداية.

والأحاديث المروية في هذا المعنى أربعة: الأول: عن عائشة رضي اللّٰه عـنه كان عليه الصلاة والسلام يكبر في العيدين، في الأولى بسبع، وفي الثانية بـخـمــس قبـل الـقـراءـة سـوى تـكبـرتي الركوع، رواه أبوداؤد وابن مـاجة والحاكم، وقال تفرد به ابن لهيعة.

الثاني: عن عبد اللّٰه بن عمرو بن العاص رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول الـلّٰـه صـلـى الـلّٰـه عـليـه وسلم: التكبير في الفطر سبع في الأولى وخمس في الثـانية، والـقراء ة بعدهما كلتيهما رواه أبو داؤد وابن ماجة. قال الترمذي في العلل: سألت البخاري عنه فقال هو صحيح.

الثـالـث: عن كثير بن عبد اللّٰه بن عمر بن عوف المزني عن أبيه عن جده أن رسـول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كبر في العيدين في الأولى سبعًا قبل القراء ة وفـي الأخـرى خـمسًا، رواه الترمذي وابن ماجة، قال الترمذي حديث حسن وهـو أحسـن شـيء روي فـي هذا الباب، وقال في علله الكبرىٰ سألت محمدًا عن هذا الحديث فقال ليس في هذا الباب أصح منه، وهذه أدلة الشافعي.

الرابع: عن سعيد بن العاص أنه سأل أبا موسى الأشعري وحذيفة بن اليمان رضي الله عنهما كيف كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكبر في الأضحى والفطر؟ فقال أبوموسى: أربعًا تكبيره على الجنازة، فقال حذيفة: صدق، فقال أبوموسى كذلك كنت أكبر في البصرة حيث كنت عليهم، رواه أبوداؤد، وسكت عليه وسكوته تحسين منه كما علم من شرطه. وكذلك سكت عليه المنذري في مختصره وتضعيف ابن الجوزي له بعبد الرحمن بن ثوبان نقلا عن بن معين والإمام أحمد معارض بقول صاحب التنقيح فيه وثقه غير واحد، وقال ابن معين: ليس به بأس؛ لكن أبو عائشة في سنده، قال ابن القطان: لا أعرف حاله؛ لكن قال الحاكم أبو عائشة: هو مولى سعيد بن العاص سمع أبا هريرة وأبا موسى الأشعري وحذيفة بن يمان وروي عنه مكحول.

ولو سلم ففي كل من تلك الأحاديث الثلاثة نحو ذلك من التضعيف، أما الأول فيما في ابن لهيعة من الكلام مع شدة اضطرابه سندًا، وأما الحديثان الآخران الذان يليانه فقد منع القول بتصحيحهما، الأول بعبد الرحمن الطائفي ضعفه ابن حنبل ويحيىٰ. وقال النسائي: ليس بقوي. وعن أبي حاتم أنه مثل عبد الله بن المؤمل وهو ضعيف. والثاني بأن كثير بن عبد الله عندهم متروك. وقال أحمد لا يساوي شيئًا وضرب على حديثه في المسند. وقال ابن معين ليس حديثه بشيء، وقال النسائي والدارقطني: متروك. وقال أبوزرعة واهي الحديث، واقطاع القول من الشافعي هو قوله فيه أنه ركن من أركان الكذب وأقطع الشافعي فيه القول، وقال أحمد بن حنبل: ليس في تكبير العيدين عن النبي صلى الله عليه وسلم حديث صحيح انتهى. وإذا كان الأمر كذلك فالأخذ بقول أكثر الصحابة وأكابرهم على أن

فيه قلة المخالفة لسائر الصلوات بقلة الزيادة أولىٰ.

وطريق المروي عن الصحابة هو ما أخرج عبد الرزاق أنا سفيان الثوري عن أبي إسحق عن علقمة والأسود أن ابن مسعود كان يكبر في العيدين تسعًا أربعًا قبل القراء ة، ثم يكبر فيركع، وفي الثانية يقرأ، فإذا فرغ كبر أربعًا ثم ركع.

أنا معمر عن أبي إسحق عن علقمة والأسود قال كان ابن مسعود جالسًا وعنده حذيفة وأبو موسى الأشعري فسألهم سعد بن العاص عن التكبير في يوم الفطر والأضحىٰ، فقال أبو موسى الأشعري، سل عبد اللّٰه فإنه أقدمنا وأعلمنا فسأله فقال ابن مسعود يكبر أربعًا ثم يقرأ ثم يكبر فيركع ثم يقوم في الثانية فيقرأ ثم يكبر أربعًا بعد القراء ة.

وروى ابن أبي شيبة ثنا هشيم أنا مجالد عن الشعبي عن مسروق، وقال كان عبد اللّٰه بن مسعود يعلمنا التكبير في العيدين تسع تكبيرات: خمس فيالأولى وأربع في الآخرة ويوالي بين القراء تين.

وروى محمد بن الحسن أنا أبوحنيفة عن حماد بن أبي سليمان عن إبراهيم النخعي عن عبد اللّٰه بن مسعود وكان قاعدًا في مسجد الكوفة ومعه حذيفة بن يمان وأبو موسى الأشعري فخرج عليهم الوليد بن عقبة بن أبي معيط، وهو أمير الكوفة يومئذ، فقال إن غدا عيدكم فكيف اصنع؟ فقالا: أخبره يا أبا عبد الرحمن، فأمره عبد اللّٰه بن مسعود أن يصلي بغير أذان ولا إقامة، وأن يكبر في الأولى خمسًا وفي الثانية أربعًا، وأن يوالي بين القراء تين وأن يخطب بعد الصلوة على راحلته. وقال الترمذي: وقد روي عن ابن مسعود أنه قال في التكبير في العيدين تسع تكبيرات، في الأولى خمسًا قبل

القراءة وفي الثانية يبدأ بالقراءة ثم يكبر أربعًا مع تكبيرة الركوع، وقد روي عن غير واحد من الصحابة نحو هذا انتهىٰ، وهذا أثر صحيح قاله بحضرة جماعة من الصحابة، ومثل هذا يحمل على الرفع؛ لأنه كنقل إعداد الركعات.

فإن قيل: روي عن أبى هريرة وابن عباس ما يخالفه؟ قلنا: غايته المعارضة، ويترجح أو لمروي عن ابن مسعود مع أن المروي عن ابن عباس متعارض. وروى ابن أبي شيبة ثنا وكيع عن ابن جريح عن عطاء أن ابن عباس كبر في عيد ثلث عشرة سبعًا في الأولى وستا في الآخرة، وقال حدثنا يزيد بن هرون أنا حميد عن عمار بن أبي عمار أن ابن عباس كبر في عيد اثني عشرة تكبيرة سبعًا في الأول وخمسًا في الآخرة. وقال: حدثنا هشيم أنا خالد الحذاء عن عبد الله بن الحرث قال: صلى بنا ابن عباس يوم عيد فكبر تسع تكبيرات خمسًا في الأولى وأربعًا في الآخرة، ووالي بين القراءتين، ورواه عبد الرزاق وزاد وفيه: فعل المغيرة بن شعبة مثل ذلك فاضطرب المروي عنه، وأثر ابن مسعود سالم من الاضطراب، وبه يترجح المرفوع الموافق له، ويترجح الموالاة بين القراءتين بالمعنى أيضًا، وهو أن التكبير ثناء وشرعيته في الأولى قبل القراءة كدعاء الاستفتاح وحيث شرع في الأخيرة شرع بعد القراءة كالقنوت فكذلك التكبير. ثم قال صاحب الهداية وغيره: أن عمل العامة اليوم بقول ابن عباس لأمر بنيه الخلفاء بالعمل في صلاة العيد بقول أحدهم إلا أن الشافعي حمل جميع التكبيرات المروية عنه على الزوائد، وعلماؤنا حملوها على الزوائد والاصليات فحيث عملوا بمذهبه يكبرون في كل ركعة خمسًا زوائد عملا برواية الأولى أو خمسًا في الأولى وأربعًا في الثانية عملا بالرواية الثانية.

وذكر في المحيط: أن الأولى الأخذ بالرواية الأولى في الفطر وبالثانية في الأضاحي عملا بالروايتين، وتخصيص الأضحى برواية النقصان لاشتغال الناس بالقرابين، ولما روي أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كتب إلى عمرو بن أحرم وهو ببحران: عجل الأضحى وأخر الفطر، وقد علم بهذا أن عملنا بمذهب ابن عباس حيث عملنا به خلاف مذهب الشافعي وأن المذهب عندنا هو الأول وهو قول ابن مسعود لما ترجح به، والذي ذكروا من عمل العامة بقول ابن عباس لأمر بنيه الخلفاء بذلک كان في زمنهم، أما في زماننا فقد زال أزلا خليفة الآن، والذي يكون بمصر قائمًا يكون خليفة اسما لا معنى؛ لانتفاء بعض شروط الخلافة فيه على ما لا يخفى على من له أدنى علم بشروطها، فالعمل الآن بما هو المذهب عندنا؛ لكن حيث لا يقع الالتباس على الناس. واللّٰه سبحانه اعلم. (حلبي كبير، كتاب الصلاة / فصل في صلاة العيد ص: ٥٦٧-٥٧٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲۵ / ۱۴۴۱/۹/۲۷ھ)

جمعہ اور نماز عید کتنے سال کا لڑکا پڑھا سکتا ہے؟

سوال (۳۱۲):- ہم لوگ جماعت کے ساتھ نماز کم اَز کم کتنے سال کے حافظ لڑکے کے پیچھے اَدا کر سکتے ہیں؟ کیا اِس میں جمعہ اور عید کی نماز بھی شامل ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اگر لڑکا بالغ ہو، یا اُس کی عمر ۱۵؍سال مکمل ہو چکی ہو، تو اُس کے پیچھے بشمول جمعہ وعیدین سب نمازیں پڑھنا جائز ہے۔

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عرضه يوم أحد وهو ابن أربع عشرة سنة، فلم يجزني، ثم عرضني يوم الخندق وأنا ابن خمس عشرة، فأجازني، قال نافع: فقدمت على عمر بن عبدالعزيز،

وهو خليفة، فحدثته هذا الحديث، فقال: إن هذا لحد بين الصغير والكبير، وكتب إلى عماله أن يفرضوا لمن بلغ خمس عشرة. (صحيح البخاري، كتاب الشهادات / باب بلوغ الصبيان ۳٦٦/۱ رقم: ۲۵۹۰ ف: ۲٦٦٤، صحيح مسلم، باب الإمارة / باب سن البلوغ ۱۳۱/۲ رقم: ۱۸٦۸)

بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال، والأصل هو الإنزال، والجارية بالاحتلام والحيض والحبل، فإن لم يوجد فيهما – أي في الغلام والجارية – شيء، فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتي. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الحجر / فصل في بلوغ الغلام بالاحتلام ۲۲٦/۹ زكريا، ۱۵۳/٦ كراچی)

والسن الذي يحكم ببلوغ الغلام والجارية، إذا انتهيا خمس عشرة سنة عند ابي يوسف ومحمد والشافعي، وهو رواية عن أبي حنيفة، وعليه الفتوى. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الحجر، الفصل الثاني في بيان أنواع الحجر ۲۸۰/۱٦ رقم: ۲٤۹۱۱ زكريا)

ويشترط كونه مسلمًا حرًا ذكرًا عاقلاً بالغًا قادرًا. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب الإمامة ۲۸۰/۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۲۵ / ۱۴۴۱/۹/۲۷ھ)

عیدین میں اَذان واِقامت کیوں نہیں ہے؟

سوال (۳۱۳):- عیدین کی نماز میں اَذان واِقامت کیوں نہیں ہوتی؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- اِس سوال کا اصل جواب تو یہ ہے کہ عبادات میں اصل مدار پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم اور عمل پر ہوتا ہے، اور اُس میں چوں وچرا کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اَب چوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدین کی نماز میں اَذان و اِقامت کا حکم نہیں دیا، اِس لئے اُمت کے لئے بھی یہی اُسوۂ مبارکہ قابل اتباع ہے۔ تاہم بطور حکمت ومصلحت یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ممکن ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عیدین اور

پنجوقتہ فرض نمازوں کے درمیان حکم میں فرق کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا ہو۔ واللہ اعلم

عن جابر رضي اللّٰه عنه قال: صلى بنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في عيد قبل الخطبة بغير أذان ولا إقامة. (سنن النسائي، كتاب صلاة العيدين / أبواب من القضاء رقم:؛ ١٥٦٢)

ولا يسن لغيرها كعيد (الدر المختار) **أي من الصلوات قوله: كعيد أي ووتر وجنازة وتراويح وسنن رواتب؛ لأنها اتباع للفرائض؛ لكن في التعليل قصور لاقتضائه سنية الأذان لما ليس تبعًا للفرائض كالعيد ونحوه. فالمناسب القليل بعدم وروده في السنة.** (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الأذان ٥٠/٢ زكريا، الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الثاني في الأذان ٥٣/١ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۱۹ / ۱۴۴۱/۹/۲۱ھ)

دروازہ بند کر کے گھر میں عید کی نماز پڑھنا

سوال (۳۱۴):- کیا دروازہ بند کر کے گھر کے اندر عید کی نماز ہوسکتی ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- دروازہ بند کر کے گھر کے اندر عید کی نماز درست نہیں ہوگی؛ کیوں کہ یہاں اِذنِ عام کی شرط مفقود ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴۰۳/۸ سوال نمبر: ۳۸۹۰ ڈابھیل)

تجب صلاة العيد على من تجب عليه الجمعة بشرائطها المتقدمة حتى الإذن العام سوى الخطبة؛ فإنها سنة وليست بشرط. (النهر الفائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة / باب صلاة العيدين ٣٦٦/١ دار الكتب العلمية بيروت، الفتاوىٰ التاتارخانية ٦٠٨/٢ زكريا)

ويشترط للعيد ما يشترط للجمعة من المصر والسلطان والإذن العام الخ. (خانية على الهندية، كتاب الصلاة / باب صلاة العيدين وتكبيرات أيام التشريق ١٨٦/١ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۲۵ / ۱۴۴۱/۹/۲۷ھ)

لاک ڈاؤن میں نمازِ عید

سوال (۳۱۵):- لاک ڈاؤن میں مساجد بند ہیں، اور عمومی جماعت کی اِجازت بہت سی جگہوں پر نہیں ہے، تو ایسی صورتِ حال میں نمازِ عید کیسے اَدا کی جائے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- موجودہ صورتِ حال میں نمازِ عید سے متعلق حکم یہ ہے کہ جن جگہوں پر بسہولت اور حسب شرائط نمازِ عید اَدا کی جاسکے، وہاں عید کی نماز قائم کی جائے۔ اور منظّم اَنداز میں اِس بات کی کوشش کی جائے کہ حکومتی ہدایات کی خلاف ورزی بھی نہ ہو، اور واجب بھی اَدا ہو جائے؛ تاہم اگر کوشش کے باوجود کچھ لوگ نمازِ عید نہ پڑھ سکیں، جس کا بہت اِمکان ہے۔ مثلاً بعض جگہ اِمام عید دستیاب نہ ہو، یا اِذنِ عام کی شرط نہ ہو وغیرہ، تو اُن کے لئے مستحب یہ ہے کہ اپنے گھر میں چاشت کے وقت بطور نفل ۴؍ رکعت تنہا تنہا پڑھ لیں۔

صحابی رسول فقیہ الامت سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے اِرشاد فرمایا کہ: ''جس شخص کی عید کی نماز چھوٹ جائے تو وہ ۴؍ رکعت نماز اَدا کرے اور اُن میں بالترتیب ''سورۂ اعلیٰ، سورۂ والشّمس، سورۂ واللیل اور سورۂ والضّحیٰ'' پڑھے''۔ لہٰذا حضرت کے اِس اِرشاد کے موافق جو لوگ باوجود کوشش کے عید کی جماعت میں شریک نہ ہوسکیں، وہ چاشت کی نماز پڑھ لیں اور اللہ تعالیٰ سے اَجر وثواب کی اُمید رکھیں، اور اُس کے دربار میں شکر بجالائیں۔

ومن فاتته الصلاة فلم يدركها مع الإمام لا يقضيها؛ لأنها لم تعرف قربة إلا بشرائط لا تتم بدون الإمام أي السلطان أو مأموره؛ فإن شاء انصرف وإن شاء صلى نفلا، والأفضل أربع، فيكون له صلاة الضحى، لما روي عن ابن مسعود رضي الله عنه أنه قال: من فاتته صلاة العيد صلى أربع ركعات يقرأ في الأولى بسبح اسم ربك الأعلى، وفي الثانية: والشمس وضحٰها، وفي الثالثة: والليل إذا يغشى، وفي الرابعة: والضحىٰ. وروي في ذلك عن النبي صلى الله عليه وسلم وعدًا جميلا وثوابًا جزيلا، انتهى. (نور الإيضاح مع مراقي الفلاح،

كتاب الصلاة / باب العيدين ص: ١٩٨-١٩٩ دار الكتب العلمية بيروت، النهر الفائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة / باب العيدين ٣٦٦/١ دار الكتب العلمية بيروت)

وقالت طائفة: يصليها إن شاء أربعًا، روي ذلک عن علي وابن مسعود، وبه قال الثوري وأحمد. وقال أبوحنيفة: إن شاء صلى وإن شاء لم يصل، فإن شاء صلى أربعًا، وإن شاء ركعتين. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، كتاب العيدين / باب إذا فاته العيد يصلي ركعتين ٤٤٥/٦ دار الكتب العلمية بيروت)

فإن عجز صلى أربعًا كالضحى (الدر المختار) أي استحبابًا كما في القهستاني، وليس هذا قضاء؛ لأنه ليس على كيفيتهما. قلت: وهي صلاة الضحى، كما في الحلية عن الخانية، فقوله تبعًا للبدائع كالضحى، معناه أنه لا يكبر فيها للزوائد مثل العيد، تأمل. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب العيدين ٥٩/٣ زكريا)

قلت: إرادة الضحى بما في الأثر غير ظاهر؛ بل هي صلاة نافلة مستقلة تقوم مقام العيد. (إعلاء السنن، أبواب العيدين / باب من لم يدرك صلاة العيد يصلي أربعًا متنفلا ١٤٧/٨ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۲۵ / ۱۴۴۱/۹/۲۷ھ)

اِذنِ عام کے ساتھ بیٹھک میں عید کی نماز پڑھنا

سوال (۳۱۶):- کیا ہم بیٹھک میں عید کی نماز پڑھ سکتے ہیں، جہاں سب کو آنے جانے کی اِجازت ہے؟ اور کیا وہاں متعدد جماعتیں ہوسکتی ہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اگر بیٹھک میں سب کو آنے جانے کی عام اِجازت ہے، تو وہاں جمعہ وعیدین کی نماز حسب شرائط اَدا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اُس بیٹھک میں حسب ضرورت الگ اِمام اور مقتدیوں کے ساتھ متعدد مرتبہ باجماعت نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴۰۳/۸ ڈابھیل)

تجب صلاة العيد على من تجب عليه الجمعة بشرائطها المتقدمة حتى الإذن العام سوى الخطبة؛ فإنها سنة وليست بشرط. (النهر الفائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة / باب صلاة العيدين ٣٦٦/١ دار الكتب العلمية بيروت)

المستفاد: وإذا علموا أنها لا تفوتهم (الجماعة) يتأخرون فتقل الجماعة، وتقليل الجماعة مكروه بخلاف المساجد التي على قوارع الطرق؛ لأنها ليست لها أهل معروفون فأداء الجماعة فيها مرة بعد أخرى، لا يؤدي إلى تقليل الجماعات. (بدائع الصنائع / فصل في بيان محل وجوب الأذان ٣٨٠/١ زكريا)

كما في مسجد ليس له إمام ولا مؤذن ويصلي الناس فيه فوجًا فوجًا، فإن الأفضل أن يصلي كل فريق بأذان وإقامة على حدة. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد ٢٨٨/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۲۵ / ۱۴۴۱/۹/۲۷ھ)

جس مسجد میں جمعہ نہیں ہوتا اُس میں عید کی نماز پڑھنا

سوال (۳۱۷):- مسجد میں پنجوقتہ نماز ادا کی جاتی ہے؛ لیکن یہاں جمعہ نہیں ہوتا ہے، تو کیا لاک ڈاؤن کے دوران اُس مسجد میں عید کی نماز ہوسکتی ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اگر وہ مسجد آبادی میں واقع ہو، تو اُس میں حسب ضرورت عید کی نماز قائم کرنا درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴۰۳/۸ ڈابھیل)

تجب صلاة العيد على من تجب عليه الجمعة بشرائطها المتقدمة حتى الإذن العام سوى الخطبة؛ فإنها سنة وليست بشرط. (النهر الفائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة / باب صلاة العيدين ٣٦٦/١ دار الكتب العلمية بيروت، البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب صلاة العيدين ٢٧٧/٢ دار الكتب العلمية بيروت)

وشرائطها كشرائطها يعني السلطان والجماعة والمصر والوقف وغير

ذلک مما مر في الجمعة. (الاختيار لتعليل المختار، كتاب الصلاة / باب صلاة العيدين ١/٨٥ دار الكتب العلمية بيروت)

وفيه الخروج إلى المصلى في العيد، وإن صلاتها في المسجد لا تكون إلا عن ضرورة. (فتح الباري، أبواب العيدين / باب الخروج إلى المصلى ٥٢٢/٢ مكتبة الملك فهد الوطنية)

لو صلى العيد في الجامع ولم يتوجه إلى المصلى فقد ترك السنة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب العيدين ٢٧٨/٢ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۲۵ / ۱۴۴۱/۹/۲۷ھ)

عید کی نماز کے لئے کتنے اَفراد شرط ہیں؟

سوال (۳۱۸):- کیا عید کی جماعت میں ۲؍آدمی بھی کافی ہیں؟ تین کی شرط نہیں ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- اگرچہ بعض فقہی عبارتوں سے ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ ۲؍آدمی کی جماعت کے ساتھ بھی عید کی نماز ہوسکتی ہے؛ لیکن یہ راجح قول نہیں ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ عید کے لئے بھی وہی شرطیں ہیں جو جمعہ کے لئے ہیں؛ لہٰذا عید کی نماز میں اِمام کے علاوہ کم اَزکم ۳؍بالغ مردوں کی شرکت ضروری ہے، اِس کے بغیر نماز عید اَدا نہ ہوگی۔

وأقلها إثنان ...... الخ، وهذا في غير جمعةٍ، أي فإن أقلها فيها ثلاثة صالحون للإمامة سوى الإمام، ومثلها العيدُ لقولهم: يُشترط لها ما يُشترط للجمعة صحةً وأداءً سوى الخطبة، فافهم. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الإمامة ٢٨٩/٢ زكريا، ٥٥٣/١ كراچی)

واشتراط الجماعة لها، وكونها ثلاثة سوى الإمام (الأشباه) قوله: وكونها، أي واشتراط كون الجماعة ثلاثة سوى الإمام، وفيه أن كونها ثلاثة سوى الإمام ليس شرطًا خاصًا بالجمعة؛ بل كذلك صلاة العيدين. (غمز عيون البصائر شرح كتاب الأشباه والنظائر / القول في أحكام يوم الجمعة ٦٦/٤ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۲۵ / ۱۴۴۱/۹/۲۷ھ)

براہِ راست نشر کی جانے والی نماز عید میں شرکت سے متعلق فتویٰ؟

سوال (۳۱۹):- ایک صاحب نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر اِمام صاحب مسجد میں لائیو (براہِ راست نشریہ کے ساتھ) نماز عید پڑھا رہے ہوں، تو آس پاس کے محلے والوں کو اپنے گھروں میں رہتے ہوئے اُن کی اقتداء میں نماز پڑھنا درست ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ اِس طرح کا فتویٰ ہمارے لئے قابل عمل ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- شریعت کی نظر میں جماعت کے ساتھ اقتداء صحیح ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ جماعت اور مقتدی کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں ہونا چاہئے۔ اور زیادہ فاصلے کی حد حضرات فقہاء کرام نے یہ متعین فرمائی ہے کہ درمیان میں کوئی ایسا راستہ نہ ہو جہاں سے گاڑی گذر سکے، یا کوئی ایسی نہر یا نالہ نہ ہو جس میں کشتی گذر سکے؛ لہٰذا اگر جماعت کی صفوں کے درمیان مذکورہ فاصلہ ہو جائے گا تو پیچھے والوں کی نماز اُس جماعت کے ساتھ مل کر درست نہیں ہوگی۔ یہ بات فقہاء اَحناف نے اپنی کتابوں میں صراحۃً تحریر فرمائی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اِس بارے میں بعض دیگر ائمہ کے مسلک میں کچھ مزید وسعت اور گنجائش ہو؛ لیکن ہمیں اپنے فقہاء کی محتاط رائے پر اعتماد کرتے ہوئے اُسی پر عمل کرنا چاہئے، اور اس کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہئے۔

سلف صالحین نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ جس علاقے میں جن علماء ومشائخ کے قول پر عمل کیا جاتا ہو، وہاں اُنہیں کی رائے کی تائید کی جائے گی؛ تاکہ عوام میں کسی قسم کا مذہبی انتشار نہ ہو؛ چناں چہ حضرت اِمام دارمیؒ نے لکھا ہے کہ محدثِ کبیر اِمام حمید الطّویلؒ نے خلیفہ راشد سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے یہ گذارش کی کہ آپ کوئی ایسا نظام بنائیے کہ پوری مملکت میں سب لوگ ایک ہی فقہ پر عمل کریں۔ تو سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ یہ بات مجھے پسند نہیں ہے؛ بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ: ''لِيَقْضِ كُلُّ قَوْمٍ بِمَا اجْتَمَعَ عَلَيْهِ فُقَهَاؤُهُمْ'' (یعنی ہر علاقے کے لوگ اُسی مسئلہ پر عمل کریں جس پر اُن کے مفتیانِ کرام اور

فقہاء متفق ہوں) گویا کہ اِکادُکا کسی کی بات سامنے آئے تو اُس کی اتباع نہ کی جائے۔ یہ ایک زریں اُصول حضرت نے اُمت کو عطا فرمایا جو ہم سب کے لئے مشعل راہ ہے۔

اِسی طرح کی وضاحت اِمام دارالہجرہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے کہ جب اُن سے خلیفہ وقت نے آپ کی معرکۃ الآراء تالیف ''الموطأ'' کو پورے ملک میں بھیج کر سب کو اُسی کے مطابق فتویٰ دینے اور عمل کرنے کا پابند بنانے کی اِجازت چاہی، تو آپ نے ایسا شاندار جواب دیا جو سنہرے حروف سے لکھے جانے کے لائق ہے۔ آپ نے فرمایا کہ دنیا کے مختلف خطوں میں پہلے ہی حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہنچ چکے ہیں، اور اُن کا علم اور فتاویٰ لوگوں میں عام ہو چکے ہیں، اِس لئے جو لوگ جہاں پر جن صحابہؓ کے بتائے ہوئے اَحکام پر عمل کر رہے ہیں اُن کو کرنے دیا جائے، اور میری مؤطا پر سب کے لئے عمل لازم نہ کیا جائے؛ تاکہ اُمت میں کوئی انتشار نہ ہو۔

اِس تمہید کے بعد عرض ہے کہ ہمارے ملک میں بلکہ برصغیر میں مسلمانوں کی اکثریت فقہ حنفی پر عمل کرنے والی ہے؛ لہٰذا جو مسئلہ فقہ حنفی میں منقح ہو اور معتبر اِداروں سے جس کی تائید اور تصدیق کی گئی ہو وہ تو ہمارے سر آنکھوں پر ہے؛ لیکن جو مسئلہ لوگ اپنے اپنے طور پر جاری کرنے کی کوشش کریں تو وہ ہمارے لئے قابل توجہ نہیں ہے، وہ کسی کی اِنفرادی رائے تو ہو سکتی ہے؛ لیکن اُس پر دوسروں کے لئے عمل درست نہیں ہے۔

بریں بنا فقہی شرائط کو نظر انداز کر کے جماعت میں آن لائن شرکت سے نماز درست نہ ہوگی، اور اِس بارے میں کسی کا ذاتی فتویٰ قابل عمل اور معتبر نہ ہوگا۔

عن حميد قال: قلت لعمر بن عبد العزيز – رحمه الله تعالىٰ – لو جمعت الناس على شيء؟ فقال ما يسرني أنهم لم يختلفوا قال: ثم كتب إلى الآفاق وإلى الأمصار ليقضي كل قوم بما اجتمع عليه فقاؤهم. (سنن الدارمي مكمل، المقدمة / باب اختلاف الفقهاء ص: ٤٨٩ رقم: ٦٥٢ دار المغني للنشر والتوزيع)

وقد روى أبو نعيم في ”حلية الأولياء“ عن مالك أنه قال: شاورني

هارون الرشيد في أن يعلق الموطأ على الكعبة ويحمل الناس على ما فيه فقلت: لا تفعل فإن أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم اختلفوا في الفروع وتفرقوا في البلدان، وكل مصيب، فقال: وفقك الله يا أبا عبد الله. وروى ابن سعد في "الطبقات" عن مالك أنه لما حج المنصور قال لي: عزمت على أن آمر بكتبك هذه التي وضعتها فتنسخ، ثم أبعث إلى كل مصر من أمصار المسلمين منها نسخة، وآمرهم أن يعملوا بما فيها، ولا يتعدوا إلى غيرها، فقلت: لا تفعل هذا؛ فإن الناس قد سبقت إليهم الأقاويل، وسمعوا أحاديث ورووا روايات، وأخذ كل قوم بما سبق إليهم، ودانوا به فدع الناس وما اختار أهل كل بلد منهم لأنفسهم. كذا في عقود الجمان، انتهى. (كشف الظنون ۱۹۰۸/۲، بحوالة: الموطأ لإمام محمد ۳۲ مكتبة الاتحاد ديوبند)

ويمنع من الاقتداء صف من النساء بلا حائل أو طريق تجري فيه عجلة أو نهر تجري فيه السفن ولو زروقًا، ولو في المسجد أو خلاء أي فضاء في الصحراء أو في مسجد كبير جدًا، كمسجد القدس يسع صفين، فأكثر إلا إذا اتصلت الصفوف فيصح مطلقًا. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب الإمامة ۳۳۰/۲-۳۳۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۲۵ / ۱۴۴۱/۹/۲۷ھ)

ضرورۃً نماز عید کا تکرار

سوال (۳۲۰):- موجودہ (لاک ڈاؤن کے) حالات میں جب کہ حکومت کی طرف سے مجمع اکٹھا ہونے پر پابندی ہے، تو کیا نماز عید مختصر مجامع کے ساتھ مساجد میں یا عام جگہوں پر متعدد مرتبہ اَدا کی جاسکتی ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مساجد کے بارے میں تو عام فتویٰ

یہی ہے کہ وہاں دوبارہ جماعت نہ کی جائے۔ اور موجودہ حالات میں مصلحت کا تقاضا بھی یہی ہے؛ کیوں کہ مسجدوں میں تکرار جماعت سے حکومتی ہدایات کی خلاف ورزی کا بھی بہت اندیشہ ہے؛ البتہ مسجد کے علاوہ اِذنِ عام والی جگہوں پر حسب شرائط الگ اِمام اور الگ مقتدیوں کے ساتھ عید یا جمعہ کی متعدد جماعتیں قائم کی جاسکتی ہیں، اِس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔ (فتاویٰ عثمانی ۱/۵۵۱، فتاویٰ فریدیہ/ باب صلوٰۃ العیدین ۳/۲۰۰، احسن الفتاویٰ ۴/۱۳۵)

عن عبد الرحمن بن المحبر قال: دخلت مع سالم بن عبد الله مسجد الجمعة، وقد فرغوا من الصلاة فقالوا: ألا تجمع الصلاة؟ فقال سالم: لا تجمع صلاة واحدة في مسجد واحد مرتين. (إعلاء السنن / باب كراهة تكرار الجماعة في مسجد المحلة ٤/٢٦٢ دار الكتب العلمية بيروت)

وتؤدى بمصر واحد بمواضع كثيرة اتفاقًا. (الدر المختار / باب العيدين ٣/٥٩ زكريا)

عن أبي يوسف أنه إذا لم تكن الجماعة على الهيئة الأولىٰ لا تكره، وإلا تكره، وهو الصحح، وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة، كذا في البزازية انتهىٰ. وفي التاتارخانية عن الولوالجية: وبه نأخذ. (شامي، كتاب الصلاة / باب الإمامة ٢/٢٨٩ زكريا، ١/٥٥٣ كراچی، حلبي كبير، أحكام المسجد / مسائل متفرقة ٦١٥ لاهور)

فإذا فاتت مع إمام وأمكنه أن يذهب إلىٰ إمام آخر؛ فإنه يذهب إليه؛ لأنه يجوز تعددها في مصر واحد في موضعين وأكثر اتفاقًا. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب العيدين ٢/٢٨٣ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۲۵/ ۱۴۴۱/۹/۲۷ھ)

عید کی متعدد جماعتوں کے لاؤڈ اِسپیکر سے ایک خطبہ کافی نہیں

سوال (۳۲۱):- آج کل لاک ڈاؤن کی وجہ سے عید کے بڑے اِجتماعات کی اِجازت نہیں ہے، اور اگر الگ الگ جماعتیں کی جائیں تو عید کا خطبہ پڑھنے والے اتنے اِمام میسر نہیں ہیں، تو کیا ہم ایسا کر سکتے ہیں کہ حسب شرائط عید کی جماعتیں تو اپنے گھروں کی بیٹھکوں

میں کرلیں؛ لیکن عید کے بعد والا خطبہ مسجد کے لاؤڈ اِسپیکر سے پڑھ دیا جائے، جسے سب محلے اور آبادی والے سن لیں، تو کیا ایسا کرنا درست ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- عید کی نماز میں ہر جماعت کے لئے الگ مستقل خطبہ سنت ہے؛ لہٰذا ایک جگہ پڑھا گیا خطبہ دیگر جماعتوں کے لئے کافی نہ ہوگا، اور اِس سے خطبے کی سنت اَدا نہ ہوگی؛ لہٰذا یہ طریقہ اختیار نہ کیا جائے؛ بلکہ ہر جماعت کے لئے الگ خطبے کا اہتمام ہو۔ اور جو شخص نماز پڑھا سکتا ہے، وہ خطبہ بھی پڑھ سکتا ہے۔ عید کے مختصر خطبے بھی چھپے ہوئے ہیں، اگر زبانی یاد نہ ہو تو دیکھ کر پڑھ لیا جائے۔

عن جابر رضي الله عنه قال: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم: يوم فطر أو أضحىٰ، فخطب قائمًا، ثم قعد قعدة، ثم قام. (سنن ابن ماجة / باب ما جاء في الخطبة في العيدين ۱۹۱ رقم: ۱۲۸۹)

عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة قال: السنة أن يخطب الإمام في العيدين خطبتين يفصل بينهما بجلوس. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب صلاة العيدين / باب جلوس الإمام حين يطلع على المنبر الخ ۴۲۰/۳ رقم: ۶۲۱۳ دار الكتب العلمية بيروت)

عن عبد الله بن السائب رضي الله عنه قال: شهدت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم: العيد، فلما قضى الصلاة، قال: إنا نخطب فمن أحب أن يجلس للخطبة فليجلس، ومن أحب أن يذهب فليذهب. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / باب الجلوس للخطبة ۱۶۳/۱ رقم:۱۱۵۵)

ثم يخطب بعد الصلاة خطبتين يبدأ فيهما بالتكبير يعلم في الفطر أحكام صدقة الفطر، وفي الأضحى أحكام الأضحية وتكبير التشريق،وهي سنة، ويسن فيها ما يسن في خطبة الجمعة، ويكره فيها ما يكره فيها. (حلبي كبير، كتاب الصلاة / باب صلاة العيد ۵۷۰ لاهور) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۲۵ / ۱۴۴۱/۹/۲۷ھ)

عید کا خطبہ سننا واجب ہے

سوال (۳۲۲):- عید کا خطبہ پڑھنا تو سنت ہے، لیکن سننے کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اگر نمازِ عید کے بعد صف میں بیٹھے رہیں اور خطبہ شروع ہوجائے، تو اُس کا سننا واجب ہے؛ لیکن اگر اُٹھ کر آ گئے، تو واجب نہیں ہے۔

عن عبد اللّٰه بن السائب رضي اللّٰه عنه قال: شهدت مع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم العيد، فلما قضى الصلاة قال: إنا نخطب فمن أحب أن يجلس للخطبة فليجلس، ومن أحب أن يذهب فليذهب. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / باب الجلوس للخطبة رقم: ١١٥٥)

فهذا يدل على أن الجلوس لاستماع الخطبة غير لازم. (بذل المجهود، كتاب الصلاة / باب الجلوس للخطبة ٢٤٦/٥ رقم: ١١٥٥ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي)

وفيه أن الجلوس لسماع خطبة العيد غير واجب. قال في المنطقة: وفيه بيان أن الخطبة سنةٌ، إذ لو وجبت وجب الجلوس إليها. قال الشوكاني: وفيه أن تخيير السامع لا يدل على عدم وجوب الخطبة؛ بل على عدم وجوب سماعها، إلا أن يقال: إنه يدل من باب الإشارة؛ لأنه إذا لم يجب سماعها لا يجب فعلها، وذلک لأن الخطبة خطاب، ولا خطاب إلا لمخاطب، فإذا لم يجب السماع على المخاطب لم يجب الخطاب، وقد اتفق الموجبون لصلاة العيد غيرهم على عدم وجوب خطبته، ولا أعرف قائلاً يقول: لوجوبها. (عون المعبود شرح سنن أبي داؤد مكمل، كتاب الصلاة / باب الجلوس للخطبة ٥٥٢ تحت رقم: ١١٥٥ بيت الأفكار الدولية)

ثم يخطب بعد الصلاة خطبتين يبدأ فيهما بالتكبير يعلم في الفطر أحكام صدقة الفطر، وفي الأضحى أحكام الأضحية وتكبير التشريق، وهي سنة، ويسن فيها ما يسن في خطبة الجمعة، ويكره فيها ما يكره فيها. (حلبي

کبیر، کتاب الصلاۃ / باب صلاۃ العید ۵۷۰ سهیل اکیڈمی لاهور)

وكذا يجب الاستماع لسائر الخطب كخطبة نكاح وخطبة عيد وختم على المعتمد. (الدر المختار، کتاب الصلاة / باب الجمعة ۳۶/۳ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۲۵ / ۱۴۴۱/۹/۲۷ھ)

عید کی نماز کو اگلے دن ادا کرنا

سوال (۳۲۳):- اگر کسی جگہ پر لاک ڈاؤن کی وجہ سے پہلے دن عید کی نماز نہ پڑھی جا سکے، تو کیا دوسرے دن پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اگر کسی معقول عذر (مثلاً بارش یا لاک ڈاؤن وغیرہ) کی وجہ سے پہلے دن نمازِ عید نہ پڑھی جا سکے، تو عید الفطر میں اگلے دن تک اور عید الاضحیٰ میں تیسرے دن تک نماز اَدا کرنے کی گنجائش ہے۔

وتأخذ بعذر كمطر إلى الزوال من الغد فقط فوقتها من الثاني كالأول.

(شامي / كتاب الصلاة ۵۹/۳ زكريا)

وأما في عيد الأضحىٰ فإن تركها في اليوم الأول لعذر أو لغير عذر صلى في اليوم الثاني، فإن لم يفعل ففي اليوم الثالث. (بدائع الصنائع / كتاب الصلاة ۲۱۹/۱ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۳۹ / ۱۴۴۱/۱۲/۸ھ)

عیدین میں تکبیرات زوائد کتنی ہیں؟

سوال (۳۲۴):- عید کی نماز میں ۱۲/ زائد تکبیریں ہیں یا ۶/؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- حنفیہ کے نزدیک عید میں زائد تکبیرات کی تعداد ۶/ ہے، جیسا کہ سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے؛ لیکن دیگر صحابہؓ سے ۱۶/ تک کی تعداد بھی نقل کی گئی ہے، اِس لئے اگر کوئی اِمام زائد تکبیر کہہ دے تو

اُس سے نماز عید فاسد نہیں ہوتی۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۲۰۴/۵)

عن معبد بن خالد عن كردوس قال: قدم سعيد بن العاص في ذي الحجة، فارسل إلى عبد اللّٰه، وحذيفة، وأبي مسعود الأنصاري، وأبي موسىٰ الأشعري، فسألهم عن التكبير في العيد؟ فأسندوا أمرهم إلى عبد اللّٰه، فقال عبد اللّٰه: يقوم فيكبر، ثم يكبر، ثم يكبر، ثم يكبر فيقرأ، ثم يكبر و يركع، ويقوم فيقرأ، ثم يكبر، ثم يكبر، ثم يكبر، ثم يكبر الرابعة، ثم يركع. (المصنف لابن أبي شيبة، بتحقيق شيخ عوامة / كتاب الصلاة / في التكبير في العيدين واختلافهم فيه ٢١٦/٤ رقم: ٥٧٥٥ مؤسسة علوم القرآن دمشق، المنصف لعبد الرزاق ٢٩٣/٣ رقم: ٥٦٨٧ المجلس العلمي بيروت، المعجم الكبير للطبراني ٣٠٣/٩ رقم: ٩٥١٦ دار إحياء التراث العربي بيروت)

ويصلي الإمام بهم ركعتين مثنيًا قبل الزوائد وهي ثلاث تكبيرات في كل ركعة ولو زاد تابعه إلى ستة عشر؛ لأنه ماثور. قوله: وهي ثلاث تكبيرات، هذا مذهب ابن مسعود وكثير من الصحابة، ورواية عن ابن عباس، وبه أخذ أئمتنا الثلاثة. وروي عن ابن عباس أنه يكبر في الأولى سبعًا وفي الثانية ستًا. وفي رواية: خمسًا، منها ثلاثة أصلية، وهي تكبيرة الافتتاح وتكبيرتا الركوع، والباقي زوائد: في الأولى خمس، وفي الثانية خمس أو أربع، ويبدأ بالتكبير في كل ركعة. قال في الهداية: وعليه عمل اليوم لأمر الخلفاء من بن العباس به، والمذهب الأول. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة / باب العيدين ٥٣٣/٣ زكريا)

وهي أي الزوائد ثلاثة في كل ركعة لا غير، هذا رأى ابن مسعود، وبه أخذ الإمام وعن غيره أنها أزيد، وأكثر ما روي ستة عشر في الركعتين فلو زاد عليهما لم يتبع هذا إن سمعها من الإمام وإن من المؤذن أتي به. (النهر الفائق، كتاب الصلاة / باب صلاة العيدين ٣٦٨/١ دار الكتب العلمية بيروت)

وهٰـذا أثر صحيحٌ، قاله بحضرة جماعة من الصحابة، ومثل هٰذا يحمل علـى الرفع؛ لأنه مثل أعداد الركعات. (فتـح القدير / باب صلاة العيدين ٧٦/٢ دار الفكر بيـروت، مـرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة / باب صلاة العيدين ٤٩٣/٣ تحت رقم: ١٤٤١ دار الكتب العلمية بيروت، إعلاء السنن، أبواب العيدين / باب كيفية صلاة العيدين ١٢٧/٨-١٢٨ إدارة القرآن كراچی)

عـلـي بن عبد الرحمن ويحيىٰ بن عثمان قد حدثانا قالا: ثنا عبد اللّٰه بن يـوسف عـن يحيىٰ بن حمزة قال: حدثني الوضيين بن عطاء أن القاسم أبا عبد الـرحـمـن حـدثه قال: حدثني بعض أصحاب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قـال: صـلى بنا النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يوم عيد، فكبر أربعًا وأربعًا، ثم أقبل عـلـيـنـا بوجهه حين انصرف، فقال: لا تنسوا كتكبير الجنائز، وأشار بأصابعه، وقبـض إبهـامـه. أخـرجـه الطحاوي، وقال: حسن الإسناد. وابن يوسف وابن حمزة والـوضيين والـقـاسـم كـلهم أهل رواية معروفون بصحة الرواية اهـ. أورده في كتاب الزيادات (٢: ٣٩٩) من شرح معاني الآثار.

ودلالتـه عـلى عدد تكبيرات العيد ظاهرة. والأربع في الأولى مجموع تكبير الإحرام، والزوائد، وفي الأخرى مجموع تكبير الركوع والزوائد، فإن التشبيـه بتـكبيـر الجنائز، كما أفاده الشيخ صريح في الموالاة، ولا تتحقق إلا بما ذكرنا. (إعـلاء السـنن، أبواب العيدين / باب كيفية صلاة العيدين ١٢٧/٨-١٢٨ تحت رقم: ٢١٢٦ إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

عـن مكحول قال: أخبرني أبو عائشة جليس لأبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن سـعيد بن العاص سأل أبا موسىٰ الأشعري وحذيفة بين اليمان – رضي اللّٰه عـنهـمـا – كيف كـان رسـول الـلّٰـه صـلـى اللّٰه عليه وسلم يكبر في الأضحى والـفـطر؟ فقال أبو موسىٰ: كان يكبر أربعًا تكبيره على الجنائز. فقال حذيفة:

صدق. فقال أبو موسیٰ: کذلک کنت أکبّر في البصرة حیث کنتُ علیه. قال أبو عائشة: وأنا حاضر سعید بن العاص. (سنن أبي داؤد، کتاب الصلاة / باب التکبیر في العیدین ۱/ ۱۷۰ رقم: ۱۱۵۳ دار الفکر بیروت)

یکبر في الأولی للافتتاح، وثلاثًا بعدها، ثم یقرأ الفاتحة وسورةً، ویکبر تکبیرة یرکع بها، ثم یبتدئ في الرکعة الثانیة بالقراء ة، ثم یکبر ثلاثًا بعدها، ویکبر رابعةً یرکع بها، وهذا قول ابن مسعود رضي اللّٰه عنه، وهو قولنا. وقال ابن عباس رضي اللّٰه عنهما: یکبر في الأولی للافتتاح، وخمسًا بعدها، وفي الثانیة: یکبر خمسًا، ثم یقرأ. وفي روایة: یکبر أربعًا. وظهر عمل العامة الیوم بقول ابن عباس رضي اللّٰه عنهما لأمرٍ بیّنه الخلفاء، فأما المذهب فالقول الأول؛ لأن التکبیر ورفع الأیدي خلاف المعهود، فکان الأخذ بالأقل أولیٰ. ثم التکبیرات من أعلام الدین، حتی یجهر بها، فکان الأصل فیها الجمع، وفي الرکعة الأولی: یجب إلحاقها بتکبیرة الافتتاح؛ لقوتها من حیث الفرضیة والسبق، وفي الثانیة: لم یوجد إلا تکبیر ة الرکوع، فوجب الضم إلیها، والشافعي أخذ بقول ابن عباس رضي اللّٰه عنهما، إلا أنه حمل المرويّ کله علی الزوائد، فصارت التکبیرات عنده خمس عشرة أو ست عشرة. (الهدایة، کتاب الصلاة / باب صلاة العیدین ۱/ ۳۸۸-۳۹۰ مکتبة البشریٰ کراچی) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۲۵ / ۲۷/۹/۱۴۴۱ھ)

عیدین میں سجدۂ سہو کا حکم

سوال (۳۲۵):- عید کی نماز میں اگر سجدۂ سہو والی کوئی بات پائی جائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامدًا ومصلیًا أما بعد:- اگر عید کی نماز میں مجمع بہت زیادہ ہو، اور سجدۂ سہو کرنے میں انتشار کا اندیشہ ہو، تو سجدۂ سہو ترک کردیا جائے گا؛ لیکن اگر زیادہ مجمع نہ ہو،

اور کسی انتشار کا خطرہ بھی نہ ہو، اور نماز عید میں کوئی موجب سہو بات پیش آ جائے۔ مثلاً: تکبیراتِ واجبہ چھوٹ جائیں وغیرہ، تو ایسی صورت میں حسب ضابطہ سجدۂ سہو کیا جائے گا؛ کیوں کہ یہاں سجدہ نہ کرنے کی علت نہیں پائی جا رہی ہے۔ (کتاب المسائل ۱/۳۳۶، اِمداد المفتیین ص:۴۰۶)

السهو في الجمعة والعيدين والمكتوبة والتطوع واحد إلا أن مشائخنا قالوا: لا يسجد للسهو في العيدين والجمعة لئلا يقع الناس في فتنةٍ. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الثاني عشر في سجود السهو ۱/۱۲۸ زكريا)

وأخذ العلامة الواني من هذه السببية أن عدم السجود مقيد بما إذا حضر جمع كثير، أما إذا لم يحضروا فالظاهر السجود لعدم الداعي إلى الترك وهو التشويش. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح / باب سجود السهو ۲۵۳ قديمى كتب خانه كراچى)

والسهو في صلاة العيد والجمعة والمكتوبة والتطوع سواء، والمختار عند المتأخرين عدمه في الأوليين لدفع الفتنة، كما في جمة البحر، وأقرّه المصنف، وبه جزم في الدرر. قوله: عدمه في الأوليين، الظاهر أن الجمع الكثير فيما سواهما كذلك كما بحثه بعضهم وكذا بحثه الرحمتي، وقال: خصوصًا في زماننا وفي جمعه حاشية أبي السعود عن العزمية أنه ليس المراد عدم جوازه؛ بل الأولىٰ تركه لئلا يقع الناس في فتنة. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ۲/۵٦۰ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۲۵ / ۲۷/۹/۱۴۴۱ھ)

عید کی نماز کے بعد دعا کا حکم

سوال (۳۲٦):- عید کی نماز کے بعد دعا مانگنے کا کیا حکم ہے؟ کیا عید کی نماز کے بعد دعا کی کوئی فضیلت ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- جیسے اور نمازوں کے بعد دعا کا حکم

ہے، اِسی طرح عید کی نماز کے بعد بھی دعا کی جائے گی؛ اور چوں کہ اُس میں مجمع زیادہ ہوتا ہے، اِس لئے دعا کی قبولیت کی اُمید بھی زیادہ ہے۔ اور نبی اکرم علیہ السلام کی ایک حدیث سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ عید کے مجمع میں بھی دعائیں کی جاتی ہیں، اِس لئے عید کی نماز کے بعد دعا کا اہتما کرنا اچھا اور بہتر ہے۔ (اِمدادالفتاویٰ جدید ۲/۵۶۴ زکریا، کفایت المفتی ۵/۳۱۰ زکریا)

عن أم عطية رضي الله عنها قالت: أمرنا أن نخرج الحيَّض يوم العيدين وذوات الخدور فيشهدن جماعة المسلمين ودعوتهم ويعتزل الحيّض عن مصلاهن. قالت امرأة يارسول الله الخ. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة / باب وجوب الصلاة في الثياب رقم: ٣٥١، صحيح مسلم، كتاب العيدين / باب اعتزال الحيض المصلي رقم: ٩٨١)

وقد صرح في حدث أم عطية بعلة الحكم وهو شهودهن الخير ودعوة المسلمين ورجاء بركة ذلك اليوم وطهرته، وقد افتت به أم عطية بعد النبي صلى الله عليه وسلم بمدة كما في هذا الحديث، ولم يثبت عن أحد من الصحابة مخالفتها في ذلك. (فتح الباري، كتاب العيدين / باب اعتزال الحيض المصلي ٥٩٨/٢ دار الكتب العلمية بيروت)

عن مسلم بن أبي بكرة عن أبيه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان يدعو في دبر الصلاة، يقول: اللّٰهم إني أعوذ بك من الكفر والفقر وعذاب القبر. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الدعاء ٧٥/١٥ رقم:٢٩٧٤٨ مؤسسة علوم القرآن بيروت، المسند لإمام أحمد بن حنبل ٣٩/٥ رقم: ٢٠٦٨٠- ٤٤/٥ رقم: ٢٠٧٢٠، صحيح ابن خزيمة ٣٨٩/١ رقم:٧٤٦ المكتب الإسلامي)

عن معاذ بن جبل رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أخذ بيده وقال: يا معاذ! والله إني لأحبك، فقال: أوصيك يا معاذ! لا تَدَعُنَّ في دبر كل صلاة تقول: اللّٰهم أعني على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك. (سنن أبي داؤد / باب في الاستغفار ٢١٣/١ رقم: ١٥٢٢)

عن زيد بن أرقم قال: سمعت نبي اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول. وقال سليمان: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول في دبر صلاته: ”اللّٰهم ربنا ورب كل شيء، أنا شهيد أنک أنت الرب وحدک لا شريک لک، اللّٰهم ربنا ورب كل شيء، أنا شهيد أن محمدًا عبدک ورسولک، اللّٰهم ربنا ورب كل شيء، أنا شهيد أن العباد كلهم إخوة، اللّٰهم ربنا ورب كل شيء، اجعلني مخلصًا لک وأهلي في كل ساعة في الدنيا والآخرة، يا ذا الجلال والإكرام، اسمع واستجب، اللّٰه أكبر الأكبر، اللّٰه نور السماوات والأرض – قال سليمان بن داؤد: رب السماوات والأرض – اللّٰه أكبر الأكبر، حسبي اللّٰه ونعم الوكيل، اللّٰه أكبر الأكبر. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / باب ما يقول الرجل إذا سلّم رقم: ١٥٠٨)

عن العرباض بن سارية رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من صلى صلاة فريضة فله دعوة مستجابة. (المعجم الكبير للطبراني ٢٥٩/١٨ رقم:٦٤٧ دار إحياء التراث العربي بيروت)

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: ما من عبد يبسط كفيه في دبر كل صلاة، ثم يقول: اللّٰهم إلهي وإلٰه إبراهيم وإسحاق ويعقوب وإلٰه جبرئيل وميكائيل وإسرافيل عليهم السلام، أسئلک أن تستجيب دعوتي، وتعصمني في ديني؛ فإني مبتلیٰ، وتنالني برحمتک فإني مذنب، وتنفي عني الفقر؛ فإني متمسكن إلا كان حقًا على اللّٰه عزوجل أن لا يرد يديه خائبتين. (عمل اليوم والليلة لابن السني / باب ما يقول في دبر صلاة الصبح؟ ص: ١٢١ رقم:١٣٨ مؤسسة علوم القرآن بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۲۰ / ۱۴۴۱/۹/۲۲ھ)

عیدین میں دعا نماز کے بعد سنت ہے یا خطبہ کے بعد؟

سوال (۳۲۷):- عید کی نماز کے بعد پہلے خطبہ پڑھا جائے گا یا دعا مانگی جائے گی؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- جس طرح عام نمازوں کے بعد دعا کی جاتی ہے، اِسی طرح عیدین کے بعد بھی دعا کی جائے گی۔ اور خطبہ کے اندر تو خود دعائیہ کلمات ہوتے ہیں، تو اُس کے بعد دعا بظاہر بے محل معلوم ہوتی ہے؛ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ نماز عید کے بعد دعا کی جائے۔ (اِمداد الفتاویٰ جدید ۲/۵۶۴ زکریا، کفایت المفتی ۵/۳۱۰ زکریا، فتاویٰ دار العلوم دیوبند/ مسائل نماز عیدین ۵/۱۹۰ مکتبہ دار العلوم دیوبند)

عن أم عطية رضي الله عنها قالت: أمرنا أن نخرج الحيَّض يوم العيدين وذوات الخدور فيشهدن جماعة المسلمين ودعوتهم ويعتزل الحيّض عن مصلاهن. قالت امرأة يارسول الله الخ. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة / باب وجوب الصلاة في الثياب رقم: ۳۵۱، صحيح مسلم، كتاب العيدين / باب اعتزال الحيض المصلي رقم: ۹۸۱)

وقد صرح في حدث أم عطية بعلة الحكم وهو شهودهن الخير ودعوة المسلمين ورجاء بركة ذلك اليوم وطهرته، وقد افتت به أم عطية بعد النبي صلى الله عليه وسلم بمدة كما في هذا الحديث، ولم يثبت عن أحد من الصحابة مخالفتها في ذلك. (فتح الباري، كتاب العيدين / باب اعتزال الحيض المصلي ۲/۵۹۸ دار الكتب العلمية بيروت)

ومنها: أن يدعو وهو مستقبل القبلة، ومنها أن يدعو في دبر صلواته. (شعب الإيمان للبيهقي / باب في الرجاء من الله تعالىٰ، ذكر فصول في الدعاء ۲/۴۵ دار الكتب العلمية بيروت)

عن مسلم بن أبي بكرة عن أبيه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان يدعو في دبر الصلاة، يقول: اللّهم إني أعوذ بك من الكفر والفقر وعذاب القبر. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الدعاء ۱۵/۷۵ رقم:۲۹۷۴۸ مؤسسة علوم القرآن بيروت، المسند لإمام أحمد بن حنبل ۵/۳۹ رقم: ۲۰۶۸۰- ۵/۴۴ رقم: ۲۰۷۲۰، صحيح ابن خزيمة ۱/۳۸۹ رقم:۷۴۶ المكتب الإسلامي)

عن أنس بن مالك رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه

قال: ما من عبد يبسط كفيه في دبر كل صلاة، ثم يقول: اللّٰهم إلهي وإلٰه إبراهيم وإسحاق ويعقوب وإلٰه جبرئيل وميكائيل وإسرافيل عليهم السلام، أسئلك أن تستجيب دعوتي، وتعصمني في ديني؛ فإني مبتلىٰ، وتنالني برحمتك فإني مذنب، وتنفي عني الفقر؛ فإني متمسكن إلا كان حقًا على اللّٰه عزوجل أن لا يرد يديه خائبتين. (عمل اليوم والليلة لابن السني / باب ما يقول في دبر صلاة الصبح؟ ص: ۱۲۱ رقم:۱۳۸ مؤسسة علوم القرآن بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۲۵ / ۱۴۴۱/۹/۲۷ھ)

عیدین کے خطبہ کے بعد باقاعدہ الگ سے دعا کرنا ثابت نہیں

سوال (۳۲۸):- ہمارے اِمام صاحب عید کی نماز میں خطبہ کے بعد دعا کرتے ہیں، تو یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- شریعت میں نماز کے ختم پر دعا کرنا ثابت ہے، تو جیسے فرائض میں سلام کے بعد دعا ہوتی ہے، اِسی طرح عید کی نماز میں بھی سلام کے بعد دعا ہونی چاہئے اور خطبہ کے بعد باقاعدہ الگ سے دعا کرنا ثابت نہیں ہے؛ کیوں کہ خطبہ کے اَخیر میں خود ہی دعائیہ کلمات ہوتے ہیں، تو بعد میں الگ سے دعا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اِس لئے بہتر یہی ہے کہ عید کی نماز کے بعد دعا کی جائے نہ کہ خطبہ کے بعد۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۶ مکتبہ دارالاشاعت، اِیضاح المسائل ۳۳)

عن أبي أمامة رضي اللّٰه عنه قال: قيل يا رسول اللّٰه! أي الدعاء اسمع؟ قال: جوف الليل الآخر ودبر الصلوات المكتوبات. (سنن الترمذي ۱۸۷/۲ مكتبة دار السلام، مشكاة المصابيح / كتاب الصلاة ۸۹) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۴۲ / ۱۴۴۱/۱۲/۲۵ھ)

خطبہ عید کے بعد دعا کا قدیم معمول ترک کرنا

سوال (۳۲۹):- میرے گاؤں میں عید کی نماز کے بعد خطبہ ہوتا ہے، اُس کے بعد

دعا ہوتی ہے، ۳۵؍سال سے اِسی طرح نماز ہورہی تھی؛ لیکن کچھ لوگوں نے اعتراض کیا کہ دعا نماز کے بعد ہونی چاہئے، تو آپ صحیح طریقہ بتائیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- صحیح طریقہ تو یہی ہے کہ نمازعید کے بعد دعا ہو، خطبہ کے بعد دعا کا ثبوت ہماری نظر سے کہیں نہیں گذرا؛ کیوں کہ خطبے کے اخیر میں خود دعائیں ہوتی ہیں، تو پھر بعد میں الگ سے دعا کا کیا مطلب ہے؟ اِس لئے بہتر یہی ہے کہ سب اسی پر اتفاق کرلیں کہ نماز کے بعد دعا ہوگی پھر خطبہ پڑھا جائے گا۔

عن أم عطية رضي الله عنها قالت: أمرنا أن نخرج الحيَّض يوم العيدين وذوات الخدور فيشهدن جماعة المسلمين ودعوتهم وتعتزل الحيّض عن مصلاهن، قالت امرأة: يا رسول الله الخ. (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين ١٢٥/١ المكتبة الأشرفية ديوبند رقم: ١٣٤٣، صحيح مسلم، كتاب العيدين / فصل في إخراج العواتق وذوات الخدور، ٢٩١/١ رقم: ٨٩١ بيت الأفكار الدولية، صحيح البخاري، كتاب العيدين / باب التكبير أيام منىٰ ١٣٢/١ رقم: ٩٦١ ف: ٩٧١)

وقد صرح في حديث أم عطية بعلة الحكم، وهو شهودهن الخير ودعوة المسلمين ورجاء بركة ذلك اليوم وطهرته، وقد افتت به أم عطية بعد النبي صلى الله عليه وسلم بمدة كما في هذا الحديث ولم يثبت عن أحد من الصحابة مخالفتها في ذلك. (فتح الباري / باب اعتزال الحيض المصلي ٥٩٨/٢ دار الكتب العلمية بيروت)

عن أبي أمامة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قيل: يا رسول الله! أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر ودبر الصلوات المكتوبات. (سنن الترمذي، أبواب الدعوات / باب بلا ترجمة ١٨٧/٢ رقم: ٣٤٩٩، السنن الكبرى للنسائي / باب ما يستحب من الدعاء دبر الصلوات المكتوبات ٣٢/٦ رقم: ٩٩٣٦ دار الكتب العلمية بيروت)

عن مسلم بن أبي بكرة عن أبيه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان

يدعو في دبر الصلاة، يقول: اللّٰهم إني أعوذ بك من الكفر والفقر وعذاب القبر. (المصنف لابن أبي شيبة / كتاب الدعاء ١٥/٧٥ رقم: ٢٩٧٤٨ مؤسسة علوم القرآن بيروت، المسند لإمام أحمد بن حنبل ٥/٣٩ رقم: ٢٠٦٨٠، ٥/٤٤ رقم: ٢٠٧٢٠، صحيح ابن خزيمة ١/٣٨٩ رقم:٧٤٦ المكتب الإسلامي)

عن ورّادٍ كاتب المغيرة بن شعبة قال: أملي عليّ المغيرة بن شعبة في كتاب إلي معاوية أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يقول في دبر كل صلاة مكتوبة: لا إله إلا اللّٰه وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد، وهو على كل شيء قدير، اللّٰهم لا مانع لما أعطيت ولا معطي لما منعت، ولا ينفع ذا الجّد منك الجّد. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة / باب الذكر بعد الصلاة ١/١١٧ رقم: ٨٣٦ ف: ٨٤٤)

عن معاذ بن جبل رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أخذ بيده وقال: يا معاذ! واللّٰه إني لأحبك، فقال: أوصيك يا معاذ! لا تَدَعُنَّ في دبر كل صلا ة تقول: اللّٰهم أعني علىٰ ذكرك وشكرك وحسن عبادتك. (سنن أبي داؤد / باب في الاستغفار ١/٢١٣ رقم: ١٥٢٢)

عن العرباض بن سارية رضي اللّٰه عنه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من صلى صلاة فريضة فله دعوة مستجابة. (المعجم الكبير للطبراني ١٨/٢٥٩ رقم: ٦٤٧ دار إحياء التراث العربي بيروت)

عن أنس بن مالك رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: ما من عبد يبسط كفيه في دبر كل صلاة، ثم يقول: اللّٰهم إلهي وإله إبراهيم وإسحٰق ويعقوب وإله جبرئيل وميكائيل وإسرافيل عليهم السلام، أسئلك أن تستجيب دعوتي، وتعصمني في ديني، فإني مبتلىٰ، وتنالني برحمتك فإني مذنب، وتنفي عني الفقر فإني متمسكن إلا كان حقًا على اللّٰه

عزوجل أن لا یرد یدیه خائبتین. (عمل الیوم واللیلة لابن السني / باب ما یقول في دبر صلاة الصبح؟ ص: ۱۲۱ رقم:۱۳۸ مؤسسة علوم القرآن بیروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۴۸ / ۱۴۴۲/۲/۹ھ)

تکبیرِ تشریق ۱۳/ذی الحجہ کی عصر تک کیوں ہے؟

سوال (۳۳۰):- تکبیرِ تشریق ۱۳/ذی الحجہ کی عصر تک کیوں ہے؟ حالاں کہ قربانی ۱۲/تاریخ تک ختم ہوجاتی ہے؟

الجواب حامدًا ومصلیًا أما بعد:- تکبیرِ تشریق کا تعلق مناسکِ حج کے وقت سے ہے اور مناسک حج کا باقاعدہ آغاز نویں تاریخ یوم عرفہ سے ہوتا ہے، اور اَرکان ومناسک حج کا آخری دن ۱۳/ذی الحجہ ہے، اِس لئے تکبیراتِ تشریق ۹/ذی الحجہ کی فجر سے ۱۳/ذی الحجہ کی عصر تک پڑھی جاتی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ تکبیرِ تشریق کا تعلق قربانی کے وقت سے نہیں؛ بلکہ حج کے وقت سے ہے۔ (مستفاد: کتاب النوازل ۱۴/۵۹۴)

لأن التکبیر لتعظیم الوقت الذي شرع فیه المناسک، وأوله یوم عرفة، إذ فیه یقام معظم أرکان الحج وهو الوقوف. (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة / الکلام في الختم وبیان وقت التکبیر ۱/۴۵۹ زکریا)

وأما وقته فأوله عقیب صلاة الفجر من یوم عرفة وأخره في قول أبي یوسف ومحمد عقیب صلاة العصر من آخر أیام التشریق. (الفتاویٰ الهندیة ۱/۱۵۲ زکریا، تبیین الحقائق ۱/۵۴۵ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۴۱ / ۱۴۴۱/۱۲/۱۸ھ)

سلام پھیرتے ہی جس کا وضو ٹوٹ جائے اس پر تکبیرِ تشریق واجب ہے یا نہیں؟

سوال (۳۳۱):- اگر کسی شخص نے نماز پڑھی اور سلام پھیرتے ہی اس کا وضو ٹوٹ گیا

بلاارادہ، تو اب اس پر تکبیر تشریق واجب رہے گی یا نہیں رہے گی؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- چوں کہ وضو بلاارادہ ٹوٹا ہے اس لئے اس پر تکبیر تشریق واجب رہے گی اور اسے ''**اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر لا إله إلا اللّٰه واللّٰه أكبر اللّٰه أكبر ولله الحمد**'' یہ پڑھنا چاہئے، اور یہ تو سب کو علم ہے ہی کہ ۹؍ ذی الحجہ کی فجر سے لے کر تیرہ ذی الحجہ کی عصر تک ہر نماز کے بعد مرد وعورت، منفرد یا امام سب پر یہ تکبیر پڑھنا واجب قرار دیا گیا ہے اس لئے اس کا اہتمام ہونا چاہئے۔

فلو خرج من المسجد أو تكلم عامدًا أو ساهيًا أو أحدث عامدًا سقط عنه التكبير. (رد المحتار ٦٣/٣ زكريا)

ويجب تكبير التشريق في الأضح مرةً، وصفته: اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر، لا إلٰه إلا اللّٰه واللّٰه أكبر اللّٰه أكبر ولله الحمد عقب كل فرض. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب العيدين ٦١/٣-٦٣ زكريا)

وأما وقته: فأوله عقيب صلاة الفجر من يوم عرفة، وآخره في قول أبي يوسف ومحمد عقيب صلاة العصر من آخر أيام التشريق. (الفتاویٰ الهندية / كتاب الصلاة ١٥٢/١ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۳۷ / ۱۴۴۱/۱۱/۲۷ھ)

عید کے دن کے مسنون اَعمال

سوال (۳۳۲):- عید کے دن کے مسنون اَعمال کیا ہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- عید کے دن سویرے اُٹھنا، غسل کر کے اچھے کپڑے پہننا، خوشبو لگانا، اور خوشی کا اظہار کرنا، عید کی نماز کو جانے سے قبل کھجور یا کوئی میٹھی چیز کھانا، جن لوگوں پر صدقہ فطر واجب ہے، اُسے نماز سے پہلے اَدا کرنا، عید کی نماز کے لئے پیدل جانا، ایک راستے سے جانا اور دوسرے سے آنا مسنون ہے۔ علاوہ اَزیں عید کے دن تکبیر ''**اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر لا إله إلا اللّٰه واللّٰه أكبر اللّٰه أكبر ولله الحمد**'' کا

کثرت سے وردرکھا جائے۔

ویستحب یوم الفطر للرجل: الاغتسال والسواک ولبس أحسن ثيابه، كذا في القنية، جديدًا كان أو غسيلاً، كذا في محيط السرخسي، ويستحب التختم والتطيب والتكبير وهو سرعة الانتباه والابتكار وهو المسارعة إلى المصلى، وأداء صدقة الفطر قبل الصلاة وصلاة الغداة في مسجد حيه، والخروج إلى المصلیٰ ماشيًا، والرجوع في طريق آخر، كذا في القنية. واستحب في عيد الفطر أن يأكل قبل الخروج إلى المصلى تميرات ثلاثًا أو خمسًا أو سبعًا أو أقل أو أكثر، بعد أن يكون وترًا، وإلا ما شاء من أي حلو كان، كذا في العيني شرح الكنز. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب السابع عشر في صلاة العيدين ١٤٩/١ قديم زكريا)

ولا يكبر في طريقها لكن تعقبه في النهر، ورجح تقييده بالجهر، زاد في البرهان. وقالا: الجهر به سنة، كالأضحى وهي رواية عنه (الدر المختار) قوله في طريقها: ليس التقييد به للاحتراز عن البيت أو المصلى، وإنما هو لبيان المخالفة بين عيد الفطر والأضحى، فإن السنة في الأضحى التكبير في الطريق، كما سيأتي. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب العيدين ٥٠/٣ زكريا)

ويكبر جهرًا اتفاقًا في الطريق، قيل: وفي المصلى، وعليه عمل الناس اليوم لا في البيت (الدر المختار) قوله: اتفاقًا، أما في الفطر فقد علمت ما فيه من الخلاف في أصل التكبير أو في صفته وهي الجهر. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب العيدين ٥٩/٣ زكريا)

وندب يوم الفطر أن يطعم اقتداء بالنبي صلى الله عليه وسلم، ويستحب كون ذلک المطعوم حلوًا، لما روى البخاري كان عليه السلام لا يغدو يوم الفطر حتى يأكل تمرات ويأكلهن وترًا، وأما ما يفعله الناس في زماننا من جميع التمر مع اللبن والفطر عليه فليس له أصل في السنة. (البحر الرائق، كتاب

الصلاة / باب صلاة العيدين ٢٧٨/٢ دار الكتب العلمية بيروت، ١٥٨/٢ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲۸ / ۱۴۴۱/۹/۳۰ھ)

عید کے دن عیدی کے لین دین کا حکم

سوال (۳۳۳):- عید کے دن عیدی لینے دینے کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ کیا یہ حضور سے ثابت ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- عیدی کا لین دین فرض یا واجب نہیں ہے، اور نہ ہی صراحۃً پیغمبر علیہ السلام سے اِس کا ثبوت ملتا ہے؛ لیکن یہ ایک خوشی کا موقع ہے، اور ہدیہ دینے سے محبت میں اِضافہ ہوتا ہے؛ اِس لئے اگر مؤمن کے دل کو خوش کرنے کی نیت سے حسب وسعت اِس روز ہدیہ پیش کیا جائے، تو اِن شاء اللہ یہ موجب اجر ہوگا۔ مشہور محدث اور فقیہ حضرت حماد بن ابی سلیمانؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ ہر سال عید کے موقع پر متعلقین کو بیش قیمت ہدایا سے نوازتے تھے۔

عن عائشة أم المؤمنين رضي الله عنها قالت: تهادوا تزدادوا حبًا.

(المعجم الأوسط ٥٤/٦ رقم: ٥٧٧٥ دار الحرمين للطباعة والنشر والتوزيع القاهرة، فيض القدير ٢٧١/٣ رقم: ٣٣٧٥ دار المعرفة بيروت)

قال أحمد بن عبد الله العجلي، وبلغنا أن حمادًا كان ذا دنيا متسعة، وأنه كان يفطر في شهر رمضان خمس مائة إنسان، وأنه كان يعطيهم بعد العيد لكل واحد مائة درهم ...... وعن الصلت بن بسطام قال: وكان يفطر كل يوم في رمضان خمسين إنسانًا، فإذا كان ليلة الفطر كساهم ثوبًا ثوبًا. (سير أعلام النبلاء، حماد بن أبي سليمان مسلم الكوفي / الطبقة الثالثة ٢٣٤/٥-٢٣٨ مؤسسة الرسالة) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲۵ / ۱۴۴۱/۹/۲۷ھ)

سنن ونوافل

سنتِ مؤکدہ چھوڑنے پر گناہ

سوال (۳۳۴):- کیا سنتِ مؤکدہ چھوڑنے پر گناہ ملتا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- سنت مؤکدہ کو بلا عذر مستقل چھوڑنے والا شخص شرعاً گنہگار ہے؛ لیکن اتفاقاً کسی عذر کی وجہ سے اگر سنت چھوٹ جائے تو مؤاخذہ نہیں ہوگا۔

سنة مؤكدة قوية قريبة من الواجب حتى أطلق بعضهم عليه الوجوب، ولهٰذا قال محمد: لو اجتمع أهل بلد علىٰ تركه قاتلناهم عليه. وعند أبي يوسف يحبسون ويضربون وهو يدل علىٰ تأكده لا علىٰ وجوبه. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب الأذان ۲۵۵/۱ كراچی)

بخلاف سنة الهدى وهي السنن المؤكدة القريبة من الواجب التي يضلل تاركها؛ لأن تركها استخفاف بالدين. (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الطهارة / مطلب: في السنة وتعريفها ۲۱۸/۱ زكريا)

وحكمها ما يؤجر علىٰ فعله ويلام علىٰ تركه ...... والشرط في المؤكدة المواظبة مع ترك ولو حكمًا (الدر المختار) قوله: يلام: لكن في التلويح: ترك السنة المؤكدة قريب من الحرام يستحق حرمان الشفاعة لقوله عليه السلام: من ترك سنتي لم ينل شفاعتي. وفي التحرير: أن تاركها يستوجب

التضليل واللوم. والمراد الترک بلا عذرٍ علیٰ سبيل الإصرار كما في شرح التحرير لابن أمير الحاج ...... وفي البحر من باب صفة الصلاة: الذي يظهر من كلام أهل المذهب أن الإثم منوط بترک الواجب أو السنة المؤكدة على الصحيح، لتصريحهم بأن من ترک سنن الصلوات الخمس قيل لا يأثم، والصحيح أنه يأثم. ذكره في فتح القدير. (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الطهارة / مطلب: في السنة وتعريفها ۲۱۹/۱-۲۲۰ زكريا)

وفي النوازل: ترک سنن الصلاة الخمس إن لم يرها حقًا كفر، وإن رآها وترک قيل: لا يأثم. والصحيح أنه يأثم؛ لأنه جاء الوعيد بالترک، ولا يخفى أن الإثم منوط بترک الواجب، وقد قال صلى اللّٰه عليه وسلم للذي قال: والذي بعثک بالحق لا أزيد علیٰ ذٰلک شيئًا "أفلح إن صدق" نعم يستلزم ذٰلک الإساءة وفوات الدرجات والمصالح الأخروية المنوطة بفعل سنن الرسول صلى اللّٰه عليه وسلم، هٰذا إذا تجرد الترک عن استخفاف؛ بل يكون مع رسوخ الأدب والتعظيم؛ فإن لم يكن كذلک دار بين الكفر والإثم بحسب الحال الباعثة له على الترک. (فتح القدير، كتاب الصلاة / باب النوافل ۴۳۹/۱ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۳۳ / ۱۴۴۱/۱۰/۲۸ھ)

سنت اور نفل میں قیام کا حکم

سوال (۳۳۵):- نماز میں قیام صرف فرض اور واجب نماز میں ہی فرض ہے یا سنت اور نفل میں بھی فرض ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- صرف فرض، واجب اور فجر کی سنت میں قیام فرض ہے، اور سنت اور نفل میں حکم یہ ہے کہ اگر کھڑے ہوکر پڑھیں تو کامل ثواب ملے گا۔ اور اگر بلا عذر بیٹھ کر پڑھیں گے تو آدھا ثواب ملے گا، مگر نماز بہرحال درست ہوجائے گی۔

عن عمران بن حصين رضي الله عنه أنه سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الرجل يصلي قاعدًا؟ قال: من صلى قائمًا فهو أفضل، ومن صلى قاعدًا فله نصف أجر القائم، ومن صلى نائمًا فله نصف أجر القاعد. (سنن ابن ماجة / باب صلاة القاعد على النصف من صلاة القائم ص: ۸۷ مير محمد كتب خانه)

من فرائضها التي لا تصح بدونها التحريمة قائمًا، ومنها: القيام في فرض وسنة فجر في الأصح لقادر عليه. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ۲/۱۲۷-۱۳۲ زكريا)

قوله: (يجوز النفل قاعدًا) مطلقًا من غير كراهة، كما في مجمع الأنهر. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح / فصل في بيان صلاة النفل جالسًا ص: ۴۰۲ قديمی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۱۷ / ۱۴۴۱/۹/۱۹ھ)

نوافل میں ایک ہی سورت کا تکرار

سوال (۳۳۶):- نوافل اور خصوصاً تہجد واوابین کے نوافل میں اگر کسی کو لمبی سورت یاد نہ ہو، یا وہ حافظ نہ ہو، تو چھوٹی سورت کو بار بار ایک ہی رکعت میں تطویل قرأت کی نیت سے پڑھنا کیسا ہے؟ اور فرائض میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- انفرادی نوافل میں ایک سورت کو بار بار پڑھنے میں حرج نہیں ہے؛ البتہ فرائض میں بالقصد سورت کے تکرار کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے؛ تاہم اگر بھولے سے دوبارہ پڑھ لے تو کراہت نہ ہوگی۔

يكره تكرار السورة في ركعة واحدةٍ من الفرض، وكذا تكرارها في الركعتين أن حفظ غيرها وتعمده لعدم وروده، فإن لم يحفظه وجب قراء تها لوجوب ضم السورة للفاتحة، وإن نسي لا يترك لقوله عليه السلام: إن

فتحت سورة فأقرأها على نحوها، وقيد بالفرض؛ لأنه لا يكره التكرار في النفل؛ لأن شأنه أوسع؛ لأنه صلى الله عليه وسلم قام إلى الصباح بآية واحدة، يكررها في تهجده، وجماعة من السلف كانوا يحيون ليلتهم بآية العذاب أو الرحمة أو الرجاء أو الخوف. قوله: ويكره قراءة سورة، وكذا الآية فوق الآية مطلقًا، سواء كان في ركعتين أو ركعة، واستثنى في الأشباه النافلة فلا يكره فيها ذلك، وأقره عليه الغزي والحموي ونقله عن أبي اليسر وجزم به في البحر والدرر وغيرهما. (مراقي الفلاح على هامش الحاشية الطحطاوي / فصل في المكروهات ص: ۱۹۳ قديمی كتب خانه كراچی)

وإذا كرره آية واحدةً مرارًا، فإن كان في التطوع الذي يصلي وحده فذلك غير مكروه، وإن كان في الصلاة المفروضة فهو مكروه في حالة الاختيار، وأما في حالة العذر والنسيان فلا بأس؛ هكذا في المحيط. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الفصل الثاني فيما يكره للصلاة وما لا يكره ۱۰۷/۱ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۲۹ / ۱۴۴۱/۱۰/۷ھ)

ظہر کی سنتوں میں ایک سورت کو دوبارہ پڑھ دیا

سوال (۳۳۷):- اگر ظہر کی ۴؍سنتوں میں ایک ہی سورت دوبارہ پڑھ دی، تو کیا حکم ہے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں نماز درست ہوگئی، ایک سورت دوبارہ پڑھنے سے نماز میں کوئی فساد نہیں آتا ہے۔

لا بأس أن يقرأ سورة ويعيدها في الثانية. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ۲۶۸/۲ زكريا)

يكره تكرار السورة في ركعة واحدةٍ من الفرض، وقيد بالفرض؛ لأنه

لا يكـره التكرار في النفل؛ لأن شأنه أوسع؛ لأنه صلى الله عليه وسلم قام إلى الـصبـاح بـآية واحـدة، يكررها في تهجده، وجماعة من السلف كانوا يحيون ليلتهم بآية العذاب أو الرحمة أو الرجاء أو الخوف. (مراقي الفلاح على هامش الحاشية الطحطاوي / فصل في المكروهات ص: ۱۹۳ قديمى كتب خانه كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۲۹ / ۷/۱۰/۱۴۴۱ھ)

ہر رکعت میں ضم سورت کے بعد سورۂ اخلاص پڑھنا

سوال (۳۳۸):- کیا جہری نمازوں میں سورۂ فاتحہ اور سورت کی تلاوت کے بعد ہر رکعت میں اِمام سورۂ اخلاص پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ جیسا کہ بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے کہ اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام نے ایک شخص کو ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجا تو وہ ہر نماز میں جو بھی سورت پڑھتے اُس کے اخیر میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ بھی پڑھتے، جب وہ لشکر واپس آیا تو جو لوگ لشکر میں ساتھ گئے تھے، اُنہوں نے پیغمبر علیہ السلام سے تذکرہ کیا کہ ہمارے امیر صاحب نے ہر رکعت میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھی ہے، تو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ اُن سے پوچھو کہ اُنہوں نے یہ عمل کیوں کیا؟ تو اُنہوں نے جواب دیا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا بیان ہے، اس لئے مجھے اِس سورت سے محبت ہے، تو حضور اکرم علیہ السلام نے فرمایا کہ ''اُنہیں بتادو کہ اللہ تعالیٰ بھی اُن سے محبت کرتے ہیں''۔ تو کیا اِس روایت پر عمل کرتے ہوئے اگر امام صاحب ہر رکعت میں دیگر سورت کے ساتھ سورۂ اخلاص کی بھی تلاوت کرلیں، تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- سوال میں ذکر کردہ واقعہ صحیح ہے، اور اُصولاً وہ نماز بھی درست ہے جس میں ہر رکعت میں دوسری سورت کے ساتھ سورۂ اخلاص ملا کر پڑھی جائے؛ لیکن دوسری طرف یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ نبی اکرم علیہ السلام نے سفر یا حضر میں جتنی بھی نمازیں پڑھائیں، کبھی آپ نے یہ عمل نہیں فرمایا، جو اُن صحابی نے کیا تھا۔ اِسی طرح

خلفائے راشدین یا دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ایسا کوئی ثبوت نہیں ہے، جو اِس بات کی دلیل ہے کہ دورِنبوت اور دورِ صحابہ میں ہر رکعت میں سورۂ اخلاص ملانے کا معمول نہ تھا، اِسی وجہ سے مذکورہ صحابی کے عمل کو دیکھ کر اُن کے ساتھیوں نے بھی حیرت کا اظہار کیا تھا، اِس لئے یہی کہا جائے گا کہ اُن صحابی کا عمل ایک خاص کیفیت پر مبنی تھا، جس کی اتباع اور تقلید کا دوسروں کو حکم نہیں دیا گیا۔ اور ہمارے لئے اِس بارے میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اُسوۂ مبارکہ ہی قابل اتباع ہے؛ تاہم آج بھی اگر کوئی اس طرح نماز پڑھ لے تو اُس کی نماز درست ہوجائے گی، مگر فرض نمازوں میں اِس کا معمول نہیں بنانا چاہئے؛ کیوں کہ اِس سے سننے والوں میں بلاوجہ تشویش پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

عن أنس رضي اللّٰه عنه كان رجل من الأنصار يؤمهم في مسجد قباء، وكان كلما افتتح سورة يقرأ بها لهم في الصلاة مما يقرأ به افتتح بقل هو اللّٰه أحد حتى يفرغ منها، ثم يقرأ سورة أخرىٰ معها وكان يصنع ذلك في كل ركعة، فكلمه أصحابه فقالوا: إنك تفتتح بهذه السورة، ثم لا ترى أنها تجزئك حتى تقرأ بأخرى، فإما تقرأ بها وإما أن تدعها وتقرأ بأخرىٰ! فقال: ما أنا بتاركها! إن أحببتم أن أؤمكم بذلك فعلت، وإن كرهتم تركتكم. وكانوا يرون أنه من أفضلهم وكرهوا أن يؤمهم غيره، فلما أتاهم النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أخبروه الخبر، فقال: يا فلان! ما يمنعك أن تفعل ما يأمرك به أصحابك؟ وما يحملك على لزوم هذه السورة في كل ركعة؟ فقال: أني أحبها. فقال: حبك إياها أدخلك الجنة. (صحيح البخاري، كتاب الأذان / باب الجمع بين السورتين في الركعة رقم: ٧٧٤ دار الفكر بيروت)

قلت: وفي كلام الصحابة. وقولهم: إنك تفتتح بهذه السورة ثم لا ترى أنها تجزئك حتى تقرأ بالأخرى. فإما أن تقرأ بها (فحسب ١٢) وإما أن

تدعها وتقرأ بأخرىٰ. دلالة على أن الجمع بين السورتين في ركعة من الفرض مما لا ينبغي فعله. قال الحافظ في الفتح: قوله: فكلمه أصحابه يظهر منه أن صنيعه ذلك خلاف ما ألفوه من النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، أهـ. (٢١٤/٢) قلت: وهو كما قال، فإنه لم يثبت عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه جمع بين السورتين في ركعة من الفرائض إلا ما ورد عنه أنه فعل ذلك في التطوع. (إعلاء السنن، أبواب القراءة / باب استحباب سورة في ركعة الخ ١٢٧/٤ دار الكتب العلمية بيروت، فتح الباري ٣٢٨/٢ دار الكتب العلمية بيروت)

مع أنهم صرحوا أن الأفضل في كل ركعة الفاتحة وسورة تامة. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ٢٦١/٢ زكريا)

ولو جمع بين سورتين في ركعة لا ينبغي أن يفعل ولو فعل لا بأس به ...... قال في الخلاصة: هذا كله في الفرائض، أما في النوافل فلا يكره. (فتح القدير، كتاب الصلاة / فصل في القراءة ٣٤٣/١ دار الفكر بيروت، الدر المختار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ٢٦٩/٢ زكريا)

أخرج الطحاوي بسند رجاله ثقات عن أبي العالية قال: أخبرني من سمع النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: لكل سورة ركعة. (شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة / باب جمع السور في ركعة ٣٤٥/١ رقم: ٢٠٢٩ عالم الكتب، إعلاء السنن، أبواب القراءة / باب استحباب سورة في ركعة الخ ١٢٥/٤ دار الكتب العلمية بيروت)

فليس معناه إلا أن يأتي بسورة في ركعة؛ لأنه ورد في جواب رجل قال له: إني قرأت الفصل في ركعة، وحاصله الإنكار على جمعه بين السور في ركعة. (إعلاء السنن، أبواب القراءة / باب استحباب سورة في ركعة الخ ١٢٥/٤ دار الكتب العلمية بيروت)

قوله: (حبک إياها ......) الخ، وقد مر أنه تصويبٌ للنية دون العمل، مع

أنه سبق منه الاعتراض عليه أيضًا، حيث قال: ''ما يمنعك أن تفعل ما يأمرك به أصحابك'' وفيه: أن الأحسن أن لا يُعين سورةً من القرآن لشيء من الصلوات، كما في الكنز. واستثنى منه ابن نُجيم التقيد بالسور التي ثبتت عن النبي صلى الله عليه وسلم، فالتعيين بقدره يجوز. (فيض الباري، كتاب الأذان / باب الجمع بين السورتين في ركعة ۳۵۹/۲ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۱۶ / ۱۴۴۱/۹/۱۸ھ)

تہجد کی ہر رکعت میں مخصوص تعداد میں سورۂ اخلاص پڑھنا

سوال (۳۳۹):- ایک صاحب نے بتایا کہ تہجد کی نماز کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی رکعت میں ۱۲؍مرتبہ سورۂ اخلاص، دوسری رکعت میں ۱۱؍مرتبہ، تیسری میں ۱۰؍مرتبہ الخ، تو ایسا کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- سوال میں تہجد کی نماز کا جو طریقہ مذکور ہے، وہ اگرچہ فی نفسہٖ جائز ہے؛ لیکن کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے، غالبًا یہ کسی بزرگ نے ایسے لوگوں کے لئے تجویز کیا ہے، جن کو سورۂ اِخلاص کے علاوہ قرآنِ کریم کا کوئی حصہ یاد نہیں ہے، تو وہ اِس طریقے پر کچھ لمبی نماز پڑھ سکتے ہیں؛ لیکن جو حضرات حافظ قرآن ہوں، یا اُنہیں طویل سورتیں یاد ہوں، تو اُن کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ تہجد کے نوافل میں زیادہ سے زیادہ قرآنِ کریم پڑھنے کا اہتمام کریں، اِسی میں زیادہ ثواب ملے گا۔

وفرض القراءة آية على المذهب وحفظها فرض عين متعين على كل مكلف، وحفظ جميع القرآن فرض كفاية. (تنوير الأبصار على الدر المختار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ۲۵۷/۲-۲۵۸ زكريا)

لا بأس أن يقرأ سورة ويعيدها في الثانية ...... ولا يكره في النفل شيء من ذلك. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ۲۶۸/۲-۲۶۹ زكريا)

عن عبد الله بن أبي أوفى قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم

فقال: إني لا استطيع أن آخذ من القرآن شيئًا فعلمني ما يجزئني منه قال: قل سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم. قال: يا رسول الله! هٰذا لله عزوجل، فما لي؟ قال: قل: اللّٰهم ارحمني وارزقني وعافني واهدني، فلما قام قال: هٰكذا بيده، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أما هذا فقد ملأ يده من الخير. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / باب ما يجزئ الأمي والأعجمي من القراءة ص: ١٦٢ رقم: ٨٣٢ دار الفكر بيروت)

عن رفاعة بن رافع رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا أنت قمت في صلاتك فكبر الله تعالىٰ، ثم اقرأ ما تيسر عليك من القرآن.

(سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / حديث المسيء صلاته ص: ١٦٧ رقم: ٨٦٠ دار الفكر بيروت)

ونقل صاحب عون المعبود عن شارح المصابيح: قال صاحب المصابيح: اعلم أن هذه الواقعة لا تجوز أن تكون في جميع الأزمان؛ لأن من يقدر على تعلم هذه الكلمات لا محالة يقدر على تعلم الفاتحة، بل تأويله لا أستطيع أن أتعلم شيئًا من القرآن في هذه الساعة، وقد دخل علي وقت الصلاة، فإذا فرغ من تلك الصلاة لزمه أن يتعلم، انتهى.

قال القاري عن الطيبي بعد ذكر التأويل الأول: وتوهم بعضهم من إيراد هذا الحديث في هذا الباب أن هذه القصة في الصلاة، فقال: لا يجوز ذلك في جميع الأزمنة؛ لأن من قدر على تعلم هذه الكلمات يقدر على تعلم فاتحة الكتاب [لا محالة] بل تأويله أني لا أستطيع أن أتعلم شيئًا من القرآن في هذه الساعة، وقد دخل علي وقت الصلاة، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: قل: سبحان الله ...... الخ. فمن دخل عليه وقت صلاة مفروضة، ولم يعلم الفاتحة، وعلم شيئًا من القرآن، لزمه أن يقرأ بقدر الفاتحة عدد آيات

وحروف، فإن لم يعلم شيئًا منه يقول هذه الكلمات. (بذل المجهود في حل سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / باب ما يجزئ الأمي والأعجمي من القراءة ٢٦٥/٤-٢٦٦ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي، عون المعبود ص: ٣٨٩ بيت الأفكار الدولية) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۲۱ / ۱۴۴۱/۹/۲۳ھ)

سنت کی آخری رکعت میں سورت ملانا بھول گیا

سوال (۳۴۰):- بعض اَوقات سنت پڑھتے وقت آخری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت ملائے بغیر رکوع میں چلے جاتے ہیں، یہ سمجھتے ہوئے کہ گویا ہم فرض نماز پڑھ رہے ہیں، خیال نہیں رہتا ہے تو اَب نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- ایسی صورت میں سجدۂ سہو کرنا ضروری ہوگا؛ کیوں کہ سنت یا نفل نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ بھی واجب اور اُس کے ساتھ ایک سورت یا کم اَزکم اتنی مقدار قرآنِ پاک کی آیات کا ملانا واجب ہے، اگر سجدۂ سہو نہیں کیا، تو نماز دوہرائی جائے گی۔

هي فرض عملي في جميع ركعات النفل والوتر وفي ركعتين من الفرض. (شامي، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ١٣٣/٢ زكريا)

وتفرض القراءة عملاً في ركعتي الفرض وكل النفل للمنفرد؛ لأن كل شفع صلاة. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ٤٧٤/٢ زكريا، الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الرابع في صفة الصلاة ١/٢-١١ مكتبة الاتحاد ديوبند، كذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ٣٧/٢ كراچی)

وإن تركها في الأخريين لا يجب إن كان في الفرض، وإن كان في النفل أو الوتر وجب عليه، كذا في البحر الرائق. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الثاني عشر في سجود السهو ٢٢٨/٢ رقم: ٢٢١٢ مكتبة الاتحاد ديوبند)

وفي المجتبى: إذا ترك من الفاتحة آية وجب عليه السجود، وإن

تـركها في الأخريين لا يجب إن كان في الفرض، وإن كان في النفل أو الوتر وجب عليه لوجوبها في الكل. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب سبب سجود السهو ١٦٦/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۳۰/ ۱۴۴۱/۹/۵ھ)

سنت کی چوتھی رکعت میں سورت ملانا بھول گیا

سوال (۳۴۱):- اگر ظہر کی ۴ ؍سنتوں میں سے تیسری رکعت میں سورت ملانا بھول جائے اور بعد میں سجدۂ سہو کرلے، تو کیا سنت اَدا ہوجائے گی؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- مسئولہ صورت میں سنت کی تیسری رکعت میں بھی سورت ملانا واجب تھا، اُس کے ترک کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہوا؛ لہٰذا حسب تحریر سوال جب سجدۂ سہو کرلیا تو نماز درست اور سنت اَدا ہوگئی۔ دوہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

وهي فرض عملي في جميع ركعات النفل والوتر وفي ركعتين من الفرض.

(شامي، كتاب الصلاة / مبحث القراءة ١٣٣/٢ زكريا)

ولها واجبات لا تفسد بتركها وتعاد وجوبًا في العمد والسهو إن لم يسجد له، وإن لم يعدها يكون فاسقًا آثمًا، وهي قراءة فاتحة الكتاب وضم سورة كالكوثر، أو ما قام مقامها وهو ثلاث آيات قصار نحو: ﴿ثُمَّ نَظَرَ. ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ. ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ﴾ وكذا لو كانت الآية أو الآيتان تعد ثلاثًا قصارًا في الأوليين من الفرض، وفي جميع ركعات النفل؛ لأن كل شفع منه صلاة. (الدر المختار على رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة، مطلب: واجبات الصلاة ١٤٦/٢-١٥٠ زكريا، الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الرابع في صفة الصلاة ٦٩/١ دار إحياء التراث العربي بيروت، مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة / فصل في واجب الصلاة ص: ٩١ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۱۴/ ۱۴۴۱/۹/۱۲ھ)

فجر کی سنتیں رہ جائیں تو قضاء کی کیا صورت ہے؟

سوال (۳۴۲):- ہم نے وقت تنگ ہونے کی وجہ سے فجر کی صرف ۲؍رکعت فرض اَدا کرلی تھیں، سنت رہ گئی، اور یہ خیال تھا کہ اشراق کے وقت اَدا کرلیں گے، مگر اُس وقت سوگئے اور موقع نہیں ملا، تو کیا یہ چھوٹی ہوئی سنتیں ظہر کی فرض نماز سے پہلے قضا کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- دراصل سنت کی بعد میں کوئی قضا نہیں ہے۔ بعض اَئمہ نے فرمایا کہ اِشراق کے وقت پڑھ لیں تو بہتر ہے، اِس لئے اہتمام یہی ہونا چاہئے کہ اگر فجر کے وقت چھوٹ جائیں تو اِشراق کے وقت زوال سے پہلے پہلے پڑھ لیں، اور اُس کے بعد اگر پڑھیں گے تو محض نفل رہیں گی، اُس کو قضا نہیں کہا جائے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ قاسمیہ ۸؍۲۱۳)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من لم يصل ركعتي الفجر فليصل بعد ما تطلع الشمس. (سنن الترمذي / باب ما جاء في إعادتهما بعد طلوع الشمس ۱۰ ۹۶/ رقم: ٤٢٣)

وركعتا الفجر إذا فاتتا وحدهما بأن جاء رجل ووجد الإمام في صلاة الفجر فدخل مع الإمام في صلاته، ولم يشتغل بركعتي أنها لا تقضي قبل طلوع الشمس ولا بعده قياسًا، وهو قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله، وتقضي بعد طلوع الشمس استحسانًا إلى وقت الزوال. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل الحادي عشر، باب مسائل التطوع ۲/ ۳۰۲ رقم: ٢٤٩٤ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۴۰ / ۱۱؍۱۲؍۱۴۴۱ھ)

فجر کی سنتوں کے بعد نفل پڑھنا

سوال (۳۴۳):- کیا فجر کی سنتوں کے بعد وقت کے ہوتے ہوئے نفلیں پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- فجر کے پورے وقت میں سنت فجر کے علاوہ کوئی بھی نفل نماز پڑھنی ممنوع ہے؛ لہٰذا اِس وقت میں کوئی نفل نہ پڑھی جائے، صرف

فرض سے پہلے سنت فجر ہی اَدا کی جائے۔

عن ابن عباس رضي اللّٰہ عنهما قال: شهد عندي رجال مرضيون فيهم عمر، وأرضاهم عندي عمر أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: لا صلاة بعد الصبح حتی تطلع الشمس، ولا صلاة بعد العصر حتی تغرب الشمس.

(المسند لإمام أحمد / مسند عمر بن الخطاب ۲۸/۱ رقم: ۱۳۰ إسناده صحیح علی شرط الشیخین)

وكذا الحكم من كراهة نفل وواجب لغيره لا فرض وواجب لعينه بعد طلوع فجر سوی سنته لشغل الوقت به تقديرًا (الدر المختار) والكراهة هنا تحريمية أيضًا كما صرح به في الحلية، ولذا عبر في الخانية والخلاصة بعدم الجواز، والمراد عدم الحل لا عدم الصحة كما لا يخفی. (رد المحتار / كتاب الصلاة ۳٦/۲ زكريا)

ويكره التنفل بعد طلوع الفجر بأكثر من سنته قبل أداء الفرض لقوله عليه السلام: ليبلغ شاهدكم غائبكم، ألا لا صلاة بعد الصبح إلا ركعتين، وليكون جميع الوقت مشغولا بالفرض حكمًا، ولذا تخفف قراءة سنة الفجر، ويكره التنفل بعد صلاته أي فرض الصبح. (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة / فصل في الأوقات المكروهة ص: ۷٤ دار الكتب العلمية بيروت، الهداية، كتاب الصلاة / فصل في الأوقات التي تكره فيها الصلاة ۱۵۵/۱ مكتبة البشریٰ كراچی) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۱۴ / ۱۴۴۱/۹/۱۶ھ)

عشاء سے پہلی سنتیں عشاء کے بعد پڑھنا

سوال (۳۴۴):- عشاء سے پہلے کی سنتیں عشاء کی نماز کے بعد پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- عشاء سے پہلے کی سنتیں غیر مؤکدہ ہیں، اِس لئے اگر وہ وقت پر نہ پڑھی جاسکیں، تو بعد میں اُن کی کوئی قضا نہیں ہے؛ تاہم اگر کوئی

عشاء کے بعد ۴؍ رکعت پڑھنا چاہے تو وہ شرعاً منع نہیں ہے؛ کیوں کہ عشاء کے بعد نماز پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

وقد قالوا: إنما تقضى الصلوات الخمس والوتر على قول أبي حنيفة، وصلاة العيد إذا فاتت مع الناس على تفصيل يأتي في بابها، وسنة الفجر تبعًا للفرض قبل الزوال والقضاء فرض في الفرض، واجب في الواجب، سنة في السنة. (البحر الرائق / كتاب الصلاة ۱٤۱/۲ زكريا، الفتاوىٰ الهندية / كتاب الصلاة ۱۱۲/۱ زكريا، الدر المختار مع رد المحتار ۵۲٤/۲ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۲۹ / ۷/۱۰/۱۴۴۱ھ)

فجر اور عصر سے پہلے تحیۃ المسجد پڑھنا

سوال (۳۴۵):- فجر اور عصر سے پہلے نفل نماز مثلاً تحیۃ المسجد پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اِس معاملہ میں فجر اور عصر کا حکم الگ الگ ہے:

الف:- فجر کا حکم یہ ہے کہ اُس کا وقت شروع ہونے کے بعد فرض سے پہلے صرف دو رکعت سنت فجر اَدا کرنے کی اِجازت ہے، اِس کے علاوہ اِس پورے وقت میں کوئی بھی نفل نماز (بشمول تحیۃ المسجد یا تحیۃ الوضوء) فرض سے پہلے یا بعد میں پڑھنی مکروہ ہے؛ حتیٰ کہ اگر فرض سے پہلے کی دو سنتیں چھوٹ جائیں تو اُن کو بھی فجر کے بعد نہیں پڑھا جائے گا؛ بلکہ اشراق کے وقت میں پڑھا جائے گا۔

ب:- اور عصر کے وقت کا حکم یہ ہے کہ اُس میں فرض سے پہلے کوئی بھی نفل یا قضا نماز پڑھ سکتے ہیں، اِس میں کوئی ممانعت نہیں ہے؛ لیکن عصر کا فرض اَدا کرنے کے بعد غروبِ آفتاب تک کوئی بھی نفل نماز پڑھنا منع ہے؛ البتہ سورج میں زردی آنے سے پہلے تک قضاء نماز پڑھ سکتے ہیں؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ یہ قضاء نماز مسجد میں لوگوں کے سامنے نہ پڑھیں؛ بلکہ کمرے یا گھر میں پڑھیں؛ تاکہ کسی کو اشتباہ نہ ہو۔

عن أبي الدرداء رضي الله تعالىٰ عنه يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لا صلاة بعد الصبح حتى ترتفع الشمس، ولا صلاة بعد العصر حتى تغيب الشمس. (صحيح البخاري، كتاب مواقيت الصلاة / باب لا تتحرى الصلاة قبل غروب الشمس رقم: ٥٨٦)

عن موسى بن علي عن أبيه قال: سمعت عقبة بن عامر الجهني يقول: ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن، أو أن نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس، وحين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب. (صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة / باب: الأوقات التي نُهي عن الصلاة فيها رقم: ٨٣١)

عن ابن عمر رضي الله عنهما أن حفصة أم المؤمنين أخبرته أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا سكت المؤذن من الأذان لصلاة الصبح، وبدا الصبح؛ ركع ركعتين خفيفتين قبل أن تقام الصلاة. (صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة / باب: استحباب ركعتي سنة الفجر رقم: ٧٢٣)

عن يسار مولى ابن عمر وأنا أصلي بعد طلوع الفجر فقال: يا يسار! إن رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج إليها ونحن نصلي هذه الصلاة، فقال: ليبلغ شاهدكم غائبكم، لا تصلوا بعد الفجر إلا سجدتين. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / باب من رخص فيهما إذا كانت الشمس مرتفعة رقم: ١٢٧٨، سنن الترمذي، أبواب الصلاة / باب ما جاء لا صلاة بعد طلوع الفجر إلا ركعتين رقم: ٤١٩، المسند لإمام أحمد بن حنبل، مسند النساء / حديث أم المؤمنين حفصة رضي الله عنها ٣١/٤٤ رقم: ٢٦٤٣٣)

عن علي رضي الله عنه قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الصلاة بعد العصر، إلا أن تكون الشمس بيضاء نقية مرتفعة. (سنن النسائي، كتاب المواقيت /

الرخصة في الصلاة بعد العصر رقم: ٥٧٣، المسند لإمام أحمد / مسند علي بن أبي طالب ٤٦/٢ رقم: ٦١٠، سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / باب من رخص فيهما إذا كانت الشمس مرتفعة رقم: ١٢٧٤)

عن سالم بن عبد الله قال: سمعت أبا هريرة رضي الله عنه يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: كل أمتي معافًى إلا المجاهرين، وإن من المجانة أن يعمل الرجل بالليل عملاً، ثم يصبح وقد ستره الله، فيقول: يا فلان! عملت البارحة كذا وكذا، وقد بات يستره ربه، ويصبح يكشف سِتر الله عنه. (صحيح البخاري، كتاب الأدب / باب ستر المؤمن على نفسه رقم: ٦٠٦٩)

وركعتان أو أربع، وهي أفضل لتحية المسجد إلا إذا دخل فيه بعد الفجر أو العصر. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل، مطلب في تحية المسجد ٤٥٨/٢ زكريا)

وأما إذا فاتت وحدها؛ فلا تُقضى قبل طلوع الشمس بالإجماع لكراهة النفل بعد الصبح. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب إدراك الفريضة، مطلب: هل الإساءة دو الكراهة أو أفحش ٥١٢/٢)

ويكره أن يتنفل بعد الفجر حتى تطلع الشمس، وبعد العصر حتى تغرب لما روي أنه عليه السلام نهى عن ذلک، ولا بأس بأن يصلي في هذين الوقتين الفوائت. (الهداية، كتاب الصلاة / باب المواقيت ٨٥/١ المكتبة الأشرفية ديوبند، نور الإيضاح ص: ٥٧، المحيط البرهاني، كتاب الصلاة / الفصل الأول في المواقيت ١٠/٢ رقم: ١٠٧٨ المجلس العلمي بيروت، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل الأول في المواقيت ١٥/٢ رقم: ١٥١٩ زكريا)

وأما الوقتان الآخران من الخمسة؛ فإنه يكره فيهما التطوع فقط، ولا يكره فيهما الفرض أي اللازم عملاً فيشمل الواجب أيضًا ولذا قال: يعني الفوائت. (حلبي كبير، كتاب الصلاة / فروع في شرح الطحاوي ٢٣٨ المكتبة الأشرفية ديوبند وسهيل اكيڈمی لاهور)

وينبغي أن لا يطلع غيره على قضائه؛ لأن التأخير معصية فلا يظهرها (الدر المختار) قوله وينبغي الخ: تقدم في باب الأذان أنه يكره قضاء الفائتة في المسجد. وعلله الشارح بما هنا من أن التاخير معصية فلا يظهرها، وظاهره أن الممنوع هو القضاء مع الإطلاع عليه، سواء كان في المسجد أو غيره، كما أفاده في المنح. قلت: والظاهر أن ينبغي هنا الوجوب وأن الكراهة تحريمية؛ لأن إظهار المعصية معصية لحديث الصحيحين: كل أمتي معافى إلا المجاهرين، وإن من الجهار أن يعمل الرجل بالليل عملاً ثم يصبح وقد ستره الله فيقول: عملت البارحة كذا وكذا، وقد بات يستره ربه ويصبح يكشف ستر الله عنه، والله تعالىٰ أعلم. (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الصلاة / آخر باب قضاء الفوائت ٥٣٩/٢ زكريا، البحر الرائق مع منحة الخالق، كتاب الصلاة / باب قضاء الفوائت ١٦٠/٢ دار الكتب العلمية بيروت وزكريا ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۶ / ۱۴۴۱/۹/۸ھ)

کیا عصر سے پہلے کی سنتیں عصر کے بعد پڑھ سکتے ہیں؟

سوال (۳۴۶):- اگر عصر کی پہلی سنتیں چھوٹ جائیں، تو عصر کے بعد اِن سنتوں کو پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مذکورہ سنتیں عصر کے بعد نہیں پڑھی جائیں گی؛ کیوں کہ بعد نماز عصر ہر طرح کی سنن ونوافل پڑھنا مکروہ ہے، اور اِن سنتوں کی بعد میں قضا بھی نہیں ہے۔

عن نصر بن عبد الرحمن، عن جده معاذ أنه طاف مع معاذ ابن عفراء فلم يصل، فقلت: ألا تصلي؟ فقال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا صلاة بعد العصر حتى تغيب الشمس ولا بعد الصبح حتى تطلع الشمس.

(سنن النسائي، كتاب المواقيت / من أدرك ركعتين من العصر رقم: ٥١٨)

وكـره نفل بعد صلاة فجر وعصر، أي إلى ما قبيل الطلوع والتغيير. (رد المحتار / كتاب الصلاة ٣٧/٢ زكريا)

والـقضاء فرض في الفرض وواجب في الواجب وسنة في سنة. (الفتاویٰ الهندية / كتاب الصلاة ١١٢/١ زكريا، الدر المختار مع رد المحتار ٥٢٤/٢ زكريا)

وقـد قـالوا: إنما تقضى الصلوات الخمس والوتر على قول أبي حنيفة، وصلاة الـعيـد إذا فاتت مع الناس على تفصيل يأتي في بابها، وسنة الفجر تبعًا لـلـفـرض قبل الزوال والقضاء فرض في الفرض، واجب في الواجب، سنة في السنة. (البحر الرائق / كتاب الصلاة ١٤١/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲۹ / ۱۴۴۱/۱۰/۷ھ)

عصر اور عشاء سے پہلے کی سنتیں؟

سوال(۳۴۷):- عصر اور عشاء سے پہلے کی سنتوں کا وقت کب تک رہتا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- عصر اور عشاء کی سنن قبلیہ غیر مؤکدہ ہیں، فرض سے پہلے پہلے اُن کو پڑھا جاسکتا ہے، اگر اُس وقت نہیں پڑھا تو بعد میں قضاء نہیں ہے۔

عـن عـلـي عـلـى الـسـلام أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان يصلي قبل العصر ركعتين. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب تفريع أبواب التطوع وركعات السنة / باب الصلاة قبل العصر رقم: ١٢٧٢)

عـن علي رضي اللّٰه عنه قال: كان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يصلي قبل الـعـصـر أربـع ركـعـات، يفصل بينهن بالتسليم على الملائكة المقرب، ومن تبـعهم من المسلمين والمؤمنين. (سـنـن الترمذي، أبواب الصلاة عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم / باب ما جاء في الأربع قبل العصر رقم: ٤٢٩، المسند لإمام أحمد، مسند النساء / حديث ميمونة بنت الحارث الهلالية زوج النبي ٤١٨/٤٤ رقم: ٢٦٨٣٩)

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: رحم اللّٰه امرأً صلى قبل العصر أربعًا. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب تفريع أبواب التطوع وركعات السنة / باب الصلاة قبل العصر رقم: ۱۲۷۱، سنن الترمذي، أبواب الصلاة عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم / باب ما جاء في الأربع قبل العصر رقم: ٤۳۰)

واستدل الشيخ كمال الدين بن الهمام بهذا الحديث على أنه ينبغي أن يكون الأربع بعد العشاء مؤكدة لما فيه من مواظبته عليه السلام عليها. وأما الأربع قبلها فلم يذكر في خصوصها حديث؛ لكن يستدل له بعموم ما رواه الجماعة من حديث عبد اللّٰه بن مغفل أنه عليه السلام قال: بين كل أذانين صلاة، بين كل أذانين صلاة، ثم قال في الثالثة: لمن شاء. فهذا مع عدم المانع من التنفل قبلها يفيد الاستحباب؛ لكن كونها أربعًا يتمشى على قول أبي حنيفة؛ لأنها الأفضل عنده فيحمل عليها لفظ الصلاة حملاً للمطلق على الكامل ذاتًا ووصفًا. (حلبي كبير شرح منية المصلي / فصل في النوافل ص: ۳۸۵ سهيل اكيڈمی لاهور)

ويستحب أربع قبل العصر والعشاء. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ٤٥۲/۲ زكريا)

وأربع قبل العصر. وفي مختصر القدوري: وإن شاء ركعتين لاختلاف الآثار في ذلك ...... وأربع قبل العشاء وأربع بعدها، وإن شاء ركعتين أي وإن شاء صلى ركعتين الخ. (حلبي كبير، كتاب الصلاة / فصل في النوافل ص: ۳۸٤-۳۸۵ لاهور)

وأما بيان أن السنة إذا فاتت عن وقتها هل تقضي أم لا؟ فنقول – وباللّٰه التوفيق – لا خلاف بين أصحابنا في سائر السنن سوى ركعتي الفجر أنها إذا فاتت عن وقتها لا تقضي، سواء فاتت وحدها أو مع الفريضة. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة / فصل في قضاء السنن ۲۷۳/۲ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۶ / ۱۴۴۱/۹/۸ھ)

عشاء سے پہلے چار سنتوں کا ثبوت

سوال (۳۴۸):- عشاء سے پہلے ۴؍سنن مؤکدہ کا ثبوت کہاں سے ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- عشاء سے پہلے کی سنن غیر مؤکدہ کے بارے میں کوئی صریح روایت ہمارے علم میں نہیں ہے؛ البتہ فقہاء نے اُن کا ذکر فرمایا ہے۔ اور مشہور فقیہ علامہ ابراہیم الحلبیؒ نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''حلبی کبیر'' میں لکھا ہے کہ عشاء سے پہلے ۴؍رکعت کا ثبوت اُس مطلق روایت سے ہے، جس میں یہ فرمایا گیا کہ ''ہر اَذان واِقامت کے بیچ میں نماز ہے''۔ اِس کے عموم میں عشاء کی نماز بھی داخل ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۵؍۲۱۲)

عن عبد اللّٰه بن مغفل المزني رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: قال: بين كل أذانين صلاة – ثلاثًا – لمن شاء. (صحيح البخاري، كتاب الأذان / باب كم بين الأذان الإقامة رقم: ٦٢٤)

وإنما قال في الأصل: إن التطوع بالأربع قبل العشاء حسن؛ لأن التطوع بها لم يثبت أنه من السنن الراتبة، ولو فعل ذلك فحسن؛ لأن العشاء نظير الظهر في أنه يجوز التطوع قبلها وبعدها. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة / فصل في الصلاة المسنونة ١/٢٦٥ دار الكتب العلمية بيروت)

أقول: لم أجد في الأربع قبل العشاء حديثًا في كتب الحديث مع فحص بالغ، وذكر في الكبيري حديث البراء بن عازب معزوًا إلى سنن سعيد بن منصور: من صلى قبل العشاء أربعًا كأنما تهجد من ليلته الخ. وهذا خطأ، فإن رواية "سنن سعيد بن منصور" رأيتها في عدة كتب ليس في واحد منها ذلك، بل فيها: "من صلى قبل الظهر أربعًا كأنما تهجد من ليلته الخ ...... ومنها: "فتح القدير" (١/٣١٥) ومنها "نصب الرأية" (٢/٣٩) ومنها "منتقى الأخبار"، ومنها زوائد الهيثمي" (٢/٢٢١) وغزاه إلى "أوسط الطبراني". قال: وفيه ناهض بن

سالم الباهلي، ومنها "كنز العمال" (٨٣/٤). فظهر أنه زلة قلم أو زلة نظر. وصاحب "الكبيري" ينقل الأحاديث غالبًا عن "فتح ابن الهمام"، كما ينقل ابن الهمام غالبها عن "نصب الراية"، ولم نحمله على سهو الكاتب؛ لأن صاحب "الكبيري" استدل به لقول الماتن: وأربع قبل العشاء وأربع بعدها. ثم إني ظننت أن الشيخ الحافظ القاسم بن قطلوبغا ربما يكون تعرض إلى تخريج حديث في إثبات أربع قبل العشاء في كتابه في تخريج أحاديث "الإختيار"، فكتبت إلى المحدث الشيخ أبي الوفاء الأفغاني في حيدر آباد دكن ورئيس دائرة إحياء المعارنعمانية – وكانت نحسته المخطوطة عنده أخذ صورته الفوتوغرافية من الآستانة – بأن يراجع من هذا المقام فراجعه، وقال: وجدنا في النسخة بياضًا في هذا المقام، فكأن الحافظ القاسم بن قطلوبغا لم يقف على حديث فيه، وهو حافظ متبحر بارع، وهو الذي استدرک على مثل الحافظ جمال الزيلعي في تخريجه الأحاديث "الهداية" بكتاب سماه: "منية الألمعي فيما فات من تخريج أحاديث الهداية والزيلعي" وهو لم يقف عليه. ومتون الحنفية متطابقة على ذكر ندب الأربع قبل العشاء، فربما يكون له حجة في كتب أئمتنا المخطوطة أو الضائعة، والله أعلم. (معارف السنن / باب ما جاء في فضل التطوع، تحقيق: أربع قبل العشاء ١١٩/٤ مجلس الدعوة والتحقيق الإسلامي، ١٥/٤-١٦ كراچی)

وذكر في المحيط: إن تطوع قبل العصر بأربع وقبل العشاء بأربع فحسن؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم لم يواظب عليهما أما عدم مواظبته على ما قبل العشاء فمقرر؛ بل لم يرو أنه صلاها فضلا عن المواظبة. (حلبي كبير / فصل في النوافل ص: ٣٨٨ لاهور)

أي ندب الأربع قبل العشاء وبعده؛ لأن العشاء كالظهر من حيث إنه لا

یکره التطوع قبله ولا بعده، وقیل: هو مخیر إن شاء صلی رکعتین وإن شاء صلی أربعًا، وقیل: الأربع قول أبي حنیفة والرکعتان قولهما بناء علی اختلافهم في نوافل اللیل. (تبیین الحقائق، کتاب الصلاة / باب النوافل والنوافل ۱۷۲/۱ المکتبة الإمدادیة ملتان، النهر الفائق شرح کنز الدقائق / باب الوتر والنوافل ۲۹۶/۱ دار الکتب الکتب العلمیة بیروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۱۵ / ۱۴۴۱/۹/۱۷ھ)

اَوابین کی نیت سے چاشت کی نماز پڑھنا

سوال (۳۴۹):- میں چاشت کی نماز کی نیت باندھ رہا تھا؛ لیکن بجائے ''چاشت'' کا لفظ بولنے کے میری زبان سے ''اوابین'' کا لفظ نکل گیا، تو میری چاشت کی نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصلیًا أما بعد :- جاننا چاہئے کہ نفل نمازوں میں وقت یا نماز کی تعیین شرط نہیں ہے؛ بلکہ نفس نماز کی نیت کافی ہے۔ اور چاشت کی نماز اوابین کی نیت سے بھی درست ہے؛ کیوں کہ حدیث سے ثابت ہے کہ اوابین کا وقت چاشت کا آخری وقت ہے، جس میں دھوپ کی تمازت تیز ہوجاتی ہے۔

عن زید بن أرقم رضي اللّٰہ عنه أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: صلاة الأوابین حین ترمض الفصال. (صحیح مسلم / باب صلاة الأوابین رقم: ۷۴۸)

وأما النوافل فاتفق أصحابنا أنها تصح بمطلق النیة. (الأشباه والنظائر / القاعدة الثانیة: الأمور بمقاصدها ص: ۱۱۹ رقم: ۱۴۱ مکتبة الحرمین ڈھاکا)

ویکفیه مطلق النیة للنفل والسنة والتراویح وللفرض شرط تعیینه کالعصر مثلاً. (کنز الدقائق مع البحر الرائق، کتاب الصلاة / باب شروط الصلاة ۴۸۲/۱ زکریا، رد المحتار، کتاب الصلاة / باب شروط الصلاة، مطلب: في حضور القلب والخشوع ۹۴/۲ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۱۷ / ۱۴۴۱/۹/۱۹ھ)

کیا تہجد کی نماز کے لئے رات میں سونا شرط ہے؟

سوال (۳۵۰):- اگر کوئی شخص رات میں نہ سوئے، تو کیا وہ تہجد کی نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- واضح ہو کہ تہجد کا اصل وقت رات کا آخری حصہ ہے، اور اُس کے لئے پہلے سے سونا کوئی ضروری نہیں ہے۔ پس اگر کوئی شخص رات بھر جاگتا رہے، جیسا کہ آج کل رمضان المبارک میں بہت سے خوش نصیب باتوفیق بندے پوری رات تلاوت وعبادت میں گذارتے ہیں، تو اگر وہ اخیر شب میں تہجد پڑھیں، تو اِن شاء اللہ اُنھیں بھی بھرپور ثواب ملے گا۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۴/ ۳۰۷ سوال: ۱۹۰۱، کتاب المسائل ۱/ ۴۹۸)

وروى الطبراني مرفوعًا لا بد من صلاة بليل، ولو حلب شاة، وما كان بعد صلاة العشاء فهو من الليل، وهذا يفيد أن هذه السنة تحصل بالتنفل بعد صلاة العشاء قبل النوم. (المعجم الكبير للطبراني ۱/ ۲۷۱ رقم: ۷۸۷ قديم زكريا)

قلت: قد صرح بذلک في الحلية ثم قال فيها بعد كلام ثم: غير خاف أن صلاة الليل المحثوث عليها هي التهجد. وقد ذكر القاضي حسين من الشافعية أنه في الاصطلاح التطوع بعد النوم وأيد بحديث الحجاج بن عمرو قال: "بحسب أحدكم إذا قام من الليل يصلي حتى يصبح أنه قد تهجد، إنما التهجد المرء يصلي الصلاة بعد رقدةٍ"؛ لكن الظاهر رجحان حديث الطبراني الأول؛ لأنه تشريع قولي من الشارع. أقول: الظاهر أن حديث الطبراني الأول بيان لكون وقته بعد صلاة العشاء، حتى لو نام ثم تطوع قبلها لا يحصل السنة، فيكون حديث الطبراني الثاني مفسِّرًا للأول، وهو أولي من إثبات التعارض والترجيع؛ لأن فيه ترک العمل بأحدهما؛ ولأنه المفهوم من إطلاق الآيات والأحاديث.

(رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل، مطلب في ركعتي السفر ۲/ ٤٦٧ زكريا)

عن عائشة رضي الله عنها قالت: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا

دخل العشر شد مئزره وأحيا ليله وأيقظ أهله. (صحيح البخاري، كتاب فضل ليلة القدر / باب العمل في العشر الأواخر من رمضان رقم: ٢٠٢٤)

وقوله أحيا الليل: أي استغرقه بالسهر في الصلاة وغيرها. ففي هذا الحديث أنه يستحب أن يزاد من العبادات في العشر الأواخر من رمضان، واستحباب لياليه بالعبادات، وأما قول أصحابنا يكره قيام الليل كله: فمعناه الدوام عليه، ولم يقولوا بكراهة ليلة وليلتين والعشر. (المنهاج شرح النووي على مسلم ص: ٧٢٩ تحت رقم: ١١٧٤ بيت الأفكار الدولية) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۱۷ / ۱۴۴۱/۹/۱۹ھ)

وتر کے بعد تہجد پڑھنا

سوال (۳۵۱):- وتر کی جماعت کے بعد تہجد کی نماز آدمی پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- یہ مسئلہ اُن مسائل میں سے ہے جن میں باقاعدہ شکوک وشبہات پھیلائے گئے اور ہمارے بہت سے ساتھی جو آنکھ بند کر کے یوٹیوب اور فیس بک اور دیگر آلات پر آنے والی چیزوں پر یقین کر لیتے ہیں اُنہوں نے تحقیق کے بغیر اِس بات پر یقین کر لیا۔ بعض حضرات کی ویڈیوز وغیرہ سن کر کہ جب آدمی وتر کی نماز پڑھ لے تو اَب رات بھر کوئی نماز نہیں پڑھ سکتا، اور اِس بارے میں سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک روایت ذکر کی جائے کہ آپ نے اِرشاد فرمایا کہ: ”**اجعلوا آخر صلواتكم الوتر**“ اِس روایت کو اُنہوں نے مطلق رکھا کہ کوئی بھی نماز نہیں پڑھ سکتے، کسی بھی حال میں نہیں پڑھ سکتے؛ حالاں کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول صحیح مسلم میں ثابت ہے کہ آپ وتر کے بعد ۲؍رکعت پڑھا کرتے تھے۔ علامہ نوویؒ نے لکھا ہے کہ آپ کا یہ ۲؍رکعت پڑھنا غالبًا اِسی وجہ سے تھا کہ اُمت کو پتہ چل جائے کہ وتر کے بعد بھی نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

اِس کے علاوہ ابوداؤد میں صحیح روایت مروی ہے کہ حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ رمضان المبارک میں ایک صاحب کے یہاں مہمان ہوئے اور اُنہوں نے تراویح کی نماز

پڑھائی اور پھر وتر بھی با جماعت پڑھائی، اور اُس کے بعد اُنہوں نے ۲-۴ر لوگوں کو لے کر تہجد کی نماز پڑھنی شروع کردی، اور جب رات کا آخری حصہ ہوا تو آپ نے اُن ساتھیوں میں سے جس نے اَب تک وتر نہیں پڑھی تھی، فرمایا کہ تم اَب وتر پڑھادو؛ اِس لئے کہ میں وتر پڑھ چکا ہوں۔ اور میں نے پیغمبر علیہ السلام سے سنا ہے کہ ایک رات میں ۲ر وتر نہیں ہوتیں۔

لہٰذا اِس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ وتر سے پہلے بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے، اور وتر کے بعد بھی؛ البتہ جس شخص کو تہجد میں اُٹھنے کا اپنے اُوپر کامل اعتماد ہو، وہ رمضان کے علاوہ عام دنوں میں تہجد کے وقت وتر پڑھا کرے، یہ اُس کے لئے افضل ہے؛ لیکن رمضان کے دنوں میں وتر تراویح کے تابع ہوجاتی ہے، اور تراویح جب جماعت سے پڑھی جارہی ہے تو وتر کو بھی جماعت سے پڑھنا چاہئے، اس کے بعد اللہ پاک جس کو جتنی توفیق دے وہ رات بھر نماز پڑھتا رہے اِس میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔

عن قيس بن طلق قال: زارنا طلق بن علي في يوم من رمضان، وأمسى عندنا وأفطر، ثم قام بنا الليلة وأوتر بنا، ثم انحدر إلى مسجده فصلى بأصحابه، حتى إذا بقي الوترُ قدَّم رجلاً فقال: أوتر بأصحابک؛ فإني سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: لا وتران في ليلة. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / باب: في نقض الوتر ١٤٣٩)

إن من أوتر وأراد الصلاة بعد ذلک لا ينقض وتره ويصلي شفعًا شفعًا حتى يصبح. (عون المعبود شرح سنن أبي داؤد مكمل، كتاب الوتر / باب في نقض الوتر ٦٦٣ بيت الأفكار الدولية)

عن جابر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من خاف أن لا يقوم من آخر الليل فليوتر أوله، ومن طمع أن يقوم آخره فليوتر آخر الليل، فإن صلاة آخر الليل مشهودة وذلک أفضل. (صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها / باب من خاف أن لا يقوم من آخر الليل فليوتر أوله رقم: ٧٥٥)

عن أبي سلمة قال: سألت عائشة رضي الله عنها عن صلاة رسول الله

صلى الله عليه وسلم فقالت: كان يصلي ثلاث عشرة ركعة، يصلي ثمان ركعات ثم يوتر، ثم يصلي ركعتين وهو جالس الخ. (صحيح مسلم) قال النووي: قلت: الصواب أن هاتين الركعتين فعلهما صلى الله عليه وسلم بعد الوتر جالسًا لبيان جواز الصلاة بعد الوتر، وبيان جواز النفل جالسًا. (المنهاج شرح صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها / باب صلاة الليل وعدد ركعات النبي صلى الله عليه وسلم في الليل ص: ٥٠٨ رقم: ٧٣٨ بيت الأفكار الدولية)

قوله: اجعلوا آخر صلاتكم وترًا الخ: ولم يرد بالوتر الصلاة المعهودة المتميزة باسم على حدة وإلا يقال: اجعلوا الوتر آخر صلاتكم، والأمر فيه على الاستحباب لا على الوجوب فهو لتحصيل فضيلة الإيتار في الآخر، وإن الله وتر يحب الوتر، وحمله بعضهم على ظاهره حتى قال بنقض الوتر، فمن كان أوتر في أول الليل ثم استيقظ في آخره وبدا له أن يصلي صلاة الليل، عليه أن ينقض وتره بركعة، ثم يوتر في آخر صلاته لأجل هذا الحديث، وقد علمت أن الآخريّة مطلوبة؛ لكن لا بحيث يوجب نقض المؤدي، وكذلك لا يذهب وهلك إلى أن الوتر لمحض محبة الإيتار، وليست صلاة برأسها، فإذا لم تجب صلاة الليل كيف تجب الوتر؛ لأنها صارت صلاة برأسها أيضًا، كما يدل عليه قوله عليه السلام: إن الله أمدَّكم بصلاة هي خير لكم من حمر النعم. وأمر غير واحد من الصحابة أن يصلوها بعد العشاء إذا لم يثقوا بالانتباه في آخر الليل، فدل علىٰ أنها صلاة مستقلة كوتر النهار وهي صلاة المغرب، وإنما اشتبه الأمر ولم يتميّز إذا كانت في آخر صلاة الليل وعدت من سِلسلتها، وأما إذا نقلت إلى أول الليل تميزت عن غيرها كما تميزت بأفراد قرابتها وركعاتها وقضائها. (فيض الباري، كتاب الصلاة / باب الحلق والجلوس في المسجد ٩٥/٢ دار الكتب العلمية بيروت، ٧٠/٢ ربانى بك ڈپو دهلى) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۴ / ۱۴۴۱/۹/۶ھ)

وتر کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھنا اَفضل ہے یا کھڑے ہوکر؟

سوال (۳۵۲):- وتر کی نماز کے بعد ۲؍ رکعت بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے یا کھڑے ہوکر؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- متعدد روایات سے ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد ۲؍ رکعت بیٹھ کر اَدا فرماتے تھے؛ لیکن علماء نے آپ کے اِس معمولِ مبارک کی دو توجیہات نقل فرمائی ہیں:

(۱) اخیر عمر میں تہجد کی طویل رکعات کی وجہ سے تھکاوٹ ہوجاتی تھی؛ اِس لئے استراحت کی غرض سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ۲؍ رکعات بیٹھ کر اَدا فرماتے تھے؛ لہٰذا آج بھی اگر کوئی شخص عذر کی بنا پر اُنہیں بیٹھ کر پڑھے تو کوئی حرج نہ ہوگا، اور وہ پورے ثواب کا مستحق ہوگا۔

(۲) اور دوسری بات یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی من جملہ خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ تھی کہ آپ اگر بیٹھ کر بھی نماز پڑھیں تو آپ کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوتی تھی، اِس لئے آپ حسب مرضی بیٹھ کر نماز اَدا فرماتے تھے۔

لیکن عام مسلمانوں کے لئے ضابطہ یہ ہے کہ وہ اگر بلا عذر نفل نماز بیٹھ کر پڑھیں گے تو اُنہیں کھڑے ہونے کے مقابلے میں آدھا ثواب ملے گا۔ اِس اُصول کے اعتبار سے جو حضرات معذور نہیں ہیں، اور اُنہیں کوئی تھکاوٹ اور کمزوری بھی نہیں ہے، تو اُن کے لئے افضل یہی ہے کہ وہ وتر کے بعد کی نوافل کھڑے ہوکر پڑھیں؛ البتہ کوئی عذر ہو تو بیٹھ کر پڑھ لیں۔ (مستفاد: اِمداد الاحکام ۲/۲۲۲، فتاویٰ رشیدیہ ص: ۳۷۱ دار الاشاعت کراچی، امداد الفتاویٰ جدید مطول حاشیہ ۲/۳۰۹-۳۱۲ زکریا، فتاویٰ رحیمیہ ۵/۲۲۴ دار الاشاعت کراچی، فتاویٰ محمودیہ ۷/۲۲۵-۲۲۷ ڈابھیل)

عن أبي سلمة قال: سألت عائشة رضي الله عنها عن صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت: كان يصلي ثلاث عشرة ركعة، يصلي ثمان ركعات، ثم يوتر، ثم يصلي ركعتين وهو جالس، فإذا أراد أن يركع قام، فركع الخ. (صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة / باب صلاة الليل رقم: ۷۳۸)

قوله ثم يصلي ركعتين وهو جالس الخ: قلت: الصواب أن هاتين الركعتين فعلهما صلى اللّٰه عليه وسلم بعد الوتر جالسًا لبيان جواز الصلاة بعد الوتر، وبيان جواز النفل، ولم يواظب على ذلك؛ بل فعله مرة أومرتين أومرات قليلة، ولا تغتر بقولهما "كان يصلي" فإن المختار الذي عليه الأكثرون والمحققون من الأصوليين أن لفظة "كان" لا يلزم منها الدوام ولا التكرار، وإنما هي فعل ماضى يدل على وقوعه مرة، فإن دل عليه التكرار عمل به، وإلا فلا تقتضيه بوضعها. (المنهاج شرح النووي على صحيح مسلم ص: ٥٠٨ بيت الأفكار الدولية)

عن علقمة بن وقاص عن عائشة رضي اللّٰه عنها أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان يوتر بتسع ركعات، ثم أوتر بسبع ركعات وركع ركعتين وهو جالس بعد الوتر يقرأ فيهما، فإذا أراد أن يركع قام فركع ثم سجد. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / باب صلاة الليل رقم: ١٣٥١)

هذا الكلام إن تعلق بالركعتين، فإذا كان يقرأ في الركعتين سورًا طوالا يقرأ قاعدًا، ثم إذا أراد أن يركع يقوم فيركع ويسجد وهو قائم، وأما إذا قرأ فيها السور القصار يقرأ وهو قاعد ويركع ويسجد وهو قاعد الخ. (بذل المجهود، كتاب الصلاة / باب صلاة الليل ٦٠٨/٥ تحت رقم: ١٣٥١ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي مظفرفور أعظم جراه)

وفي حديث زرارة عن عائشة رضي اللّٰه عنها: ثم يقرأ وهو قاعد بأم الكتاب ويركع وهو قاعد، ثم يقرأ الثانية فيركع ويسجد وهو قاعد، ثم يدعو ما شاء اللّٰه أن يدعو ثم يسلم وينصرف. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / باب صلاة الليل رقم: ١٣٤٦)

فيحمل على اختلاف الأوقات بأنه صلاهما مرةً اعدًا بحيث ركع وسجد وهو قاعد، وصلاهما مرةً بأنه أحرم قاعدًا، ثم إذا أراد أن يركع قام

فركع وسجد وهو قائم. (بذل المجهود، كتاب الصلاة / باب صلاة الليل ٩٩١/٥ تحت رقم: ١٣٤٠ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي مظفرفور أعظم جراه)

عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنه قال: حدثت أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: صلاة الرجل قاعدًا نصف الصلاة، قال: فأتيته وهو يصلي جالسًا، فوضعت يدي على رأسه، فقال: مالک؟ يا عبد الله بن عمرو! قلت: حدثت يا رسول الله! أنک قلت: صلاة الرجل قاعدًا على نصف الصلاة، وأنت تصلي قاعدًا، قال: أجل! ولكني لست كأحدكم. (صحيح مسلم، كتاب الصلاة / باب جواز النافلة قائمًا وقاعدًا ٢٥٢/١ رقم: ٧٣٥، مسند البزار ٣٥٢/٦ رقم: ٢٣٦١ مكتبه العلوم والحكم)

قال النووي: أما قوله صلى الله عليه وسلم: "لست كأحد منكم" فهو عند أصحابنا من خصائص النبي صلى الله عليه وسلم فجعلت نافلته قاعدًا مع القدرة على القيام كنافلته قائمًا تشريفًا له. (شرح النووي على مسلم ٥٠٦ بيروت)

دلالة على استحباب الجلوس في هاتين الركعتين، وعليه عمل العامة وبعض أهل في زماننا، والمحققون من أكابرنا على أن اتبانهما قيامًا أفضل. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة / حكم الركعتين بعد الوتر ١٠٩/٦ إدارة القرآن كراچی، ١٣٠/٦ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۸ / ۱۴۴۱/۹/۱۰ھ)

عشاء کے بعد سونے سے قبل تہجد کی نماز؟

سوال (۳۵۳):- اگر کوئی شخص عشاء کی نماز کے بعد سونے سے قبل تہجد کی نیت سے کچھ رکعات پڑھ لے، تو اُسے تہجد کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ کیا تہجد کے لئے سونا لازم ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اَحادیث شریفہ میں نماز تہجد کی بڑی فضیلت وارد ہے، اُس کا اصل وقت تو رات کا آخری حصہ ہے؛ لہٰذا کوشش کرنی چاہئے کہ اُسی

وقت تہجد کی نماز اَدا کی جائے؛ لیکن بعض روایات میں یہ مضمون وارد ہے کہ جو نماز بھی عشاء کے بعد پڑھی جائے وہ رات کی نماز میں شمار ہوتی ہے۔ اِسی بنیاد پر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص عشاء کے بعد سونے سے پہلے تہجد کی نیت سے نوافل پڑھ لے، تو بھی اُسے تہجد کا ثواب مل جائے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

عن أياس بن معاوية المزني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا بد من صلاة بليل، ولو حلب شاةٍ، وما كان بعد صلاة العشاء فهو من الليل. فيه محمد بن إسحق وهو مدلس وبقية رجاله ثقاتٌ (مجمع الزوائد، كتاب أبواب العيدين / باب في صلاة الليل ٦٤٣/٥ رقم: ٣٥٦٦ دار المنهاج)

وهذا يفيد أن هذه السنة تحصل بالتنفّل بعد صلاة العشاء قبل النوم. (شامي، كتاب الصلاة ٤٦٧/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۲۷ / ۱۴۴۱/۹/۲۹ھ)

صلوٰۃ التسبیح کا طریقہ

سوال (۳۵۴):- صلوٰۃ التسبیح کا طریقہ تفصیل سے بیان کردیں۔

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- صلوٰۃ التسبیح پڑھنے کے دو طریقے روایات میں منقول ہیں:

(۱) پہلی رکعت میں حسبِ معمول سورۂ فاتحہ اور ضم سورت کے بعد رکوع میں جانے سے پہلے ۱۵؍مرتبہ "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلاَ اِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ" پڑھیں۔ اس کے بعد رکوع میں مقررہ تسبیح (سبحان ربي العظيم) پڑھنے کے بعد مذکورہ کلمات ۱۰؍مرتبہ پڑھیں، پھر قومہ میں ۱۰؍مرتبہ، اس کے بعد پہلے سجدہ میں ۱۰؍مرتبہ، پھر جلسہ میں ۱۰؍مرتبہ، پھر دوسرے سجدہ میں ۱۰؍مرتبہ، پھر سجدہ سے اٹھ کر قیام میں جانے سے پہلے جلسۂ استراحت میں ۱۰؍مرتبہ مذکورہ کلمات پڑھیں۔ اس طرح ایک رکعت میں ۷۵؍مرتبہ وہ کلمات پڑھے جائیں اور ۴؍رکعت

میں ۳۰۰ کاعدد پورا ہو جائے گا، یہ طریقہ مشہور روایات سے ثابت ہے۔

(۲) دوسرا طریقہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے مروی ہے اس کی ترتیب یہ ہے کہ پہلی رکعت میں ثنا پڑھنے کے بعد سورۂ فاتحہ سے پہلے ۱۵ر مرتبہ مذکورہ کلمات کہے جائیں گے، اُس کے بعد سورۂ فاتحہ اور سورت ملائی جائے گی، اور بعد ازاں رکوع میں جانے سے قبل ۱۰ر مرتبہ وہی کلمات پڑھے جائیں گے، اس طرح قیام کی حالت میں تسبیحات کی مقدار ۲۵ ہو جائے گی، پھر وہی ترتیب رہے گی جو پہلے طریقہ میں گذری؛ البتہ دوسرے سجدہ سے اٹھ کر تسبیحات پڑھنے کی ضرورت نہ رہے گی؛ کیوں کہ اس کے بغیر بھی ایک رکعت میں ۷۵ر مرتبہ تسبیحات کی مقدار پوری ہو رہی ہے۔ (ترمذی شریف مع العرف الشذی ۱۰۹/۱، شامی زکریا ۴۷/۲)

اس دوسرے طریقہ میں چوں کہ جلسۂ استراحت (پہلی اور تیسری رکعت کے بعد قیام سے پہلے کچھ دیر بیٹھنے) کی ضرورت نہیں رہتی، اس لئے بعض فقہاءِ اَحناف نے اس طریقہ کو راجح قرار دینے کی کوشش فرمائی ہے؛ لیکن معتدل رائے یہ ہے کہ صلوٰۃ التسبیح ایک مخصوص نماز ہے، اس لئے اس کا ثبوت جس ترتیب پر ہے اسی پر اسے برقرار رکھنا چاہئے اور حسبِ موقع ترجیح دئے بغیر کبھی پہلے طریقہ اور کبھی دوسرے طریقہ کے مطابق اس نماز کو پڑھ لینا چاہئے۔

نوٹ:- بعض روایات میں تیسرے کلمہ کے ساتھ **"ولاحول ولا قوة إلا بالله العلی العظیم"** کا بھی ذکر ہے اس لئے موقع ہو تو اسے بھی بڑھا لیا کریں تو اچھا ہے۔

عن ابن عباس رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال للعباس ابن عبد المطلب: يا عباس، يا عماه! ألا أعطيک؟ ألا أمنحک؟ ألا أحبوک؟ ألا أفعل بک عشر خصال إذا أنت فعلت ذلک غفر الله لک ذنبک، أوله وآخره، قديمه وحديثه، خطأه وعمده، صغيره وكبيره، سره وعلانيته، عشر خصال: أن تصلي أربع ركعات تقرأ في كل ركعة فاتحة الكتاب وسورةً. فإذا فرغت من القراءة في أول ركعة وأنت قائم قلت: "سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر" خمس عشرة مرةً، ثم

تركع فتقولها وأنت راكع عشرًا، ثم ترفع رأسك من الركوع فتقولها عشرًا، ثم تهوي ساجدًا فتقولها وأنت ساجد عشرًا، ثم ترفع رأسك من السجود فتقولها عشرًا، ثم تسجد فتقولها عشرًا، ثم ترفع رأسك فتقولها عشرًا، فذلك خمس وسبعون في كل ركعة، تفعل ذلك في أربع ركعات، إن استطعت أن تصليها في كل يوم فافعل! فإن لم تفعل ففي كل جمعة مرةً، فإن لم تفعل ففي كل شهر مرةً، فإن لم تفعل ففي كل سنة مرةً، فإن لم تفعل ففي عمرك مرةً.

(سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / باب صلاة التسبيح ص: ٢٤٥ رقم: ١٢٩٧ دار الفكر بيروت)

ووهم من زعم وضعه، وفيها ثواب لا يتناهي، ومن ثم قال بعض المحققين: لا يسمع بعظيم فضلها ويتركها إلا متهاون بالدين، والطعن في ندبها بأن فيها تغييرًا لنظم الصلاة إنما يتأتى على ضعف حديثها، فإذا ارتقى إلى درجة الحسن أثبتها وإن كان فيها ذلك، وهي أربع بتسليمة أو تسليمتين، يقول فيها ثلاث مائة مرة "سبحان الله، والحمد لله، ولا إله إلا الله، والله أكبر" وفي رواية زيادة "ولا حول ولا قوة إلا بالله" يقول ذلك في كل ركعة خمسة وسبعين مرة؛ فبعد الثناء خمسة عشر، ثم بعد القراءة، وفي ركوعه، والرفع منه، وكل من السجدتين، وفي الجلسة بينهما عشرًا عشرًا بعد تسبيح الركوع والسجود. وهذه الكيفية هي التي رواها الترمذي في جامعه عن عبد الله بن المبارك أحد أصحاب أبي حنيفة الذي شاركه في العلم والزهد والورع، وعليها اقتصر في القنية، وقال: إنها المختار من الروايتين. والرواية الثانية: أن يقتصر في القيام على خمسة عشر مرة بعد القراءة، والعشرة الباقية يأتي بها بعد الرفع من السجدة الثانية، واقتصر عليها في الحاوي القدسي والحيلة والبحر، وحديثها أشهر؛ لكن قال في شرح المنية: إن الصفة التي ذكرها ابن المبارك هي التي ذكرها في مختصر البحر، وهي الموافقة

لمذهبنا لعدم الاحتياج فيها إلى جلسة الاستراحة إذ هي مكروهة عندنا أهـ .

قلت: لعله اختارها في القنية لهذا؛ لكن علمت أن ثبوت حديثها يثبتها وإن كان فيها ذلك، فالذي ينبغي فعل هذه مرة وهذه مرة. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل، مطلب في صلاة التسبيح ٤٧١/٢ زكريا، حلبي كبير / صلاة التسبيح ص: ٤٣١ لاهور) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۱۸ / ۱۴۴۱/۹/۲۰ھ)

صلوٰۃ التسبیح جماعت کے ساتھ پڑھنا

سوال (۳۵۵):- مرد اور عورتیں صلوٰۃ التسبیح جماعت کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر کوئی جماعت کے ساتھ پڑھے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- صلوٰۃ التسبیح ایک انفرادی نماز ہے، سلف صالحین سے اِس نماز کو باجماعت پڑھنا ثابت نہیں ہے، جس کو شوق ہو اُسے اپنی نماز الگ پڑھنی چاہئے۔ صلوٰۃ التسبیح کو جماعت سے پڑھنا مکروہ ہوگا۔ اور واضح رہے کہ صلوٰۃ التسبیح نہ فرض ہے نہ واجب ہے اور نہ سنت مؤکدہ ہے؛ بلکہ یہ محض ایک نفل ہے، جو شخص بسہولت اُسے پڑھ سکے پڑھ لے، اور جو نہ پڑھ سکے تو مطلق نوافل پڑھ لے، اور کوئی ایسا طریقہ نہ اپنائے جو دور نبوت اور دور صحابہ سے ثابت نہ ہو۔

ولا التطوع بجماعة خارج رمضان أي يكره ذلك لو على سبيل التداعي هو أن يدعو بعضهم بعضًا كما في المغرب، وفسره الواني بالكثرة وهو لازم معناه. أما لو اقتدى واحد بواحدٍ أو إثنان بواحد لا يكره، وإذا اقتدى ثلاثة بواحد اختلفوا فيه وإن اقتدى أربعة بواحدٍ كره. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ١٢٣/٢ زكريا)

وإذا اقتدى ثلاثة بواحد اختلف فيه، قال الطحطاوي قوله: اختلف فيه،

والأصح عدم الكراهة. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي ص: ٣٨٦ دار الكتب العلمية بيروت)

وجهر الإمام بالتكبير فيه بالإمام لأن الماموم والمنفرد لا يسن لهما الجهر به؛ لأن الأصل في الذكر الإخفاء ولا حاجة لهما إلى الجهر. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ٥٢٨/١ زكريا)

وأما ما سوى ذلک فلا يجهر به مثل التشهد وآمين والتسبيحات، كذا في البحر الرائق. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الفصل الثاني في واجبات الصلاة ٧٢/١ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۲۱ / ۱۴۴۱/۹/۲۳ھ)

ظہر یا عصر کے بعد صلوٰۃ التسبیح پڑھنا

سوال (۳۵۶):- کیا ظہر کے بعد یا عصر کے بعد صلوٰۃ التسبیح پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- جن اَوقات میں نفل نماز پڑھنا درست ہے، اُن میں صلوٰۃ التسبیح بھی پڑھی جاسکتی ہے۔ اور جن اَوقات میں نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے، اُن میں صلوٰۃ التسبیح پڑھنا بھی ممنوع ہوگا۔ بریں بنا ظہر کے بعد صلوٰۃ التسبیح پڑھنا جائز ہے؛ لیکن عصر کے بعد جائز نہیں؛ کیوں کہ عصر کے بعد نفل نماز کی اِجازت نہیں ہے۔

قال الحصكفي: وكره تحريمًا – صلاة مطلقًا ولو قضاءً أو واجبة أو نفلاً – مع شروق واستواء وغروب ...... وكره نفل ...... بعد صلاة فجر وصلاة عصر (الدر المختار) قال ابن عابدين: قوله: كره، الكراهة هنا تحريمية أيضًا، كما صرح به في الحلية. وقوله: بعد صلاة فجر وعصر، أي إلى ما قبيل الطلوع والتغير. (الدر المختار مع رد المحتار ٢/ ٣٠-٣٧ زكريا، وكذا في الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الأوقات التي تكره فيها الصلاة ١٠٩/١ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۱۵ / ۱۴۴۱/۹/۱۷ھ)

کیا صلوٰۃ التسبیح ۲-۲/رکعت کر کے بھی پڑھ سکتے ہیں؟

سوال (۳۵۷):- کیا صلوٰۃ التسبیح ۲-۲/رکعت بھی پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب حامدًا ومصلیًا أما بعد :- بہتر یہی ہے کہ صلوٰۃ التسبیح ایک سلام سے ۴/رکعت پڑھی جائے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے؛ تاہم اگر ۲-۲/رکعت کر کے پڑھ لیں تو بھی نماز درست ہوجائے گی، اِس لئے ضرورت کے وقت اِس پر عمل کیا جاسکتا ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۴/۳۱۵)

وهي أربع بتسليمة أو تسليمتين. (شامي / كتاب الصلاة ٤٧١/٢ زكريا)

وقيل: يصلي في النهار بتسليمة، وفي الليل بتسليمتين، وقيل: الأولىٰ أن يصلي مرة بتسليمةٍ وأخرىٰ بتسليمتين. (بذل المجهود، كتاب الصلاة / باب صلاة التسبيح ٥٢٩/٥ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي مظفرفور)

فإن صلى ليلاً أحب إلي أن يسلم في كل ركعتين وإن صلى نهارًا فإن شاء سلم، وإن شاء لم يسلم. (معارف السنن ٢٨٩/٤ المكتبة الأشرفية ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۱۲ / ۱۴۴۱/۹/۱۴ھ)

صلوٰۃ التسبیح میں رکوع اور سجدہ کی تسبیحات کی ترتیب؟

سوال (۳۵۸):- صلوٰۃ التسبیح میں رکوع اور سجدے میں تیسرا کلمہ سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ سے پہلے پڑھنا چاہئے یا بعد میں؟

الجواب حامدًا ومصلیًا أما بعد :- صلوٰۃ التسبیح کے رکوع اور سجدے میں اَولاً مقررہ تسبیحات (سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ) پڑھی جائیں گی، اُس کے بعد مقررہ تعداد میں تیسرا کلمہ پڑھا جائے گا۔

يقول ذلك في كل ركعة خمسة وسبعين مرة، فبعد الثناء خمسة عشر، ثم بعد القراءة وفي ركوعه. وكل من السجدتين، وفي الجلسة عشرًا

عشرًا بعد تسبيح الركوع والسجود. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل، مطلب في صلاة التسبيح ٢/٤٧١ زكريا)

وفي رواية عن عبد اللّٰه بن المبارك أنه قال: يبدأ في الركوع بسبحان ربي العظيم، وفي السجود: بـ: سبحان ربي الأعلىٰ ثلاثًا، ثم يسبح التسبيحات. (حلبي كبير / صلاة التسبيح ص: ٤٣٢ لاهور) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۱۸ / ۱۴۴۱/۹/۲۰ھ)

صلوٰۃ التسبیح میں تسبیحات کے شمار میں بھول ہونا

سوال (۳۵۹):- اگر صلوٰۃ التسبیح میں تسبیحات شمار کرنے میں بھول ہوجائے، تو کیا علیحدہ سے الگ نماز پڑھنی پڑے گی؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- صلوٰۃ التسبیح میں پڑھی جانے والی تسبیحات (سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ) واجب نہیں ہے؛ بلکہ سنت یا مستحب ہیں؛ لہٰذا اُن کی تعداد میں اگر کمی بیشی ہوجائے تو دوسرے رکن میں اُسے پورا کرلینا چاہئے؛ تاہم اُس کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا، اور نہ ہی نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے۔

سجدة السهو واجبة ...... وأنه لا يجب إلا بترك الواجب من واجبات الصلاة، فلا يجب بترك السنن والمستحبات كالتعوذ والتسمية والثناء والتأمين وتكبيرات الانتقالات والتسبيحات. (حلبي كبير، كتاب الصلاة / فصل في سجود السهو ص: ٤٥٥ لاهور)

وقيل لابن المبارك: لو سها فسجد هل يسبح عشرًا عشرًا؟ قال: لا، إنما هي ثلاث مائة تسبيحة، قال الملا علي في شرح المشكاة: مفهومه أنه إن سها ونقص عددًا من محل معين يأتي به في محل اٰخر تكملة للعدد المطلوب الخ، قلت: وكذا تسبيح السجدة الأولى يأتي به في الثانية لا في الجلسة؛ لأن

تطويلها غير مشروع عندنا. (شامي / كتاب الصلاة ٤٧٢/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۷ / ۹/۹/۱۴۴۱ھ)

صلوٰۃ التسبیح میں فاتحہ سے پہلے ۱۵؍مرتبہ تسبیح بھول گیا

سوال (۳٦۰):- میں صلوٰۃ التسبیح میں فاتحہ سے پہلے ۱۵؍مرتبہ تیسرا کلمہ پڑھنا بھول گیا، پھر بعد میں یاد آیا، تو دیگر ارکان میں ۷۵؍ کی تعداد پوری کرلی تو کیا میرے اوپر سجدہ سہو لازم ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- صلوٰۃ التسبیح میں تسبیحات کی مقدار میں یا کمی بیشی یا آگے پیچھے ہونے سے سجدۂ سہو لازم نہیں ہوتا؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں آپ کی صلوٰۃ التسبیح درست ہوگئی۔

وإذا تقرر أنه واجبٌ فليعلم أنه لا يجب إلا بترك الواجب من واجبات الصلاة، فلا يجب بترك السنن والمستحبات كالتعوذ والتسمية والثناء والتأمين وتكبيرات الانتقالات والتسبيحات. (حلبي كبير، كتاب الصلاة / فصل في سجود السهو ٤٥٥ لاهور) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۱۷ / ۱۹/۹/۱۴۴۱ھ)

طاق راتوں کی الگ الگ تسبیحات

سوال (۳٦۱):- ایک پرچہ لوگوں میں تقسیم کیا جاتا ہے جس میں اکیسویں شب کی الگ تسبیحات لکھی ہیں کہ اکیسویں شب میں سورۂ بقرہ اور ﴿سَلَامٌ قَوۡلًا مِّنۡ رَّبٍّ رَّحِيۡمٍ﴾ ایک تسبیح، اور بائیسویں شب میں "**يا حنان يا منان**" اور تیئیسویں شب میں "**يا أمان الخائفين**" ایک تسبیح، اور چوبیسویں شب میں فلاں الخ، ہر رات میں اُنہوں نے الگ الگ تسبیح لکھ رکھی ہیں، تو اِن کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- سوال میں مذکور ہر طاق رات کی الگ

الگ تسبیحات کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے، غالبًا یہ مشائخ کے معمولات ووَظائف سے ماخوذ ہیں، اُن کو پڑھنا مباح ہے؛ لیکن اُنہیں مذکورہ تفصیل کے ساتھ لازم یا سنت سمجھنا صحیح نہیں ہے۔

قال الشمني: البدعة: ما أحدث علىٰ خلاف الحق الملتقى عن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم من علم أو عملٍ أو حالٍ بنوع شبهةٍ واستحسان، وجعل دينًا قويمًا وصراطًا مستقيمًا. (شامي، كتاب الصلاة / باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام ٢٩٩/٢ زكريا)

ومنها وضع الحدود والتزام الكيفيات والهيئات المعينة، والتزام العادات المعينة في أوقاتٍ معينةٍ لم يوجد لها ذلك التعيين في الشريعة. (الاعتصام / الباب الأول في تعريف البدع وبيان معناها وما اشتق منه لفظًا ٣٠/١ دار الكتب العلمية بيروت)

من أصر علىٰ أمر مندوبٍ وجعله عزمًا ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصرّ علىٰ بدعةٍ أو منكرٍ. (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة / باب الدعاء عند التشهد ٢٦/٣ تحت رقم: ٩٤٦ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۲۱ / ۱۴۴۱/۹/۲۳ھ)

شب قدر میں کس قدر جاگنا ضروری ہے؟

سوال (۳۶۲):- شب قدر میں پوری رات جاگنا ضروری ہے یا رات کا کچھ حصہ جاگنے سے شب قدر کی فضیلت حاصل ہو جائے گی؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- یاد رکھنا چاہئے کہ شریعت میں محض رات میں جاگنا اصل مطلوب نہیں ہے؛ بلکہ بشاشت اور دل جمعی کے ساتھ عبادت میں لگنا؛ یہ اصل مقصود ہے؛ لہٰذا جتنا بھی سہولت سے ہو سکے، خوش دلی اور توجہ کے ساتھ شب قدر وغیرہ میں عبادات میں مشغول رہنا چاہئے۔ اور جب تھکاوٹ یا نیند کا غلبہ ہو، تو کچھ دیر آرام کر لینا چاہئے۔ یہ تصور کہ شب قدر میں تو کسی حال میں سونا ہی نہیں ہے، اور نیند کے غلبے کے باوجود زبردستی

جاگنے کی کوشش کی جائے، جس کی وجہ سے نہ تو دل جمعی سے عبادت ہو، اور نہ توجہ سے دعا اور مناجات کا موقع ملے، یہ شریعت کی روح کے خلاف ہے۔

چناں چہ ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے، تو دیکھا کہ وہاں ایک رسی بندھی ہوئی ہے، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ اُم المؤمنین سیدتنا حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو بڑی عبادت گذار خاتون تھیں، اُنہوں نے یہ رسی بندھوائی ہے؛ تاکہ اگر نیند آنے لگے تو اُس سے اپنے بال باندھ دیں۔ یہ سن کر پیغمبر علیہ السلام نے اُس رسی کو ہٹوادیا اور فرمایا کہ: ''جب کسی کو نیند آئے تو تکیہ پر سر رکھ دے؛ تاکہ اُس کی اُونگھ ختم ہوجائے، اور جب بشاشت ہو تو عبادت کرے''۔ نیز فرمایا کہ: ''آدمی تو اُکتا سکتا ہے؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کو کبھی اُکتاہٹ نہیں ہوتی''۔

اِس لئے شب قدر یا شب برأت میں مکمل جاگتے رہنا شریعت کا حکم نہیں ہے، دراصل قبولیت کا اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے، بہت سے ایسے لوگ ہیں جو کامل توجہ سے تھوڑی بہت عبادت کرتے ہیں، مگر اُن کا اَجر وثواب پوری پوری رات بے توجہی سے عبادت کرنے والوں کے مقابلے میں بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ. اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ﴾ [المؤمنون: ۱-۲]

وقال تعالیٰ: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرة، جزء آیت: ۲۸۶]

وقال اللّٰه تعالیٰ: ﴿طٰهٰ. مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰى﴾ [طه: ۲]

عن الربيع بن أنس رضي اللّٰه عنه قال: كان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم إذا صلى قام على رجل ورفع الأخرى، فأنزل اللّٰه تعالیٰ: ﴿طٰهٰ. مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰى﴾.

وقال مجاهد في قوله تعالیٰ: ﴿مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰى﴾ هي كقوله: ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ﴾ وكانوا يعلقون الحبال بصدورهم في الصلاة. (تفسير ابن كثير مكمل ص: ۸٤۸ دار السلام رياض)

عن أنس رضي اللّٰه عنه قال: دخل رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم المسجد، وحبل ممدود بين ساريتين، فقال: ما هٰذا؟ قالوا: لزينب، تصلي فإذا كَسِلت أو فَتَرَتْ أمسكت به، فقال: حُلُّوه، لِيُصلِّ أحدكم نشاطه، فإذا كسل أو فتر قعد. وفي حديث زهير: فليقعد. (صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين / باب أمر من نعس في صلاته الخ ص: ٥٣١ رقم: ٧٨٤ بيت الأفكار الدولية)

عن عروة ابن الزبير أن عائشة رضي اللّٰه عنها زوج النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أخبرته، أن الحولاء بنت تويت بن حبيب بن أسد بن عبد العزى مرت بها، وعندها رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فقلت: هذه الحولاء بنتُ تويت، وزعموا أنها لا تنام الليل، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا تنام الليل! خذوا من العمل ما تطيقون، فواللّٰه لا يسأم اللّٰهُ حتى تسأموا. (صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين / باب أمر من نعس في صلاته الخ ص: ٥٣١ رقم: ٧٨٥ بيت الأفكار الدولية)

عن عائشة رضي اللّٰه عنها أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إذا نعس أحدكم في الصلاة فليرقد حتى يذهب عنه النوم، فإن أحدكم إذا صلى وهو ناعس، لعله يذهب يستغفر فيسب نفسه. (صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين / باب أمر من نعس في صلاته الخ ص: ٥٣١ رقم: ٧٨٦ بيت الأفكار الدولية)

حدثنا أبوهريرة عن محمد صلى اللّٰه عليه وسلم فذكر أحاديث منها، وقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا قام أحدكم من الليل، فاستعجم القرآن على لسانه، فلم يدر ما يقول فليضطجع. (صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين / باب أمر من نعس في صلاته الخ ص: ٥٣٢ رقم: ٧٨٧ بيت الأفكار الدولية)

وإحياء ليلة العيدين من شعبان والعشر الأخير من رمضان والأول من ذي الحجة ويكون بكل عبادة تعم الليل أو أكثر (الدر المختار) وقد بسط الشرنبلالي في الإمداد ما جاء في فضل هذه الليالي كلها. قوله: ويكون بكل

عبادة تعم الليل أو أكثره نقل عن بعض المتقدمين. قيل: هو الإمام أبو جعفر محمد بن علي أنه فسر ذلک بنصف الليل، وقال: من أحيیٰ نصف الليل فقد أحي الليل. وذكر في الحلية: أن الظاهر من إطلاق الأحاديث الاستيعاب؛ لكن في صحيح مسلم عن عائشة رضي الله عنها قالت: ما أعلمه – صلى الله عليه وسلم – قام ليلة حتى الصباح، فيترجح إرادة الأكثر أو النصف، لكن الأكثر أقرب إلى الحقيقة ما لم يثبت ما يقتضي تقديم النصف. (رد المحتار: تحقيق فرفور، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ٣٠٢/٤-٣٠٣ دار الثقافة والتراث دمشق سوريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۲۱ / ۱۴۴۱/۹/۲۳ھ)

شب قدر میں کوئی مخصوص عبادت لازم نہیں

سوال (۳۶۳):- کیا شب قدر میں کوئی مخصوص عبادت مقرر ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- شب قدر میں کوئی مخصوص عبادت مقرر نہیں ہے؛ بلکہ جس عبادت میں آپ کا جی لگے اُس میں مشغول رہیں، اور کوشش کریں کہ اِس رات کا زیادہ سے زیادہ وقت توجہ کے ساتھ عبادات (نماز، تلاوت، اَذکار، درود شریف اور دعاوغیرہ) میں گذرے۔

عن عائشة رضي الله عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: تحروا ليلة القدر في الوتر من العشر الأواخر من رمضان. (صحيح البخاري، كتاب فضل ليلة القدر / باب تحري ليلة القدر في الوتر من العشر الأواخر ٢٧٠/١ رقم: ٢٠١٧)

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من صام رمضان إيمانًا واحتسابًا غفر له ما تقدم من ذنبه. ومن قام ليلة القدر إيمانًا واحتسابًا غفر له ما تقدم من ذنبه. (صحيح البخاري، كتاب فضل ليلة القدر / باب فضل ليلة القدر ٢٧٠/١ رقم: ١٩٦٩)

عـن عـائشة أم الـمـؤمنين رضي اللّٰه عنها قلت: يا رسول اللّٰه! أريت إن عـلـمـت أي ليـلة ليلة القدر ما أقول فيها؟ قال: قولي: اللّٰهم إنک عفو تحب العفو فاعف عني. (سنن الترمذي / أبواب الدعوات ۱۹۱/۱ رقم: ۳۵۱۳) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۲۱ / ۱۴۴۱/۹/۲۳ھ)

شب قدر کے مخصوص نوافل؟

سوال (۳٦۴): - شب قدر میں مخصوص سورتوں کی متعینہ مقدار پڑھ کر نوافل اَدا کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- شب قدر میں الگ سے کوئی متعین عبادت یا نوافل کسی حدیث سے ثابت نہیں ہیں؛ بلکہ بلاتعیین مطلقاً عبادت کی ترغیب وارد ہے؛ لہٰذا مخصوص سورتوں کی نوافل کو مسنون نہ سمجھا جائے۔ اور سنت سمجھے بغیر کوئی پڑھنا چاہے تو ناجائز نہیں ہے۔

عـن أبـي هريرة رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: ومن قـام ليـلة الـقـدر إيمانًا واحتسابًا غفر له ما تقدم من ذنبه. (صحيح البخاري، كتاب فضل ليلة القدر / باب فضل ليلة القدر رقم: ۲۰۱٤)

عـن عـائشة رضـي الـلّٰـه عنه قالت: كان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم إذا دخل العشر شدّ مئزره وأحيا ليله وأيقظ أهله. (صحيح البخاري، كتاب فضل ليلة القدر / باب العمل في العشر الأواخر من رمضان رقم: ۲۰۲٤)

الأسـود بـن يـزيـد يقول: قالت عائشة رضي اللّٰه عنها: كان رسول اللّٰه صـلـى اللّٰه عليه وسلم يجتهد في العشر الأواخر ما لا يجتهد في غيره. (صحيح مسلم، كتاب الاعتكاف / باب الاجتهاد في العشر الأواخر من شهد رمضان رقم: ۱۱۷۵)

عـن أبـي ذر رضـي اللّٰه عنه قال: صمنا مع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم رمـضـان فلم يقم بنا شيئًا من الشهر حتى بقي سبعٌ، فقام بنا حتى ذهب ثلث الليل،

فلما كانت السادسة لم يقم بنا، فلما كانت الخامسة قام بنا حتى ذهب شطر الليل، فقلت: يا رسول اللّٰه! لو نفلتنا قيام هذه الليلة؟ قال: فقال: إن الرجل إذا صلى مع الإمام حتى ينصرف حُسب له قيام ليلة. قال: فلما كانت الرابعة لم يقم، فلما كانت الثالثة جمع أهله ونساءه والناس، فقام بنا حتى خشينا أن يفوتنا الفلاح. قال قلت: وما الفلاح؟ قال: السحور، ثم لم يقم بنا بقية الشهر. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / تفريع أبواب شهر رمضان ص: ۲۵۹ رقم: ۱۳۷۵ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۲۶ / ۱۴۴۱/۹/۲۸ھ)

عید کے نوافل پڑھنا

سوال (۳٦٥):- کیا عید کے دن نفل نماز پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- عید کی نماز سے پہلے کوئی بھی نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے؛ لیکن عید کی نماز کے بعد گھر آ کر نفل نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لا يصلي قبل العيد شيئًا، فإذا رجع إلى منزله صلى ركعتين. (سنن ابن ماجة، كتاب إقامة الصلاة والسنة / باب ما جاء في الصلاة قبل صلاة العيد وبعدها رقم: ۱۲۹۳)

ولا يتنفل قبلها مطلقًا، وكذا لا يتنفل بعدها في مصلاها؛ فإنه مكروه عند العامة، وإن تنفل بعدها في البيت جاز؛ بل يندب تنفل أربع، وهذا للخواص، أما العوام فلا يمنعون من تكبير ولا تنفل أصلاً لقلة رغبتهم في الخيرات. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب العيدين ۵۰-۵۲ زكريا، البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب صلاة العيدين ۲۷۹/۲-۲۸۰ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۲۶ / ۱۴۴۱/۹/۲۸ھ)

لاک ڈاؤن میں اگر نماز عید نہ ملے تو نوافل کب پڑھیں؟

سوال (۳٦٦):- موجودہ لاک ڈاؤن کے ماحول میں اگر ہم عید کی نماز مسجد وغیرہ

میں نہ پڑھ سکیں، تو نوافل کب پڑھیں گے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- موجودہ پابندیوں کے ماحول میں اَولاً کوشش کی جائے کہ حسب شرائط نمازِ عید میں شرکت ہو؛ لیکن اگر بالفرض حکومتی پابندی یا اِمام نہ ملنے کی وجہ سے شرکت نہ ہوسکے، تو ایسے لوگ اپنے اپنے گھروں میں انفرادی طور پر ۴/رکعت نمازِ نفل پڑھ سکتے ہیں۔ اِن نوافل کا وقت اشراق سے لے کر زوال سے پہلے تک ہے۔ اور بہتر ہے کہ یہ ۴/رکعت نماز ایک سلام سے پڑھی جائے، اور اگر کوئی ۲-۲/رکعت کر کے پڑھ لے تو اِس کی بھی گنجائش ہے۔

وندب أربع فصاعدًا في الضحى على الصحيح من بعد الطلوع إلى الزوال، ووقتها المختار بعد ربع النهار. وفي المنية: وأقلها ركعتان، وأكثرها اثنتا عشرة، وأوسطها ثمان. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ٤٦٥/٢ زكريا)

قوله: (باب إذا فاته العيد) أي مع الإمام (يصلي ركعتين) في هذه الترجمة حكمان: مشروعية استدراك صلاة العيد إذا فاتت مع الجماعة سواء كانت بالاضطرار أو بالاختيار، وكونها تقضي ركعتين كأصلها، وخالف في الأول جماعة منهم المزني فقال: لا تقضى، وفي الثاني الثوري وأحمد قالا: إن صلاها وحده صلى أربعًا، ولهما في ذلك سلف: قال ابن مسعود: من فاته العيد مع الإمام فليصل أربعًا، أخرجه سعيد بن منصور بإسناد صحيح. وقال إسحاق: إن صلاها في الجماعة فركعتين وإلا فأربعًا. قال الزين بن المنير: كلهم قاسوها على الجمعة، لكن الفرق ظاهر؛ لأن من فاتته الجمعة يعود لفرضه من الظهر، بخلاف العيد انتهى. وقال أبوحنيفة: يتخير بين القضاء والترك وبين الثنتين والأربع. (فتح الباري، كتاب العيدين / باب إذا فاته العيد يصلي ركعتين ٦٠٣/٣ دار الكتب العلمية بيروت)

روي عن ابن مسعود رضي الله عنه أنه قال: من فاتته صلاة العيد صلى أربع ركعات يقرأ في الأولى: بسبح اسم ربك الأعلىٰ، وفي الثانية:

والشمس وضحاها، وفي الثالثة: والليل إذا يغشى، وفي الرابعة: والضحى، وروي في ذلك عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم وعدًا جميلاً وثوابًا جزيلاً، انتهى. (نور الإيضاح مع مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / باب العيدين ص: ۱۹۸-۱۹۹ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۲۸ / ۱۴۴۱/۹/۳۰ھ)

استخارہ کا طریقہ

سوال (۳۶۷):- استخارے کا آسان طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- استخارے کے معنی ’’اللہ سے خیر طلب کرنے کے ہیں‘‘۔ اور اِس کا طریقہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بتلایا ہے کہ ۲؍رکعت نفل نماز استخارے کی نیت سے پڑھی جائے، اُس کے بعد پوری توجہ کے ساتھ یہ دعا مانگیں:

اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَاَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ، فَإِنَّکَ تَقْدِرُ وَلاَ أَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلاَ أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ، اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ خَیْرٌ لِیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ أَمْرِیْ، أَوْ قَالَ عَاجِلِ أَمْرِیْ وَاٰجِلِهٖ فَاقْدُرْهُ لِیْ وَیَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْهِ، وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ أَمْرِیْ أَوْ قَالَ عَاجِلِ أَمْرِیْ وَاٰجِلِهٖ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدِرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِیْ بِهٖ. قَالَ وَیُسَمِّیْ حَاجَتَهٗ. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة / باب التهجد بالليل حديث: ۱۱۶۲، سنن الترمذي، أبواب الوتر / باب ما جاء في صلاة الاستخارة رقم: ۴۸۰، سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / باب في الاستخارة رقم: ۱۵۳۸)

ترجمہ:- ’’اے اللہ! میں آپ کے علم کے ذریعہ خیر کا طالب ہو، اور آپ کی قدرت سے طاقت حاصل کرنا چاہتا ہوں، اور آپ کے فضلِ عظیم کا سائل ہوں، بے شک آپ قادر ہیں اور میں قدرت نہیں رکھتا، اور آپ کو علم ہے کہ میں لاعلم ہوں، اور آپ چھپی ہوئی باتوں سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اے اللہ! اگر آپ علم کے مطابق یہ کام (یہاں اس کام کا تصور کرے) میرے حق

میں دینی، دنیوی اوراخروی اعتبار سے (یا فی الحال اورانجام کار کے اعتبار سے) بہتر ہے، تو اسے میرے لئے مقدر فرمایئے، اوراسے میرے حق میں آسانی کرکے اس میں مجھے برکت سے نوازے، اوراگرآپ کوعلم ہے کہ یہ کام (یہاں کام کا تصورکرے) میرے حق میں دینی، دنیوی اور اخروی اعتبار سے (یا فی الحال اورانجام کے اعتبار سے) برا ہے تو اس کو مجھ سے اور مجھے اس سے ہٹادے اور جس جانب خیر ہے وہی میرے لئے مقدر فرمادے، پھر مجھے اس عمل سے راضی کردے"۔

دعا پڑھتے ہوئے جب هٰــذا الأمــر پر پہنچے تو دونوں جگہ اس کام کا دل میں دھیان جمائے جس کے لئے استخارہ کررہا ہے یا دعا پوری پڑھنے کے بعد اس کام کو ذکر کرے۔ دعا کے شروع اوراخیر میں اللہ کی حمد وثناء اور درود شریف بھی ملالے، اوراگرعربی میں دعا نہ پڑھی جاسکے تو اردو یا اپنی مادری زبان میں اسی مفہوم کی دعا مانگے۔ اور بہتر ہے کہ ۳/دن سے ۷/دن تک یہ عمل کرے، پھر جس جانب شرحِ صدر ہو، اُس کو عمل میں لائے۔ (شامی ۲/۴۷۰ زکریا)

اوراگرفوری طور پرکسی کام میں فیصلے کی ضرورت ہو، اور وقت میں گنجائش نہ ہوتو کم ازکم یہ دعا کرلے: "اَللّٰهُمَّ خِرْ لِيْ وَاخْتَرْ لِيْ" (اے اللہ میرے لئے آپ خیر پسند فرمالیجئے) اور یہ دعا کرکے پھر آگے قدم بڑھادے تب بھی ان شاء اللہ خیر ہوگی۔ اور اِس کے علاوہ بھی متعدد طریقے بعض بزرگوں سے منقول ہیں، اگراُن میں کوئی خلاف شریعت بات نہ پائی جائے تو اُن کو بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔

عن جابر بن عبد اللّٰہ قال: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یعلمنا الاستخارة کما یعلمنا السورة من القرآن، یقول لنا: إذا هم أحدکم بالأمر فلیرکع رکعتین من غیر الفریضة، ولیقل: اللّٰهم إني استخیرک بعلمک، واستقدرک بقدرتک، واسألک من فضلک العظیم؛ فإنک تقدر ولا أقدر وتعلم ولا أعلم، وأنت علام الغیوب، اللّٰهم إن کنت تعلم أن هذا الأمر – یسمیه بعینه الذي یرید – خیر لي في دیني ومعاشي ومعادي وعاقبة أمري، فاقدره لي ویسره لي وبارک لي فیه. اللّٰهم وإن کنت تعلمه شرًا لي – مثل

الأول – فاصرفني عنه واصرفه عني، واقدر لي الخير حيث كان، ثم رضّني به. أو قال: في عاجل أمري وآجله. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / باب: في الاستخارة رقم: ١٥٣٨، صحيح البخاري، كتاب الصلاة / باب التهجد بالليل رقم: ١١٦٢)

عن عائشة رضي الله عنها عن أبي بكر الصديق رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا أراد أمرًا قال: اللّٰهم خر لي واختر لي. (سنن الترمذي، أبواب الدعوات عن رسول الله صلى الله عليه وسلم / باب رقم: ٣٥١٦)

قوله: "اللّٰهم خر لي" الخ، لعل المراد بالأول أن يقدر له الخير، وبالثاني أن يختار له من بين الأمور خيرًا، فالأول إشارة إلى محو الشر لو كتب له وثبت الخير مكانه. والثاني إلى إرجاع الخير إيه من حيث كان، أو يكون اللام زائدة، أى: خرني اجعلني خيرًا، والتفاوت على هذا التقدير بين السؤالين ظاهر. فالأول سؤال عن أن يجعل الله ذاته ونفسه خيرًا، والثاني أن يجعل ما يكسبه ويحمله، ويرد عليه من الأحوال والكيفيات، وما يعامل به من الديانات والبياعات، ومن يفتقر إليه في تمدنه وغير ذلک خيرًا لا شرًا خبيثًا. (الجامع الكبير على سنن الترمذي، أبواب الدعوات عن رسول الله صلى الله عليه وسلم / باب ٥٧٦/٧ تحت رقم: ٣٥١٦ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي مظفرفور أعجم جراه)

ومنها ركعتا الاستخارة (الدر المختار) ...... وينبغي أن يكررها سبعًا لما روي ابن السني: يا أنس! إذا هممت بأمر فاستخر ربک فيه سبع مرات ثم انظر إلى الذي سبق إلى قلبک فإن الخير فيه. ولو تعذرت عليه الصلاة استخار بالدعاء. وفي شرح الشرعة: المسموع من المشايخ أنه ينبغي أن ينام على طهارة مستقبل القبلة بعد قراءة الدعاء المذكور، فإن رأى في منامه بياضًا أو خضرة فذلک الأمر خير، وإن رأى فيه سوادًا أو حمرة فهو شر ينبغي أن يجتنب اهـ. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ٤٧٠/٢ – ٤٧١ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۳۰ / ۱۴۴۱/۱۰/۱۴ھ)

دوسرے سے استخارہ کرانا

سوال (۳٦۸):- کیا دوسرے سے بھی استخارہ کرا سکتے ہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسنون یہی ہے کہ صاحبِ معاملہ خود استخارہ کرے؛ لیکن اگر دوسرے سے کرالے تو بھی درست ہے؛ کیوں کہ استخارہ ایک دعا ہے جو کوئی بھی کرسکتا ہے۔

عن جابر بن عبد الله قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلمنا الاستخارة كما يعلمنا السورة من القرآن، يقول لنا: إذا هم أحدكم بالأمر فليركع ركعتين من غير الفريضة ...... الخ. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / باب: في الاستخارة رقم: ١٥٣٨، صحيح البخاري، كتاب الصلاة / باب التهجد بالليل رقم: ١١٦٢)

عن أبي الدرداء رضي الله عنه أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من دعا لأخيه بظهر الغيب قال الملك المؤكل به: آمين، ولك بمثلٍ. (صحيح مسلم / كتاب الذكر والدعاء رقم: ٢٧٣٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۳۰ / ۱۴۴۱/۱۰/۱۴ھ)

دونوں سجدوں میں دعائیں پڑھنا

سوال (۳٦۹):- فرض، سنت، نفل اور واجب نمازوں میں دونوں سجدوں کے درمیان کوئی دعا پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- دونوں سجدوں کے درمیان ماثور دعائیں پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی؛ البتہ فقہاء احناف لکھتے ہیں کہ اِمام کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ اِس وقت میں لمبی دعائیں نہ پڑھے؛ تاکہ مقتدیوں پر گرانی نہ ہو۔ اور منفرد شخص کے پڑھنے میں مطلقاً کوئی حرج نہیں ہے، متعدد اَحادیث شریفہ سے اِس کا ثبوت ملتا ہے۔

عن ابن عباس رضي الله عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يقول

بين السجدتين: اللّٰهم اغفرلي وارحمني واجبرني واهدني وارزقني. (سنن الترمذي، أبواب الصلاة / باب ما يقول بين السجدتين ١/٦٣ رقم: ٢٨٤)

ويجلس بين السجدتين مطمئنًا وليس بينهما ذكر مسنون، وكذا ليس بعد رفعه من الركوع دعاء، وكذا لا يأتي في ركوعه وسجوده بغير التسبيح على المذهب. وما ورد محمولٌ على النفل (الدر المختار) **قوله: ليس بينهما ذكر مسنون، قال أبويوسف: سألت الإمام: أيقول الرجل إذا رفع رأسه من الركوع والسجود اللّٰهم اغفرلي؟ قال: يقول ربنا لک الحمد وسكت، ولقد أحسن في الجواب إذ لم ينه عن الاستغفار. أقول: بل فيه إشارة إلى أنه غير مكروه، إذ لو كان مكروهًا نهي عنه كما ينهى عن القراءة في الركوع والسجود، وعدم كونه مسنونًا لا ينافي الجواز كالتسمية بين الفاتحة والسورة؛ بل ينبغي أن يندب الدعاء بالمغفرة بين السجدتين خروجًا من خلاف الإمام أحمد. قوله: أي تهجدًا أو غيره، خزائن. وكتب في هامشه: فيه رد على الزيلعي حيث خصه بالتهجد، ثم الحمل المذكور صرح به المشائخ في الوارد في الركوع والسجود، وصرح به في الحلية في الوارد في القومة والجلسة. وقال علي: إنه إن ثبت في المكتوبة فليكن حالة الإنفراد أو الجماعة، والمأمومون محصورون لا يتثقلون بذلک، كما نص عليه الشافعية، ولا ضرر في التزامه، وإن لم يصرح به مشايخنا، فإن القواعد الشرعية لا تنبو عنه كيف والصلاة والتسبيح والتكبير والقراءة كما ثبت في السنة.** (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ٢/٢١٣ زكريا، ١/٥٠٦ كراچی، منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ١/٥٦١ زكريا، ١/٣٢١ كراچی) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۳۳ / ۱۴۴۱/۱۰/۲۸ھ)

عیدین کی راتوں میں عبادت؟

سوال (۳۷۰):- عید کی رات میں عبادت کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- فقہی کتابوں میں یہ بات لکھی گئی ہے کہ عیدین کی راتوں میں عبادت کرنا مستحب اور پسندیدہ ہے؛ لیکن اُس میں کوئی عبادت متعین نہیں ہے، جس میں بھی جی لگے اور بشاشت ہو، اُس عبادت میں انفرادی طور پر مشغول رہ سکتے ہیں۔ اور اِس بارے میں نبی اکرم علیہ السلام سے ایک روایت بھی زبان زد ہے کہ ''جو شخص عیدین کی شب عبادت میں گذارے تو اُس کا دل اُس دن مردہ نہیں ہوگا جس دن عام لوگوں کے دلوں پر مردنی چھائی ہوئی ہوگی''۔ یہ روایت اگرچہ بہت مشہور ہے؛ لیکن سنداً بہت ضعیف ہے، بہرحال عبادت کرنے میں حرج نہیں ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ سب کی عبادات کو قبول فرمائیں، آمین۔

عن أبي أمامة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من قام ليلتي العيدين محتسبًا لله، لم يمت قلبه يوم تموت القلوب. (سنن ابن ماجة، كتاب الصيام / باب فيمن قام في ليلتي العيدين ص: ٤١٥ رقم: ١٧٨٢ دار الفكر بيروت)

عن معاذ بن جبل رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أحيا الليالي الخمس وجبت له الجنة: ليلة التروية، وليلة عرفة، وليلة النحر، وليلة الفطر، وليلة النصف من شعبان. (رواه الأصبهاني، الترغيب والترهيب مكمل، كتاب العيدين والأضحية / الترغيب في إحياء ليلتي العيدين ص: ٢٥٥ رقم: ١٦٧٨ بيت الأفكار الدولية)

عن عبادة بن الصامت رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من أحيا ليلة الفطر وليلة الأضحى، لم يمت قلبه يوم تموت القلوب. رواه الطبراني في الكبير والأوسط، وفيه عمر بن هارون البلخي، والغالب

عليه الضعف، وأثنى عليه ابن مهدي وغيره؛ ولكن ضعفه جماعة كثيرة، والله أعلم. (مجمع الزوائد، كتاب أبواب العيدين / باب إحياء ليلتي العيدين ٤٣١/٥ دار المنهاج، الترغيب والترهيب مكمل، كتاب العيدين والأضحية / الترغيب في إحياء ليلتي العيدين ص: ٢٥٥ رقم: ١٦٧٩ بيت الأفكار الدولية)

[قال البويصري: هذا إسناد ضعيف لتدليس بقية ورواته ثقات، لكن لم ينفرد به بقية عن ثور بن يزيد، فقد رواه الأصبهاني في كتاب الترغيب من طريق عمر بن هارون البلخي (وهو ضعيف) عن ثور، به.

وله شاهد من حديث عبادة بن الصامت، رواه الطبراني في الأوسط والكبير، والأصبهاني من حديث معاذ بن جبل، فيتقى بمجموع طرفه]

قال السندي: قوله: من قام ليلتي العيدين، ظاهره أن يحيي كل الليلة بالعبادة، والمرجو أن قيام التهجد يكفي.

(يوم تموت القلوب) أي: لكثرة الذنوب، والمراد إن أدركه ذلك اليوم يكون هو مخصوصًا من بين الناس بحياة القلب.

وفي الزوائد: إسناده ضعيف لتدليس بقية، والله تعالىٰ أعلم. (شروح سنن ابن ماجة، كتاب الصيام / باب فيمن قام ليلتي العيدين مكمل ص: ٧٠٠ تحت رقم: ١٧٨٢ بيت الأفكار الدولية)

وإحياء ليلة العيدين ...... ويكون بكل عبادة تعم الليل أو أكثره. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ٤٦٩/٢ زكريا) *فقط واللہ تعالیٰ اعلم*

(دینی رہنمائی:۲۸ / ۱۴۴۱/۹/۳۰ھ)

تراویح کے مسائل

کیا باجماعت تراویح پر بھی ۲۷؍درجہ ثواب ملتا ہے؟

سوال (۳۷۱):- کیا تراویح کی نماز باجماعت پڑھنے پر بھی ۲۷؍درجے والی نماز کا وعدہ ہے؟ مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- ۲۷؍گنا ثواب کا وعدہ مطلقاً باجماعت نماز کے بارے میں ہے، جس کے ضمن میں تراویح بھی شامل ہے، اِن شاءاللہ تعالیٰ۔

عن عبد اللّٰه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: صلاة الجماعة تفضل صلاةَ الفذ بسبع وعشرين درجة. (صحيح البخاري، كتاب الأذان / باب فضل صلاة الجماعة رقم: ٦٤٥، صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة / باب فضل صلاة الجماعة الخ رقم: ٦٥٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۲۲ / ۱۴۴۱/۹/۲۴ھ)

ایک سلام سے ۴؍رکعت تراویح پڑھنا

سوال (۳۷۲):- تراویح کی نماز ایک سلام سے ۴؍رکعت پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اگر دوسری رکعت پر قعدہ کیا جائے، تو ایک سلام سے ۴؍رکعت تراویح پڑھنے کی بھی گنجائش ہے؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ ۲-۲؍رکعت پر سلام پھیر کر ۲۰؍رکعت مکمل کی جائیں۔

إذا صلى ترويحة بتسليمة واحدة، فهذه المسألة على وجهين، الأول:

أن يقعد على رأس الركعتين، وفي هذا الوجه اختلاف المشايخ. قال بعض المتقدمين: لا يجزيه إلا عن تسليمة واحدة. وقال بعض المتقدمين وعامة المتأخرين: إنه يجزيه عن تسليمتين. قال القاضي الإمام أبو على النسفي: هو الصحيح، ولو صلى ستا أو ثمانيا. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل الثالث عشر في التراويح ۳۲۹/۲ رقم: ۲۵۶۹ زكريا)

وإن صلى أربع ركعات بتسليمةٍ واحدة ...... لو قعد على رأس الركعتين جازت عن تسليمتين بالاتفاق. (حلبي كبير، فصل في التراويح ٤٠٨ المكتبة الأشرفية ديوبند)

وإن قعد في الثانية قدر التشهد اختلفوا فيه، فعلى قول العامة: يجوز عن تسليمتين، وهو الصحيح. (الفتاوىٰ الهندية، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح ۱۱۸/۱ زكريا، خانية على هامش الهندية، كتاب الصلاة / باب التراويح، فصل في السهو وأحكامه ۲٤٠/۱ قديم) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲۲ / ۱۴۴۱/۹/۲۴ھ)

تراویح میں ایک سلام سے چار رکعتیں پڑھنا

سوال (۳۷۳): - تراویح کی نماز ایک سلام سے ۴؍رکعت پڑھ سکتے ہیں یا نہیں پڑھ سکتے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد: - اگر ۲؍رکعت پر قعدہ کیا ہے تو ۴؍ پڑھنے کی گنجائش ہے؛ لیکن بہتر یہی ہے کہ تراویح ۲-۲؍رکعت کر کے پڑھی جائے؛ کیوں کہ متوارث عمل یہی ہے کہ تراویح کی نماز ۱۰؍سلاموں سے ۲۰؍رکعت پڑھی جائیں۔ اور اس میں جلد بازی مناسب نہیں ہے۔ (اِمداد الفتاویٰ حاشیہ ۴۹۷-۴۹۸/محشی: مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ، اِمداد الفتاویٰ جدید مطول حاشیہ ۲/۷/۳ زکریا)

وإن صلى أربع ركعات بتسليمةٍ واحدة ...... ولو قعد على رأس الركعتين جازت عن تسليمتين بالاتفاق (حلبي كبير / كتاب الصلاة ٤٠٨)

في الفتاویٰ: ولو صلی أربعًا بتسليمة ...... إن قعد في الثانية قدر التشهد اختلفوا فيه، فعلى قول العامة يجوز عن تسليمتين، وهو الصحيح، هكذا في فتاویٰ قاضي خان. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / فصل في التراويح ۱/ دار إحياء التراث العربي بيروت، خانية على هامش الهندية، كتاب الصلاة / فصل في السهو ۲٤۰/۱ دار إحياء التراث العربي بيروت، الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل الثالث عشر في التراويح ۳۳۰/۲ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۳ / ۵/۹/۱۴۴۱ھ)

تراویح میں ۲؍رکعت پر قعدہ کئے بغیر اِمام کھڑا ہوگیا

سوال (۳۷۴):- اگر تراویح میں اِمام صاحب ۲؍رکعت پر قعدہ کے بجائے کھڑے ہوجائیں اور مقتدی کے یاددلانے پر بیٹھ جائیں اور سجدۂ سہو کے بغیر سلام پھیر دیں، تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں تراویح کی دوسری رکعت میں قعدہ کے بجائے کھڑے ہوجانے کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب تھا، اگر سجدۂ سہو نہیں کیا تو یہ نماز واجب الاعادہ ہے۔ اِمام صاحب اور مقتدیوں کو چاہئے کہ بعد میں کسی وقت اُس کی تلافی کے طور پر دو رکعت نماز اَدا کرلیں۔ (کفایت المفتی ۵۰/۵ جدید زکریا)

ولو سها عن القعود الأخير كله أو بعضه عاد – إلیٰ قوله – ما لم يقيدها بسجدة؛ لأن ما دون الركعة محل الرفض، وسجد للسهو لتاخير القعود، وإن قيدها بسجدة – إلیٰ قوله – تحول فرضه نفلا برفعه. (رد المحتار ۵۵۰/۲-۵۵۱ زكريا، الهداية مع الفتح، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ۵۰۸/۱-۵۰۹ دار الفكر بيروت، البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ۱۷۸/۲ زكريا، النهر الفائق، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ۳۲٦/۱ زكريا)

ولها واجبات لا تفسد بتركها وتعاد وجوبًا في العمد والسهو إن لم يسجد له، وإن لم يعدها يكون فاسقًا آثمًا (الدر المختار) وهل تجب الإعادة

بترك سجود السهو لعذر، كما لو نسيه أو طلعت الشمس في الفجر؟ لم أره فليراجع، والذي يظهر الوجوب كما هو مقتضى إطلاق الشارح؛ لأن النقصان لم ينجبر بجابر، وإن لم يأثم بتركه فليتأمل. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ۱٤٦/۲-۱٤٧ زكريا)

فلا تفسد الصلاة بتركها عامدًا أو ساهيًا؛ بل يجب عليه سجود السهو في السهو جبرًا للنقصان الحاصل بتركها سهوًا، والإعادة في العمد والسهو إذا لم يسجد لتكون مؤداة على وجه لا نقص فيه، فإذا لم يعدها كانت مؤداة أداء مكروهًا كراهة تحريم. وهذا هو الحكم في كل واجب تركه عامدًا أو ساهيًا. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ۵۱۵/۱ دار الكتب العلمية بيروت وزكريا ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۷ / ۱۴۴۱/۹/۹ھ)

تراویح کی دوسری رکعت میں قعدہ کے بجائے قیام؟

سوال (۳۷۵):- اِمام صاحب تراویح کی دوسری رکعت میں تشہد میں بیٹھنے کے بجائے تکبیر کہتے ہوئے کھڑے ہونے کے قریب ہوگئے، یاد آنے پر پھر تکبیر کہتے ہوئے بیٹھ گئے، اور نماز مکمل کردی؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- مسئولہ صورت میں اگر اِمام صاحب قیام کی حالت کے قریب پہنچ گئے تھے، تو اُن پر سجدۂ سہو لازم تھا، بہتر ہے کہ اُن دو رکعتوں کا اِعادہ کرلیں۔

عن أبي بكر الإسكاف رحمه الله تعالىٰ قال: أنه سئل عن رجل قام إلى الثالثة في التراويح ولم يقعد في الثانية، قال: إن تذكر في القيام ينبغي أن يعود ويقعد ويسلم ما لم يقيد الثالثة بالسجدة، وإن تذكر بعد ما ركع للثالثة وسجد فإن

أضاف إليها ركعة أخرى فإن هذه الأربعة عن ترويحةواحدة يعني عن الركعتين.

(خانية على الهندية، كتاب الصلاة / فصل في السهو ۲٤۰/۱ دار إحياء التراث العربي بيروت)

وإن قعد في الرابعة ثم قام عاد وسلم وسجد للسهو لنقصان فرضه بتأخير السلام. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ۵۵۳/۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲۱ / ۱۴۴۱/۹/۲۳ھ)

تراویح میں ثنا پڑھنا بھول گیا

سوال(۳۷۶):- اگر تراویح میں ثنا پڑھنا بھول جائیں تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- نماز میں ثنا پڑھنا مسنون ہے، اگر وہ بھول سے رہ جائے، تو اُس کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا اور نماز درست ہوجاتی ہے؛ لیکن بالقصد جلد بازی کی بنا پر نماز میں ثنا چھوڑنے کی عادت نہیں بنانی چاہئے۔

سجدة السهو واجبة ...... ووجهه أنه شرع لجبر النقصان وأداء العبادة بصفة الكمال واجب، فوجب وصار كدماء الحج ...... وإذا تقرر أنه واجب فليعلم أنه لا يجب إلا بترك الواجب من واجبات الصلاة، فلا يجب بترك السنن والمستحبات كالتعوذ والتسمية والثناء والتأمين وتكبيرات الانتقالات والتسبيحات. (حلبي كبير، كتاب الصلاة / فصل في سجود السهو ص: ٤٥٥ لاهور)

يجب بعدم سلام واحد عن يمينه فقط سجدتان بترك متعلق بيجب واجبٌ سهوًا. قوله: بترك واجب، أي من واجبات الصلاة الأصلية لا كل واجب، واحترز بالواجب عن السنة كالثناء والتعوذ ونحوهما وعن الفرض. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ۵٤۳/۲ زكريا، حلبي كبير ص: ٤٥٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۸ / ۱۴۴۱/۹/۱۰ھ)

تراویح میں ثنا پڑھے بغیر الحمد شریف شروع کرنا؟

سوال (۳۷۷):- اگر جلدی تراویح پڑھنے کی غرض سے اِمام صاحب ثنا کے بغیر الحمد شروع کردیں یا قعدۂ اخیرہ میں درود شریف کے بعد والی دعا پڑھے بغیر یا صرف التحیات پڑھ کر ہی سلام پھیر دیں، تو ایسا کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- نماز میں ثنا اور دعاء ماثورہ پڑھنا واجب نہیں؛ بلکہ مسنون ہے؛ لہٰذا اُن کو نہ پڑھنے سے نماز تو درست ہوجائے گی؛ البتہ ترکِ سنت کی وجہ سے نقص رہے گا؛ لہٰذا جلد بازی کی بنا پر اُن کے ترک کی عادت بنالینا ہرگز پسندیدہ نہیں ہے۔ سنن ومستحبات کی رعایت رکھتے ہوئے ہی نماز پڑھنی چاہئے۔

عن عبد اللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا جلس أحدكم فليقل: التحيات للّٰه والصلوات ...... الخ، ثم ليتخر أحدكم من الدعاء أعجبه إليه فيدعو به. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / باب التشهد رقم: ٩٦٨ دار الفكر بيروت، صحيح مسلم، كتاب الصلاة / باب التشهد في الصلاة رقم: ٤٠٢)

ودعا بالعربية ...... بالأدعية المذكورة في القرآن والسنة لا بما يشبه كلام الناس ...... ثم يسلم عن يمينه ويساره. (تنوير الأبصار للتمرتاشي على الدر المختار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ٢٢٣/٢-٢٣٧ زكريا)

وقد تقدم أن الدعاء آخرها سنة لحديث ابن مسعود رضي اللّٰه عنه ...... وإن كان في آخرها دعا يعني النبي صلى اللّٰه عليه وسلم بعد التشهد بما شاء أن يدعو ثم يسلم. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ٥٧٦/١ دار الكتب العلمية بيروت وزكريا ديوبند)

ترك السنة لا يوجب فسادًا ولا سهوًا؛ بل إساءة لو عامدًا غير مستحف، وقالوا: الإساءة أدون من الكراهة. قوله: الإساءة الخ، لكن صرح

ابن نجيم في شرح المنار بأن الإساء ة أفحش من الكراهة، وهو المناسب هنا لقول التحرير، وتاركها يستوجب إساء ة: أي التضليل واللوم، حكم السنة أن يندب إلى تحصيلها ويلام على تركها مع لحوق إثم يسير. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ۲/ ۱۷۰ زكريا)

قوله: مستفتحًا هو حال من الوضع أي يضع قائلا سبحانك اللّٰهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالىٰ جدك ولا إلٰه غيرك. وقد تقدم أنه سنة لرواية الجماعة أنه كان صلى اللّٰه عليه وسلم يقوله إذا افتتح الصلاة، أطلقه فأفاد أنه يأتي به كل مصل إمامًا كان أو مأموما أو منفردًا. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ۱/ ۵۴۰ دار الكتب العلمية بيروت وزكريا ديوبند، الدر المختار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ۲/ ۱۸۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۷ / ۱۴۴۱/۹/۹ھ)

کیا تراویح کی ہر رکعت میں ثنا پڑھی جائے گی؟

سوال (۳۷۸):- تراویح کی نماز میں ثناء ہر رکعت میں پڑھی جائے گی یا صرف پہلی رکعت میں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- تراویح کی ہر دو رکعتوں میں سے پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے بعد ثنا پڑھنا مسنون ہے، اور دوسری رکعت میں ثناء نہیں پڑھی جائے گی۔ نیز دیگر نمازوں میں بھی صرف پہلی رکعت میں ثنا پڑھنے کا حکم ہے۔

وخامسها: الثناء أي قراء ة سبحانك اللّٰهم. (حلبي كبير / فصل في السنن ص: ۳۸۲)

والركعة الثانية كالأولى غير أنه لا يأتي بثناء ولا تعوذ فيها إذ لم يشرعا إلا مرةً. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ۲/ ۲۱۴ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۱۲ / ۱۴۴۱/۹/۱۴ھ)

تراویح میں جلدی جلدی قرآن پڑھنا

سوال (۳۷۹):- آج کل حفاظ بہت جلدی جلدی تراویح پڑھاتے ہیں، تو اِس طرح تراویح پڑھانا صحیح ہے یا نہیں؟ اور میرا جی چاہتا ہے کہ اطمینان وسکون سے تراویح پڑھائیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- قرآنِ کریم کو ترتیل کے ساتھ یعنی قواعد تجوید اور مخارج کی رعایت رکھتے ہوئے پڑھنا چاہئے، اُس کو اتنا جلدی پڑھنا کہ حروف کٹ جائیں، یا غلطیاں رہ جائیں؛ یہ قرآنِ کریم کی بے حرمتی اور سخت بے اَدبی ہے۔ اِسی طرح تراویح میں نماز کے سبھی اَرکان کو اِطمینان وسکون کے ساتھ اَدا کرنا چاہئے، اُس میں جلد بازی کرنا ہرگز درست نہیں ہے۔

الترتيل في القراء ة أي تبيين حروفها والتأني في أدائها ليكون أدعى إلى فهم معانيها، والأمر بذلک إن لم يكن للوجوب يكون مستحبًا ...... الخ. والتحقيق أن لكل من الإسراع والترتيل جهة فضل، بشرط أن يكون المسرع لا يخل بشيء من الحروف والحركات والسكون الواجبات، فلا يمتنع أن يفضل أحدهما الآخر وأن يستويا. (فتح الباري، كتاب فضائل القرآن / باب الترتيل في القراءة ١١/١٠٩-١١٠ رقم: ٥٠٤٣ دار الكتب العلمية بيروت)

ويستحب الاطمئنان وهو التعديل في الأركان بتسكين الجوارح في الركوع والسجود حتى تطمئن مفاصله في الصحيح (مراقي الفلاح) وفي الطحطاوي: ويستقر كل عضو في محله بقدر تسبيحة كما في القهستاني هذا قول أبي حنيفة ومحمد على تخريج الكرخي. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح / فصل في بيان واجب الصلاة ص: ١٣٥ قديمى كتب خانه كراچى، الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة، مطلب: لا ينبغي أن يُعدل عن الدراية ٢/١٥٧ زكريا)

ويجتنب المنكرات هذرمة القراء ة (الدر المختار) قوله هذرمة:

سرعة الكلام والقراءة. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ٤٩٩/٢ زكريا)

فالظاهر اختيار الأخف على القوم ...... إلا أنه قد زاد بعض الأئمة من فعلها على هذا الوجه منكرات من هذرمة القراءة وعدم الطمأنينة في الركوع والسجود وفيما بينهما وفيما بين السجدتين مع اشتمالهما على ترك الثناء والتعوذ والبسملة في أول كل شفع وترك الاستراحة فيما بين كل ترويحتين. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ١٢١/٢ دار الكتب العلمية بيروت وزكريا ديوبند، ٦٩/٢ كراچی)

ويكره الإسراع في القراءة وفي أداء الأركان، كذا في السراجية. وكلما رتل فهو حسن، كذا في قاضي خان. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب التاسع في النوافل ١١٧/١ رشيدية) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۵ / ۱۴۴۱/۹/۷ھ)

تراویح میں ترتیب کے خلاف قرأت؟

سوال (۳۸۰):- کیا تراویح میں ترتیب اور تسلسل کے ساتھ قرأت ضروری ہے؟ اگر ہم چند رکعات میں پندرھواں پارہ پڑھ کر بعد کی رکعات میں پہلا پارہ پڑھ لیں، تو کوئی حرج تو نہیں ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- واضح ہو کہ نماز میں قرأت کی ترتیب کا حکم ایک سلام سے پڑھی جانے والی نماز میں ہوتا ہے۔ مثلاً: ۲؍رکعت تراویح میں پہلی رکعت میں قرآنِ کریم کا جو حصہ پڑھا جائے وہ دوسری رکعت میں پڑھے جانے والے حصے سے پہلے کا ہونا چاہئے، جیسا کہ اگر کسی پارے کا پہلا رکوع پہلی رکعت میں پڑھا گیا تو دوسری رکعت میں اُس کے بعد والے حصے میں سے ہی قرأت ہونی چاہئے۔ بالقصد ایک نماز میں ترتیب کے خلاف قرأت کرنا مکروہ ہے؛ لیکن جب سلام پھیر دیا گیا، تو اَب پچھلی ترتیب کا معاملہ ختم

ہوجائے گا، اور دوسری نماز میں اَز سرِنو ترتیب ملحوظ رکھنے کا حکم ہوگا۔ اُس میں یہ ضروری نہیں ہے کہ گذشتہ ۲؍رکعتوں میں جو قرأت کی گئی، اُس سے آگے تلاوت کی جائے؛ بلکہ اُس سے پہلے یا بعد کے حصے سے بھی قرأت کی جاسکتی ہے۔ بریں بنا مسئولہ صورت میں تراویح کی ابتدائی رکعات میں پندرھواں پارہ پڑھنا اور بعد کی رکعات میں پہلا پارہ پڑھنا شرعاً منع نہیں ہے؛ اِس لئے کہ ترتیب کے معاملے میں ہر ۲؍رکعت کا حکم الگ ہے۔

لا بأس أن يقرأ في الأولىٰ من محل، وفي الثانية من آخر ولو من سورة. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة، مطلب في القراءة خارج الصلاة ۲٦٨/٢ زكريا، ۵٤٦/١ كراچى)

وإذا قرأ في ركعة سورة وفي الركعة الأخرىٰ أو في تلك الركعة سورة فوق تلك السورة يكره. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة، الفصل الرابع في القراءة ٧٨/١ زكريا، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل الثاني في القراءة ٦٨/٢ رقم: ١٧٦٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۷ / ۱۴۴۱/۹/۹ھ)

جس کو صرف ۲؍سورتیں یاد ہوں وہ تراویح کیسے پڑھیں؟

سوال (۳۸۱): - اگر کسی کو صرف ۲؍سورتیں یاد ہوں تو کیا وہ اُنہیں ۲؍سورتوں کو بار بار پڑھتا رہے، اِس سے تراویح درست ہوجائے گی؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد: - آپ انہیں ۲؍سورتوں کو بار بار پڑھتے رہیں، آپ کی تراویح درست ہوجائے گی، کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

عن معاذ بن عبد الله الجهني أن رجلا من جُهينة أخبره أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقرأ في الصبح: ﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ﴾ في الركعتين كلتيهما، فلا أدري أنسيَ رسول الله صلى الله عليه وسلم أم قرأ ذلك عمدًا؟ (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، أبواب تفريع استفتاح الصلاة / باب الرجل يُعيد سورةً واحدةً في الركعتين رقم: ٨١٦)

وبهٰذا الحديث قال بعض مشائخنا: إنه إذا كرر سورة في ركعتين لا يكره، وقيل: يكره. وفي الأصل: إذا قرأ سورة واحدةً في ركعتين. اختلف المشائخ فيه، والأصح أنه لا يكره، ولكن ينبغي أن لا يفعل، ولو فعل لا بأس به. (شرح أبي داؤد للعيني / باب الرجل يعيد سورة واحدةً في الركعتين ٤٨٣/٣ تحت رقم: ٧٩٤ مكتبة الرشد الرياض)

أو فعله عمدًا لبيان الجواز فتكون الإعادة مترددة بين المشروعية وعدمها، وإذا دار الأمر بين أن يكون مشروعًا أو غير مشروع فحمل فعله صلى اللّٰه عليه وسلم على المشروعية أولىٰ؛ لأن الأصل في أفعاله التشريع والنسيان خلاف الأصل. (عون المعبود ص: ٣٧٩ تحت رقم: ٨١٦ بيت الأفكار الدولية)

لا بأس أن يقرأ سورة ويعيدها في الثانية ...... ولا يكره في النفل شيء من ذلك (الدر المختار) أفاد أنه يكره تنزيهًا. ويحمل عليه جزم القنية بالكراهة، ويحمل فعله عليه السلام لذلك علي بيان الجواز، هذا إذا لم يضطر، فإن اضطر بأن قرأ في الأول ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ أعادها في الثانية إن لم يختم ...... قوله: ولا يكره في النفل شيء من ذلك. عزاه في الفتح إلى الخلاصة ثم قال: وعندي في هذه الكلية نظر ...... وأجاب ط بأن النفل لا تساع بابه نزلت كل ركعة منه فعلاً مستقلا فيكون كما لو قرأ إنسان سورة، ثم سكت ثم قرأ ما فوقها فلا كراهة فيه. (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الصلاة / باب الإمامة ٢٦٨-٢٧٠ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۴ / ۱۴۴۱/۹/۶ھ)

تراویح میں سورۂ یٰس کے ختم پر ’’سبحان الملک الحق المبین‘‘ کا اِضافہ

سوال (۳۸۲):- اِمام صاحب نے تراویح میں سورۂ یٰس شریف پڑھنے کے بعد تین

مرتبہ دعا پڑھی، ”سبحان الملک الحق المبین، نعم المولیٰ ونعم النصیر“ اُس کے بعد بسم اللہ کے ساتھ سورہ الم نشرح ایک مرتبہ پڑھی، تو کیا اِمام صاحب کا ایسا کرنا صحیح ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں نماز فاسد تو نہیں ہوگی؛ کیوں کہ اِمام صاحب نے جو کلمات اَدا کئے ہیں وہ اَذکار کے قبیل سے ہیں، جو مفسد نماز نہیں ہیں؛ لیکن جماعت کی نماز میں اِس طرح کے کلمات پڑھنا ہرگز مناسب نہیں؛ کیوں کہ اِس سے مقتدیوں میں بلاوجہ تشویش پیدا ہوتی ہے؛ البتہ اِنفرادی نماز میں حرج نہیں۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قرأ منكم ﴿وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ﴾ فانتهى إلى آخرها ﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ﴾ فليقل: بلى وأنا على ذلك من الشاهدين. ومن قرأ ﴿لَا اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ – فانتهى إلى – ﴿اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى﴾ فليقل: بلى. ومن قرأ: ﴿وَالْمُرْسَلٰتِ﴾ فبلغ ﴿فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ﴾ فليقل: آمنا بالله. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / باب مقدار الركوع والسجود ص: ۱۷۲ رقم: ۸۸۷ دار الفكر بيروت)

والحديث يدل على أنه من يقرأ هذه الآيات يستحب له أن يقول تلك الكلمات، سواء كان في الصلاة أو خارجها. والحديث ضعيف؛ لأن فيه مجهولا. (عون المعبود شرح سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / باب مقدار الركوع والسجود ص: ٤١٥ رقم: ۸۸۷ بيت الأفكار الدولية)

قوله: التين، أي سورة ﴿وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ﴾ والحديث أخرجه النسائي أيضًا وقال: إنما يروى بهذا الإسناد عن الأعرابي ولا يسمى، ثم إن المصلي إذا قرأ هذه السور هل يقول هذه الألفاظ في الصلاة، فقال جماعة من أصحابنا: يقولها خارج الصلاة، ولا يقولها في الصلاة؛ فإن قالها لا تفسد

صلاته، سواء كان عامدًا أو ناسيًا. وقد قيل: يقولها مطلقًا لإطلاق الأمر، ثم لا خلاف أن هذا الأمر أمر استحباب لا وجوب، فافهم. (شرح أبي داؤد للعيني / باب مقدار الركوع والسجود ١٠١/٤ مكتبة الرشد الرياض)

قوله: وما ورد أي عن حذيفة رضي الله عنه أنه قال: صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات ليلة إلىٰ أن قال: وما مر بآية رحمة إلا وقف عندها فسأل، ولا بآية عذاب إلا وقف عندها وتعوذ. أخرجه أبو داؤد وثمامة في الحلية. قوله: حمل على النفل منفردًا، أفاد أن كلاً من الإمام والمقتدي في الفرض أو النفل سواء. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ٢٦٧/٢ زكريا، ٥٤٥/١ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۱۲ / ۱۴۴۱/۹/۱۴ھ)

تراویح میں سجدۂ تلاوت کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھنا

سوال (۳۸۳):- کیا تراویح میں سجدۂ تلاوت سے کھڑے ہوکر دوبارہ سورۂ فاتحہ پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- سجدۂ تلاوت کے بعد دوبارہ سورۂ فاتحہ پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم نہ ہوگا؛ کیوں کہ سورۂ فاتحہ لگاتار مکرر نہیں پڑھی گئی ہے؛ بلکہ بیچ میں قرأت کا فاصلہ ہوا ہے، اور اِس طرح سورۂ فاتحہ پڑھنا فرائض ونوافل کہیں بھی موجب سجدۂ سہو نہیں ہے۔

ولو كررها في الأوليين يجب عليه سجود السهو، بخلاف ما لو أعادها بعد السورة، أو كررها في الأخريين، كذا في التبيين. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الثاني عشر في سجود السهو ١٢٦/١ دار إحياء التراث العربي بيروت، تبيين الحقائق / باب سجود السهو ١٩٣/١ المكتبة الإمدادية ملتان)

ولو قرأ فاتحة الكتاب وسورة ثم قرأ فاتحة الكتاب فلا سهو عليه؛ لأنه ما قرأها على الولاء. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / فصل سجود السهو ۳۹۱/۲ زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۱۴ / ۱۴۴۱/۹/۱۶ھ)

تراویح میں پہلی رکعت کی قرأت کی غلطی دوسری رکعت میں ٹھیک کرنا

سوال (۳۸۴):- اگر اِمام تراویح کی پہلی رکعت میں قرأت کی کوئی فحش غلطی کرے اور پھر دوسری رکعت میں اُسے درست کرلے، تو کیا نماز صحیح ہوجائے گی؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اگر تراویح کی دوسری رکعت میں قرأت درست کرکے لوٹالی تو نماز درست ہوجائے گی؛ (لیکن اگر فرض نماز میں ایسی کوئی فحش غلطی ہوجائے، تو دوہرانے سے بھی نماز صحیح نہ ہوگی؛ بلکہ واجب الاعادہ ہوگی) (فتاویٰ محمودیہ ۱۲۰/۷ ڈابھیل، فتاویٰ قاسمیہ ۲۷/۷)

ذكر في الفوائد: لو قرأ في الصلاة بخطأ فاحش ثم رجع وقرأ صحيحًا، قال: عندي صلاته جائزة. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الفصل الخامس في زلة القاري ۸۲/۱ قديم زكريا)

وفي المضمرات: قرأ في الصلاة بخطأ فاحش ثم أعاد وقرأ صحيحًا فصلاته جائزة. (حاشية الطحطاوي على الدر، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما لا يفسده ۲۶۷/۱ زكريا)

وإن لحن القاري وأصلح بعده
إذا غير المعنى الفساد مقرر

اشتمل البيت على أربع مسائل من زلة القاري:

الأولىٰ: إذا لحن المصلي في قراء ته لحنًا يغير المعنى كفتح لام

الضالين لا تجوز صلاته، وإن أعادها بعد ذلك على الصواب ...... الخ. (شرح منظومة ابن وهبان ۱۳۶/۱-۱۳۷ مكتبة شيخ الإسلام ديوبند)

وإن تغير المعنى بأن قرأ: "ان الابرار لفى جحيم، وان الفجار لفى نعيم" أو قرأ: "إن الذين اٰمنوا وعملوا الصالحات اولئك هم شر البرية" أو قرأ: "وجوه يومئذ عليها غبرة، اولئك هم المؤمنون حقًا" تفسد صلاته؛ لأنه أخبر بخلاف ما أخبر اللّٰه تعالىٰ به. وقال بعضهم: لا تفسد صلاته لعموم البلوى، والأول أصح، أهـ. (فتاویٰ قاضي خان، كتاب الصلاة / فصل في قراءة القرآن خطأ، وفي الأحكام المتعلقة بالقراءة ۱۵۳/۱ زكريا، الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الفصل الخامس في زلة القاري ۸۰/۱-۸۱ زكريا، وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۳۹۷/۲ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۱۴ / ۱۴۴۱/۹/۱۶ھ)

تراویح میں قرآنِ کریم کا کوئی حصہ چھوٹ گیا؟

سوال (۳۸۵):- تراویح میں قرآن پڑھتے ہوئے دو صفحے بھولے سے چھوٹ گئے، اَب اُس چھوٹے ہوئے حصے کو تلاوت کرتے وقت ترتیب کی رعایت رکھی جائے گی یا صرف چھوٹے ہوئے حصے کی تلاوت کرکے آگے بڑھ جائیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- قرآنِ کریم کا جو حصہ پچھلے دن تراویح میں رہ گیا ہے، اُس کو جب اگلے دن پڑھنا ہو، تو پہلی رکعت میں اَولاً چھوٹے ہوئے حصے کو پڑھا جائے، اُس کے بعد اگلا پارہ پڑھا جائے؛ تاکہ ترتیب کی رعایت برقرار رہے۔

وإذا غلط في القراءة في التراويح فترك سورة أو آية وقرأ ما بعدها فالمستحب له أن يقرأ المتروكة ثم المقروءة ليكون على الترتيب، كذا في فتاویٰ قاضي خان. (الفتاویٰ الهندية / كتاب الصلاة ۱۱۸/۱ زكريا، قاضي خان على الهندية، كتاب الصلاة / فل في مقدار القراءة في التراويح ۲۳۸/۱ دار إحياء التراث العربي بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۲۱ / ۱۴۴۱/۹/۲۳ھ)

تراویح میں متشابہ میں آیت سجدہ پڑھ دی؟

سوال (۳۸۶):- اگر کسی اِمام نے تراویح میں قرآنِ کریم کی تلاوت کرتے وقت متشابہ میں آیت سجدہ پڑھ دی؟ تو اُس پر سجدۂ تلاوت لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں آیت سجدہ پڑھنے پر سجدۂ تلاوت واجب ہوجائے گا؛ اگرچہ متشابہ میں آیت سجدہ پڑھی گئی ہو۔

ذكر في المجتبى أن الموجب للسجدة أحد ثلاثة: التلاوة، والسماع، والاهتمام. وظاهره أنها أسباب ثلاثة، وبه صرح في الحلية، واختار المصنف ما في الكافي، وزاد عليه سببًا آخر وهو الإئتمام، فالسبب عنده شيئاٰن: التلاوة والإئتمام، كما صرح بذلك في المنع. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب سجود التلاوة ۵۷۷/۲ زكريا، البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب سجود التلاوة ۲۱۰/۲ زكريا، بدائع الصنائع، كتاب الصلاة / فصل في سجدة التلاوة، فصل في سبب وجوب التلاوة ۷۳۰/۱ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲۱ / ۱۴۴۱/۹/۲۳ھ)

۱۰؍رکعت تراویح الم ترکیف سے اور ۱۰؍رکعت میں سورۂ یٰس پڑھنا

سوال (۳۸۷):- ایک جگہ تراویح میں الم ترکیف سے سورۂ ناس تک پڑھا گیا، اور اخیر کی ۱۰؍رکعتوں میں سورہ یٰس پڑھی گئی، تو یہ صحیح ہوا کہ نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- تراویح کی پہلی ۱۰؍رکعت میں ''الم ترکیف'' سے سورۂ ناس تک، اور اخیر کی ۱۰؍رکعتوں میں سورۂ یٰس شریف یا اور کوئی سورت پڑھنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، اِسے ترتیب کے خلاف نہیں کہا جائے گا؛ کیوں کہ نماز میں قرأت کی ترتیب کا حکم صرف ایک سلام والی نماز میں ہے۔ سلام پھیر کر جب دوسری نماز شروع

کی جائے گی، تو اُس کی قرأت میں ترتیب ضروری نہیں ہے۔ گویا کہ ہر ۲؍رکعت ایک مستقل نماز کی حیثیت رکھتی ہے۔

قوله: وأن يقرأ منكوسًا بأن يقرأ في الثانية سورة أعلى مما قرأ في الأولى؛ لأن ترتيب السور في القراءة من واجبات التلاوة الخ. قوله: وفي الثانية: في بعض النسخ: وبدأ في الثانية، والمعنى عليها. قوله: ألم تر أو تبت: أي نكس أو فصل بسورة قصيرة ط. قوله: ثم ذكر يتم، أفاد أن التنكيس أو الفصل بالقصيرة إنما يكره إذا كان عن قصد، فلو سهوًا فلا، كما في شرح المنية ...... وفي الفتح: ولو كان أي المقروء حرفًا واحدًا، قوله: ولا يكره في النفل شيء من ذلك ...... وأجاب ط بأن النفل؛ لاتساع بابه نزلت كل ركعة منه فعلاً مستقلاً، فيكون كما لو قرأ إنسان سورةً، ثم سكت، ثم قرأ ما فوقها، فلا كراهة فيه. (الدر المختار مع رد المحتار ۲/۲۶۹-۲۷۰ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۲۱ / ۱۴۴۱/۹/۲۳ھ)

تراویح میں سورتوں کے درمیان جہراً بسم اللہ پڑھنا

سوال (۳۸۸):- تراویح میں ختم قرآن کے موقع پر سورۂ اخلاص سے پہلے جو بسم اللہ پڑھی جائے گی، اُسے جہراً پڑھا جائے گا یا سراً؟ ہمارے اِمام صاحب نے سورۂ علق سے پہلے جہراً بسم اللہ پڑھی، تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- سورتوں کے درمیان بسم اللہ جہراً پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی؛ لیکن فقہاءِ اَحناف نے لکھا ہے کہ تراویح میں کسی ایک سورت میں بسم اللہ کو جہراً پڑھیں، اور بقیہ سورتوں میں سراً پڑھنا افضل ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۷/۳۰۰ ڈابھیل)

وأما التسمية عند ابتداء السورة بعد الفاتحة؛ فإنه عند أبي حنيفة لا يأتي بها، لا في حالة الجهر ولا في حالة المخافتة. وكذا عند أبي يوسف لما

تـقـدم أنها ليست بآية من أول السورة أو الاتيان بها في أول ركعة لما تقدم من الأحـاديـث الـدالة عـلـى أنـه عـلـيـه السـلام كان يأتي بها سرًا، وكذا الخلفاء الراشدون، ولم يرد شيء في الاتيان بها في أول السورة، وعند محمد يأتي بها فـي أول السـورة، إذا خافت بالقراء ة لا إذا جهر؛ لأن المشروع فيها الإخفاء كـما تقدم، فلو أتى بها حال الجهر مخافتة يلزمه وجود سكتة في أثناء القراء ة ولم توثر ولم يلزم مثله في المخافتة. (حلبي كبير / بيان صفة الصلاة ص: ۳۰۸-۳۰۹ لاهور)

قـد صـرحـوا أن ختـم الـقـرآن بـجـمـيـع أجزائـه في التراويح مرة سنة مـؤكـدة، حتـى لـو تـرك آية منه لم يخرج عن ا لعهدة، وقد ثبت أن البسملة أيـضًـا آية منه على الأصح، فيستخرج منه أنه لو قرأ تمام القرآن في التراويح، ولـم يـقـرأ البسـمـلة فـي ابتـداء سورة من السور سوى ما في سورة النمل، لم يـخـرج عـن عهـدة السـنية، ولـو قـرأها الإمام سرًا خرج عن العهدة؛ لكن لم يخرج المقتدون عن العهدة. (مـجموعة رسائل اللكنوي، إحكام القنطرة في أحكام البسملة / الباب الثاني في نبذ من أحكام البسملة ۷۱/۱ إدارة القرآن كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۱۶ / ۱۴۴۱/۹/۱۸ھ)

نمازِ عشاء اور تراویح الگ الگ اِماموں کے پیچھے پڑھنا

سوال (۳۸۹):- کیا عشاء کی فرض نماز اور تراویح ایک ہی اِمام کے پیچھے پڑھنا ضروری ہے، اگر عشاء ایک اِمام کے پیچھے اور تراویح دوسرے اِمام کے پیچھے پڑھے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- نمازِ عشاء اور تراویح ایک اِمام کے پیچھے پڑھنا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ الگ الگ اِمام کے پیچھے بھی پڑھ سکتے ہیں، عام طور پر مساجد میں مستقل اِمام عشاء کی نماز پڑھاتا ہے، اور تراویح کی اِمامت کوئی اور حافظ کرتا ہے، تو اِس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

وإذا جازت التراويح بإمامين على هذا الوجه، جاز أن يصلي الفريضة أحدهما، ويصلي التراويح الآخر، وقد كان عمر رضي الله عنه يؤمهم في الفريضة والوتر، وكان أبي يؤمهم في التراويح، كذا في السراج الوهاج.

(الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / فصل في التراويح ١١٦/١ دار إحياء التراث العربي بيروت، الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل الثالث عشر في التراويح ٣١٨/٢ زكريا، خانية على هامش الهندية، كتاب الصلاة / باب التراويح ٢٣٣/١ دار إحياء التراث العربي بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۱۴ / ۱۶/۹/۱۴۴۱ھ)

کیا ایک اِمام دوجگہ مکمل تراویح پڑھا سکتا ہے؟

سوال (۳۹۰):- کیا ایک اِمام دوجگہ ۲۰-۲۰ رکعت تراویح پڑھا سکتا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- ایک اِمام کے لئے دوجگہ مکمل تراویح پڑھانا درست نہیں ہے؛ کیوں کہ ایسی صورت میں پہلی بیس رکعات تراویح ہوں گی، اور دوسری جگہ پڑھائی جانے والی نماز نفل ہوگی۔ اور اُس کے پیچھے جو مقتدی تراویح کی نیت سے نماز پڑھیں گے، اُن کی تراویح اَدا نہ ہوگی۔

إمام يصلي التراويح في مسجدين كل مسجد على وجه الكمال لا يجوز؛ لأنه لا يتكرر، ولو اقتدى بالإمام في التراويح وهو قد صلى مرة لا بأس به، ويكون هٰذا اقتداء التطوع بمن يصلي السنة، ولو صلوا التراويح، ثم أرادوا أن يصلوا ثانيًا يصلون فرادى. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ١٢٠/٢ زكريا، ٦٨/٢ كراچی)

ولا يصلي إمام واحد التراويح في مسجدين في كل مسجد على الكمال، ولا له فعل ولا يحتسب التالي من التراويح، وعلى القوم أن يعيدوا؛ لأن صلاة إمامهم نافلة، وصلاتهم سنة، والسنة أقوىٰ فلم يصح الاقتداء؛ لأن

السنة لا تتكرر في وقت واحد. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة / فصل في التراويح ٦٤٧/١ زكريا، الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب التاسع في النوافل ١٧٦/١ جديد زكريا، ١١٦/١ زكريا قديم) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۱۰ / ۱۴۴۱/۹/۱۲ھ)

ایک مسجد میں ۱۵-۱۵/ پارے کر کے دو حافظوں کا تراویح پڑھانا

سوال (۳۹۱):- ایک مؤذن صاحب کو صرف ۱۵/ پارے یاد ہیں؛ اِس لئے اُنہوں نے مسجد میں تراویح میں ۱۵/ پارے سنائے، اور بقیہ ۱۵/ پارے دوسرے حافظ صاحب نے سنائے، تو ایسا کرنا درست ہوا یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے؛ اِس لئے کہ مسجد میں تراویح میں بالترتیب مکمل قرآن پڑھ لیا گیا ہے، اور ختم قرآن کی فضیلت حاصل ہوگئی ہے، اور ایک ہی حافظ کا پورا قرآن سنانا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ ایک سے زائد حفاظ کے ذریعہ بھی قرآنِ کریم کی تکمیل کی جاسکتی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲۷/۷ ڈابھیل)

والأفضل أن يصلي التراويح بإمام واحدٍ فإن صلوها بإمامين فالمستحب أن يكون انصراف كل واحد على كمال الترويحة، فإن انصرف على تسليمة لا يستحب ذلك في الصحيح. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / فصل في التراويح، الباب التاسع في النوافل ١١٦/١ زكريا)

وإنما يستحب أن يصلي كل إمام ترويحة ليكون موافقًا عمل أهل الحرمين. (قاضي على الهندية، كتاب الصلاة / باب التراويح ٢٣٣/١ زكريا)

السنة في التراويح إنما هو الختم مرةً فلا يترك لكسل القوم، كذا في الكافي. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / فصل في التراويح، الباب التاسع في النوافل ١١٦/١ زكريا، الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ٤٩٧/٢ زكريا)

وفي فتح القدير وغيره: وإذا كان إمام مسجد حيه لا يختم فله أن يترك إلى غيره. فالحاصل أن المصحح في المذهب أن الختم سنة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ۱۲۱/۲ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۱۰ / ۱۴۴۱/۹/۱۲ھ)

عذر کی وجہ سے تراویح کی ۱۰ر رکعت تہجد کے وقت میں پڑھنا

سوال (۳۹۲):- ایک شخص بیماری اور کمزوری کی وجہ سے عشاء کے بعد تراویح کی ۱۰ر رکعت پڑھتا ہے، پھر آرام کرتا ہے، اور مابقیہ ۱۰ر رکعت سحری میں اُٹھ کر پڑھتا ہے، تو اُس کی تراویح کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- تراویح کا وقت عشاء کے بعد سے صبح صادق تک رہتا ہے؛ اِس لئے اگر کوئی شخص بیماری یا کمزوری کی وجہ سے اخیر شب میں تراویح کی مابقیہ رکعات اَدا کرے تو بھی اُس کی تراویح درست ہوجائے گی؛ تاہم چوں کہ نماز تراویح اور نماز تہجد دونوں مستقل الگ الگ نمازیں ہیں؛ لہٰذا مذکورہ شخص کے لئے بہتر یہی ہے کہ پوری تراویح عشاء کے بعد اَول وقت پڑھ لے۔ اور اگر کھڑے ہونے میں دشواری ہو تو بیٹھ کر اَدا کرلے، پھر اخیر شب میں اگر اللہ توفیق عطا فرمائیں تو تہجد کی نوافل پڑھ لیا کرے۔

التراويح سنة مؤكدة، ووقتها بعد صلاة العشاء، ويستحب تاخيرها إلى ثلث الليل أو نصفه، ولا تكره بعده في الأصح. قوله: إلى الفجر، هٰذا آخر وقتها، ولا خلاف فيه، كما في النهر. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ۴۹۳-۴۹۴/۲ زكريا، البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ۱۱۹/۲ دار الكتب العلمية بيروت)

وتكره قاعدًا مع القدرة على القيام (الدر المختار) أي تنزيهًا لما في الحلية وغيرها من أنهم اتفقوا على أنه لا يستحب ذلك بلا عذر؛ لأنه خلاف المتوارث عن السلف. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ۴۹۹/۲ زكريا)

وقوله: ثم يوتر بهم يشير إلى أن وقتها بعد العشاء قبل الوتر، وبه قال عامة المشائخ، والأصح أن وقتها بعد العشاء إلى آخر الليل قبل الوتر وبعده. (الهداية، كتاب الصلاة / باب النوافل، فصل في قيام شهر رمضان ۱/۱۳۱ مكتبة البشرىٰ كراچى، فتاوىٰ الخانية على الهندية، كتاب الصلاة / فصل في وقت التراويح ۱/۲۳٦ دار إحياء التراث بيروت وزكريا ديوبند، الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / فصل في التراويح ۱/۱۱٦ دار إحياء التراث العربي بيروت)

اتفقوا على أن أداء التراويح قاعدًا لا يستحب بغير عذرٍ، واختلفوا في الجواز، قال بعضهم: يجوز وهو الصحيح، إلا أن ثوابه يكون على النصف من صلاة القائم الخ. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / فصل في التراويح ۱/۱۱۸ دار إحياء التراث العربي بيروت، كذا في الخانية على هامش الهندية، كتاب الصلاة / فصل في أداء التراويح قاعدًا ۱/۲٤۳ دار إحياء التراث العربي بيروت)

ومن المندوبات صلاة الليل. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ۳/٤٦۷ زكريا)

ذكر القاضي حسين من الشافعية: أن التهجد في الاصطلاح هو صلاة التطوع في الليل بعد النوم، وأيد بما في معجم الطبراني من حديث الحجاج بن عمرو رضي اللّٰه عنه قال: يحسب أحدكم إذا قام من الليل يصلي حتى يصبح أنه قد تهجد، إنما التهجد: المرء يصلي الصلاة بعد رقدة. (شامي، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل، مطلب في صلاة الليل ۲/٤٦۷ زكريا، مغنى المحتاج ۱/۲۲۸ بحوالة: الموسوعة الفقهية ۳٤/۱۱۸ الكويت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ٦ / ۱۴۴۱/۹/۸ھ)

تقریباً ۱۵؍سالہ بچے کے پیچھے تراویح پڑھنا

سوال (۳۹۳):- ایک بچہ جس کی عمر تقریباً ۱۵؍سال ہے، حافظ تو نہیں؛ لیکن چھوٹی سورتیں یاد ہیں، تو کیا اُس کے پیچھے تراویح پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اگر وہ بچہ حقیقت میں بالغ ہو چکا ہے، یعنی اُس میں بلوغ کی علامتیں (احتلام وغیرہ) پائی جاتی ہیں، تو اُس کے پیچھے نماز پڑھنا سب کے لئے درست ہے؛ لیکن اگر کوئی علامت ظاہر نہ ہو، تو ۱۵؍سال مکمل ہونے سے پہلے اُس کے پیچھے بالغین کی نماز مرد وعورت کسی کی درست نہیں ہوگی؛ البتہ وہ نابالغ بچوں کو نماز پڑھا سکتا ہے۔

عن بن عمر رضي اللّٰه عنهما أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عرضه يوم أحد وهو ابن أربع عشرة سنة، فلم يجزني، ثم عرضني يوم الخندق وأنا ابن خمس عشرة، فأجازني. قال نافع: فقدمت على عمر بن عبد العزيز وهو خليفة، فحدثته هذا الحديث فقال: إن هذا لحد بين الصغير والكبير، وكتب إلى عماله أن يفرضوا لمن بلغ خمس عشرة. (صحيح البخاري، كتاب الشهادات / باب بلوغ الصبيان ٣٦٦/١ رقم: ٢٥٩٠ ف: ٢٦٦٤، صحيح مسلم، كتاب الإمارة / باب سنن البلوغ ١٣١/٢ رقم: ١٨٦٨)

والسن الذي يحكم ببلوغ الغلام والجارية إذا انتهيا خمس عشرة سنة عند أبي يوسف ومحمد والشافعي، وهو رواية عن أبي حنيفة، وعليه الفتوىٰ.

(الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الحجر / الفصل الثاني ٢٨٠/١٦ رقم: ٢٤٩١١ زكريا)

ولا يجوز للرجال أن يقتدوا بامرأة أو صبي...... وفي التراويح والسنن المطلقة جوزه مشائخ بلخ، ولم يجوزه مشائخنا إلىٰ ...... والمختار أنه لا يجوز في الصلوات كلها، لأن نفل الصبي دون نفل البالغ. (الهداية، كتاب الصلاة / باب الإمامة ١٢٣/١-١٢٤ المكتبة الأشرفية ديوبند)

فإن لم يوجد فيهما شيءٌ فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتىٰ. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الحجر / فصل بلوغ الغلام بالاحتلام ٢٢٥/٩-٢٢٦ زكريا، ١٥٣/٦ كراچی، الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الحجر / الفصل الثاني ٢٨٠/١٦ رقم: ٢٤٩٠٩ زكريا)

بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال – إلىٰ قوله – فإن لم يوجد فيهما شيءٌ

فـحتـى يتـم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتىٰ. (الـدر الـمختار مع الشامي، كتاب الـحـجر / فصل بلوغ الغلام بالاحتلام ٩/٣٢٥-٢٢٦ زكريا، ٦/١٥٣ كراچی، الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الحجر / الفصل الثاني في بيان أنواع الحجر ١٦/٢٨٠ رقم: ٢٤٩٠٩ زكريا)

قـال العلامة الحلبي: وإذا بلغ الصبي عشر سنين فأمّ البالغين في التراويح يجوز، ...... وذكر في بعض الفتاوىٰ أنه لا يجوز وهو المختار. وقال شمس الأئمة السرخسي: هو الصحيح. (حلبي كبير، فصل في النوافل / تراويح، تنبيه ٤٠٨) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۷ / ۱۴۴۱/۹/۹ھ)

بالغ حافظ قرآن کا گھر میں والدین کو تراویح پڑھانا

سوال (۳۹۴):- کیا بالغ لڑکا حافظ قرآن اپنے گھر پر اپنے ماں باپ وغیرہ کو تراویح پڑھا سکتا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- بالغ حافظ قرآن لڑکا بلا شبہ گھر میں تراویح پڑھا سکتا ہے۔ اَب مقتدیوں میں اگر باپ اکیلا ہو، تو وہ اُس کے دائیں طرف کھڑا ہوگا، اور اُس کی والدہ اور دیگر خواتین بالکل پیچھے صف میں کھڑی ہوں گی۔

ويصف الرجال ثم الصبيان ثم النساء. (الهداية / كتاب الصلاة ١/١٢٤ المكتبة الأشرفية ديوبند)

ويـقف الواحد ولو صبيًا، أما الواحدة فتتأخر محاذيًا أي مساويًا ليمين إمامه على المذهب. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب الإمامة ٢/٣٠٧ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۱۴ / ۱۴۴۱/۹/۱۶ھ)

حافظہ عورت کا تراویح پڑھانا

سوال (۳۹۵):- کیا حافظہ عورت عورتوں کو تراویح پڑھا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- ہماری اکثر فقہ کی کتابوں میں تو یہی لکھا

گیا ہے کہ فرض نماز ہو یا تراویح کی نماز، عورت کے لئے اِمامت مکروہ ہے۔ لیکن ہمارے بعض اکابر نے ایسی عورت کے لئے جو اپنا قرآن پاک تراویح میں سنا کر یاد رکھنا چاہتی ہو، دو ایک عورتوں کو ساتھ لے کر تراویح کی اِمامت کی گنجائش دی ہے؛ لیکن اِس میں آس پاس سے بھیڑ اکٹھی نہ کی جائے؛ بلکہ گھر ہی کی ایک دو عورتیں اگر اُس عورت کی اِمامت میں تراویح پڑھ لیں، تو ان حضرات کے قول پر اِس کی گنجائش ہوگی۔ (فتاویٰ محمودیہ ۷/۲۸۰ ڈابھیل، کفایت المفتی جدید ۴/۳۴۰ زکریا، کتاب المسائل ۱/۵۲۱، کتاب الفتاویٰ ۲/۳۹۶ نعیمیہ دیوبند، رمضان کے شرعی احکام ۴۷۲ مؤلفہ: مفتی مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی)

عن عائشة أم المؤمنين رضي اللّٰه تعالىٰ عنها أنها كانت تؤم النساء في شهر رمضان فتقوم وسطًا. قال محمدؒ: لا يعجبنا أن تؤم المرأة فإن فعلت قامت في وسط الصف مع النساء كما فعلت عائشة رضي اللّٰه عنها، وهو قول أبي حنيفةؒ. (كتاب الآثار للإمام محمدؒ ۱/۲۰۳-۲۰۶)

وفي المصنف لابن أبي شيبة: عن أم الحسن أنها رأت أم سلمة رضي اللّٰه عنها زوج النبي صلى اللّٰه عليه وسلم تؤم النساء تقوم معهن في صفهن.

(المصنف لابن أبي شيبة ۱/۴۰۳، ۳/۵۶۹ رقم: ۴۹۸۹ بيروت)

ويكره تحريمًا جماعة النساء ولو في التراويح. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب الإمامة ۲/۳۰۵ زكريا، تبيين الحقائق، كتاب الصلاة / باب الإمامة ۱/۱۳۵ المكتبة الإمدادية ملتان، الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الخامس في الإمامة ۱/۸۵ زكريا)

وكره جماعة النساء بواحدةٍ منهن ...... فإن فعلن يجب أن يقف الإمام وسطهن مع تقدم عقبها، فلو تقدمت كالرجال أثمت وصحت الصلاة (مراقي الفلاح) قوله: كره جماعة النساء تحريمًا للزوم أحد المحظورين: قيام الإمام في الصف الأول وهو مكروه، أو تقدم الإمام وهو أيضًا مكروه في حقهن. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / باب الإمامة ص: ۱۶۶ قديمى كتب خانه كراچى)

وبتقدير التسليم فإنما يفيد نسخ السنية، وهو لا يستلزم ثبوت كراهة التحريم في الفعل؛ بل التنزيه ومرجعها إلى خلاف الأولى، ولا علينا أن نذهب إلى ذلك فإن المقصود اتباع الحق حيث كان. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الإمامة ۳۰۵/۲-۳۰۶ زكريا، فتح القدير مع الهداية، كتاب الصلاة / باب الإمامة ۳۵۲/۱-۳۵٤ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۹ / ۱۴۴۱/۹/۱۱ھ)

کیا حافظہ عورت محرم اِمام کو لقمہ دے سکتی ہے؟

سوال (۳۹٦):- کیا حافظہ عورت تراویح کی نماز میں اپنے محرم نماز پڑھانے والے اِمام کو لقمہ دے سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- لقمہ تو دے سکتی ہے، اِس سے نماز فاسد نہیں ہوگی؛ لیکن اگر لقمہ نہ دے تو بہتر ہے؛ بلکہ صرف اُلٹے ہاتھ پر ہاتھ مار کر اِشارہ کردے۔

قوله: وصوتها، يعني أنه ليس بعورة، قوله: على الراجح، عبارة البحر عن الحلية أنه الأشبه. وفي النهر: وهو الذي ينبغي اعتماده ومقابله ما في النوازل: نغمة المرأة عورة، قال عليه السلام: ”التسبيح للرجال والتصفيق للنساء“. فلا يحسن أن يسمعها الرجل، وفي الكافي: ولا تلبي جهرًا؛ لأن صوتها عورة. وعلىٰ هذا لو قيل: إذا جهرت بالقراءة في الصلاة فسدت كان متجهًا، ولهٰذا منعها عليه السلام من التسبيح بالصوت لإعلام الإمام بسهوه إلى التصفيق. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الإمامة ۷۸/۲-۷۹ زكريا، ٤٠٦/۱ كراچی)

قوله: لأنه عورة، ضعيف، والمعتمد أنه فتنة، فلا تفسد برفع صوتها صلاتها. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / باب الأذان ۱۹۹)

وفي شرح المنية: الأشبه أن صوتها ليس بعورةٍ، وإنما يؤدي إلى الفتنة

كما علل به صاحب الهداية وغيره في مسئلة التلبية، ولعلهن إنما منعن من رفع الصوت بالتسبيح في الصلاة لهذا المعنى، ولا يلزم من حرمة رفع صوتها بحضرة الأجانب أن يكون عورة كما قدمناه. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب شروط الصلاة ۱/۱۸۵ دار الكتب العلمية بيروت وزكريا ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۴ / ۶/۹/۱۴۴۱ھ)

گھر میں محرم اور نامحرم عورتوں کا باجماعت تراویح پڑھنا

سوال (۳۹۷):- ہمارے یہاں میوات میں گھروں میں تراویح ہوتی ہے، جس میں گھر کی عورتوں کے ساتھ ساتھ پاس پڑوس کی عورتیں بھی کافی تعداد میں جمع ہوجاتی ہیں، اور بعض مرتبہ اپنے گھر کے علاوہ حافظ صاحب دوسرے محلّہ میں کسی کے گھر میں قرآن سناتے اور تراویح پڑھاتے ہیں، وہاں بھی بڑی تعداد میں عورتیں جمع ہوجاتی ہیں، تو سوال یہ ہے کہ ایسا کرنا کیسا ہے؟ واضح فرمائیں۔

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اگر کوئی حافظ اپنی محرم عورتوں (مثلاً: والدہ، بہن، بیوی وغیرہ) کو تراویح میں قرآن سنائے، اور اُن کے ساتھ کوئی نامحرم عورت بھی شریک ہوجائے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے؛ لیکن اگر کوئی حافظ اِس طرح اِمامت کرے کہ اُس کے پیچھے نماز پڑھنے والی کوئی محرم عورت نہ ہو؛ سب نامحرم ہوں، اور اُن عورتوں کا بھی کوئی محرم حافظ صاحب کے پیچھے نماز پڑھنے والا نہ ہو، صرف یہ حافظ صاحب ہی ہوں، یا جو اُس کے ساتھ پڑھ رہے ہوں وہ بھی نامحرم ہوں، تو اِس طرح سے جماعت کرنا مکروہ ہے؛ کیوں کہ اِس میں فتنہ کا اندیشہ ہے۔ اور بہر حال تراویح میں پاس پڑوس کی عورتوں کا بڑی تعداد میں نامحرم کے پیچھے تراویح پڑھنے کا اہتمام مناسب نہیں ہے، یہ طریقہ قابل ترک ہے۔

عن عائشة رضي الله عنها قالت: لو أدرك رسول الله صلى الله عليه وسلم ما أحدث النساء لمنعهن كما مُنعت نساء بني إسرائيل. قلت لعمرة: أو منعن؟

قالت: نعم. (فتح الباري شرح صحيح البخاري ٤٤/٣ ٤ رقم: ٨٦٩ دار الكتب العلمية بيروت)

ويكره حضورهن الجماعة مطلقًا على المذهب المفتى به لفساد الزمان، كما تكره إمامة الرجل لهن في بيت ليس معهن رجل غيره، ولا محرم عنه كأخته أو زوجته أو أمه، أما إذا كان معهن واحد ممن ذكر أو أمهن في المسجد لا يكره (الدر المختار) **قوله: على المذهب المفتى به" أي مذهب المتأخرين. قال ابن عابدين: وذلك أنه إنما منعها لقيام الحامل وهو فرط الشهوة بناء على أن الفسقة لا ينتشرون في المغرب؛ لأنهم بالطعام مشغولون، وفي الفجر والعشاء نائمون، فإذا فرض انتشارهم في هذه الأوقات لغلبة فسقهم كما في زماننا؛ بل تحريهم إياها كان المنع فيها أظهر من الظهر. قوله ليس معهن رجل غيره: ظاهره أن الخلوة بالأجنبية لا تنتفي بوجود امرأة أجنبية أخرى وتنتفي بوجود رجل آخر.** (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الإمامة ٣٠٧/٢ زكريا)

ولا يحضرن أي لا يحل لهن أن يحضرن الجماعات لخوف الفتنة، إلا العجوز في الفجر والمغرب والعشاء والعيدين عند الإمام. وجوز أبويوسف ومحمد حضورها أي العجوز في الكل هذا في عصرهم، أما في زماننا فالمعنى به منع الكل حتى حضور الوعظ ونحوه، كما في الكافي وغيره. (بدر المنتقى في شرح الملتقى ١٠٩/١ دار إحياء التراث العربي بيروت) *فقط واللہ تعالیٰ اعلم*

(دینی رہنمائی: ۳ / ۱۴۴۱/۹/۵ھ)

مکان کی نچلی منزل پر مرد اور دوسری پر عورتوں کا باجماعت تراویح پڑھنا

سوال (۳۹۸):- ایک مکان کی نچلی منزل پر تراویح ہورہی ہے، تو اُسی مکان کی دوسری منزل پر مستورات جماعت میں شامل ہوسکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اگر مکان ایک ہی ہو، اور اِمام کی نقل

وحرکت میں اشتباہ نہ ہو، تو دوسری منزل پر مستورات نیچے والے اِمام کے پیچھے جماعت میں شریک ہوسکتی ہیں۔ اوراگر الگ مکان یا فلیٹ ہو، تو ایسی صورت میں ہر چھت کا حکم الگ مقام کے درجہ میں ہوگا، اور اقتداء درست نہ ہوگی۔ (فتاویٰ محمودیہ ۶/۵۲۷-۵۲۸ ڈابھیل)

ولو قام على سطح المسجد، واقتدى بإمام في المسجد إن كان للسطح باب في المسجد، ولا يشتبه عليه حال الإمام يصح الاقتداء، وإن اشتبه عليه حال الإمام لا يصح، كذا في فتاوىٰ قاضي خان. وإن لم يكن له باب في المسجد؛ لكن لا يشتبه عليه حال الإمام صح الاقتداء أيضًا. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الخامس في الإمامة، الفصل الرابع في بيان ما يمنع الاقتداء وما لا يمنع ۸۸/۱ زكريا)

والحائل لا يمنع الاقتداء إن لم يشتبه حال إمامه بسماع أو رؤية ولو من باب مشبك يمنع الوصول في الأصح. ولم يختلف المكان حقيقة كمسجد وبيت في الأصح، قنية. ولا حكمًا عند اتصال الصفوف. ولو اقتدى من سطح داره المتصلة بالمسجد لم يجز لاختلاف المكان، درر وبحر وغيرهما (الدر المختار) قوله: بسماع، أي من الإمام أو المكبر، تاتارخانية. قوله: أو رؤية ينبغي أن تكون الرؤية كالسماع، لا فرق فيها بين أن يرى انتقالات الإمام أو أحد المقتديين. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الإمامة ۳۳۳/۲-۳۳٤ زكريا، وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب الإمامة ٦۳٤/۱-٦۳٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۲۲ / ۱۴۴۱/۹/۲۴ھ)

بیٹھ کر تراویح پڑھنا

سوال (۳۹۹):- تراویح کی نماز بیٹھ کر پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- بلا عذر بیٹھ کر تراویح پڑھنے سے سنت تو اَدا ہوجائے گی؛ لیکن ثواب آدھا ملے گا؛ البتہ اگر عذر کی وجہ سے بیٹھ کر پڑھی تو مکمل ثواب ملے گا۔

عن عمران بن حصين رضي الله عنه أنه سأل النبي صلى الله عليه وسلم عن صلاة الرجل قاعدًا، فقال: "صلاته قائمًا أفضل من صلاته قاعدًا، وصلاته قاعدًا على النصف من صلاته قائمًا، وصلاته نائمًا على النصف من صلاته قاعدًا. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / باب في صلاة القاعد ١٣٧/١ رقم: ٩٥١ دار الفكر بيروت)

أقول: والذي في الخانية هناك: لو صلى التراويح قاعدًا، قيل لا يجوز بلا عذرٍ، لما روى الحسن عن أبي حنيفة: لو صلى سنة الفجر قاعدًا بلا عذرٍ لا يجوز، فكذا التراويح؛ لأن كلا منهما سنة مؤكدة، وقيل: يجوز، وهو الصحيح. والفرق أن سنة الفجر سنة مؤكدة بلا خلاف، والتراويح دونها في التاكد،فلا يجوز التسوية بينهما. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ٤٥٤/٢ زكريا، فتاوىٰ قاضي خان على الهندية / فصل في أداء التراويح قاعدًا ٢٤٣/١ زكريا)

واستدلوا لعدم نقص أجر العاجز بحديث البخاري في الجهاد: إذا مرض العبد أو سافر كتب له مثل ما كان يعمل مقيمًا صحيحًا. (حلبي كبير ص: ٢٧٠ سهيل اكيڈمی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲۴ / ۱۴۴۱/۹/۲۶ھ)

کیا ترویحہ کی دعا ثابت ہے؟

سوال (۴۰۰):- دعائے ترویحہ (**سبحان ذي الملك والملكوت ...... الخ**) کا ثبوت کس حدیث سے ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- ترویحہ کی دعا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے؛ البتہ حضرات فقہاء نے اس کا ذکر فرمایا ہے؛ لہٰذا اِس دعا کے پڑھنے کو ضروری یا مسنون قرار نہ دیا جائے۔ اور ترویحہ کے وقفہ میں کوئی بھی ذکر کیا جاسکتا ہے، کسی خاص دعا یا ذکر کی تخصیص نہیں ہے۔

قوله: بين تسبيح، قال القهستاني فيقال ثلاث مرات: سبحان ذي الملك والملكوت، سبحان ذي العزة والعظمة والقدرة والكبرياء والجبروت، سبحان الملك الحي الذي لا يموت، سبوح قدوس رب الملائكة والروح، لا إله إلا الله، نستغفر الله، نسألك الجنة، ونعوذ بك من النار، كما في منهج العباد. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ۴۹۷/۲ زكريا)

وهو مخير فيه إن شاء جلس ساكتًا، وإن شاء هلل أو سبح أو قرأ أو صلى نافلةً منفردًا. (حلبي كبير / فصل في التراويح ص: ۴۰۴ لاهور) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۱۵ / ۱۷/۹/۱۴۴۱ھ)

بغیر عشاء پڑھے تراویح میں شریک ہونا

سوال (۴۰۱): - اگر کوئی شخص عشاء کی فرض نماز اَدا کئے بغیر تراویح کی جماعت میں شریک ہوجائے، تو اُس کی نماز تراویح اَدا ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد: - مسئولہ صورت میں اُس کی نماز تراویح صحیح نہیں ہوئی؛ اِس لئے کہ تراویح کا وقت نماز عشاء کی اَدائیگی کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔ پس جب اُس نے عشاء کی نماز پڑھی ہی نہیں تو اس کی تراویح معتبر نہ ہوگی؛ بلکہ یہ سب پڑھی گئی نماز نفل ہوجائیں گی، اور فرض عشاء کے بعد اُسے نماز تراویح الگ سے پڑھنی ہوگی۔ (کتاب المسائل ۵۲۰/۱)

ووقتها بعد صلاة العشاء إلى الفجر قبل الوتر وبعده في الأصح. (الدر المختار / كتاب الصلاة ۴۹۳/۲ زكريا)

قوله بعد العشاء قبل الوتر: بيان لوقتها، وفيه ثلاثة أقوال: ...... الثالث ما اختاره المصنف وعزاه في الكافي إلى الجمهور، وصححه في الهداية والخانية والمحيط؛ لأنها نوافل سنة بعد العشاء، وثمرة الاختلاف تظهر فيما لو صلاها قبل العشاء، فعلى القول الأول هي صلاة التراويح، وعلى الأخيرين لا. وفيما إذا صلاها بعد الوتر فعلى الثاني لا، وعلى الثالث نعم! هي صلاة

التراويح. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب الوتر والنوافل ١١٩/٢ دار الكتب العلمية بيروت وزكريا ديوبند، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة / فصل في صلاة التراويح ص: ٤١٣ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۱۴ / ۱۴۴۱/۹/۱۶ھ)

کیا حافظ قرآن تراویح کے قعدہ میں قرآن پڑھ سکتا ہے؟

سوال (۴۰۲):- حافظ قرآن تراویح کے دوران تشہد کی حالت میں التحیات اور درود شریف ودعاوغیرہ سے فارغ ہوکر اگلی رکعات میں پڑھے جانے والے قرآن کی مشق کرسکتا ہے یانہیں؟ وضاحت کے ساتھ بیان فرمائیں۔

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- نماز میں صرف قیام کی حالت میں قرآنِ پاک پڑھنا درست ہے، کسی اور رکن میں زبانی قرآن پڑھنا درست نہیں ہے؛ البتہ زبان سے تلفظ کے بغیر دل دل میں سوچنا کہ مجھے آگے کون سا رکوع پڑھنا ہے؟ تو اس میں حرج نہ ہوگا۔

عن ابن عباس رضي الله عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم كشف الستارة والناس صفوف خلف أبي بكر، فقال: يا أيها الناس! إنه لم يبق من مبشرات النبوة إلا الرؤيا الصالحة، يراها المسلم أو ترى له، وإني نهيت أن أقرأ القرآن راكعًا أو ساجدًا، فأما الركوع فعظموا الرب فيه، وأما السجود فاجتهدوا في الدعاء، فمن أن يستجاب لكم. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، تفريع أبواب الركوع والسجود / باب في الدعاء في الركوع والسجود ١٢٧/١ رقم: ٨٧٦، صحيح مسلم، كتاب الصلاة / باب النهي عن قراءة القرآن في الركوع والسجود ١٩١/١ رقم: ٤٧٩)

وإني نهيت أن أقرا القرآن راكعًا أو ساجدًا أي في الركوع والسجود، وإنما وظيفة الركوع التسبيح ووظيفة السجود التسبيح والدعاء، فلو قرأ في الركوع والسجود كره ولم تبطل صلاته، وقال بعض العلماء: يحرم وتبطل

صلاته، ولعل وجه النهي أن القرآن له مرتبة عظيمة؛ لأنه كلام اللّٰه تعالىٰ وهو صفته، والركوع والسجود غاية التذلل فلا يناسب هذه الحالة قراءة كلام اللّٰه تعالىٰ ويناسبها التسبيح. (بذل المجهود، كتاب الصلاة / باب في الدعاء في الركوع والسجود ٤/ ٣٥١ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي)

ويكره إتمام القراءة راكعًا والقراءة في غير حالة القيام. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ٢/ ٤٢٥ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۲۰ / ۱۴۴۱/۹/۲۲ھ)

ختم تراویح پر امام کو زبردستی نذرانہ پیش کرنا

سوال (۴۰۳):- میں نے ایک جگہ تراویح پڑھائی، اور میرا اِرادہ بالکل بھی پیسہ لینے کا نہیں تھا؛ لیکن مسجد والوں نے پھر بھی زبردستی مجھے نذرانہ پیش کردیا، تو اُس کا مسجد والوں سے لینا کیسا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- تراویح میں قرآنِ کریم سنانے پر اُجرت یا نذرانہ کا لین دین درست نہیں ہے، اکثر مفتیانِ کرام کا فتویٰ یہی ہے۔ اگر لے لیا ہے اور واپس کرنے کی کوئی شکل نہیں ہے تو بہتر ہے کہ اُس کو صدقہ کردے۔

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ [البقرة، جزء آيت: ٤١]

قال أبو العالية لا تأخذوا عليه أجرًا. (تفسير ابن كثير ١/ ٢٢٢ زكريا)

عن عمران بن حصين رضي اللّٰه عنه أنه مر على قارئ يقرأ، ثم سأل فاسترجع، ثم قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: من قرأ القرآن فليسأل اللّٰه بهٖ فإنه سيجيء أقوامٌ يقرؤون القراٰن يسألون به الناس.

(سنن الترمذي / أبواب فضائل القرآن ٢/ ١١٩ رقم: ٢٩١٧)

عن أم رجاء الأشجعية قالت: قال عبد اللّٰه بن مسعود: إنه سيجيء زمان يسئل فيه بالقرآن، فإذا سألوكم فلا تعطوهم. (شعب الإيمان للبيهقي / التاسع

عشر هو باب في تعظيم القرآن، فصل في ترك قراءة القرآن في المساجد والأسواق ليعطي ويستأكل به ٥٣٤/٢ رقم: ٢٦٣١ دار الكتب العلمية بيروت)

عن عبد اللّٰه بن معقل: أنه صلى با لناس في شهر رمضان فلما كان يوم الفطر بعث إليه عبيد اللّٰه بن زياد بحلة وبخمس مائة درهم فردّها، وقال إنا لا نأخذ على القرآن أجرًا. (المصنف لابن أبي شيبة، في قيام رمضان / باب في الرجل يقوم بالناس في رمضان فيعطي ٢٣٧/٥ رقم: ٧٨٢١)

لا تصح الإجارة ...... ولا لأجل الطاعات (الدر المختار) الأصل أن كل طاعة يختص بها المسلم لا يجوز الاستئجار عليها عندنا. لقوله عليه السلام: اقرأوا القرآن ولا تأكلوا به .... والاستئجار على مجرد التلاوة لم يقل به أحد من الأئمة، وإنما تنازعوا في الاستئجار على التعليم. وفي الشامية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقارئ. وقال العيني في شرح الهداية: ويمنع القارئ للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الإجارة / باب الإجارة الفاسدة ٧٦/٩-٧٨ زكريا)

التلاوة المجردة عن التعليم من أعظم الطاعات التي يطلب بها الثواب، فلا يصح الاستئجار عليها. (تنقيح الفتاوى الحامدية بحواله مجموعة الفتاوىٰ ٢٤٢/٢)

ويكره للرجال أن يستأجر وأرجلاً يؤمهم في بيتهم؛ لأن استئجار الإمام فاسد. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / فصل في التراويح ١١٦/١ دار إحياء التراث العربي بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۱۴ / ۱۴۴۱/۹/۱۶ھ)

تراویح میں ختم قرآن کے بعد مٹھائی تقسیم کرنا

سوال (۴۰۴):- کیا تراویح میں قرآنِ پاک کی تکمیل کے بعد مٹھائی تقسیم کرنا ضروری ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- ختم قرآن پر مٹھائی تقسیم کرنا کوئی ضروری نہیں ہے؛ تاہم اگر کوئی شخص اپنی مرضی سے تقسیم کردے تو ناجائز بھی نہیں ہے؛ البتہ اگر مسجد میں قرآن ختم ہورہا ہو تو تقسیم کے وقت مسجد کے آداب کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۴/۲۷، ۴۲۷، فتاویٰ قاسمیہ ۸/ ۵۳۷، فتاویٰ محمودیہ ۷/ ۳۴۱ ڈابھیل)

عن واثلة بن الأسقع رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم وشراركم وبيعكم وخصوماتكم ورفع أصواتكم وإقامة حدودكم وسل سيوفكم، واتخذوا على أبوابها المطاهر، وجمروها في الجمع. (سنن ابن ماجة، كتاب المساجد والجماعات / باب ما يُكره في المساجد رقم: ٧٥٠)

أي بعدوا هذه الأشياء عن المساجد إذا الكل لا تليق بالمساجد. (حاشية السندي على ابن ماجة، كتاب المساجد والجماعات / باب ما يكره في المساجد ٢٥٣/١ دار الجيل بيروت)

عن علي بن زيد عن أبي حرة الرقاشي عن عمه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان للبيهقي، تحريم الفروج وما يجب من التعفف عنها / فصل في الترغيب في النكاح ٣٤٦/٧ رقم: ٥١٠٥ دار الرشد الرياض)

عن أبي حميد الساعدي رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل لأمرئ أن يأخذ عصا أخيه بغير طيب نفسه، وذلك لشدة ما حرم الله عزوجل مال المسلم على المسلم. (شعب الإيمان ٣٤٧/٧ رقم: ٥١٠٦ دار الرشد الرياض) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۲۲/ ۹/۲۴/ ۱۴۴۱ھ)

سجدۂ تلاوت

سجدۂ تلاوت کی اَدائیگی کا طریقہ

سوال (۴۰۵):- سجدۂ تلاوت کی اَدائیگی کا سنت طریقہ کیا ہے؟ سجدۂ تلاوت میں سلام پھیرنا کیسا ہے؟ نیز بہت سے لوگ سجدے ایک ساتھ کرتے ہیں، کیا آیت اور سجدہ کی تعیین ضروری ہے؟ واضح فرمائیں۔

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- سجدۂ تلاوت میں صرف دو تکبیریں اور ایک سجدہ ہے۔ اور اُس کی اَدائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ اکبر کہہ کر سجدے میں جائیں، اور سجدے کی تسبیح پڑھیں۔ اور پھر اللہ اکبر کہہ کر اُٹھ جائیں، بس سجدۂ تلاوت اَدا ہو جائے گا۔ اُن میں سلام پھیرنے کا کوئی التزام نہیں ہے؛ البتہ سجدے میں جاتے اور اُٹھتے ہوئے قیام کی حالت میں تکبیر کہنے کو فقہاء نے مستحب قرار دیا ہے۔ اور اگر بہت سے سجدے جمع ہو جائیں تو آیت سجدہ کی تعیین کے بغیر مطلقاً تعداد کا اَندازہ لگا کر سجدے اَدا کئے جاسکتے ہیں، اِس میں بڑی سہولت ہے۔

عن أم سلمة الأزدية رضي الله عنها قالت: رأيت عائشة رضي الله عنها تقرأ في المصحف، فإذا مرت بسجدة، قامت فسجدت. (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلاة / جماع أبواب سجود التلاوة ٣/٢٧٠ رقم: ٣٨٨٤ دار الكتب العلمية بيروت، الموسوعة الفقهية ٢٤/٢٢٤ الكويت)

وكيفيته أي السجود أن يسجد بشرائط الصلاة بين تكبيرتين أوّلُهما عند الوضع والأخرىٰ عند الرفع، وعن الإمام أنه يقتصر على الأولىٰ، وعنه

على الثانية والأوّل هو الظاهر ...... ويندب أن يقوم ويخر ساجدًا ولو كان عليه سجدات كثيرة، روي ذلك عن عائشة رضي الله عنها، وما في المعراج: من أنه لا يقوم فشاذ. قال في المضمرات: ويستحب إذا فرغ منها أن يقوم ولا يقعد. (النهر الفائق، كتاب الصلاة / باب سجود التلاوة ٣٤٢/١-٣٤٣ زكريا)

ومما يستحب لأدائها أن يقوم فيسجد لأن الخرور سقوط من القيام، والقرآن ورد به، وهو مروي عن عائشةؓ: وإن لم يفعل لم يضرّه، وما وقع في السراج الوهاج من أنه إذا كان قاعدًا لا يقوم لها فخلاف المذهب. وفي المضمرات: يستحب أن يقوم ويسجد ويقوم بعد رفع الرأس من السجدة ...... وأفاد في القنية: أنه يقوم لها وإن كانت كثيرةً وأراد أن يسجدها مترادفة.

(البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب سجود التلاوة ٢٢٣/٢ زكريا)

يستحب أن يقوم للسجدة ويخر منه إلى السجود وإن كانت كثيرة متواليةً.

(بزازية على الهندية، كتاب الصلاة / الفصل السابع عشر في التلاوة ٦٧/٤ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۲۱ / ۲۳/۹/۱۴۴۱ھ)

تمام آیاتِ سجدہ کو ایک مجلس میں پڑھ کر ۱۴؍سجدے کرنا

سوال (۴۰٦):- قرآنِ پاک کی تمام آیاتِ سجدہ کو ایک ہی مجلس میں تلاوت کرنے کے بعد سب سجدے دو دو کرکے اَدا کئے جائیں، مثلاً: دو کر لئے، پھر دو کر لئے، تو اِس طرح درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- سجدے کی تمام آیات کو ایک ہی مجلس میں پڑھ کر ایک ساتھ یا الگ الگ سجدے کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ ایک مجلس میں تمام آیاتِ سجدہ پڑھ کر سجدے کئے جائیں، اور پھر دعا کی جائے تو وہ دعا قبول ہوتی ہے، اگر کوئی شخص چاہے تو یہ عمل بھی کرسکتا ہے۔

فائدة مهمة لدفع كل نازلة مهمة ينبغي الاهتمام بتعلمها وتعليمها. قال الشيخ الإمام النسفي في الكافي: من قرأ آي السجدة كلها في مجلس واحدٍ وسجد بتلاوته لكل اٰية منها سجدة كفاه اللّٰه تعالىٰ ما أهمه من أمر دنياه واٰخرته. (مراقي الفلاح علىٰ نور الإيضاح) قال في الدر: ظاهره أنه يقرؤها أولاً ثم يسجد ويحتمل أن يسجد لكل بعد قراءتها. قلت: والثاني أولىٰ لما تقدم أن تاخيرها مكروه تنزيهًا. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ۵۰۱) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۳۵ / ۱۴۴۱/۱۱/۱۳ھ)

قرآن میں سجودِ تلاوت کی تعداد اور تمام سجدوں کو ایک ساتھ اَدا کرنا

سوال (۴۰۷):- اَحناف کے نزدیک پورے قرآنِ پاک میں کل کتنے سجدے ہیں؟ اگر کوئی شخص مکمل قرآنِ کریم پڑھ کر سب سجدۂ تلاوت ایک ساتھ اَدا کرے، تو کیا حکم ہے؟ یا ہر آیت سجدہ پڑھ کر فوراً سجدہ کرنا لازم ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- اَحناف کے نزدیک پورے قرآنِ کریم میں ۱۴؍ جگہ سجدہ کرنا واجب ہوتا ہے۔ اَب حسب سہولت ہر سجدہ فوراً اَدا کرلیں تو بہتر ہے؛ لیکن اگر قرآن مکمل کرکے ایک ساتھ ۱۴؍ سجدے کریں، تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

سجود التلاوة في القرآن أربعة عشرة سجدة: في آخر الأعراف، وفي الرعد، والنحل، وبني اسرائيل، ومريم، والأولىٰ من الحج، والفرقان، والنمل، والٓمٓ تنزيل، وص، وحٰمٓ السجدة، والنجم، وإذا السماء انشقت، واقرأ. كذا كتب في مصحف عثمان وهو المعتمد، والسجدة الثانية في الحج للصلاة عندنا ومواضع السجدة في حٰمٓ السجدة، عند قوله: لا يسئمون في قول عمرؓ، وهو المأخوذ للاحتياط. (الهداية، كتاب الصلاة / باب في سجدة التلاوة ۱۶۳/۱ المكتبة الأشرفية ديوبند، ۳۵۲/۱ مكتبة البشرىٰ كراچی)

أما بيان مواضع السجدة في القرآن فنقول: إنها في أربعة عشر موضعًا من القرآن. أربع في النصف الأول: في آخر الأعراف، وفي الرعد، وفي النحل، وفي بني إسرائيل. وعشر في النصف الأخر: في مريم، وفي الحج في الأولىٰ، وفي الفرقان، وفي النمل، وفي الٓمٓ تنزيل السجدة، وفي صٓ، وفي حٰمٓ السجدة، وفي النجم، وفي إذا السماء انشقت وفي اقرأ. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة / فصل في بيان مواضع السجدة في القرآن ٤٥١/١ زكريا، بدائع الصنائع / فصل في بيان السجدات التي في القرآن ٣/٢ دار الكتب العلمية بيروت، شرح الوقاية، كتاب الصلاة / باب سجود التلاوة ١٩٠/١-١٩١ بلال ديوبند، الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة / باب سجود التلاوة ٥٧٥/٢ زكريا، ١٠٣/٢-١٠٤ كراچی)

فائدة مهمة لدفع كل نازلة مهمة ينبغي الاهتمام بتعلمها وتعليمها. قال الشيخ الإمام حافظ الحق والملة والدين عبد اللّٰه بن أحمد بن محمود النسفي في كتابه الكافي شرح الوافي: من قرأ آي السجدة كلها في مجلس واحدٍ وسجد بتلاوته لكل اٰية منها سجدة كفاه اللّٰه تعالىٰ ما أهمه من أمر دنياه واٰخرته. (مراقي الفلاح على نور الإيضاح) قال في الدر: وظاهره أنه يقرؤها أولاً ثم يسجد، ويحتمل أن يسجد لكل بعد قراءتها. قلت: والثاني أولىٰ لما تقدم أن تاخيرها مكروه تنزيهًا. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح / فصل سجدة الشكر مكروهة ص: ٥٠١)

تجب سجود التلاوة وجوبًا متراخيًا على المختار، وقيل: على الفور والخلاف في غير الصلاتية الآتية، وينبغي أن يكون محله في الإثم وعدمه حتى لو أداها بعد مدة كان مؤديًا اتفاقًا لا قاضيًا. (النهر الفائق، كتاب الصلاة / باب سجود التلاوة ٣٣٨/١ زكريا)

وهـي (سـجود التلاوة) على التراخي على المختار، ويكره تأخيرها تنزيهًا؛ لأنه بطول الزمان قد ينساها. (رد المحتار / باب سجود التلاوة ۵۸۳/۳ زكريا، ۱۰۹/۲ كراچی)

ولا تـجـب عـلـى الـفـور حتى لو سجد لها بعد سنة أو أكثر تقع أداءً لا قـضاءً لعدم التقييد بالوقت. (حلبي كبير، كتاب الصلاة / القراءة خارج الصلاة ص: ۵۰۱ الـمكتبة الأشرفية ديوبند، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / باب سجود التلاوة ص: ٤٧٩-٤٨٠ مكتبة دار الكتاب ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۲۱ / ۱۴۴۱/۹/۲۳ھ)

فجر اور عصر کے بعد سجدۂ تلاوت کا حکم

سوال (۴۰۸):- فجر یا عصر کے بعد سجدۂ تلاوت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- فجر یا عصر کے بعد سجدۂ تلاوت کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے؛ البتہ جو آیت سجدہ غیر مکروہ وقت میں پڑھی یا سنی گئی ہے، اُس کا سجدہ مکروہ وقت میں کرنا صحیح نہیں ہے۔

وكـذا يشتـرط لهـا الـوقـت، حتـى لـو تـلاهـا أو سـمعها في وقت غير مـكـروهٍ، فـأداهـا فـي مـكـروه لا تـجـزيه؛ لأنها وجبت كاملةً إلا إذا تلاها في مـكـروهٍ وسـجدها فيه أو في مكروهٍ آخر جاز؛ لأنه أداها كما وجبت. (شامي، كتاب الصلاة / باب سجود التلاوة ۵۷۹/۲ زكريا)

وسجدة تلاوة وصـلاة جنازة تليت الآية في كامل، وحضرت الجنازة قبل لوجوبه كاملا فلا يتأدى ناقصًا، فلو وجبتا فيها لم يكره فعلهما أي تحريمًا أفـاد ثبـوت الـكراهة التنزيهية. (الـدر الـمـخـتـار / كتاب الصلاة ۳۵/۲ زكـريـا، الـفتاوىٰ التـاتـرخـانية ۷۷٤/۱ زكـريـا، الهـداية، كتـاب الـصلاة / باب سجود الصلاة ۸۵/۱ المكتبة الأشرفية ديوبند، الفتاوىٰ الهندية / الباب الثالث عشر في سجود التلاوة ۱۳۵/۱ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۱۵ / ۱۴۴۱/۹/۱۷ھ)

کیا آدھی آیتِ سجدہ پڑھنا موجبِ سجدہ ہے؟

سوال(۴۰۹):- کیا سجدے کی آدھی آیت پڑھنے سے سجدۂ تلاوت لازم ہوجاتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اِس بارے میں راجح قول یہی ہے کہ آدھی آیت پڑھنے سے سجدۂ تلاوت لازم نہیں ہوگا؛ بلکہ پوری آیت پڑھنے سے سجدۂ تلاوت واجب ہوگا۔ (کتاب المسائل ۱/۵۳۳)

والأحسن والظاهر أن هذا الاختلاف مبني على أن السبب تلاوة آية تامة كما هو ظاهر إطلاق المتون وزن المراد بالآية ما يشمل الآية والآيتين إذا كانت الثانية متعلقة بالآية التي ذكر فيها حرف السجدة، وهذا ينافي ما مر عن السراج من تصحيح وجوب السجود بقراءة حرف السجدة مع كلمة قبله أو بعده. (شامي، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ۲/۵۷۵-۵۷۶ زكريا)

يجب على من تلا آية تامة أو أكثرها أو نصفها مع كلمة السجدة على الخلاف، ولو قرأها وحدها لا. وفي الدر المنتقى: آية أي أكثرها مع حرف السجدة، ذكره الزيلعي وغيره فليحفظ. (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر مع الدر المنتقى، كتاب الصلاة / باب سجود التلاوة ۱/۲۳۱ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۹ / ۱۴۴۱/۹/۱۱ھ)

اِمام کا رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرنا

سوال(۴۱۰):- اِمام صاحب نے آیت سجدہ پڑھ کر رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرلی، جب کہ مقتدیوں کو معلوم نہیں تھا کہ اِمام نے آیت سجدہ پڑھی ہے، تو مقتدیوں کا سجدہ اَدا ہوا یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- راجح قول یہی ہے کہ مسئولہ صورت

میں مقتدیوں کا سجدۂ تلاوت بھی اِمام کے ساتھ اَدا ہو جائے گا؛ تاہم بہتر یہ ہے کہ اِمام صاحب رکوع میں سجدہ کی نیت نہ کریں؛ بلکہ یا تو الگ سے سجدہ کریں یا بلا نیت آیت سجدہ پر رکوع کر کے نماز والے سجدے اَدا کرلیں، ایسی صورت میں سجدۂ تلاوت نماز کے سجدوں کے ساتھ ضم ہو کر اِمام و مقتدی سب کی طرف سے خود بخود اَدا ہو جائے گا۔ (کتاب المسائل ۱/۵۴۵)

وتؤدى بركوع صلاة إذا كان الركوع على الفور من قراءة آية أو آيتين، وكذا الثلاث على الظاهر كما في البحر، إن نواه أي كون الركوع لسجود التلاوة على الراجح، وتؤدى بسجودها كذلك أي على الفور، وإن لم ينو بالإجماع، ولو نواها في ركوعه ولم ينوها المؤتم لم تجزه، ويسجد إذا سلم الإمام ويعيد القعدة، ولو تركها فسدت صلاته، كذا في القنية، وينبغي حمله على الجهرية، نعم لو ركع وسجد لها فورًا ناب بلا نية (الدر المختار) قوله: وينبغي حمله على الجهرية، البحث لصاحب النهر ولعل وجهه أنه ذكر في التاتارخانية أنه لو تلاها في السريّة فالأولىٰ أن يركع بها؛ لأن لا يلتبس الأمر على القوم، ولو في الجهرية فالسجود أولىٰ، ولو لم يجزهم الركوع عنها كان التباس الأمر عليهم أعظم ولم يكن في ترجيح الركوع فائدة، فيحمل كلام القنية هنا على الجهرية ليكون المؤتم عالمًا بالتلاوة، فإذا ركع أمامه فورًا يلزمه أن ينويها فيه احتياطًا لاحتمال أن الإمام نواها فيه، فإذا لم ينو يسجد بعد سلام إمامه؛ فإنه يفيد أن نية الإمام كافية لعدم علمهم بما قرأه الإمام سرًا الخ، أما في السرية فهو معذور وتكفيه نية إمامه إذ لا علم له بتلاوة إمامه؛ حتى يؤمر بالسجود لها بعد سلام الإمام. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة / باب سجود التلاوة ٢/٥٨٧–٥٨٨ زكريا)

قوله: نعم لو ركع وسجد لها، أي للصلاة فورًا ناب: أي سجود

المقتدي عن سجود التلاوة بلانية تبعًا لسجود إمامه لما مر آنفًا أنها تؤدى بسجود الصلاة فورًا وإن لم ينو. والظاهر أن المقصود بهٰذا الاستدراک التنبيه على أنه ينبغي للإمام أن لا ينويها في الركوع؛ لأنه إذا لم ينوها فيه ونواها في السجود أو لم ينوها أصلاً لا شيء على المؤتم؛ لأن السجود هو الأصل فيها، بخلاف الركوع، فإذا نواها الإمام فيه ولم ينوها المؤتم لم يجزه.
(شامي / كتاب الصلاة ۵۸۸/۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۹ / ۱۴۴۱/۹/۱۱ھ)

نماز میں سجدۂ تلاوت کے بعد اُسی آیت کو دوبارہ پڑھ دیا

سوال (۴۱۱):- اِمام نے تراویح کے اندر آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ کیا، پھر اُٹھ کر بھولے سے وہی آیت سجدہ دوبارہ پڑھ دی، اوراَب دوبارہ سجدہ نہیں کیا، اور بعد میں سجدۂ سہو بھی نہیں کیا، تو اُس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں سجدۂ تلاوت کرنے کے بعد اُسی آیت کو دوبارہ پڑھنے سے اَز سرِنو سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوا؛ بلکہ وہ پہلا ہی سجدہ کافی ہوگیا؛ لہٰذا نماز درست ہوگئی، سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں ہے۔

ولو تلاها في ركعة فسجدها ثم أعادها في تلك الركعة لا تجب ثانيًا، كذا في محيط السرخسي. المصلي إذا قرأ آية السجدة في الأولى ثم أعادها في الركعة الثانية والثالثة، وسجد للأولىٰ ليس عليه أن يسجدها وهو الأصح، كذا في الخلاصة. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الثالث عشر في سجود التلاوة ۱۳۵/۱ زكريا، كذا في الفتاوىٰ التاتارخانية ۴۷۵/۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۱۲ / ۱۴۴۱/۹/۱۴ھ)

نماز میں آیتِ سجدہ کے تکرار کے بعد سجدہ؟

سوال (۴۱۲):- اِمام صاحب نے آیت سجدہ پڑھ کر۳/۳ آیتوں سے زیادہ تلاوت کرلی، پھر یاد آنے پر آیت سجدہ سے پہلے۲-۳/ آیتوں کو پڑھ کر پھر آیت سجدہ پڑھی، اور پھر سجدۂ سہو کیا، تو اِس صورت میں سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں نماز درست ہوگئی؛ کیوں کہ آیت سجدہ کو دوہرانے کے بعد جب سجدۂ تلاوت کرلیا تو وہی سجدہ پہلے پڑھی گئی آیت کی طرف سے بھی کافی ہوگیا۔ اور اِس صورت میں سجدۂ سہو بھی واجب نہیں ہے۔

وهي على التراخي على المختار إن لم تكن صلوية، فعلى الفور لصيرورتها جزءً ا منها، ويأثم بتأخيرها (الدر المختار) قوله على الفور: ثم تفسير الفور عدم طول المدة بين التلاوة والسجدة بقراء ة أكثر من آيتين أو ثلاث على ما سيأتي. قوله: ويأثم بتاخيرها الخ؛ لأنها وجبت بما هو من أفعال الصلاة، وهو القراء ة وصارت من أجزائها، فوجب أداؤها مضيقًا، كما في البدائع، ولذا كان المختار وجوب سجود السهو لو تذكرها بعد محلها. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب سجود التلاوة ۵۸٤/۲ زكريا، بدائع الصنائع، فصل في سجدة التلاوة / فصل في كيفية أدائها ۷۵۲/۱ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۲۸ / ۱۴۴۱/۹/۳۰ھ)

اِمام آیت سجدہ پڑھ کر آگے بڑھ گیا لقمہ دینے پر سجدہ کیا

سوال (۴۱۳):- تراویح میں اِمام صاحب نے آیت سجدہ پر سجدۂ تلاوت نہیں کیا؛ بلکہ اگلی آیات پڑھنے لگے، جس پر مقتدیوں نے لقمہ دیا، تو اِمام صاحب نے سجدۂ تلاوت اَدا کیا، تو کیا اِس صورت میں سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں اگر لقمہ دینے پر

۳؍آیتوں کے بقدر قرأت کے اندر اندر اِمام صاحب نے سجدۂ تلاوت کرلیا ہے، تو سجدۂ سہو لازم نہیں ہے۔ اور اگر اُس کے بعد سجدۂ تلاوت کیا ہے تو سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ (کتاب المسائل ۱؍۵۴۰)

وهي على التراخي على المختار إن لم تكن صلوية، فعلى الفور لصيرورتها جزءًا منها، ويأثم بتأخيرها (الدر المختار) قوله على الفور: ثم تفسير الفور عدم طول المدة بين التلاوة والسجدة بقراءة أكثر من آيتين أو ثلاث على ما سيأتي. قوله: ويأثم بتاخيرها الخ؛ لأنها وجبت بما هو من أفعال الصلاة، وهو القراءة وصارت من أجزائها، فوجب أداؤها مضيقًا، كما في البدائع، ولذا كان المختار وجوب سجود السهو لو تذكرها بعد محلها. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب سجود التلاوة ٥٨٤/٢ زكريا، بدائع الصنائع، فصل في سجدة التلاوة / فصل في كيفية أدائها ٧٥٢/١ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۲۷ / ۱۴۴۱/۹/۲۹ھ)

نماز میں آیت سجدہ سے پہلے سجدۂ تلاوت کرنا

سوال (۴۱۴):- تراویح کی نماز میں حافظ صاحب نے آیت سجدہ تلاوت کرنے سے پہلے ہی سجدۂ تلاوت کرلیا، پھر دوبارہ کھڑے ہوکر آیت سجدہ پڑھی، اور دوبارہ سجدۂ تلاوت کیا، تو کیا اِمام صاحب پر سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں اُن حافظ صاحب پر سجدۂ سہو لازم ہے؛ کیوں کہ ایک سجدہ زائد ہوگیا ہے۔ (فتاویٰ قاسمیہ ۷؍٦۵۰)

عن عطاء قال: إن شک في السجود فلا تعد، واسجد سجدتي السهو، وإن استيقنت أنک قد سجدت في ركعة ثلاث سجدات فلا تعد واسجد سجدتي السهو. (المصنف لعبد الرزاق، كتاب الصلاة / باب الرجل يسهو في الركوع والسجود ٣١٩/٢ رقم: ٣٥٢٤)

إذا سجد في موضع الركوع، أو ركع في موضع السجود، أو كرر ركنا، أو قدم الركن، أو أخره ففي هذه الفصول كلها يجب سجود السهو. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الثاني عشر في سجود السهو زكريا ١٢٧/١ قديم زكريا، ١٨٧/١ جديد زكريا)

سجود السهو يجب ...... بتكرار ركن نحو أن يركع ركوعين، أو يسجد ثلاث سجدات. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل السابع عشر سجود السهو ٣٨/٢ رقم: ٢٧٥٢ زكريا)

وذكر في الذخيرة أن سجود السهو يجب بستة أشياء ...... ويجب بتكرار الركن هذا الثالث من الستة نحو أن يركع مرتين أو يسجد ثلاث مرات. (حلبي كبير، كتاب الصلاة / فصل في سجود السهو ص: ٤٥٦ لاهور)

وإن تكرر؛ لأن تكراره غير مشروع. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة / باب سجود السهو ٥٤٣/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۹ / ۱۴۴۱/۹/۱۱ھ)

خارج نماز لوگوں کا اِمام سے آیت سجدہ سننا

سوال (۴۱۵):- اِمام صاحب نے فجر میں ''الم سجدہ'' کی تلاوت کی، اورآیت سجدہ پڑھی، تو بہت سے لوگوں نے جو نماز میں شامل نہیں تھے، اُنھوں نے وہ آیت سجدہ سن لی، تو اَب اُن کے لئے سجدہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں آیت سجدہ سننے والے مقتدی اگر اُسی رکعت میں اِمام کے ساتھ شامل ہوگئے، جس میں اُس نے آیت سجدہ پڑھی تھی، تو اِمام نے جو سجدہ کیا ہے وہی سجدہ اُن مقتدیوں کی طرف سے بھی کافی ہوجائے گا، اُنہیں الگ سے سجدہ کی ضرورت نہ ہوگی۔ اوراگر وہ اِمام کے ساتھ دوسری رکعت میں شامل ہوئے یا

بالکل شامل ہی نہیں ہوئے، تو بعد میں وہ اپنا سجدۂ تلاوت الگ سے کریں گے؛ کیوں کہ سننے کی وجہ سے اُن پر سجدۂ تلاوت واجب ہو چکا ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۴/۵۸ دارالاشاعت دہلی)

ولو سمعها من الإمام أجنبي ليس معهم في الصلاة ولم يدخل معهم في الصلاة لزمه السجود، كذا في الجوهرة النيرة، وهو الصحيح كذا في الهداية. سمع من إمام فدخل معه قبل أن يسجد سجد معه، وإن دخل في صلاة الإمام بعد ما سجدها الإمام لا يسجدها، وهذا إذا أدركه في آخر تلك الركعة، أما لو أدركه في الركعة الأخرى يسجدها بعد الفراغ، كذا في الكافي، هٰكذا في النهاية. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الثالث عشر في سجود التلاوة ۱/۱۳۳ زكريا)

وهذا صريح بوجوبها بالسماع من المؤتم بغير إمام السامع، بخلاف المؤتم بإمامه؛ لكن صرح في الإمداد بأنها لا تجب بالسماع من مقتد بإمام السامع أو بإمام آخر، نعم في النهاية وشرح المنية: وتجب على من سمعها من المؤتم ممن ليس في صلاته إجماعًا. وهذا موافق للأول. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب سجود التلاوة ۲/۵۸۸ زكريا)

ولو سمع من إمام فأتم به قبل أن يسجد سجد معه وبعده لا أي لو ائتم به بعد أن سجدها الإمام لا يسجدها؛ لأنه في الأول تابع له، فيسجد معه وإن لم يسمع. وفي الثاني صار مدركًا لها بإدراك تلك الركعة. قيد بقوله: سجد معه، لأن الإمام لو لم يسجد لا يسجد المأموم، وإن سمعها؛ لأنه إن سجدها في الصلاة وحده صار مخالف إمامه، وإن سجد بعد الفراغ وهي صلاتية لا تقضى خارجها، وأطلق في قوله: وبعده لا. فشمل ما إذا دخل معه في الركعة الثانية وفيه اختلاف ...... قوله: وإن لم يقتد سجدها، لتقرر السبب

في حقه وعدم المانع. (البحر الرائق، کتاب الصلاۃ / باب سجود التلاوۃ ۲/ ۲۱۵ دار الکتب العلمیۃ بیروت وزکریا دیوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۱۵ / ۱۷/ ۹/ ۱۴۴۱ھ)

کیا آیتِ سجدہ زور سے پڑھنے پر غیر جاندار چیزوں پر بھی سجدہ واجب ہوتا ہے؟

سوال (۴۱۶):- کیا آیتِ سجدہ کی تلاوت آہستہ کرنی چاہئے؟ کیوں کہ بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر آیتِ سجدہ زور سے پڑھی جائے گی تو جتنی بھی چیزیں وہاں پر ہوں گی، مثلاً: دیوار، بیڈ، پرندہ وغیرہ اُن پر بھی سجدہ کرنا ضروری ہوگا؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- اِس میں اتنی بات تو درست ہے کہ جہاں کوئی مجمع ہو اور لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوں اور وہاں کوئی شخص قرآن پاک کی تلاوت کر رہا ہو، تو جب آیتِ سجدہ آئے تو زور سے نہ پڑھے، ایسا نہ ہو کہ دیگر لوگ اُسے سن لیں اور اُن پر سجدہ واجب ہو جائے، اور وہ اُسے اَدا نہ کر پائیں؛ لہٰذا ایسے مواقع پر آہستہ آواز میں آیتِ سجدہ پڑھنے کو فقہاء نے پسندیدہ قرار دیا ہے؛ لیکن زور سے پڑھنے پر دیوار، بیڈ وغیرہ پر سجدہ واجب ہونے کی بات بے اصل ہے؛ کیوں کہ یہ سب چیزیں غیر مکلّف ہیں، ہمارے آیتِ سجدہ پڑھنے سے اُن پر کوئی سجدہ واجب نہیں ہوتا۔

والأصل في وجوب السجدة أن كل من كان من أهل وجوب الصلاة، إما أداء أو قضاء كان أهلاً لوجوب سجدة التلاوة، ومن لا فلا. كذا في الخلاصة. (خلاصة الفتاویٰ مخطوطة، کتاب الصلاة / الفصل السابع عشر في وجوب سجدة التلاوة ص: ٤٥ المكتبة الأزهرية، الفتاویٰ الهندية، کتاب الصلاة / الباب الثالث عشر في سجود التلاوة ٢/ ٢٥٢ رقم: ٢٢٩٨ مكتبة الاتحاد ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۳۰ / ۵/ ۹/ ۱۴۴۱ھ)

بغیر وضو کے سجدۂ تلاوت؟

سوال (۴۱۷):- کیا سجدۂ تلاوت کے لئے وضو ضروری ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- سجدۂ تلاوت کے لئے وضو ضروری ہے، بغیر وضو کے سجدۂ تلاوت اَدا نہیں ہوتا ہے۔

بشروط الصلاة المتقدمة خلا التحريمة ونية التعيين، ويفسدها ما يفسدها (الدر المختار) لأنها جزء من أجزاء الصلاة، فكانت معتبرة بسجدات الصلاة؛ ولهٰذا لا يجوز أداؤها بالتيمم إلا أن لا يجد ماء؛ لأن شرط صيرورة التيمم طهارة حال وجود الماء خشية الفوت ولم توجد؛ لأن وجوبها على التراخي. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب سجود التلاوة ٥٧٩/٢ زكريا، الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الثالث في سجود التلاوة ١٣٥/١ زكريا، بدائع الصنائع، كتاب الصلاة / فصل في شرائط الجواز ٧٤٢/١ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۲۱ / ۱۴۴۱/۹/۲۳ھ)

○❖○

سفر کے مسائل

وطن پہنچ کر کورنٹائن کئے گئے لوگوں کیلئے نماز میں قصر واِتمام کا حکم

سوال (۴۱۸):- بہت سے طلبہ جو ٹرین سے اپنے علاقے میں پہنچے ہیں، مگر اُنہیں حکومت کی طرف سے ۱۴؍دن کے لئے قرنطینہ میں ڈال دیا گیا ہے، اَب اُن میں کچھ تو وہ لوگ ہیں جو اپنے شہر پہنچ چکے ہیں، مگر اُنہیں کسی اسکول میں رکھا گیا ہے گھر نہیں بھیجا گیا، اور بعض وہ ہیں جنہیں اپنے شہر اور گاؤں سے دور کسی دوسری جگہ پر کورنٹائن کیا گیا ہے، تو اُن کے لئے قصر واِتمام کا کیا مسئلہ ہے؟ نماز وہ پوری پڑھیں گے یا قصر کریں گے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں جو طلبہ اپنے آبائی شہر یا گاؤں کی حدود میں پہنچ کر کورنٹائن کئے گئے ہیں، وہ اگرچہ اپنے گھر نہ پہنچے ہوں، تو بھی وہ مکمل نماز پڑھیں گے۔ اور جو ابھی اپنے وطن نہیں پہنچے ہیں، کسی اور جگہ مقیم ہیں، تو وہ حسب ضابطہ قصر کریں گے۔ (فتاویٰ قاسمیہ ۹؍۶۲۵)

صلى الفرض الرباعي ركعتين وجوبًا لقول ابن عباس: إن اللّٰه فرض على لسان نبيكم صلاة المقيم أربعًا والمسافر ركعتين ...... حتى يدخل موضع مقامه إن سار مدة السفر (الدر المختار) أي الذي فارق بيوته سواء دخله بنية الاجتياز أو دخله لقضاء حاجة لأن مصره متعين للإقامة فلا يحتاج إلىٰ نية. قوله: إن سار، قيد لقوله: حتى يدخل أي إنما يدوم على القصر إلى الدخول إن سار ثلاثة أيامٍ. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صلاة المسافر ٢/ ٦٠٤ زكريا)

وقد أسنده عبد الرزاق فصرح به قال: أخبرنا الثوري عن وفاء بن إياس الأسدي، قال: خرجنا مع علي – رضي الله عنه – ونحن ننظر إلى الكوفة فصلى ركعتين ثم رجعنا فصلى ركعتين وهو ينظر إلى القربة، فقلنا له: ألا تصلي أربعًا؟ قال: لا حتى ندخلها. (فتح القدير، كتاب الصلاة / باب صلاة المسافر ٣٣/٢ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲۹ / ۱۴۴۱/۱۰/۷ھ)

سفر میں عصر کی نماز مثل اَول کے فوراً بعد پڑھنا

سوال (۴۱۹):- حالت سفر میں یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے عصر کی نماز مثلِ اَول کے فوراً بعد اَدا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- سفر وغیرہ کی بنا پر عصر کی نماز مثل اَول کے فوراً بعد پڑھ سکتے ہیں؛ کیوں کہ حنفیہ کے یہاں بھی ایک مفتی بہ روایت یہی ہے کہ مثلِ ثانی سے عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے، اِس لئے ضرورت کے وقت اِس پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

ووقت الظهر من زواله، أي ميل ذكاء عن كبد السماء إلى بلوغ الظل مثليه، وعنه مثله، وهو قولهما، وزفر والأئمة الثلاثة. قال الإمام الطحاوي: وبه نأخذ. وفي غرر الأذكار: وهو المأخوذ به. وفي البرهان: وهو الأظهر لبيان جبرئيل، وهو نص في الباب. وفي الفيض: وعليه عمل الناس اليوم، وبه يفتي (الدر المختار) قوله: إلى بلوغ الظل مثليه: هذا ظاهر الرواية عن الإمام نهاية، وهو الصحيح، بدائع ومحيط، وينابيع. وهو المختار غياثية – إلى – قوله: وعليه عمل الناس اليوم، أي في كثير من البلاد، والأحسن ما في السراج عن شيخ الإسلام: أن الاحتياط أن لا يؤخر الظهر إلى المثل، وأن لا يصلي العصر حتى يبلغ المثلين، ليكون مؤديا للصلاتين في وقتهما بالإجماع. (شامي، كتاب الصلاة / مطلب في تعبده عليه السلام ١٥/٢ زكريا، ٣٥٩/١ كراچى)

وقت الظهر من زوال الشمس إلى مصير ظل كل شيء مثله، وهذا رأى الصاحبين المفتى به عند الحنفية والأئمة الثلاثة، وظاهر الرواية، وهي رأي أبي حنيفة أن آخر وقت الظهر أن يصير ظل كل شيء مثليه، إلا أن هذا الوقت هو وقت العصر بالاتفاق، فتقدم الصلاة عن هذا الوقت؛ لأن الأخذ بالاحتياط في باب العبادات أولى. (الفقه الإسلامي وأدلته، أوقات الصلاة / وقت الظهر ٥٧٠/١ ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۴۹ / ۱۴۴۲/۲/۱۶ھ)

نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد مسافر وطن میں پہنچا؟

سوال (۴۲۰):- ہم سفر سے واپس آ رہے تھے، عشاء کا وقت حدودِ شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی شروع ہوگیا، اُس کے بعد ہم شہر میں داخل ہوئے، تو سوال یہ ہے کہ ہم گھر پہنچ کر پوری نماز پڑھیں گے یا قصر؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- وطن واپسی پر پوری نماز اَدا کریں گے؛ کیوں کہ قصر واِتمام کے مسائل میں اَدائیگی کے وقت کی حالت کا اعتبار ہوتا ہے، یعنی اگر بحالت سفر اَدائیگی ہوتو قصر، اور اگر بحالت اِقامت اَدائیگی ہوتو اِتمام کا حکم ہوتا ہے۔

حتى يدخل موضع مقامه إن سار مدة السفر (الدر المختار) أي الذي فارق بيوته، سواء دخل بنية الإجتياز أو دخله لقضاء حاجةٍ؛ لأن مصره متعين للإقامة فلا يحتاج إلى نية، ودخل في موضع المقام ما ألحق به كالربض كما أفاده القهستاني. (شامي، كتاب الصلاة / باب صلاة السفر ٦٠٤/٢ زكريا)

حتى يدخل مصره الخ، متعلق بقوله قصر أي صر إلى غاية دخول المصر. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب المسافر ٢٣١/٢ دار الكتب العلمية بيروت وزكريا ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۱۴ / ۱۴۴۱/۹/۱۶ھ)

نمازِ عشاء پڑھے بغیر سفر؟

سوال (۴۲۱):- میں اپنے وطن سے عشاء کا وقت ہونے کے بعد سفر کے لئے روانہ ہوا، اور ۱۰۰؍کلومیٹر جا کر عشاء قصر پڑھی، تو کیا میری نماز درست ہوگئی؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اپنے وطن سے بنیت سفر روانہ ہونے کی وجہ سے آپ شرعاً مسافر ہوگئے تھے؛ لہٰذا بلا شبہ آپ کی عشاء کی نمازِ قصر درست ہوگئی۔

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: فرض الله الصلاة على لسان نبيكم صلى الله عليه وسلم في الحضر أربعًا، وفي السفر ركعتين الخ. (صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة / باب صلاة المسافرين وقصرها رقم: ٦٨٧)

عن أنس رضي الله عنه قال: صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم الظهر بالمدينة أربعًا، وصلى العصر بذي الحليفة ركعتين الخ. (سنن أبي داؤد، كتاب المناسك / باب في وقت الإحرام رقم: ١٧٧٣)

عن أبي حرب بن أبي الأسود أن عليًا خرج من البصرة فصل الظهر أربعًا، فقال: جاوزنا هذا الخص صلينا ركعتين. (المصنف لابن أبي شيبة / من كان يقصر الصلاة ٢٠٦/٢ رقم: ٨١٦٩ دار الكتب العلمية بيروت)

عن بن عمر رضي الله عنهما أنه كان يقصر الصلاة حين يخرج من بيوت المدينة، ويقصر إذا رجع حتى يدخل بيوتها. (المصنف لعبد الرزاق / باب المسافر من تيقصر إذا خرج مسافرًا ٥٣٠/٢ رقم: ٤٣٢٣ المجلس العلمي)

من خرج من عمارة موضع إقامته قاصدًا مسيرةَ ثلاثة أيامٍ ولياليها بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة صلى الفرض الرباعي ركعتين وجوبًا لقول ابن عباس رضي الله عنهما: إن الله فرض علىٰ لسان نبيكم صلاة المقيم أربعًا والمسافر ركعتين. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة / باب صلاة المسافر ٥٩٩/٢-٦٠٣ زكريا، ١٢١/٢-١٢٣ كراچی، تبيين الحقائق، كتاب الصلاة / باب صلاة المسافر ٢٠٩/١ ملتان)

قوله: ”من جاوز بيوت مصره مريدًا سيرًا وسطًا ثلاثة أيام في بر أو بحر أو جبل قصر الفرض الرباعي“ بيان للموضع الذي يبتدأ فيه القصر ...... فهو مجاوزة بيوت المصر لما صح عنه عليه السلام أنه قصر العصر بذي الحليفة. وعن علي أنه خرج من البصرة فصلى الظهر أربعًا، ثم قال: إنا جاوزنا هذا الخص لصلينا ركعتين، والخص بالخاء المعجمة والصاد المهملة بيت من قصب الخ. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب المسافر ٢/٢٢٥ دار الكتب العلمية بيروت وزكريا ديوبند، ٢/١٢٨ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۷ / ۱۴۴۱/۹/۹ھ)

مسافر نے قعدۂ اولیٰ کر کے ۴؍رکعت پڑھادی سجدۂ سہو نہیں کیا

سوال (۴۲۲):- اگر کوئی مسافر شخص ۴؍رکعت والی نماز پڑھادے اور بیچ میں قعدہ بھی کرے اور اخیر میں سجدۂ سہو نہ کرے، تو نماز درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں حکم یہ ہے کہ اِمام کی نماز ناقص ادا ہوئی ہے، اگر وہ سجدۂ سہو کر لیتا تو اُس کی نماز بالکل صحیح ہوجاتی؛ لیکن جن مقیمین نے اُس کی اقتداء میں نماز پڑھی ہے، اُن کا فریضہ اَدا نہیں ہوا، اُنہیں وہ نماز دوبارہ پڑھنی لازم ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ اِمام نے ۲؍رکعت سے زائد جو نماز پڑھائی، وہ اُس کے حق میں نفل ہے؛ جب کہ مقیمین پر چاروں رکعت پڑھنا فرض تھا، اور فرض کی اقتدا نفل پڑھنے والے کے لئے درست نہیں ہے؛ لہٰذا مقتدیوں کی پوری نماز نفل ہوگئی، بعد میں فرض کی قضا لازم ہے۔ (کتاب المسائل ۲/۶۱۲)

فإن صلى أربعًا وقعد في الثانية قدر التشهد أجزأته والأخريان نافلة ويصير مسيئًا لتاخير السلام، وإن لم يقعد في الثانية قدرها بطلت، كذا في الهداية. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة / الباب الخامس عشر في صلاة المسافر ١/١٣٩ زكريا، شامي، كتاب الصلاة / باب المسافر ٢/٦٠٩ كراچی، البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب المسافر ٢/١٣٠ كراچی)

فلم أتم المقيمون صلاتهم معه فسدت لأنه اقتداء المفترض بالمتنفل.

(شامي، كتاب الصلاة / باب المسافر ٦١٢/٢ زكريا)

فلو أتم المسافر بأن صلى أربعًا إن قعد في آخر الركعة الثانية قدر التشهد صحت فريضته، والزائد نفل كالفجر وأساء؛ لتأخير السلام، وإن لا يقعد فلا تصح وصار الكل نفلا لترك القعدة المفروضة. (الدر المنتقى في شرح الملتقي للشيخ العلاء الحصكفي على هامش المجمع، كتاب الصلاة / باب المسافر ٢٤٠/١ دار الكتب العلمية بيروت)

لأن فرضه ثنتان، والقعدة الأولىٰ فرض عليه؛ لأنها آخر صلاته، فإذا وجدت يتم فرضه، ولكنه أساء لتأخير السلام. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة / باب صلاة المسافر ٢٣٩/١-٢٤٠ دارالكتب العلمية بيروت، الفتاوىٰ الولوالجية، كتاب الطهارة / الفصل الثاني عشر ١٣٣/١، الفقه الإسلامي وأدلته، صلاة المسافر / حكم القصر أو هل القصر رخصة أو عزيمة ٢٨٤/٢ هدى انٹرنيشنل ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲۹ / ۱۴۴۱/۱۰/۷ھ)

مقیم شخص اگر مسافر اِمام کے پیچھے مسبوق ہوجائے

سوال (۴۲۳):- میں عصر کی نماز کے لئے مسجد میں گیا، دیکھا کہ چند مسافرین جماعت سے نماز پڑھ رہے ہیں، میں نے جلدی سے وضو کر کے نماز میں شرکت کا اِرادہ کیا، تو دیکھا کہ وہ لوگ قعدے میں ہیں، تو میں قعدے میں شریک ہوا، اور پھر اُنہوں نے سلام پھیر دیا۔ تو سوال یہ ہے کہ جب میں اپنی بقیہ نماز پوری کروں گا، تو میں مسبوق کی طرح پوری کروں گا یا لاحق کی طرح پوری کروں گا؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- جس نمازی کی نماز اِمام کے ساتھ چھوٹ جائے تو اُس کو ''مسبوق'' کہتے ہیں، اور جو شخص اِمام کے ساتھ شامل ہو؛ لیکن کسی وجہ سے دورانِ نماز کسی رکن میں شرکت نہ کرسکے اُس کو ''لاحق'' کہتے ہیں۔ اَب یہاں مسئلہ یہ ہے

کہ جو مقیم آدمی کسی مسافر اِمام کے ساتھ شروع سے شریک ہو یعنی تکبیر تحریمہ یا پہلی رکعت سے شریک ہو" تو بالاتفاق وہ بعد میں اپنی مابقیہ نماز لاحق کے طور پر پوری کرے گا، یعنی قرأت نہیں کرے گا، وہ اس میں بس اتنی دیر کھڑا ہوگا جتنی دیر میں سورۂ فاتحہ پڑھی جاسکتی ہے، اِس پر تو تمام لوگوں کا اتفاق ہے؛ لیکن اگر یہ مقیم آدمی مسافر کی اقتدا میں مسبوق ہوجائے، یعنی اُس کی ایک رکعت یا دونوں رکعتیں چھوٹ جائیں اور قعدے میں شریک ہو، تو وہ اَب جو یہ مابقیہ نماز پوری کرے گا تو کس ترتیب سے کرے گا؟ اِس میں ہمارے اکابر کے فتاویٰ میں دوطرح کی باتیں ملتی ہیں:

الف:- حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کے فتاویٰ میں یہ ہے کہ مقیم آدمی پہلے اپنی دو رکعت لاحق کے طور پر پڑھے گا، اور آخری دو رکعت مسبوق کے طور پر پڑھے گا، یعنی پہلی دو رکعتوں میں قرأت نہیں کرے گا؛ بلکہ صرف بقدر قرأت کھڑا ہو گا، اور اخیر کی دو رکعتوں میں باقاعدہ قرأت کرے گا؛ جیسا کہ مسبوق کرتا ہے۔

ب:- اِس کے برخلاف حضرت مولانا مفتی خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ کے فتاویٰ میں یہ بات ہے کہ یہ آدمی جس کو مسافر اِمام کے ساتھ قعدہ ملا ہے یا ایک رکعت ملی ہے، یہ لاحق قرار نہیں دیا جائے گا؛ بلکہ پورا کا پورا مسبوق قرار دیا جائے گا؛ لہٰذا وہ جو مابقیہ رکعتیں پڑھے گا وہ بطور مسبوق پڑھے گا، اِس لئے دونوں طرح پڑھنے کی گنجائش ہے، جس طرح بھی پڑھے گا نماز اَدا ہوجائے گی اور فرض پورا ہوجائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۴۲ / ۱۴۴۱/۱۲/۲۵ھ)

شوہر کے انتقال کے بعد عورت کا وطن اصلی کہاں رہے گا؟

سوال (۴۲۴):- شوہر کے انتقال کے بعد عورت اپنی سسرال میں پوری نماز پڑھے گی یا قصر کرے گی؟ پھر جب عورت اپنے میکے آجائے تو یہ میکہ دوبارہ وطن اصلی کے حکم میں ہو جائے گا یا نہیں؟ اور یہاں نماز پوری پڑھے گی یا قصر پڑھے گی؟

الجواب حامدًا ومصلیًا أما بعد:- شوہر کے انتقال کے بعد دو حالتیں ہیں:

(۱) اگر حالت یہ ہے کہ اُس بیوہ کا اِرادہ شوہر ہی کے گھر مستقل رہنے کا ہے، مثلاً بڑی عمر میں شوہر کا انتقال ہوا، اور بیوہ کے بچے وغیرہ وہاں رہتے ہیں، وہ اپنی والدہ کی خدمت کریں گے، اُن کے ساتھ وہ رہے گی، تو ایسی صورت میں اُس بیوہ کے لئے یہی سسرال وطن اصلی بنا رہے گا۔

(۲) دوسری حالت یہ ہے کہ انتقال کے بعد اُس کا اِرادہ اپنے میکے منتقل ہونے کا ہے، تو جب تک وہ شوہر کے گھر رہے گی، اُس وقت تک یہ سسرال اُس کے لئے وطن رہے گا اور جب وہاں سے اپنا اِقامت کا تعلق بالکلیہ ختم کر کے میکے واپس آجائے گی تو سسرال اُس کا وطن نہیں رہے گا، میکہ دوبارہ وطن ہو جائے گا، اِس لئے جیسی بھی صورتِ حال ہو، ویسا ہی حکم اُس کے متعلق دیا جائے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ قاسمیہ ۳۶۱/۸-۳۶۷)

الوطن الأصلي هو موطن ولادته أو تأهله أو توطنه يبطل بمثله. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصلي، ووطن الإقامة ۶۱۴/۲)

وطن أصلي وهو مولد الرجل أو البلد الذي تأهل به ويبطل الوطن الأصلي بالوطن الأصلي. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / باب صلاة المسافر ۱۴۳/۱ قديم زكريا)

وطن أصلي وهو مولد الرجل والذي تأهل به ...... ومن حكم الوطن الأصلي أن ينتقض بالوطن الأصلي؛ لأنه مثله والشيء ينقض بما هو مثله. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل الثاني والعشرون ۵۱۰/۲ رقم: ۳۱۴۴ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۴۳ / ۱۴۴۲/۱/۳ھ)

سفر میں سنتوں کی اَدائیگی

سوال (۴۲۵):- سفر کی حالت میں ۴؍ رکعت والی نماز آدھی ہو جاتی ہے، تو سنتوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اُنہیں دورانِ سفر پڑھا جائے گا یا نہیں؟ اور اگر پڑھا جائے گا تو پوری سنتیں پڑھی جائیں گی یا آدھی؟

الجواب حامداً ومصلیاً أما بعد:- سفر میں سنتوں کے بارے میں قدرے تفصیل ہے، وہ یہ کہ اگر سفر کی جلدی ہو، یا چلتی گاڑی ہو، یا چلتی ٹرین ہو؛ وغیرہ۔ تو ایسی

حالت میں تو سنتیں معاف ہیں، اُنہیں نہ پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں؛ لیکن اگر مسافر کسی جگہ ٹھہرا ہوا ہے، اور اُسے کوئی جلدی بھی نہیں ہے، تو ایسی صورت میں حسب معمول اُسے سنتیں اَدا کرنی چاہئے، اور اُنہیں نہ چھوڑنا چاہئے۔ اور یہ واضح رہے کہ قصر کا حکم صرف فرضوں میں ہے، سنتوں میں نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۵۱۵/۷ ڈابھیل، فتاویٰ دار العلوم ۴۴۵/۴)

ويأتي المسافر بالسنن إن كان في حال أمن وقرار وإلا بأن كان في خوف وفرار لا يأتي بها هو المختار؛ لأنه ترك لعذر. (رد المحتار مع الدر المختار / كتاب الصلاة ٦١٣/٢ زكريا، الفتاوىٰ الهندية / الباب الخامس عشر في صلاة المسافر ١٣٩/١ دار إحياء التراث العربي بيروت)

واختلفوا في ترك السنن في السفر، فقيل: الأفضل هو الترك ترخيصًا، وقيل: الفعل تقربًا. وقال الهندواني: الفعل حال النزول، والترك حال السير. وقيل: يصلي سنة الفجر خاصة. وقيل: سنة المغرب أيضًا، وفي التجنيس والمختار أنه إن كان حال أمن وقرار يأتي بها؛ لأنها شرعت مكملات والمسافر إليه محتاج، وإن كان حال خوف لا يأتي بها؛ لأنه ترك بعذر. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب المسافر ١٣٠/٢ كوئٹه، الفتاوىٰ التاتارخانية ٤٨٩/٢ رقم: ٣٠٨٣ زكريا، كبيري / فصل في صلاة المسافر ٥٤٥ سهيل اكيڈمى لاهور)

أن الرواتب لا تبقى مؤكدة في السفر كالحضر، فينبغي مراعاة حال الرفقة في إتيانها، فإن أثقل عليهم تركها أو أخرها حتى يأتي بها على ظهر الراحلة. (إعلاء السنن ٢٩٠/٧ كراچی، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ص: ٤٢٢ دار الكتاب ديوبند، مجمع الأنهر ٢٣٩/١ ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۱۴/ ۱۶/۹/۱۴۴۱ھ)

○❖○

نماز کسوف اور خسوف

سورج گرہن کی حقیقت

سوال (۴۲۶):- سورج گرہن کی حقیقت کیا ہے؟

الجواب حامدًا ومصلیًا أما بعد :- اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین اور اُس کے اِردگرد سیاروں کی گردش کا ایک نظام مقرر فرما رکھا ہے، جو اُس کی قدرتِ کاملہ کی بہت بڑی دلیل ہے۔ زمین سے سب سے قریب تر سیارہ چاند ہے، جب وہ اپنے مدار میں حرکت کرتے ہوئے سورج اور زمین کے درمیان میں آجاتا ہے، تو جو سورج کی روشنی زمین پر پڑنے والی ہوتی ہے، اُس میں یہ رکاوٹ بن جاتا ہے؛ گویا کہ جو ہمیں گرہن نظر آتا ہے، وہ دراصل چاند کا سایہ ہے جو زمین پر پڑتا ہے۔ بہر حال یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے مقررہ نظام کا ایک حصہ ہے، جس میں تخلف نہیں ہوسکتا۔ اور اِس کا تعلق دنیا میں پیش آمدہ حوادث اور واقعات سے نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ. وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ کَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ. لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَا اَنْ تُدْرِکَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَکُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَسْبَحُوْنَ﴾ (یس ۴۸-۵۰)

عن عائشة رضي اللّٰه عنها خسفت الشمس في عهد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فقام رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یصلي ...... ثم انصرف رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وقد تجلت الشمس فخطب الناس فحمد اللّٰه وأثنیٰ علیه، ثم قال: إن الشمس والقمر من آیات اللّٰه، وإنهما لا ینخسفان

لـمـوت أحـد ولا لحياته، فإذا رأيتموها فكبروا وادعوا الله وصلوا وتصدقوا.

(صحيح مسلم، كتاب الكسوف / باب صلاة الكسوف ص: ٥٨٦-٥٨٧ رقم: ٩٠١)

وقـولـه تبارك وتعالىٰ: ﴿كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾ يعني الليل والنهار والشـمـس والـقـمـر كـلهم يسبحون أي يدورون في فلك السماء. قاله ابن عبـاس ...... قـال مجاهد: الفلك كحديدة الرحي أو كفلكة المغزل، لا يدور المغزل إلا بها، ولا تدور إلا به. (تفسير ابن كثير مكمل ص: ١١١٧ دار السلام رياض)

قال قتادة: لكلٍ حدٌ وعلَم لا يعدوه ولا يقصر دونه، إذا جاء سلطان هٰذا ذهـب سـلطان هٰذا. وقيل معناه: إذا اجتمعا في السماء كان أحدهما بين يدي الآخـر في منازل لا يشتركان فيها، قاله ابن عباس أيضًا. وقيل: القمر في السماء الـدنيـا والشمس في السماء الرابعة، فهي لا تدركه. قال النحاس: وأحسن ما قيـل فـي معناها وأبنيه مما لا يدفع أن سير القمر سير سريع، والشمس لا تدركه في السير. (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي ٣٢/٨ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۳۲ / ۱۴۴۱/۱۰/۲۸ھ)

سورج گرہن کیوں ہوتا ہے؟

سوال (۴۲۷):- سورج گرہن کیوں ہوتا ہے؟ اِس کا راز کیا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- دراصل اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی قدرت دکھلاتے ہیں کہ ہم نے سورج کو روشنی عطا کی ہے؛ لیکن جب بھی ہم چاہیں اِس عظیم سورج کو بے نور کرسکتے ہیں، اور اِس کی روشنی میں رکاوٹ ڈال سکتے ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ مشہور تھا کہ دنیا میں جب کوئی اہم واقعہ پیش آتا ہے، تو سورج کو یا چاند کو گرہن لگتا ہے، اتفاق یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں جب سورج گرہن کا واقعہ پیش آیا، تو نبی اکرم علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تھی، تو لوگوں کے ذہن میں یہ بات آئی کہ شاید اُن کی وفات

کے حادثے کی وجہ سے سورج کو گرہن لگا ہے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس غلط تصور کو ختم فرماتے ہوئے صحابہ کرامؓ سے یہ بات اِرشاد فرمائی کہ: ''إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ، وَإِنَّهُمَا لاَ يَنْخَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلاَ لِحَيَاتِهٖ فَإِذَا رَأَيْتُمُوْهَا فَصَلُّوا وَادْعُوْا اللّٰهَ وَتَصَدَّقُوْا''. (یعنی یہ چانداورسورج اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، اور یہ دونوں کسی کی وفات یا کسی کی زندگی کی وجہ سے بےنور نہیں ہوتے؛ لہٰذا جب تم گرہن دیکھو تو نماز پڑھو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اور صدقہ خیرات کرو)

عن عائشة رضي الله عنها قالت: خسفت الشمس في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي ...... ثم انصرف رسول الله صلى الله عليه وسلم وقد تجلت الشمس فخطب الناس فحمد الله وأثنىٰ عليه، ثم قال: إن الشمس والقمر من آيات الله، وإنهما لا ينخسفان لموت أحد ولا لحياته، فإذا رأيتموهما فكبروا، وادعوا الله وصلوا وتصدقوا. (صحيح مسلم، كتاب الكسوف / باب صلاة الكسوف ص: ٥٨٦-٥٨٧ رقم: ٩٠١)

قال العلماء: والحكمة في هٰذا الكلام أن بعض الجاهلية الضلال كانوا يعظمون الشمس والقمر فبين أنهما آيتان مخلوقتان لله تعالىٰ لا صنع لهما؛ بل هما كسائر المخلوقات، يطرأ عليهما النقص والتغير كغيرهما، وكان بعض الضلال من المنجمين وغيرهم يقول: لا ينكسفان إلا لموت عظيم أو نحو ذٰلک، فبين أن هٰذا باطل لا يغتر بأقوالهم، لا سيما وقد صادف موت إبراهيم رضي الله عنه. (المنهاج شرح النووي علىٰ مسلم، كتاب الكسوف / باب صلاة الكسوف ص: ٥٨٧ تحت رقم: ٩٠١ بيت الأفكار الدولية)

قوله: لموت أحد الخ: وسبب هٰذا القول كما ورد في بعض الروايات أن ابنًا للنبي صلى الله عليه وسلم يقال له إبراهيم مات فقال الناس في ذٰلک.

وفي رواية لابن حبان: فقال الناس إنما كسفت الشمس لموت إبراهيم، وفي حديث النعمان بن بشير قال: إن الناس يزعموم أن الشمس والقمر لا ينكسفان إلا لموت عظيم من العظماء، وليس كذلک ...... الحديث.

وفي هٰذا الحديث إبطال ما كان أهل الجاهلية يعتقدونه من تاثير الكواكب في الأرض، وهو نحو قوله في الحديث الماضي في الاستسقاء: يقولون: مطرنا بنوء كذا.

قال الخطابي: كانوا في الجاهلية يعتقدون أن الكسوف يُوجب حدوث تغير في الأرض من موت أو ضرر، فاعلم النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه اعتقاد باطل، وأن الشمس والقمر خلقان مسخران للّٰه، ليس لهما سلطان في غيرهما، ولا قدرة على الدفع عن أنفسهما. (فتح الملهم، كتاب الكسوف / اختلاف العلماء في الخطبة في الكسوف ٤٥٧/٥ دار إحياء التراث العربي بيروت، ٤٥٤/٢ كراچی)

وفي رواية أبي داؤد: ولكنهما آيتان من آيات اللّٰه عزوجل يخوف بهما عباده، فإذا كسفا فافزعوا إلى الصلاة. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / باب صلاة الكسوف رقم: ۱۱۷۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۳۲ / ۱۴۴۱/۱۰/۲۸ھ)

سورج گرہن کے وقت نبوی ہدایات

سوال (۴۲۸):- سورج گرہن کے وقت کیا عمل مسنون ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- جب سورج گرہن شروع ہوجائے تو مردوں کے لئے مساجد میں یا کسی عام جگہ میں کم از کم ۲/رکعت باجماعت نماز پڑھنا مسنون ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ اُس میں طویل قرأت کی جائے۔ مثلاً: سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھی جائے۔ اور اگر کوئی طویل قرأت نہ کرسکے تو جتنی آسانی سے کرسکے اتنی کرلے۔ نیز اُس میں

رکوع اورسجدے بھی طویل کئے جائیں۔ اورنماز سے فارغ ہونے کے بعد اگرگرہن باقی ہو،تو دیرتک دعا اوراستغفار میں مشغول رہیں۔ اوراگر مسجد میں جانے کا موقع نہ ہو یا کوئی پڑھانے والا اِمام دستیاب نہ ہو،تو گھروں کے اندر۲؍رکعت یا۴؍رکعت نمازکسوف کی نیت سے پڑھ لیں، اورخواتین بھی گھروں میں تنہا تنہا یہ نماز پڑھ سکتی ہیں؛ بہرحال اِس سنت کی اَدائیگی کا کبھی کبھی موقع ملتا ہے، اِس لئے اہتمام کے ساتھ یہ نماز پڑھنی چاہئے۔

عن أبي بكرة رضي اللّٰه عنه قال: كنا عند النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، فانكسفت الشمس، فقام رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يجر رداء ه حتى دخل المسجد، فدخلنا فصلى بنا ركعتين حتى انجلت الشمس، فقال: إن الشمس والقمر لا ينكسفان لموت أحدٍ، وإذا رأيتموها فصلوا وادعوا حتى يكشف ما بكم.

(صحيح البخاري، كتاب الكسوف / باب الصلاة في كسوف الشمس ۱۴۱/۱ رقم: ۱۰۳۰ ف: ۱۰۴۰)

وهي سنة تؤدي بجماعة، واختلفوا في صفة أدائها، قال علماء نا: يصلي ركعتين، كل ركعة بركوع وسجدتين كسائر الصلوات، يقرأ فيهما ما أحب، كذا في المحيط. والأفضل أن يطول القراء ة فيهما، كذا في الكافي. ويدعو بعد الصلاة حتى تنجلي الشمس كمال الانجلاء، كذا في السراج الوهاج. ويجوز تطويل القراء ة وتخفيف الدعاء وتطويل الدعاء وتخفيف القراء ة، فإذا خفف أحدهما طوّل الآخر، كذا في الجوهرة النيرة. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الثامن عشر في صلاة الكسوف ۱۵۳/۱ قديم زكريا، ۲۱۳/۱ جديد زكريا، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل التاسع والعشرون في صلاة الكسوف ۶۵۷/۲ رقم: ۳۵۲۲ زكريا)

قال القهستاني: فيقرأ أي في الركعتين مثل البقرة وآل عمران كما في التحفة ...... قوله: ثم يدعو بعدها؛ لأنه السنة في الأدعية. قوله: أو قائمًا، قال الحلواني: وهذا أحسن، ولو اعتمد على قوس أو عصا كان حسنًا، قوله:

يـؤمنون أي على دعائه. قوله: كلها، أي كمال الانجلاء لا ابتداؤه. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الكسوف ٦٨/٣ زكريا)

إن الـمسنون أن يشتغل بالصلاة والدعاء حتى تنجلي الشمس. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٦٥٩/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۳۲ / ۱۴۴۱/۱۰/۲۸ھ)

کیا سورج گرہن سے کورونا وائرس ختم ہوجائے گا؟

سوال (۴۲۹):- ایک جیوتشی نے دعویٰ کیا ہے کہ ۲۱؍جون ۲۰۲۰ء کو سورج گرہن کے بعد ''کورونا وائرس'' دنیا سے بالکل ختم ہوجائے گا؟ اِس دعویٰ کی کیا حقیقت ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- دنیا میں پیش آنے والے کسی بھی واقعہ سے سورج یا چاند گرہن کا کوئی تعلق نہیں، کوئی وبا پھیلے یا رہے، یا ختم ہوجائے، اِس کا سورج گرہن سے کوئی لینا دینا نہیں؛ لہٰذا یہ دعویٰ بالکل من گھڑت ہے کہ سورج گرہن کے بعد یہ بیماری ختم ہوجائے گی، یہ محض ٹونے ٹوٹکے کی بات ہے۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ بیماری کا باقی رہنا یا ختم ہونا اللہ تعالیٰ کی مرضی اور فیصلے پر موقوف ہے۔ سورج گرہن کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

عـن أبـي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا عدوىٰ ولا طيرة. (صحيح مسلم، كتاب السلام / باب لا عدوىٰ ولا طيرة رقم: ٢٢٢٠)

عـن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: لا طيرة، وخيرها الفأل، قال: وما الفأل؟ قال: الكلمة الصالحة يسمعها أحدكم. (صحيح البخاري، كتاب الطب / باب الطيرة رقم: ٥٧٥٣، فتح الباري ٢٦١/١٠)

وأصـل الـطيـر أنهم كانوا في الجاهلية يعتمدون على الطير، فإذا خرج أحـدهـم لأمـر، فـإن رأى الـطير طار يمنة تيمن به واستمر، وإن راٰه طار يسرة تشـاء م بـه ورجـع، وربـمـا كـان أحـدهـم يهيـج الطير ليطير فيعتمدها، فجاء

الشرع بالنهي عن ذلك ...... وإنما هو تكلف بتعاطي ما لا أصل له، إذ لا نطق للطير ولا تمييز، فيستدل بفعله على مضمون معنى فيه، وطلب العلم من غير مظانه جهل من فاعله. وقد كان بعض عقلاء الجاهلية ينكر التطير ويتمدح بتركه، ...... وكان أكثرهم يتطيرون ويعتمدون على ذلك، ويصح معهم غالبًا لتزيين الشيطان ذلك. ويقيت من ذلك بقايا في كثير من المسلمين.

وأخرج أبوداؤد والترمذي وصححه هو وابن حبان عن ابن مسعود رفعه: الطيرة شرك، وما منا إلا تطير، ولكن اللّٰه يذهبه بالتوكل. قوله: ”وما منا إلا“ من كلام ابن مسعود أدرج في الخبر ...... وإنما جعل ذلك شركاء لاعتقادهم أن ذلك يجلب نفعًا أو يدفع ضررًا، فكأنهم أشركوه مع اللّٰه تعالىٰ.

وأخرج البيهقي في الشعب من حديث عبد اللّٰه بن عمرو موقوفًا: من عرض له من هٰذه الطيرة شيء فليقل: اللّٰهم لا طير إلا طيرك، ولا خير إلا خيرك، ولا إلٰه غيرك. (فتح الباري، كتاب الطب / باب الطيرة ۲۶۱/۱۳-۲۶۲ تحت رقم: ۵۴-۵۷۵۳ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۳۲ / ۱۴۴۱/۱۰/۲۸ھ)

سورج گرہن کے وقت حاملہ عورت کے لئے پابندیوں کی حقیقت

سوال (۴۳۰):- عوام میں مشہور ہے کہ سورج گرہن کے وقت حاملہ عورتوں کو بہت احتیاط کرنی چاہئے، انہیں بالکل صحن میں نہیں نکلنا چاہئے، کوئی لوہے کی چیز نہیں پکڑنی چاہئے، چھری وغیرہ سے کوئی چیز نہیں کاٹنی چاہئے، ورنہ اُن کا ہونے والا بچہ ہونٹ کٹا پیدا ہوگا، یا ناقص پیدا ہوگا، تو اِس کی شریعت میں کیا حقیقت ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- قرآن وحدیث میں سورج گرہن کے وقت حاملہ عورت کے متعلق کسی طرح کی پابندی منقول نہیں ہے؛ لہٰذا سوال میں مذکور باتیں

بے اصل ہیں، اور بظاہر ہندوانی تہذیب کے اثر سے مسلم معاشرے میں پھیل گئی ہیں۔ ہماری ماؤں بہنوں کوایسی بے سند باتوں اورعقیدوں سے دور رہنا چاہئے۔ (فتاویٰ قاسمیہ ۲۵۶/۸)

أخرج أبوداؤد من حديث عروة عن عامر قال: ذكرت الطيرة عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: فإذا رأى أحدكم ما يكره فليقل: اللّٰهم لا يأتي بالحسنات إلا أنت، ولا يدفع السيئات إلا أنت، ولا حول ولا قوة إلا بالله. (فتح الباري، كتاب الطب / باب الفأل ٢٦٣/١٣ دار الكتب العلمية بيروت)

أخرج أبوداؤد بسند حسن عن بريدة أن النبي صلى الله عليه وسلم كان لا يتطير من شيء الخ. (فتح الباري، كتاب الطب / باب الفأل ٢٦٤/١٣ دار الكتب العلمية بيروت)

وكان أكثرهم يتطيرون ويعتمدون على ذلك، ويصح معهم غالبًا لتزيين الشيطان ذلك، وبقيت من ذلك بقايا في كثير من المسلمين. (فتح الباري، كتاب الطب / باب الفأل ٢٦٢/١٣ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۳۲ / ۱۴۴۱/۱۰/۲۸ھ)

نمازکسوف پڑھنے کا طریقہ

سوال (۴۳۱):- کیا نمازکسوف عام نمازوں کی طرح پڑھی جائے گی، یا اِس میں کوئی فرق ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- اَحناف کے نزدیک نمازکسوف بعینہٖ ایسے ہی پڑھی جائے گی جیسے فجر کی نماز پڑھی جاتی ہے، اِس کے متعلق صراحۃً متعدد روایات منقول ہیں۔ البتہ بعض دیگر ائمہ حضرات کے نزدیک نمازکسوف کی ہر رکعت میں ایک رکوع کے بجائے دو رکوع ہوتے ہیں۔ اور اِس بارے میں بھی بعض روایتیں منقول ہیں، جن سے وہ ائمہ استدلال کرتے ہیں۔ مگر حضرات اَحناف کا کہنا یہ ہے کہ جن روایتوں میں متعدد رکوع کا تذکرہ ہے، اُن کے ناقل یا تو کم عمر صحابہ ہیں یا خواتین ہیں (جو جماعت کی پچھلی صفوں میں شامل ہوتے

ہیں) جب کہ اَکابر صحابہؓ سے متعدد رکوع کی روایات منقول نہیں ہیں۔ اور غالبًا اُس کی وجہ یہ ہے کہ جب آپ نے طویل رکوع فرمایا تو درمیانی صف والوں نے سمجھا کہ شاید حضور اکرم علیہ السلام رکوع سے اُٹھ چکے ہیں، تو اُنہوں نے رکوع سے سر اُٹھالیا۔ پھر جب دیکھا کہ ابھی آپ رکوع ہی میں ہیں، تو دوبارہ رکوع میں چلے گئے، اُنہیں دیکھ کر پچھلی صف والوں نے سمجھا کہ رکوع ۲ر مرتبہ ہوا ہے؛ حالاں کہ رکوع حقیقت میں ایک ہی ہوا تھا۔ تو غالبًا اِسی وجہ سے اَصاغر صحابہ سے تعددِ رکوع کی روایات منقول ہوئیں۔ بہر حال اشتباہ تو متحقق ہے، اِس لئے احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ اشتباہ والی بات کو چھوڑ کر یقینی بات پر عمل کیا جائے، اِسی لئے جو ائمہ نماز کسوف میں تعدد رکوع کے قائل ہیں؛ اُن کے نزدیک بھی اصل رکوع پہلے ہی والا ہے، یعنی اُس رکوع میں جو شریک ہوگا وہی رکعت پانے والا شمار ہوگا، اور دوسرے رکوع میں جو مقتدی شریک ہو، وہ رکعت پانے والا نہیں ہوگا۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ سورج گرہن کے سلسلے میں جو اَحادیث شریفہ وارد ہیں، اُن میں بعض عجیب باتیں بھی مذکور ہیں، مثلاً: نبی اکرم علیہ السلام نماز پڑھتے پڑھتے اپنی جگہ سے آگے تشریف لے گئے، اور کبھی نماز نماز کے دوران پیچھے ہوگئے۔ نماز کے بعد جب صحابہ نے اِس نقل وحرکت کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے اِرشاد فرمایا کہ اِس نماز کے اندر برزخ اور جنت وجہنم کے اَحوال دکھائے گئے تھے، جب میں آگے بڑھ رہا تھا، تو جنت کا مشاہدہ ہورہا تھا اور جب میں پیچھے ہٹ رہا تھا تو جہنم کو دیکھ کر پیچھے ہٹ رہا تھا؛ بریں بنا جن روایتوں میں نماز کسوف کی کیفیت میں تبدیلی مذکور ہے، اُن کو پیغمبر علیہ السلام کی خصوصیت پر محمول کیا جائے گا، اُمت کو اُس پر عمل کرنے کی ہدایت نہیں دی جائے گی۔

واختلف في كيفية صلاة الكسوف فيصلي ركعتين، كل ركعة بركوع وسجدتين كسائر الصلوات عندنا، وعند الشافعي ركعتان، كل ركعة بركوعين وقومتين وسجدتين ...... واحتج الحنفية في ذٰلک بأحاديث:

منها: حديث عبد الله بن عمرو بن العاص عند الطحاوي. عن عطاء بن

السائب عن أبيه عن عبد الله بن عمرو قال: كسفت الشمس علىٰ عهد رسول الله، فقام الناس فلم يكد يركع، ثم ركع، فلم يكد يرفع، ثم رفع، فلم يكد يسجد، ثم سجد، فلم يكد يرفع، وفعل في الثانية مثل ذٰلک. (شرح معاني الآثار ٣٢٩/١)

ومنها: حديث أبي بكرة رضي الله عنه عند النسائي أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى ركعتين مثل صلاتكم هٰذه. (سنن النسائي، كتاب الكسوف / باب قول في السجود في صلاة الكسوف رقم: ١٤٩٢)

ومنها: حديث سمرة رضي الله عنه، أخرجه مسلم. وفيه: قرأ رسول الله صلى الله عليه وسلم بسورتين وصلى ركعتين. (صحيح مسلم، كتاب الكسوف / باب ذكر النداء بصلاة الكسوف رقم: ٩١٣ بيت الأفكار الدولية)

ومنها: حديث نعمان بن بشير رضي الله عنه، أخرجه أحمد وأبو داؤد والنسائي والحاكم. (المسند للإمام أحمد ٢٦٩/٤، سنن النسائي، كتاب الكسوف / باب كسوف الشمس والقمر رقم: ١٤٥٥، سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / باب من قال يركع ركعتين رقم: ١١٩٣)

ومنها: حديث قبيصة الهلالي عند أبي داؤد أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا رأيتم ذٰلک فصلوها كأحد صلاة صليتموها من المكتوبة. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / باب كسوف الصلاة رقم: ١١٨٥)

وأكثر هٰذه الحديث قولية باشتمالها على القول ...... والقول أرجع من الفعل، وقد علمت أن الفعل إذا اختلف فيه يرد إلى الأصل، فترجح الأحاديث المشتملة علىٰ ركوعٍ واحدٍ. وأيضًا الأحاديث المشتملة علىٰ تعدد الركوعات رواها النساء والصبيان، وهم كانوا خلف صفوف الرجال، فالحال أوضح للرجال من الحال التي علمها النساء والصبيان ...... فلهٰذه الوجوه رجح الحنفية أحاديث وحدة الركوع. (بذل المجهود، كتاب الصلاة / باب صلاة الكسوف ٢٩٣/٥ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي)

عن جابر بن عبد اللّٰہ قال: کسفت الشمس علیٰ عهد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم في یوم شدید الحر، فصلی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بأصحابه ...... ثم قال: إنه عرض علي کل شيء تولَجونه فعرضت علي الجنة، حتی لو تناولتُ منها قطفًا أخذته (أو قال تناولت منها قطفًا) فقصرت یدي عنه، وعرضت علي النارُ ...... الخ. (صحیح مسلم، کتاب الکسوف / باب ما عرض علي النبي في صلاۃ الکسوف من أمر الجنة والنار رقم: ۹۰٤ بیت الأفکار الدولیة)

الحنفیة قالوا: صلاۃ الکسوف لا تصح برکوعین وقیامین؛ بل لا بد من قیامٍ واحدٍ ورکوعٍ واحدٍ، کھیئة النفل بلا فرق. (الفقه علی المذاهب الأربعة، کتاب الصلاۃ / سنن صلاۃ الکسوف ۳٦٤/۱ دار الفکر بیروت)

نحمل ما رویتم علیٰ أن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم رکع فأطال الرکوع کثیرًا زیادۃ علیٰ قدر رکوع سائر الصلوات لما روي أنه عرض علیه الجنة والنار في تلک الصلاۃ، فرفع أهل الصف الأول رؤوسهم ظنا منهم أنه صلی اللّٰہ علیہ وسلم رفع رأسه من الرکوع، فرفع من خلفهم، فلما رأی أهل الصف الأول رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم راکعًا رکعوا، ورکع من خلفهم، فلما رفع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم رأسه من الرکوع رفع القوم رؤوسهم، فمن کان خلف الصف الأول ظنوا أنه رکع رکوعین، فرووا علیٰ حسب ما وقع عندهم، وعلم الصف الأول حقیقة الأمر، فنقلوا علیٰ حسب ما علموه، ومثل هٰذا الأشباه قد یقع لمن کان في آخر الصفوف، وعائشةؓ کانت واقفة في خیر صفوف النساء، وابن عباس في صف الصبیان في ذلک الوقت، فنقلا کما وقع عندهما. (بدائع الصنائع، کتاب الصلاۃ / فصل في صلاۃ الکسوف وکیفیتها ٦۲۸/۱ زکریا، ۲۸۱/۱ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۳۲ / ۱۴۴۱/۱۰/۲۸ھ)

نماز کسوف میں جہری قرأت ہوگی یا سری؟

سوال (۴۳۲):- جب جماعت سے نماز پڑھی جائے تو قرأت جہراً ہونی چاہئے یا سراً؟ یعنی آواز کے ساتھ پڑھیں یا آہستہ پڑھیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- حضرت اِمام اعظم ابوحنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ نماز کسوف میں قرأت آہستہ ہوگی؛ البتہ صاحبین کے نزدیک جہراً قرأت کی بھی گنجائش ہے؛ لہٰذا اگر نمازیوں کی اُکتاہٹ کا اندیشہ ہو تو نماز کسوف میں جہری قرأت بھی کی جاسکتی ہے۔
(فتاویٰ قاسمیہ ۸/۲۵۹ مکتبہ اشرفیہ دیوبند)

ولا جهر في القراءة فيهما عنده، خلافًا لهما. وفي الطحطاوي: الصحيح قول الإمام كما في المضمرات. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / باب صلاة الكسوف ص: ٢٩٨ دارالكتاب ديوبند، الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / فصل في صلاة الكسوف ٢/٦٥٨ رقم: ٣٥٢٤ زكريا)

ولا جهر، وقال ابو يوسفؒ: يجهر وعن محمدؒ روايتان. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الكسوف ٣/٦٧ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۳۲ / ۱۴۴۱/۱۰/۲۸ھ)

زوال کے وقت نماز کسوف؟

سوال (۴۳۳):- سورج گرہن کے بیچ میں اگر زوال کا وقت آجائے، تو پھر نماز کیسے پڑھی جائے گی؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- نماز کسوف زوال سے پہلے یا بعد میں پڑھیں گے، عین زوال کے وقت کوئی بھی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، اِس لئے جنتری میں زوال کا وقت دیکھ کر جماعت کا اہتمام کیا جائے۔ (احسن الفتاویٰ ۴/۱۸۰ دارالاشاعت دہلی)

عن عقبة بن عامر الجهني رضي الله عنه قال: نهانا رسول الله صلى

اللّٰـه تعالیٰ علیه وسلم أن نصلي علیٰ موتانا عند طلوع الشمس، أطلق الصلاة فشمل فرضها ونفلها؛ لأن الکل ممنوعٌ فإن المکروه من قبیل الممنوع؛ لأنها تحریمیة ...... فالتحریم في مقابلة الفرض في الرتبة وکراهة التحریم في رتبة الواجب والتنزیه في رتبة المندوب ...... فإن کانت الصلاة فرضًا أو واجبةً فهي غیر صحیحةٍ؛ لأنها لنقصان في الوقت بسبب الأداء فیه تشبیهًا بعبادة الکفارِ ...... وإن کانت الصلاة نفلاً فهي صحیحةٌ مکروهةٌ. (البحر الرائق / کتاب الصلاة ۱/۲٤۹ کراچی، رد المحتار / کتاب الصلاة ۲/ ۳۰ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۳۲ / ۱۴۴۱/۱۰/۲۸ھ)

اگر بادل کی وجہ سے گرہن نظر نہ آئے تو نمازکسوف کا کیا حکم ہے؟

سوال (۴۳۴):- اگر کسی جگہ بادل کی وجہ سے گرہن نظر نہ آسکے؛ لیکن گرہن کا اعلان ہو چکا ہو، تو نمازکسوف پڑھی جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصلیًا أما بعد:- فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسوف کا یقین یا گمان غالب ہو؛ لیکن بادل وغیرہ کی وجہ سے آنکھوں سے گرہن نظر نہ آئے، تو بھی نماز کسوف پڑھی جائے گی ۔ (کتاب المسائل ۱/۵۰۳)

قال النووي وفي روایة: فصلوا حتی یفرج اللّٰه عنکم معناه بادروا بالصلاة وأسرعوا إلیها حتی یزول عنکم هٰذا العارض الذي یخاف کونه مقدمة عذاب. (المنهاج علی صحیح مسلم ص: ۵۸۸ بیت الأفکار الدولیة)

وإن سترها سحاب أو حائل صلي؛ لأن الأصل بقاؤه. (رد المحتار، کتاب الصلاة / باب صلاة الکسوف ۳/٦۷ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۳۲ / ۱۴۴۱/۱۰/۲۸ھ)

❑❖❑

کتاب الجنائز

میت کے احکام

غیر مسلم کے انتقال پر ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھنا

سوال (۴۳۵):- کیا غیر مسلم کے انتقال کی خبر سن کر انا للہ پڑھ سکتے ہیں؟ اور اُس کے گھر جا سکتے ہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- غیر مسلم کے انتقال پر بھی ''انا للہ'' پڑھ سکتے ہیں، اور اُس کے گھر جا کر تعزیت پیش کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے؛ البتہ اُن کی خاص مذہبی رسومات میں شامل نہیں ہونا چاہئے۔ (میت کے مسائل کا انسائیکلو پیڈیا ۱۷۲/۲ مؤلفہ: مفتی انعام الحق صاحب قاسمی بنوری ٹاؤن کراچی)

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِنۡهُمۡ مَاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمۡ عَلٰى قَبۡرِهٖ﴾ أي لا تقف عليه ولا تتول دفنه، ويفهم من كلام بعضهم أن على بمعنى عند، والمراد لا تقف عند قبره للدفن أو للزيارة. (روح المعاني ٣٤٢٥/٤ دار الكتب العلمية بيروت)

عن ابن مسعود رضي اللّٰه عنه قال: من كثر سواد قوم فهو منهم. ومن رضي عمل قوم كان شريكًا في عمله. (كنز العمال / كتاب الصحبة من قسم الأقوال ١١/٢ رقم: ٢٤٧٣٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۱۳۰ / ۱۴۴۱/۹/۱۵ھ)

جنازہ تیار ہونے تک میت کے پیر کس طرف رہیں گے؟

سوال (۴۳۶):- مرنے کے بعد جنازہ تیار ہونے تک میت کے پیر کس سمت میں رکھنے چاہئیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- میت کا سر شمال کی طرف کیا جائے اور جنوب کی طرف پیر کئے جائیں، اور چہرہ قبلہ کی طرف کیا جائے۔ اِسی طرح رکھنے کا عام معمول ہے اور یہی مناسب ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۲۴۳/۵)

يوجه المحتضر القبلة على يمنيه هو السنة، وجاز للاستلقاء على ظهره وقدماه إليها، وهو المعتاد في زماننا؛ ولكن يرفع رأسه قليلاً ليتوجه للقبلة. وقيل: يوضع كما تيسر على الأصح، وإن شق عليه ترك على حاله. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب صلاة الجنازة ۷۷/۳-۷۸ زكريا)

أما توجيهه فلأنه عليه السلام لما قدم المدينة سئل عن البراء بن معرور فقالوا: توفي وأوصى بثلاث لک، وأوصى أن يوجه إلى القبلة لما احتضر فقال عليه السلام: أصاب الفطرة الخ. (فتح القدير، كتاب الصلاة / باب الجنائز ۱۰٤/۲ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۴۷ / ۱۴۴۲/۲/۲ھ)

نمازِ جنازہ کا مقصد

سوال (۴۳۷):- جنازہ کی نماز کا مقصد میت کے لئے دعائے مغفرت کرنا ہے، اور جو شخص اس نماز میں شرکت کرے اُسے ایک قیراط ثواب ملتا ہے، تو اُس پر سوال یہ ہے کہ کیا جنازہ کی نماز کے بجائے اگر گھر بیٹھے میت کے لئے دعائے مغفرت کرلیں، تو کیا اِس سے بھی مقصد پورا ہوجائے گا؟ اور شریعت میں جنازہ کی نماز اَدا کرنے میں کیا حکمت ہے؟

الجواب حامدًا ومصلیًا أما بعد:- نمازِ جنازہ وغیرہ میں ۴؍ پہلو شریعت کی نظر میں رکھے گئے ہیں:

(۱) اول یہ کہ یہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے۔ پیغمبر علیہ السلام نے اس کو مسلمانوں کے حقوق میں شمار فرمایا ہے۔

(۲) دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ نمازِ جنازہ درحقیقت نماز پڑھنے والوں کی طرف سے مرحوم میت کے لئے اللہ تعالیٰ کے دربار میں عملی سفارش ہے کہ یہ شریک ہوکر باقاعدہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں اُس مؤمن کے ایمان کی گواہی دے رہے ہیں اور اُس کے لئے دعائے مغفرت کررہے ہیں تو گویا کہ اس میں سفارش کا پہلو پایا جاتا ہے۔

(۳) تیسری اہم بات اِس میں یہ پیشِ نظر ہے کہ نمازِ جنازہ میں شرکت سے میت کے اہلِ خانہ اور متعلقین کی دل جوئی اور تسلی کا سامان ہوتا ہے کہ اتنے لوگ یہاں آکر نماز میں شریک ہورہے ہیں۔

(۴) اور چوتھا پہلو یہ ہے کہ شرکت کرنے سے خود اپنی موت کی یاد آتی ہے، تو تذکیرِ موت کا بھی یہ ذریعہ ہے۔

اَب اگر کوئی آدمی جنازہ میں شریک نہ ہو اور گھر بیٹھے استغفار کرے تو استغفار تو ہوجائے گا؛ لیکن جو دیگر مقاصد ہیں وہ اُس سے حاصل نہیں ہوتے، اِس لئے آدمی کو کوشش کرنی چاہئے کہ اگر کوئی عذر نہ ہو تو نمازِ جنازہ میں شرکت کرے، موقع ہو تو قبرستان تک جائے۔ نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا کہ ’’جو شخص جنازے کی نماز میں شریک ہو اُسے ایک قیراط ثواب ملتا ہے اور جو جنازے کے ساتھ قبرستان تک جائے اُسے دو قیراط‘‘۔ پوچھا گیا کہ قیراط کتنا بڑا ہے؟ تو فرمایا کہ اُس کی کم سے کم مقدار احد پہاڑ کے برابر ہے؛ لہٰذا اپنا بھی بڑا فائدہ ہے۔ نیز اس میں میت کا بھی فائدہ ہے۔

پیغمبر علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ ’’جس کے جنازے میں ۴۰؍ آدمی شریک ہوں اُس کی مغفرت پکی ہے‘‘۔ اور بعض روایت میں سو کا تذکرہ ہے اور بعض میں تین صفوں کا تذکرہ ہے۔

اور تیسری بات یہ کہ جو لوگ شریک ہو رہے ہیں اُن کی بھی مغفرت کی بات ہے۔ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ بعض اموات کے جنازے میں شرکت کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ مغفرت فرما دیتے ہیں، اِس لئے اِن فضائل کو حاصل کرنے کے لئے بالقصد اہتمام ہونا چاہئے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: خمس تجب للمسلم على أخيه: رد السلام وتشميت العاطس وإجابة الدعوة وعيادة المريض واتباع الجنائز. (صحيح مسلم، كتاب السلام / باب من حق المسلم للمسلم رد السلام رقم: ٢١٦٢)

عن عائشة رضي اللّٰه عنها عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: ما من ميت تصلي عليه أمة من المسلمين يبلغون مائة، كلهم يشفعون له، إلا شفعوا فيه. (صحيح مسلم، كتاب الجنائز / باب من صلى عليه مائة شفعوا فيه رقم: ٩٤٧)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما سمعت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: ما من مسلم يموت فيقوم على جنازته أربعون رجلا لا يشركون باللّٰه شيئًا إلا شفعوا فيه. (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز / باب فضل الصلاة على الجنائز رقم: ٣١٧٠)

عن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من عزى مصابًا فله مثل أجره. (سنن الترمذي، أبواب الجنائز / باب ما جاء في أجر من عزى مصابًا رقم: ١٠٧٣)

قوله: من عزى مصابًا، أي ولو بغير موت بالمائي لديه أو بالكتابة إليه بما يهون المصيبة عليه، ويحمله بالصبر بوعد الأجر أو بالدعاء له بنحو أعظم اللّٰه لک الأجر، وألهمک الصبر، ورزقک الشكر فله أي فللمعزي مثل أجره أي نحو أجر المصاب على صبره؛ لأن الدال على الخير كفاعله. (تحفة الأحوذي، أبواب الجنائز / باب ما جاء في أجر من عزى مصابًا ١٥٨/٤ دار الكتب العلمية بيروت)

عن أبي سلمة عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أول كرامة المؤمن على الله عزوجل أن يغفر لمشيعيه.

حدثني عكرمة عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن أول ما يتحف به المؤمن في قبره، قال: يغفر لمن تبع جنازته.

عن عطاء، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أول ما يجازى به العبد المؤمن يوم القيامة إذا مات أن يغفر لجميع من يتبع جنازته، في هذه الأسانيد ضعف، والله أعلم.

وروي ذلك عن الزهري من قوله عن الضحاك بن حمرة عن الزهري قال: يبلغ من كرامة المؤمن على الله عزوجل أن يغفر لمن حضر جنازته. (شعب الإيمان / الصلاة على من مات من أهل القبلة ١١/٤٥٣ رقم: ٨٨١٨-٨٨٢١ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۴۰ / ۱۱/۱۲/۱۴۴۱ھ)

نمازِ جنازہ جوتے اُتار کر پڑھیں یا پہن کر؟

سوال (۴۳۸):- نمازِ جنازہ میں کچھ لوگ چپل اُتار دیتے ہیں، کچھ لوگ چپل کے اُوپر پیر رکھتے ہیں، اور کچھ لوگ چپل پہن کر نماز پڑھتے ہیں، تو کون سا طریقہ صحیح ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- اگر جوتا اور جگہ سب پاک ہوں تو جوتا پہن کر بھی نمازِ جنازہ درست ہے، اور اگر جوتے کا تلا ناپاک ہو اور اُوپر کا حصہ پاک ہو تو جوتا اُتار کر اُس کے اُوپر پیر رکھ کر بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے، کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ اور اِسی طرح اگر زمین پاک ہو تو جوتا اُتار کر زمین پر کھڑے ہوکر بھی نماز پڑھ سکتے ہیں، الغرض جیسا موقع ہو ویسا عمل کرلیا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۸/۵۸۱ ڈابھیل)

وذكر في المنية وشرحها: إذا كانت النجاسة علىٰ باطن اللبنة أو الآجرة

وصلى علىٰ ظاهرها جاز. (شامي، كتاب الصلاة / باب صلاة الجنازة ۳۸۷/۲ زكريا)

لو قام على النجاسة، وفي رجليه نعلان لم يجز، ولو افترش نعليه وقام عليهما جازت، وبهٰذا يعلم ما يفعل في زماننا من القيام على النعلين في صلاة الجنازة، لكن لا بد من طهارة النعلين، كما لا يخفى. (البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب الجنائز، أول فصل السلطان أحق بصلاته ۱۷۹/۲ كراچی، مجموعة رسائل اللكنوي، غاية المقال فيما يتعلق بالنعال / فصل: أحكام النعال المتعلقة بالصلاة ۲۹/۱ إدارة القرآن كراچی)

ولو قام على النجاسة وفي رجليه نعلان أو جوربان لم تجز صلاته، كذا في المحيط السرخسي. ولو خلع نعليه وقام عليهما جاز سواء كان ما يلي الأرض منه نجسًا أو طاهرًا إذا كان ما يلي القدم طاهرًا. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الثاني في طهارة ما يستر به العورة وغيره ۶۲/۱ دار إحياء التراث العربي بيروت، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة / باب أحكام الجنائز ۵۸۲ دارالكتاب ديوبند، الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة / الفصل الثاني في فرائض الصلاة وواجباتها وسننها وآدابها ۳۱/۲ رقم: ۱۵۹٤ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:۳ / ۱۴۴۱/۹/۵ھ)

نماز جنازہ میں ہاتھ کس وقت چھوڑنا چاہئے

سوال (۴۳۹):- جنازہ کی نماز میں سلام پھیرتے وقت ہاتھ کس وقت چھوڑنے چاہئیں؟ بعض لوگ سلام پھیرتے ہی ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں، بعض لوگ باندھے رکھتے ہیں، اور بعض دائیں طرف سلام پھیرنے پر دایاں ہاتھ اور بائیں طرف سلام پھیرنے پر بایاں ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں، اِن میں کون سا طریقہ صحیح ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- ہمارے بعض اَکابر نے اِس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ سب سے بہتر بات یہ ہے کہ سلام سے پہلے ہی دونوں ہاتھ چھوڑ دئے

جائیں، یعنی سلام کے اَلفاظ ہاتھ چھوڑ کر کہے جائیں۔ حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ نے ''احسن الفتاویٰ'' میں اِسی کو ترجیح دی ہے؛ لیکن ہمارے حضرت فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ اِس میں دونوں باتوں کی گنجائش ہے، یعنی پہلے چھوڑ دیں تو بھی حرج نہیں، اور اخیر تک باندھیں رہیں تو بھی حرج نہیں، اِس لئے اسے موضوعِ بحث نہ بنایا جائے تو بہتر ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۳۱۴/۵ جدید، اِمداد الفتاویٰ ۷۳۵/۱ قدیم، اِمداد الاحکام ۴۴۲/۲، کفایت المفتی ۱۰۹/۴ جدید زکریا، فتاویٰ محمودیہ ۵۵۵/۸ ڈابھیل)

ولا يقعد بعد التكبير الرابع؛ لأنه لا يبقى ذكر مسنون حتى يعقد، فالصحيح أنه يحل اليدين ثم يسلم تسليمتين. (خلاصة الفتاویٰ، كتاب الصلاة / فصل في الجنائز ۲۲۵/۱ المكتبة الأشرفية ديوبند، السعاية شرح شرح الوقاية، كتاب الصلاة / باب صفة الصلاة ۱۵۹/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۳۰ / ۵/۹/۱۴۴۱ھ)

اگر ڈاکٹروں کی ٹیم کورونا مریض کو بغیر نماز کے دفن کریں تو کیا حکم ہے؟

سوال (۴۴۰):- ایک صاحب نے فون پر یہ بتلایا کہ کورونا کے مرض میں انتقال کرنے والے کی تدفین پولیس نے خود لے جاکر کردی، نماز جنازہ پڑھانے کا بھی موقع نہیں دیا، تو اُنہوں نے پوچھا تھا کہ ہم کیا کریں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ ۲-۴/ دن کے اندر اُن کی قبر پر جاکر کچھ لوگ نماز جنازہ پڑھ لیں؛ کیوں کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جس شخص کو بغیر نماز جنازہ کے دفن کردیا جائے، تو جب تک اُس کے بدن کے صحیح سالم ہونے کی اُمید ہے تو قبر کے اُوپر سے نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۶۱۷/۸ ڈابھیل)

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رجلا أسود – أو امرأة سوداء – كان

یقيم المسجد فمات، فسأل النبي صلى الله عليه وسلم عنه، فقالوا: مات. قال: أفلا كنتم آذنتموني به؟ دُلُّوني على قبره، أو قال: قبرها فأتى قبره فصلى عليها. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة / باب كنس المسجد رقم: ٤٥٨)

فيه المكافأة بالدعاء والترغيب في شهود جنائز أهل الخير، وندب الصلاة على الميت الحاضر عند قبره لمن لم يصل عليه والإعلام بالموت.

(فتح الباري، كتاب الصلاة / باب كنس المسجد الخ ٧٢٨/٢ دار الكتب العلمية بيروت)

قال الزرقاني – رحمه الله – في شرح الموطأ: أما الصلاة على القبر فقال بمشروعيتها الجمهور، وبه قال أبو حنيفة والنخعي وجماعة. (إعلاء السنن ٣٤٠/٨ دار الكتب العلمية بيروت)

وإن دفن وأهيل عليه التراب بغير صلاة أو بها بلا غسل أو ممن لا ولاية له صلي على قبره استحسانًا ما لم يغلب على الظن تفسخه من غير تقدير، هو الأصح. وظاهره أنه لو شك في تفسخه صلي عليه (الدر المختار) قوله صلى على قبره: أي افتراضًا في الأوليين وجوازًا في الثالثة؛ لأنها لحق الولي. قوله هو الأصح: لأنه يختلف باختلاف الأوقات حرًا وبردًا والميت سمنًا وهزالا والأمكنة. بحر. وقيل: يقدر بثلاثة أيام، وقيل: عشرة، وقيل: شهر. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صلاة الجنازة ١٢٥/٣ زكريا، البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب الجنائز ٣١٩/٢ زكريا، الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الفصل الخامس في الصلاة على الميت ١٦٥/١ دار إحياء التراث العربي بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۴ / ۱۴۴۱/۹/۶ھ)

غائبانہ نماز جنازہ

سوال (۴۴۱):- غائبانہ نماز جنازہ صحیح ہے یا نہیں؟ یعنی اگر کسی ایسی جگہ ہمارے کسی

عزیز قریب یا کسی بڑے آدمی کا انتقال ہوجائے جہاں ہم نہیں جاسکتے، تو کیا ہم اپنے مقام پر رہتے ہوئے اُس کی نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- فقہاءاَحناف کے نزدیک کسی کی غائبانہ نماز جنازہ صحیح نہیں ہے؛ البتہ دیگر ائمہ کے نزدیک اِس کی گنجائش ہے، وہ حضرات اِس واقعہ سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ حبشہ حضرت اصحمہ نجاشیؓ کی غائبانہ نماز جنازہ مدینہ منورہ میں اَدا فرمائی تھی؛ لیکن حضرات حنفیہ کا موقف یہ ہے کہ یہ حضرت نجاشی کی خصوصیت تھی۔ یا یہ کہ بطور معجزہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے سے تمام موانع ہٹالئے گئے تھے، اور حضرت نجاشیؓ کا جنازہ گویا آپ کے سامنے تھا، جس کی آپ نے نماز پڑھائی تھی، یہ بات کسی اور کے جنازے میں نہیں پائی جاسکتی۔

دوسرے یہ کہ اگر غائبانہ نماز جنازہ کی اِجازت ہوتی تو دورنبوت اور دورصحابہ میں اِس کی اور مثالیں ملنی چاہئے تھیں؛ لیکن اِس کی اور کوئی نظیر نہیں ملتی، جو اِس بات کی دلیل ہے کہ یہ حکم سب کے لئے عام نہیں ہے؛ اِس لئے غائبانہ نماز جنازہ کے بجائے میت کے لئے دعاء خیر اور ایصالِ ثواب وغیرہ کا اہتمام کرنا چاہئے۔

فلا تصح على غائب ...... وصلاة النبي صلى الله عليه وسلم على النجاشي لغوية أو خصوصية الخ. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب صلاة الجنائز ۱۰۵/۳ زكريا، ۲۰۹/۲ كراچی)

من صحة شرائطها: وضعه إمام المصلي، وبهذا القيد علم أنها لا تجوز على غائب ...... ثم دليل الخصوصية أنه عليه السلام لم يصل على غائب سوى هؤلاء، ومن عد النجاشي صرح فيه بأنه رفع له وكان بمرأى منه، ثم أنه قد توفي خلق كثير، منهم غيبًا في الغزوات وغيرها، ومن أعن الناس إليه كان القراء، ولم يؤثر قط عنه عليه الصلاة والسلام أنه صلى عليهم، وكان على

الصلاة على كل من توفي من أصحابه شديد الحرص حتى قال: لا يموتن أحد منكم إلا آذنتموني به، فإن صلاتي رحمة له. (حلبي كبير، كتاب الصلاة / فصل في الجنائز، الرابع في الصلاة عليه ص: ۵۸۳-۵۸٤ سهيل اكيڈمی لاهور)

وقد مات من الصحابة خلق كثير، وهم غائبون عنه، وسمع بهم فلم يصل عليهم، إلا غائبًا واحدًا، ورد أنه طويت له الأرض حتى حضره. (عمدة القاري، كتاب الجنائز / باب الرجل ينعى إلى أهل الميت بنفسه ۱۷۲/۸-۱۷۳ دار الكتب العلمية بيروت)

فنقول ما يظهر لک فيه دفع كلامه، وهو أن النبي صلى الله عليه وسلم رفع له سريره فرآه، فتكون الصلاة عليه كميت رآه الإمام ولا يراه المأموم. فإن قلت: هذا يحتاج إلى نقل بينة ولا يكتفي فيه بمجرد الاحتمال. قلت: ورد ما يدل على ذلک، فروى ابن حبان في (صحيحه) من حديث عمران بن الحصين أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "إن أخاكم النجاشي توفي فقوموا صلوا عليه، فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم وصفوا خلفه، فكبر أربعًا وهم لا يظنون إلا أن جنن يديه". أخرجه من طريق الأوزاعي عن يحى بن أبي كثير عن أبي قلابة عن أبي المهلب عنه، ولأبي عوانة من طريق أبان وغيره عن يحيى: "فصلينا خلفه ونحن لا نرى إلا الجنازة قدامنا". وذكر الواحدي في (أسبابه) عن ابن عباس قال: كشف للنبي صلى الله عليه وسلم عن سرير النجاشي حتى رآه وصلى عليه، ويدل على ذلک أن النبي صلى الله عليه وسلم لم يصل على غائب غيره، وقد مات من الصحابة خلق كثير وهم غائبون مع بهم فلم يصل عليهم إلا غائبًا واحدًا، ورد أنه طويت له الأرض حتى حضروه وهو معاوية بن معاوية المزني، روى حديث الطبراني في (معجمه الأوسط) وكتاب (مسند الشاميين) من حديث أبي أمامة، قال: "كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم

بتبوک فنزل جبرئیل علیه الصلاة والسلام، فقال: یا رسول اللّٰه! إن معاویة بن معاویة المزني مات بالمدینة، أتحب أن تطوی لک الأرض فتصلي علیه؟ قال: نعم! فضرب بجناحه علی الأرض ورفع له سریره، فصلی علیه وخلفه صفان من الملائکة في کل صف سبعون ألف ملک ثم رجع“. (عمدة القاري، کتاب الجنائز / باب الصفوف علی الجنازة ۱۷۲/۸ تحت رقم: ۱۳۱۸ دار الکتب العلمیة بیروت) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۱۱ / ۱۴۴۱/۹/۱۳ھ)

مسجد کے نیچے خارجی ہال میں نماز جنازہ پڑھنا

سوال (۴۴۲):- جس مسجد کی تعمیر کرنے سے پہلے ہی نیچے کا حصہ مکتب اور مدرسے کے لئے بنایا گیا تھا، اور اُوپر کے حصے میں نماز اَدا کی جاتی ہے، تو جو نیچے کا ہال مدرسے کے لئے بنایا گیا ہے، جو شرعی مسجد کے حدود سے خارج ہے، یہاں نماز جنازہ اَدا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصلیًا أما بعد :- مسئولہ صورت میں اگر نیچے کا ہال شروع ہی سے خارجِ مسجد رکھا گیا ہے، تو اُس میں نماز جنازہ پڑھنے میں حرج نہیں ہے۔ (کتاب النوازل ۱۳/۴۸۰)

وأما المتخذ لصلاة جنازة أو عید فهو مسجد في حق جواز الاقتداء لا في حق غیره، فحل دخوله لجنب حائض کفناء المسجد ورباط ومدرسة. (الدر المختار مع الشامي، کتاب الصلاة / باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها ٦٥٧١ کراچی، ٤٣٠/٢ زکریا)

واختلفوا أیضًا في مصلی العیدین أنه هل هو مسجد؟ والصحیح أنه مسجد في حق جواز الاقتداء، وإن لم تتصل الصفوف؛ لأنه أعد للصلاة حقیقة لا في حرمة دخول الجنب والحائض. (البحر الرائق، کتاب الصلاة / باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته ٣٢٨/٢ زکریا، ١٨٧/٢ کوئٹه)

وإذا جعل تحته سردابًا لمصالحه أي المسجد جئز کمسجد القدس. (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الوقف / مطلب في أحکام المسجد ٥٤٧/٦ زکریا)

إذا كان تحته شيء ينتفع به عامة المسلمين يجوز؛ لأنه إذا انتفع به عامة المسلمين، صار ذٰلک للّٰه تعالیٰ أيضًا ...... لو جعل تحته حانوتًا، وجعله وقفًا على المسجد، قيل: لا يستحب ذٰلک، ولكنه لو جعل في الابتداء هٰكذا صار مسجدًا، وما تحته صار وقفًا عليه، ويجوز المسجد والوقف الذي تحته.

(حاشية الشلبي علىٰ تبيين الحقائق، كتاب الوقف / فصل: ومن بنى مسجدًا لم يزل ملكه الخ ۲۷۱/٤ دار الكتب العلمية بيروت، ۳۳۰/۳ المكتبة الإمدادية ملتان) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۳۳ / ۱۴۴۱/۱۰/۲۸ھ)

بیوی کا شوہر کے لئے نماز جنازہ میں شرکت نہ کرنے کی وصیت کرنا

سوال (۴۴۳):- زید اور اُس کی بیوی کے درمیان ۸-۹/سال سے بات چیت بند تھی، اَب اِسی درمیان زید کی بیوی کا انتقال ہوگیا، اور بیوی نے انتقال سے پہلے یہ کہہ دیا تھا کہ اگر میں مرجاؤں تو میرے جنازے میں شریک نہ ہو، اَب زید اُس کے جنازے میں جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور معافی کی کیا شکل ممکن ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں زید اپنی مرحومہ بیوی کے جنازے میں جاسکتا ہے، اِس بارے میں بیوی کی وصیت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اور معافی کی شکل یہ ہے کہ اُس کے لئے کثرت سے دعائے خیر اور ایصالِ ثواب کرے، اللہ تعالیٰ اُس بیوی کو وہاں کی راحتیں عطا فرمائے، اور بیوی کے گھر والوں کے ساتھ حسن سلوک کرے۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۳۵۸/۳۰)

ومنها ما هو باطل بالاتفاق وهو ما إذا أوصى بما هو ليس قربه عندنا ولا عندهم. (البحر الرائق، كتاب الوصايا / بأن وصية الذمي، ٤٥٥/٨ كوئٹه، مجمع الأنهر ٤٥١/٤ دار الكتب العلمية، رد المحتار / فصل في وصايا الذمي وغيره ٦٩٦/٦ كراتشي)

الوصية بالمعاصي لا تصح. (بدائع الصنائع، كتاب الوصايا / فصل وأما الذي يرجع إلى الموصى له ٣٤١/٧ كراتشي) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۴۴ / ۱۴۴۲/۱/۱۰ھ)

نماز جنازہ کے بعد مستقل دعا؟

سوال (۴۴۴):- کیا نماز جنازہ میں سلام کے بعد اِمام صاحب الگ سے اجتماعی دعا کراسکتے ہیں؟ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اِس طرح کی دعا کا ثبوت ملتا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- نماز جنازہ بجائے خود دعا ہے، اِس میں پہلی تکبیر کے بعد ثنا ہے، دوسری تکبیر کے بعد درود شریف ہے، اور تیسری تکبیر کے بعد میت کی مغفرت کی دعا ہے، تو سلام کے بعد اَز سرِ نو دعا کی کیا ضرورت ہے؟ دورِ نبوت اور دورِ صحابہ سے نماز جنازہ کے بعد دعا کا ثبوت نہیں ملتا، اِس طریقے پر اصرار شریعت کے خلاف اور قابل ترک ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۸/۷۰۹ ڈابھیل)

ولا يدعو للميت بعد صلاة الجنازة؛ لأنه يشبه الزيادة في صلاة الجنازة. (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز / باب المشي بالجنازة والصلاة عليها ١٤٩/٤ تحت رقم: ١٦٨٧ دار الكتب العلمية بيروت)

لا يقوم بالدعاء بعد صلاة الجنائز؛ لأنه دعا مرة؛ لأن أكثرها دعاء.

(البزازية على هامش الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الخامس والعشرون في الجنائز ٨٠/٤ دار إحياء التراث العربي بيروت)

عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو ردٌّ. (صحيح البخاري، كتاب الصلح / باب إذا اصطلحوا علىٰ صلح جور ٣٧١/١ رقم: ٢٦٩٧، صحيح مسلم، كتاب الأقضية / باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور ٧٧/٢ رقم: ١٧١٨، سنن أبي داؤد، كتاب السنة / باب في لزوم السنة ٦٣٥/٢ رقم: ٤٦٠٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۱۷ / ۱۴۴۱/۹/۱۹ھ)

تجہیز وتکفین اور دفن کے مسائل

میت کی تدفین کا سنت طریقہ

سوال (۴۴۵):- میت کو قبر میں اُتارنے اور قبر میں لٹانے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ ہمارے یہاں صرف چت لٹا کر چہرہ قبلہ کی طرف کردیتے ہیں؟ شرعاً اِس میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسنون طریقہ یہ ہے کہ میت کو قبر میں داہنی کروٹ پر لٹایا جائے، اور اِس کی بہتر شکل یہ ہے کہ میت کا داہنا کندھا قبر کی دیوار پر چڑھا دیا جائے تو خود بخود میت کی کروٹ داہنی ہوجائے گی، یا اُس کے پیچھے کوئی پتھر یا ڈھیلا رکھ دیا جائے۔ (کتاب المسائل ۲/۹۷، امداد الفتاویٰ ۱/۷۱۲-۷۱۳، احسن الفتاویٰ ۴/۲۲۵)

ويوجه إليها وجوبًا الخ، وينبغي كونه على شقه الأيمن. (الدر المختار مع رد المحتار ۳/۱٤۱ زکریا، ۳/۱۳۲ بیروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۴۷ / ۲/۲/۱۴۴۲ھ)

کورونا میں وفات پانے والوں کی تجہیز وتکفین کیسے کریں؟

سوال (۴۴۶):- شریعت اِسلامی میں ایک اِنسان کا بدن جس طرح زندگی میں قابل احترام ہے، اُسی طرح مرنے کے بعد بھی قابل احترام ہے۔ اِسی وجہ سے مرنے کے بعد اُس کی تجہیز وتکفین اور نماز کے بعد نہایت اِکرام واحترام کے ساتھ قبر میں اُس کی تدفین عمل میں لانا فرضِ کفایہ کے طور پر اُس کے اہل خانہ، پڑوسی اور اَعزاء واَقرباء اور محلے والوں پر درجہ بدرجہ حق ہے، اگر کسی نے بھی یہ حق اَدا نہ کیا، تو سب پر ذمہ داری باقی رہتی ہے۔ لیکن اَب سوال یہ ہے

کہ کورونا وائرس سے مرنے والوں کے ساتھ جس طرح نفرت اور اُس سے دوری کا معاملہ بڑھتا جا تا ہے، اِن حالات میں اُس کی تجہیز وتکفین، نماز اور تدفین کس طرح عمل میں لائی جائے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- ہمارے ملک کے بعض علاقوں میں مثلاً حیدر آباد اور بنگلور وغیرہ میں ذمہ دار علماء کرام نے، تنظیموں نے اسپتال اور حکومتی انتظامیہ سے بات چیت کر کے یہ منظور کرالیا ہے کہ مسلمان اموات کو اسپتال میں غسل دید یا جائے گا، یا کم ازکم تیمّم کرانے کے بعد ان کو پنی وغیرہ میں لپیٹا جائے گا، چنانچہ وہاں جو لوگ انتقال کر گئے ان کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کیا گیا اور شریعت کے مطابق تجہیز وتکفین عمل میں آئی اور عزت کے ساتھ نماز جنازہ پڑھ کر دفنایا گیا، لیکن ہر جگہ کی صورت حال یہ نہیں ہے؛ کیونکہ جو مقامی افسران اور اسپتال کی انتظامیہ بسا اوقات یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جو میت کے اہل خانہ ہیں ان پر ایسا خوف اور دہشت ہوتی ہے کہ وہ خود ہی قریب نہیں جانا چاہتے، ایسی صورت حال میں اس میت کو غسل دینا یا تیمّم کی کوئی صورت نہیں رہتی، اور ان کو ایک مضبوط پنی میں لپیٹ کر میت کے اہل خانہ کے حوالہ کر دیا جاتا ہے اور یہ تاکید کردی جاتی ہے کہ وہ اسے کھول نہیں سکتے، تو اگر ایسا ہو اور ہماری طرف سے کوشش کے باوجود غسل یا تیمّم کی شکل نہ نکل سکے تو پھر بغیر غسل وتیمّم کے ایسی میت کو ویسے ہی نماز جنازہ پڑھ کر دفنا دیا جائے گا، شریعت میں اس کی بھی ایک نظیر موجود ہے، کہ جو شہدائے حقیقی ہوئے ہیں ان کی تجہیز وتکفین نہیں ہوئی لیکن نماز جنازہ ہوئی ہے، تو وہاں تو شہید کے اعزاز میں یہ حکم ہے، اور یہاں پر یہ مجبوری میں حکم ہے، اس بیماری یا اس طرح کی بیماری میں انتقال کرنے والا شخص حقیقی شہید نہیں ہے، آخرت کے اعتبار سے شہید ہے، اس لیے کوشش تو پوری ہونی چاہیے کہ غسل تیمّم تکفین باقاعدہ ہو لیکن اگر کوشش کے باوجود کامیابی نہ ملے تو ویسے ہی نماز جنازہ پڑھنی چاہیے، بعض عرب کی فقہی کمیٹیوں نے بھی اس طرح کا فتویٰ جاری کر رکھا ہے۔

غسل الميت حق واجب على الأحياء بالسنة وإجماع الأمة، كذا في النهاية، ولـكن إذا قام به البعض سقط عن الباقين، كذا في الكافي ...... ولو كان الميت

متفسخًا يتعذر مسحه كفى صب الماء عليه الخ. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل ١٥٨/١ دار إحياء التراث العربي بيروت)

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان يجمع بين الرجلين من قتلى أحد في ثوب واحد، ثم يقول: أيهم أكثر أخذًا للقرآن؟ فإذا أشير له إلى إحداهما قدمه في اللحد. وقال: أنا شهيد على هؤلاء، وأمر بدفنهم بدمائهم ولم يصل عليهم ولم يغسلهم. (رواه البخاري ١٧٩/١، إعلاء السنن، أبواب الشهيد / باب أن الشهيد لا يغسل ويدفن بدمه وبثيابه الخ ٣٤٨/٨ رقم: ٢٣٢٥)

وإلا فالمرتث شهيد الآخرة وكذا ...... والمبطون والمطعون (الدر المختار) قوله في الشهيد الكامل: وهو شهيد الدنيا والآخرة، وشهادة الدنيا بعدم الغسل إلا لنجاسة أصابته غير دمه. وشهادة الآخرة بنيل الثواب الموعود للشهيد. قوله: والمطعون: وكذا من مات في زمن الطاعون بغيره إذا أقام في بلده صابرًا محتسبًا فإن له أجر الشهيد، كما في حديث البخاري. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب الشهيد ١٦٤/٣ زكريا، البحر الرائق، كتاب الصلاة / باب الشهيد ٣٤٣/٢ دار الكتب العلمية بيروت)

وإذا قتل الشهيد في معركة لم يغسل وصلي عليه عندنا ...... ولنا ما روي أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال في شهداء أحد: زملوهم بدمائهم ولا تغسلوهم فإنه ما من جريح يجرح في سبيل اللّٰه إلا وهو يأتي يوم القيامة وأوداجه تشخب دمًا، اللون لون الدم والريح ريح المسك. (المبسوط للسرخسي ٤٥/٢ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۴ / ۱۴۴۱/۹/۶ھ)

ناک کی لونگ کے ساتھ عورت کو دفن کرنا

سوال (۴۴۷):- ایک عورت کا انتقال ہوا، نہلاتے وقت اُس کی ناک سے لونگ

نکالنے کی کوشش کی گئی؛ لیکن نہیں نکل سکی، بہرحال اُسی حالت میں اُس کوکفن دے کر دفنا دیا گیا۔ اَب کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ لونگ کی وجہ سے اُس عورت کو عذاب ہوگا، آپ سے درخواست ہے کہ اِس کے متعلق صحیح رہنمائی فرمائیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- کوشش کے باوجود جب مرحومہ میت کی ناک کی لونگ نہیں نکل سکی، تو بھی اُس کا غسل شرعاً درست ہوگیا۔ اور یہ کہنا کہ اُس لونگ کی وجہ سے اُس کو عذاب ہوگا؛ محض بے اصل اور بے سند بات ہے۔

المستفاد: وإن كان في أظفاره درن أو طين أو عجين أو المرأة تضع الحناء جاز في القروي والمدني وهو الصحيح، وعليه الفتوىٰ. (البحر الرائق / كتاب الطهارة ۲۹/۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۳۳ / ۱۴۴۱/۱۰/۲۸ھ)

خاتون میت کے بالوں کو تین حصوں میں تقسیم کرنا؟

سوال (۴۴۸):- خاتون میت کی تجہیز وتکفین میں سر کے بالوں کو ۳؍حصوں میں تقسیم کرنا بعض صحیح احادیث میں وارد ہے؛ حالاں کہ احناف کی کتابوں میں دو حصوں میں بالوں کی تقسیم کی بات لکھی گئی ہے، اِس کی دلیل کیا ہے؟ اور تین حصوں والی روایت کا کیا جواب ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- حنفیہ کے نزدیک میت عورت کے بال ۲؍حصوں میں کر کے خمار کے نیچے دائیں بائیں رکھے جائیں گے، اور باقاعدہ کنگھی کر کے زیب وزینت کے انداز میں اُنہیں ۳؍حصوں میں نہیں بانٹا جائے گا۔ اِس کی وجہ بیان کرتے ہوئے ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ میت کے بالوں میں کنگھا کرنے اور اُنہیں سنوارنے کو اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ناپسند قرار دیا ہے۔ حضرت امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ نے ’’کتاب الآثار‘‘ میں روایت نقل فرمائی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سامنے ایک خاتون میت کی کنگھی وغیرہ کر کے اُس کے بالوں کو سنوارا جانے لگا، تو

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اُس پر نکیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ''میت کو زیب وزینت کیوں دے رہے ہو؟'' اور ظاہر یہی ہے کہ اِس بارے میں سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی ہدایت ضرور رہی ہوگی۔

اور رہ گئی حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا کی وہ روایت جو بخاری ومسلم وغیرہ میں ہے، جس میں بالوں کو تین حصوں میں کرنے کا تذکرہ ہے، اُس کے متعلق ہمارے شارحین اور فقہاء نے یہ جواب دیا ہے کہ بہت ممکن ہے کہ یہ حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا کا ذاتی عمل ہو، اور نبی اکرم علیہ السلام کی طرف سے اُنہیں یہ ہدایت نہ دی گئی ہو۔ بہرحال اِس کا احتمال تو موجود ہے، جس کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔

لیکن یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ میت عورت کے بالوں کو دو یا تین حصوں میں کرنے کی بات کا تعلق محض افضل اور غیر افضل سے ہے، یہ جائز اور ناجائز کا معاملہ نہیں ہے۔ اِمام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اگرچہ ہمارے نزدیک بالوں کو دو حصوں میں کرنا افضل ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص حدیث کو سامنے رکھ کر بالوں کو تین حصوں میں کردے، تو وہ کوئی ناجائز عمل کرنے والا نہیں کہلائے گا؛ البتہ باقاعدہ کنگھی کرنے اور زیب وزینت سے بہرحال منع کیا جائے گا۔

عن أم عطية رضي اللّٰه عنها قالت: دخل علينا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ونحن نغسل إبنته، فقال: اغسلنها ثلاثًا أو خمسًا أو أكثر من ذلك بماء وسدر واجعلن في الآخرة كافورًا، فإذا فرغتن فآذنني. فلما فرغنا آذنّاه فألقى إلينا حقوه فقال: أشعِرنها إياه. فقال أيوب: وحدثتني حفصة بمثل حديث محمد، وكان في حديث حفصة: اغسلنها وِترًا. وكان فيه: ثلاثًا أو خمسًا أو سبعًا، وكان فيه أنه قال: ابدؤوا بميامنها ومواضع الوضوء منها، وكان فيه أن أم عطية قالت: ومشطناها ثلاثة قرون. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز / باب ما يستحب أن يغسل وترًا ص: ۲۹۷ رقم: ۱۲۵٤ دار الفكر بيروت)

قوله: ومشطناها: ولا يجوز الامتشاط عندنا لما روي عن عائشة رضي الله عنها: على ما تنصون موتاكم، من قولها وذكر الامتشاط ليس بمرفوع واستبعده الحافظ رحمه الله تعالىٰ، قلت: وللحنفية أن يحملوا الامتشاط على تسوية الأشعار بالأيدي لحصول غرض الامتشاط من التسوية، وهذا وإن كان حملاً على المجاز لكنه ليس ببعيد كل البعد. قوله: ثلاثة قرون: والخلاف في جعلها قرنين أو ثلاثًا في الأفضلية، وكذا في القميص. (فيض الباري / كتاب الجنائز ٢/٤٤٦ ديوبند)

قالت مشطناها ثلاثة قرون: وحاصل المعنى جعلنا شعرها ثلاث ضفائر بعد أن حللوها بالمشط قاله العيني. قال الخطابي: والضفر أصله الفتل، وفيه دليل على أن تسريح لحية الميت مستحب. وفي النيل: وفيه استحباب ضفر شعر المرأة وجعله ثلاثة قرون وهي ناصيتها وقرناها أي جانبا رأسها كما في رواية عند البخاري تعليقًا. وقال الأوزاعي والحنفية: إنه يرسل شعرًا المرأة خلفها وعلى وجهها مفرقًا. قال القرطبي: وكأن سبب الخلاف أن الذي فعلته أم عطية هل استندت فيه إلى النبي صلى الله عليه وسلم فيكون مرفوعًا أو هو شيء رأته ففعلته استحبابًا كلا الأمرين محتمل؛ لأن الأصل أن لا يفعل في الميت شيء من حبش القرب إلا بإذن الشرع، ولم يرد ذلک مرفوعًا، كذا قال. وقال النووي: الظاهر عدم اطلاع النبي صلى الله عليه وسلم وتقريره له.

(عون المعبود / باب كيف غسل الميت ص: ١٣٤١ رقم: ٣١٤٣ بيت الأفكار الدولية)

عن عائشة رضي الله عنها أنها رأت قومًا يسرحون ميتًا، فقالت: علام تنصون ميتكم أي تسرحون شعره. (الدر المنثور في أحكام الجنائز والقبور ص: ٩٠، كتاب الآثار للإمام محمد الشيباني ٢/٢٦)

ولا يسرح شعره أي يكره تحريمًا ولا تقص ظفره، قوله: يكره تحريمًا لما في القنية من أن التزيين بعد موتها والامتشاط وقطع الشعر لا يجوز.

(شامي، كتاب الصلاة / باب صلاة الجنائز ۸۹/۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۳۶ / ۲۰/۱۱/۱۴۴۱ھ)

قبر میں مٹی ڈالتے وقت کی دعا

سوال (۴۴۹):- میت کو قبر میں رکھنے کے بعد تین بار مٹی ڈالی جاتی ہے، اور یہ دعا پڑھی جاتی ہے: ﴿مِنهَا خَلَقنٰكُم وَفِيهَا نُعِيدُكُم وَمِنهَا نُخرِجُكُم تَارَةً اُخرىٰ﴾ یہ ایک ضعیف حدیث سے ثابت ہے، کیا اِس عمل کو سنت کہہ سکتے ہیں؟ اور ایسا کرنے سے ثواب ملے گا؟

قال العثماني التهانوي: في التلخيص الحبير ١٦٤/١: وعن أبي أمامة رضي الله عنه رواه الحاكم أيضًا، والبيهقي وسنده ضعيف، ولفظه: لما وضعت أم كلثوم بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم في القبر، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ﴿مِنهَا خَلَقنٰكُم وَفِيهَا نُعِيدُكُم وَمِنهَا نُخرِجُكُم تَارَةً اُخرىٰ﴾ بسم الله وفي سبيل الله، وعلى ملة رسول الله. (إعلاء السنن ٣٠٧/٨)

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- دفن کے بعد قبر پر تین مٹھی مٹی ڈالنا صحیح حدیث سے ثابت اور مسنون ہے۔ اور مٹی ڈالتے وقت مذکورہ آیت: ﴿مِنهَا خَلَقنٰكُم وَفِيهَا نُعِيدُكُم وَمِنهَا نُخرِجُكُم تَارَةً اُخرىٰ﴾ پڑھنے کو معنی کا لحاظ کرتے ہوئے مستحب کہا گیا ہے، جس کی ایک گونہ تائید سوال میں ذکر کردہ حدیث سے ہوتی ہے؛ لیکن واضح ہو کہ اس حدیث کا تعلق مٹی ڈالتے وقت سے نہیں؛ بلکہ میت کو قبر میں رکھنے کے وقت سے ہے، جیسا کہ سیاق وسباق سے واضح ہے؛ پس یہ روایت مٹی ڈالتے وقت مذکورہ آیت پڑھنے پر صریح دلیل نہیں ہے، اِس لئے اس عمل کو مسنون نہیں کہا جائے گا؛ بلکہ وہ صرف مستحب کے درجہ میں ہوگا۔

عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم

صلى علىٰ جنازة ثم أتى قبر الميت فحثى عليه من قبل رأسه ثلاثًا. (سنن ابن ماجة، كتاب الجنائز / باب ما جاء في حثو التراب في القبر رقم: ١٥٦٥)

قال العلامة العثماني: قلت: وقد استحب فقهائنا قراء ة هٰذه الآية عند الدفن، وهٰذا الحديث يؤيدهم والموضع موضع الفضائل. (إعلاء السنن ٢٩٢/٨ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۴۴ / ۱۴۴۲/۱/۱۰ھ)

جولوگ قبر پرمٹی ڈالنے سے رہ جائیں وہ کیا کریں؟

سوال (۴۵۰):- اگرقبر پرمٹی ڈال دی گئی، اوراَفرادزیادہ ہونے کی وجہ سے بہت سے لوگ مٹی ڈالنے سے رہ گئے، تو کیا ڈالی گئی مٹی کوہٹوا کر دوبارہ ڈلوایا جاسکتا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں قبر کی مٹی کو ہٹایا نہیں جائے گا، اور نہ ہی مزید مٹی ڈالی جائے گی؛ بلکہ جومٹی ڈال دی گئی، وہی کافی ہے، اور جنازے میں شریک ہر آدمی کا مٹی ڈالنا کوئی ضروری نہیں ہے؛ لہٰذا جس کوموقع ملے وہ ڈال دے، اوراگر موقع نہ ملے تو وہ میت کے لئے مغفرت اور رحمت کی دعا کرے؛ یہی کافی ہے، بے جا تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔

عن جابر رضي اللّٰه عنه يقول: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم نهى أن يقعد على القبر وأن يقصص ويبنى عليه. وفي رواية: عن جابر بهذا الحديث. قال أبوداؤد: قال عثمان: أو يزاد عليه الخ. (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز / باب في البناء على القبر رقم: ٢٦٠-٣٢٢٥)

قال عثمان: "أو يزاد عليه" بوّب على هذه الزيادة البيهقي باب "لا يزاد على القبر أكثر من ترابه لئلا ترتفع" وظاهره أن المراد بالزيادة عليه الزيادة على ترابه، قاله في النيل. (عون المعبود شرح سنن أبي داؤد ص: ١٣٩٠ بيت الأفكار الدولية)

ويهال التراب عليه وتكره الزيادة عليه من التراب؛ لأنه بمنزلة البناء ويستحب حثيه من قبل رأسه ثلاثًا. (الدر المختار، كتاب الصلاة / باب صلاة الجنازة ١٤٢/٣-١٤٣ زكريا)

ويكره أن يزاد على التراب الذي أخرج من القبر؛ لأن الزيادة عليه بمنزلة البناء. (البحر الرائق / كتاب الجنائز ١٩٤/٢ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی:٦ / ١٤٤١/٩/٨ھ)

قبر بیٹھ جانے پر مٹی ڈالنا

سوال (٤٥١):- اگر قبر کے تختے ٹوٹ جائیں اور قبر بیٹھ جائے، تو اُس پر مٹی ڈالنا کیسا ہے؟ اور اگر مٹی ڈالیں تو قبر کو زمین کے برابر کیا جائے یا کچھ اُونچا بھی کیا جائے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- مسئولہ صورت میں قبر پر مٹی ڈال سکتے ہیں، اور معروف طریقے پر قبر کا نشان بھی بنا سکتے ہیں، اِس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند ٣٧٥/٥، امداد الفتاویٰ/ باب الجنائز ٦٠٥/١)

ولا يطين ولا يرفع عليه البناء، وقيل: لا بأس به، وهو المخار، كما في كراهة السراجية (الدر المختار) قوله: وقيل لا بأس به الخ، المناب ذكره عقب قوله: (ولا يطين) لان عبارة السراجية كما نقله الرحمتي ذكر في تجريد أبي الفضل أن تطيين القبور مكروه والمختار أنه لا يكره الخ. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة / مطلب في دفن الميت ١٤٤/٣ زكريا، ٢٣٧/٢ كراچی)

سئل محمد بن سيرين هل تطين القبور؟ فقال: لا أعلم به بأسًا. (المصنف لابن أبي شيبة / في تطيين القبر وما ذكر فيه ٣٦٢/٧ رقم: ١١٩٢٣)

المختار التطيين غير مكروه، وكان عصام بن يوسف يطوف حول المدينة ويعمر القبور الخربة كما في القهستاني. (مجمع الأنهر، كتاب الجنائز / فصل: الصلاة عليه ١٧٦/١ مكتبة فقيه الأمة ديوبند، البحر الرائق، كتاب الجنائز / فصل: السلطان

أحق بصلاته، تحت قوله: ولا يجصص ١٩٤/٢، حلبي كبير ٥٩٩، الفتاویٰ الهندية / الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن ١٦٦/١، الفتاویٰ التاتارخانية، القسم الرابع / نوع آخر من هٰذا الفصل في القبر والدفن ٧٠/٣-٧١ رقم: ٣٧٣٥ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۲۲ / ۱۴۴۱/۹/۲۴ھ)

ضرورت کی وجہ سے قبر میں نیچے پکی اینٹ لگانا؟

سوال (۴۵۲):- اگر نئی قبر کھودتے وقت نیچے یا کسی جانب سے پانی آجائے اور باوجود روکنے کے نہ رکے تو کیا وہاں پکی اینٹ لگا سکتے ہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- پانی روکنے کی غرض سے قبر میں پکی اینٹ لگانے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۶۶/۷ دارالاشاعت)

لكن ينبغي أن يفرش فيه القاب وتطين الطبقة العليا مما يلي الميت ويجعل اللبن الخفيف على يمين الميت ويساره يصير بمنزلة اللحد. (شامي ١٤٠/٣ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۴۱ / ۱۴۴۱/۱۲/۱۸ھ)

میت کی تدفین کے بعد ۴۰؍ دن تک قبرستان جانا

سوال (۴۵۳):- کیا میت کی تدفین کے بعد ۴۰؍ دن تک قبرستان جانا چاہئے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- قبرستان جانے کے لئے ۴۰؍ دن تک کی کوئی قید نہیں ہے، جب سہولت ہو قبر پر جاسکتے ہیں، یا جہاں بھی رہیں وہیں سے اِیصالِ ثواب کرتے رہیں۔ (فتاویٰ قاسمیہ ۱۰/۱۷۱)

عن ابن مسعود رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها؛ فإنها تزهِّد في الدنيا وتذكِّر الآخرة.

(سنن ابن ماجة، كتاب الجنائز / باب ما جاء في زيارة القبور رقم: ١٥٧١)

بـزيارة القبور أي لا بأس بها؛ بل تندب كما في البحر. (رد المحتار، كتاب الـصـلاة / باب صلاة الجنازة، مطلب في زيارة القبور ۳/ ۱۵۰ زكريا، ۲/ ۲٤۲ كراچی، الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب السادس عشر في زيارة القبور وقراءة القرآن في المقابر ۵/ ۳۵۰ زكريا)

وفي شرح اللباب: ويقرأ من القرآن ما تيسر له من الفاتحة وأول البقرة إلـى الـمـفـلحون وآية الكرسي وآمن الرسول وسورة يٰس وتبارك الملك، وسورة التـكـاثـر، والإخـلاص إثـني عشر مرة أو عشرًا أو سبعًا أو ثلاثون، ثم يـقـول اللّٰهم أوصل ثواب ما قرأناه إلىٰ فلان أو إليهم. (شـامـي، كتاب الصلاة / باب صـلاة الـجـنـازة ۳/ ۱۵۱ زكريا، ۲/ ۲٤۲ كراچی، الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب السادس عشر في زيارة القبور ۵/ ۳۵۰ زكريا)

كـل مبـاح يـصيـر بـالتـنـام مـن غير لزوم التخصيص من غير مخصص مكروه. (مرقاة المفاتيح ۳/ ۳۱ ملتان) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۴۱ / ۱۴۴۱/۱۲/۱۸ھ)

❍❖❍

تعزیت اور اِیصالِ ثواب کے مسائل

نبی اکرم علیہ السلام کو نفلی عبادات کا ثواب پہنچانا

سوال (۴۵۴):- جس طرح نفلی عبادات کا ثواب حضور اکرم علیہ السلام کو پہنچانا ثابت ہے، تو کیا کسی غریب کو نفلی صدقہ دینے کا ثواب بھی حضور کو پہنچا سکتے ہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- کسی بھی عبادت کا ثواب پیغمبر علیہ السلام کو پہنچایا جاسکتا ہے، اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے۔ (کتاب النوازل ۲۶۴/۶)

فإن من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات أو الأحياء جاز. (بدائع الصنائع، كتاب الحج / بيان شرائط الأركان ٤٥٤/٢ المكتبة النعيمية ديوبند، الدر المختار مع الشامي ١٥٢/٣ زكريا)

لا نزاع بين علماء السنة والجماعة في وصول ثواب العبادات المالية.

(مجموع فتاوىٰ ابن تيمية ٣٦٦/٢٤ بحواله: حاشية: البحر العميق / الباب الثامن عشر في الحج عن الغير، الفصل الأول في الحج عن الحي العاجز ٢٢٤١/٤، حاشية: البحر العميق ٢٢٤/٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۴۳ / ۱۴۴۲/۱/۳ھ)

اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ یا کسی صحابیؓ کے نام سے صدقہ کرنا

سوال (۴۵۵):- اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یا کسی صحابیؓ یا صحابیہؓ کے نام سے صدقہ جاریہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- جس طرح دیگر مسلمانوں کے نام پر

صدقہ اور وقف کرنا درست ہے، اسی طرح اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر اَزواجِ مطہرات یا صحابہ وصحابیات کے لئے بھی صدقہ کرسکتے ہیں، اِس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے؛ بلکہ مزید قبولیت کی اُمید ہے، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

عن ابن عباس رضي اللّٰه تعالیٰ عنهما أن رجلا قال لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: إن أمه توفیت، أینفعها إن تصدقت عنها؟ قال: نعم. قال: فإن لي مخرافًا، وأشهدک أني قد تصدقت عنها. (صحیح البخاري، کتاب الوصایا / باب إذا وقف أرضًا ولم یبین الحدود رقم: ۲۷۷۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۱۶ / ۱۴۴۱/۹/۱۸ھ)

رمضان المبارک میں ایصالِ ثواب کا طریقہ؟

سوال (۴۵۶):- رمضان المبارک میں ایصالِ ثواب کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب حامدًا ومصلیًا أما بعد:- رمضان المبارک میں ایصالِ ثواب کا کوئی طریقہ خاص نہیں ہے؛ بلکہ جیسے ہر زمانے میں آپ کوئی عمل کرکے اُس کا ثواب کسی بھی مردہ یا زندہ کو پہنچاسکتے ہیں، اِسی طرح رمضان میں بھی پہنچاسکتے ہیں۔

عن معقل بن یسار رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: اقرؤا یس علیٰ موتاکم. (سنن أبي داؤد، کتاب الجنائز / باب القراءة عند المیت ۲/۴۴۵)

عن علي رضي اللّٰه عنه مرفوعًا: من مرّ علیٰ مقابر وقرأ: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ إحدی عشرة مرةً، ثم وهب أجره للأموات، أعطي من الأجر بعدد الأموات. أخرجه أبو محمد السمرقندي في فضائل: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ (شرح الصدور ۱۲۳، إعلاء السنن / باب زیارة القبور ۸/۳۳۰ رقم: ۲۳۲۰ دار الکتب العلمیة بیروت)

عن أبي هریرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من دخل المقابر، ثم قرأ فاتحة الکتاب، وقل هو اللّٰه أحد، والهٰکم التکاثر، ثم

قال: اللّٰهم إني قد جعلت ثواب ما قرأت من كلامك لأهل المقابر من المؤمنين والمؤمنات كانوا شفعاء له إلى اللّٰه تعالى. أخرجه أبو القاسم سعد بن علي الزنجاني في فوائده. (شرح الصدور ١٢٣، إعلاء السنن / باب زيارة القبور ٣٣١/٨ رقم: ٢٣٢١ دار الكتب العلمية بيروت)

يستحب عند زيارة القبور قراءة سورة الإخلاص سبع مرات؛ فإنه بلغني من قرأها سبع مرات إن كان ذٰلك الميت غير مغفور له يغفر له. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب السادس عشر في زيارة القبور وقراءة القرآن في المقابر ٣٥٠/٥)

صرح علماؤنا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صومًا أو صدقةً أو غيرها، كذا في الهداية؛ بل في زكاة التاتارخانية عن المحيط: الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شيء، هو مذهب أهل السنة والجماعة. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له ١٥١/٣ زكريا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲ / ۱۴۴۱/۹/۴ھ)

رمضان المبارک میں تلاوت کردہ قرآن کا ایصالِ ثواب؟

سوال (۴۵۷):- رمضان المبارک میں جو قرآنِ پاک ہم تلاوت کریں، کیا اُسے اپنے لئے ذخیرہ رکھنا چاہئے یا اُسے مرحومین کو بھی پہنچا سکتے ہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- رمضان یا غیر رمضان میں تلاوت کردہ قرآنِ کریم کا ثواب دوسروں کو پہنچایا جاسکتا ہے۔ اور اگر نہ پہنچائیں تو بھی کوئی حرج نہیں، بہرحال اُس کا ثواب نامۂ اَعمال میں محفوظ رہے گا، اِن شاء اللّٰہ تعالیٰ۔

اختلف العلماء في وصول ثواب قراءة القرآن، فالمشهور من مذهب

الشافعي وجماعة أنه لا يصل، وذهب أحمد بن حنبل وجماعة من العلماء وجماعة من أصحاب الشافعي إلى أنه يصل، فالاختيار أن يقول القارئ بعد فراغه: اللّٰهم أوصل ثواب ما قرأته إلى فلان، واللّٰه أعلم انتهى. (الأذكار للنووي / باب ما ينفع الميت من قول غيره ص: ١٥٠ مصطفى البابي الحلبي مصر)

سئل ابن حجر المكي عما لو قرأ لأهل المقبرة الفاتحة هل تقسم الثواب بينهم أو يصل لكل منهم مثل ثواب ذلک کاملاً. فأجاب بأنه أفتى جمع بالثاني، وهو الآئق بسعة الفضل. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صلاة الجنائز، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له ١٥٣/٣ زكريا، ٢٤٤/٢ كراچی)

مذهب أهل السنة والجماعة أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره، صلاة أو صومًا أو صدقة، أو غيرها يعني قراءة قرآن وأذكار وأدعية، وأصل ذلک ما روى الجماعة: أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ضحى بكبشين: أحدهما عن نفسه والآخر عن أمته ...... وفي الأذكار للنووي: أجمع العلماء على أن الدعاء للأموات ينفعهم، ويصلهم ثوابه، واختلفوا في وصول ثواب قراءة القرآن، والمشهور من مذهب الشافعي وجماعة أنه لا يصل، وذهب ابن حنبل وجماعة من العلماء وجماعة من أصحاب الشافعي إلىٰ أنه يصل. (شرح النقاية لملا علي القاري، كتاب الصلاة / باب في الجنائز، هبة ثواب الأعمال للميت ٤٤٠/١ شركة دار أرقم بن أبي أرقم بيروت لبنان، وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج / باب الحج عن الغير ١٠٥/٣ زكريا، فتح القدير، كتاب الحج / باب الحج عن الغير ١٣١/٣ زكريا)

وكذا اختلف في اشتراط نية ذلک عند الفعل، فقيل: لا لكن الثواب له فله التبرع به وإهداؤه لمن أراد كإهداء شيء من ماله؛ وقيل نعم؛ لأنه إذا وقع له لا يقبل انتقاله عنه، وهو الأولىٰ. وعلى القول الأول لا يصح إهداء

الواجبات؛ لأن العامل ينوي القربة بها عن نفسه. وعلى الثاني يصح، وتجزئ عن الفاعل. وقد نقل عن جماعة أنهم جعلوا ثواب أعمالهم للمسلمين وقالوا: نلقى اللّٰه تعالىٰ بالفقر والإفلاس، والشريعة لا تمنع من ذلك. ولا يشترط في الوصول أن يهديه بلفظه، كما لو أعطى فقيرًا بنية الزكاة؛ لأن السنة لم تشترط ذلك في حديث الحج عن الغير ونحوه؛ نعم إذا فعله لنفسه ثم نوى جعل ثوابه لغيره لم يكف، كما لو نوى أن يهب أو يعتق أو يتصدق، ويصح إهداء نصف الثواب أو ربعه كما نص عليه أحمد، ولا مانع منه. ويوضحه أنه لو أهدى الكل إلى أربعة يحصل لكل منهم ربعه، فكذا لو أهدى الربع لواحد وأبقى الباقي لنفسه أهـ ملخصًا. (رد المحتار، كتاب الصلاة / باب صلاة الجنازة ۱۵۲/۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۲۲ / ۱۴۴۱/۹/۲۴ھ)

کیا غیر مسلم قرآن پڑھ کر دوسرے کو ایصالِ ثواب کرسکتا ہے؟

سوال (۴۵۸):- اگر غیر مسلم قرآنِ پاک پڑھے تو اُس کا ثواب کسی کو پہنچا سکتا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- چوں کہ اِیمان کے بغیر کوئی عمل عند اللہ مقبول نہیں ہیں؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں جب غیر مسلم کو خود ہی قرآنِ کریم پڑھنے کا ثواب نہیں ملے گا، تو اُس کی طرف سے اِیصالِ ثواب کا کیا سوال ہے؟

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿وَمَنۡ يَّبۡتَغِ غَيۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِيۡنًا فَلَنۡ يُّقۡبَلَ مِنۡهُ وَهُوَ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ﴾ [آل عمران: ۸۵]

وقال اللّٰه تعالىٰ: ﴿فَمَنۡ كَانَ يَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلۡيَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشۡرِكۡ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا﴾ [الكهف، جزء آيت: ۱۱۰]

عن أبي أمامة الباهلي رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن اللّٰه لا يقبل من العمل إلا ما كان له خالصًا وابتُغي به وجهه. (رواه

النسائي / باب من غزا يلتمس الأجر والذكر رقم: ٢١٤٢)

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: قلت يا رسول اللّٰه! ابن جُدعان كان في الجاهلية يصل الرحم، ويطعم المسكين، فهل ذاك نافعه؟ قال: لا ينفعه، إنه لم يقل يومًا: رب اغفر لي خطيئتي يوم الدين. (صحيح مسلم، كتاب الإيمان / باب الدليل على أن من مات على الكفر لا ينفعه عمل رقم: ٢١٤)

معنى هذا الحديث: أن ما كان يفعله من الصلة والإطعام ووجوه المكارم لا ينفعه في الآخرة؛ لكونه كافرًا، وهو معنى قوله صلى اللّٰه عليه وسلم: "لم يقل: رب اغفر لي خطيئتي يوم الدين" أي لم يكن مصدقًا بالبعث، ومن لم يصدق به كافر ولا ينفعه عمل. قال القاضي عياض رحمه اللّٰه تعالىٰ: وقد انعقد الإجماع على أن الكافر لا تنفعهم أعمالهم، ولا يثابون عليها بنعيم ولا تخفيف عذاب؛ لكن بعضهم أشد عذابًا من بعض بحسب جرائهم. هذا آخر كلام القاضي. وذكر الإمام الحافظ الفقيه أبوبكر البيهقي في كتابه: "البعث والنشور" نحو هذا عن بعض أهل العلم والنظر. قال البيهقي: وقد يجوز أن يكون حديث ابن جدعان وما ورد من الآيات والأخبار في بطلان خيرات الكافر إذا مات على الكفر، ورد في أنه لا يكون لها موقع التخلص من النار وإدخال الجنة؛ ولكن يخفف عنه من عذابه الذي يستوجبه على جنايات ارتكبها سوى الكفر بما فعل من الخيرات. هذا كلام البيهقي. (المنهاج شرح النووي على صحيح مسلم ص: ٢٤٤ تحت رقم: ٢١٤ بيت الأفكار الدولية)

عن عبيد بن سليمان قال: سمعت الضحاك يقول في قوله تعالىٰ: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا﴾ الآية. يقول: من عمل عملا صالحًا في غير تقوى – يعني: من أهل الشرك – أعطي على

ذلک أجرًا في الدنيا: يصل رحمًا، يعطي سائلا يرحم مضطرًا في نحو هذا من أعـمـال البـر، يـجـعـل الـلّٰه له ثواب عمله في الدنيا، ويوسع عليه في المعيشة والـرزق، ويـقـرّ عيـنـه فيـمـا خـوّله، ويدفع عنه من مكارم الدنيا في نحو هذا، وليـس لـه فـي الآخـرة من نصيب. (تـفسيـر طبـري / تـفسيـر سورة الهود ٢٦٥/١٥ رقم: ١٨٠٢٢ مكتبة ابن تيمية القاهرة)

قـال الـلّٰـه تـعـالـىٰ: ﴿ذٰلِکَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِىْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [الأنعام: ٨٨]

لبـطـل فـذهـب عنهم أجر أعمالهم التي كانوا يعملون؛ لأن اللّٰه لا يقبل مع الشرک به عملا. (تفسير الطبري / تفسير سورة الأنعام ٢٩٨/٣ مؤسسة الرسالة بيروت)

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن الـكـافر إذا عمل حسنة أطعِم بها طعمة من الدنيا، وأما المؤمن فإن اللّٰه يدخر له حسناته في الآخرة، ويعقبه رزقًا في الدنيا على طاعته. (صحيح مسلم رقم: ٢٨٠٨)

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن الـلّٰه لا يظلم مؤمنًا حسنة، يعطى بها في الدنيا، ويُجزى بها في الآخرة. وأما الـكـافـر فيُطعم بحسنات ما عمل بها للّٰه في الدنيا، حتى إذا أفضى إلى الآخرة لـم تكن له حسنة يُجزى بها. (صـحيـح مسلم، كتاب صفة القيامة والجنة والنار / باب جزاء المؤمن بحسناته في الدنيا والآخرة رقم: ٢٨٠٨)

وصـرح فـي هـذا الـحديث بأن يُطعم في الدنيا بما عمله من الحسنات أي: بـمـا فـعـلـه متـقـربًا به إلى اللّٰه تعالىٰ مما لا يفتقر صحته إلى النية، كصلة الـرحـم والـصـدقة والعتق والضيافة وتسهيل الخيرات ونحوها. (الـمنهاج شرح النووي على صحيح مسلم ص: ١٦٤٥ تحت رقم: ٢٨٠٨ بيت الأفكار الدولية)

وأما ما كان من أعمال الدين وتشترط فيه نية التقرب، كالحج والعمرة

والدعاء، فهذا لا يؤجر عليه الكافر في الدنيا ولا في الآخرة؛ لكونه باطلا، لتخلف شروط قبوله وهي: الإسلام والإخلاص والمتابعة، ثم إن الكفر يحبط الأعمال فلا يستفيد منها صاحبها يوم القيامة شيئًا. (المنهاج

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تجيء الأعمال يوم القيامة – إلىٰ أن قال – ثم يجيء الإسلام، فيقول: يا رب! أنت السلام، وأنا الإسلام، فيقول الله تعالىٰ: إنک على خير، بک اليوم آخذ، وبک أعطى، قال الله تعالىٰ: ﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِيْ الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾ (تفسير ابن كثير / سورة آل عمران ۲۶/۲ زكريا)

قال في فتح الملهم تحت حديث حكيم ابن حزام أسلمت على ما أسلفت: قال المازري: إن الكافر لا يصح منه التقرب فلا يثاب على طاعته؛ لأن من شرط المتقرب أن يكون عارفًا لمن يتقرب إليه والكافر ليس كذلك، فالعلماء حملوا هذا الحديث على وجوه منها. إنک اكتسبت بذلک ثناء جميلا فهو باق لک في الإسلام، إنک ببركة فعل الخير هديت إلى الإسلام؛ لأن المبادي عنوان الغايات أو إنک بتلک الأفعال رزقت الرزق الواسع. (فتح الملهم، تتمة كتاب الإيمان / باب حكم عمل الكافر إذا أسلم بعده ۸۷/۲ المكتبة الأشرفية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۳۰ / ۱۴۴۱/۱۰/۱۴ھ)

کیا مرحومین کو صدقہ کرنے والے کا نام بتایا جاتا ہے؟

سوال (۴۵۹):- ہم نے سنا ہے کہ جو لوگ انتقال کر جاتے ہیں اور جو ہم اُن کے نام سے کھانا یا پیسہ نکالتے ہیں، تو ہمارا نام لے کر یہ کھانا اُن کے سامنے پیش کیا جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- صدقہ وغیرہ کا ثواب میت کو ضرور

پہنچتا ہے؛ لیکن نام کی تعیین کے ساتھ ثواب پہنچنے کی بات کسی صحیح حدیث میں مذکور نہیں ہے؛ البتہ بعض ضعیف روایات میں اِس کا ذکر ملتا ہے، مگر وہ قابل اعتماد نہیں ہیں۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن مما يلحق المؤمن من عمله وحسناته بعد موته علمًا علّمه ونشره، وولدًا صالحًا تركه، أو مصحفًا ورَّثه، أو مسجدًا بناه، أو بيتًا بناه لابن السبيل، أو نهرًا أجراه، أو صدقة أخرجها من ماله في صحته وحياته يحلقه من بعد موته.

(رواه ابن ماجة، المقدمة / باب ثواب معلم الناس الخير رقم: ٢٤٢، الترغيب والترهيب مكمل / كتاب العلم ص: ٤٦ رقم: ١٢٣ بيت الأفكار الدولية)

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن أعمالكم تُعرض على أقاربكم وعشائركم من الأموات، فإن كان خيرًا استبشروا، وإن كان غير ذلک قالوا: اللّٰهم لا تمتهم حتى تهديهم كما هديتنا. رواه أحمد، وفيه رجل لم يسم. (مجمع الزوائد، كتاب الجنائز / باب عرض أعمال الأحياء على الأموات ٢٨٧/٦ رقم: ٣٩٧٦ دار المنهاج)

عن أبي أيوب الأنصاري أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إن نفس المؤمن إذا قبضت، تلقاها من أهل الرحمة من عباد اللّٰه كما يلقون البشير من الدنيا فيقولون: انظروا صاحبكم يستريح فإنه قد كان في كرب شديد، ثم يسألونه ماذا فعل فلان، وماذا فعلت فلانة، هل تزوجت؟ فإذا سألوه عن الرجل قد مات قبله فيقول: هيهات قد مات ذلک قبلي. فيقولون: إنا للّٰه وإنا إليه راجعون. ذُهب به إلى أمه الهاوية، فبئست الأم، وبئست المربية، وإن أعمالكم تعرض على أقاربكم وعشائركم، فإن كان خيرًا فرحوا واستبشروا، وقالوا: اللّٰهم هذا فضلک ورحمتک فأتمم نعمتک عليه وأمِته

علیہا، ویُعرض علیہم عمل المسيء فیقولون: اللّٰہم ألہمہ عملا صالحًا ترضی بہ عنہ وتقربہ إلیک. رواہ الطبراني في الکبیر والأوسط، وفیہ مسلمۃ بن علي، وھو ضعیف. (مجمع الزوائد، کتاب الجنائز / باب عرض أعمال الأحیاء علی الأموات ۲۸۴/٦ رقم: ۳۹۷٤ دار المنہاج) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی:۲۷ / ۱۴۴۱/۹/۲۹ھ)

قبر پر پودے لگانا اور پھول ڈالنا

سوال (۴۶۰):- قبر پر پھول دار درخت لگانا اور پھول ڈالنا کیسا ہے؟ اگر لگانا جائز ہے تو کونسی جانب لگایا جائے؟

الجواب حامدًا ومصلیًا أما بعد :- قبر پر پھول دار پودے لگانا یا پھول ڈالنا درست نہیں ہے، اور خاص کر اگر اِس عقیدے کے ساتھ پھول ڈالے جائیں کہ اِس کی خوشبو میت کو پہنچے گی یا اِس کا کوئی نفع میت کو پہنچے گا تو یہ بالکل بے دلیل بات ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو ایسی قبروں پر ٹہنی لگوائی تھی جن کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ انہیں عذاب ہو رہا ہے، اور آپ نے یہ بھی اِرشاد فرمایا کہ جب تک یہ ٹہنیاں تر رہیں گی اُن سے عذاب ہٹا رہے گا۔ تو اِس روایت سے استدلال کرتے ہوئے ہم اپنے قبرستانوں میں ٹہنیاں اور درخت لگائیں تو اِس کی اِجازت نہیں ہے؛ کیوں کہ قبر کے حالات ہماری نظروں سے مخفی اور مغیبات میں سے ہیں، اور پیغمبر علیہ السلام نے جو عمل فرمایا وہ بذریعہ وحی آپ کو علم ہو گیا تھا، اور پھر بذریعہ وحی یہ بتلایا دیا گیا تھا کہ جب تک یہ ٹہنیاں تر رہیں گی تو عذاب ہٹا دیا جائے گا؛ لیکن ہمارے پاس اِس کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ ہم اپنے طور پر کوئی درخت لگا دیں اور یہ عقیدہ رکھیں کہ اِس کی وجہ سے میت کو عذاب نہیں ہوگا یا میت اِس کی وجہ سے راحت میں رہے گا؛ کیوں کہ یہ سب چیزیں مغیبات میں سے ہیں، جب تک مخبر صادق کی خبر نہ ہو ہم اپنے طور پر اُس کے بارے میں کوئی بھی حکم نہ لگا سکتے ہیں اور نہ عمل کر سکتے ہیں، اِس

لئے ایسی باتوں سے اجتناب کرنا چاہئے۔

البتہ میت کو فائدہ پہنچانا ہے تو اُس کے لئے دعاء خیر ومغفرت کی جائے، صدقہ کیا جائے، ایصالِ ثواب کیا جائے، یہ اصل طریقہ ہے، جس سے میت کو نفع پہنچ سکتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت پر قائم فرمائیں اور غلط طریقے سے محفوظ رکھیں، آمین۔ (کتاب النوازل ۲۰۴/۶-۲۰۵)

عن معقل بن يسار قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: اقرؤوا يس علىٰ موتاكم. (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز / باب القراءة عند الميت ٤٤٥/٢)

عن علي رضي اللّٰه عنه مرفوعًا: من مرّ علىٰ مقابر وقرأ: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ إحدى عشرة مرةً، ثم وهب أجره للأموات، أعطي من الأجر بعدد الأموات. (إعلاء السنن / باب زيارة القبور ٣٤٣/٨ رقم: ٢٣٢٠ كراچی)

فترى العامة يلقون الزهور على القبور، لا أصل لها في الدين ولا مستند لها من الكتاب والسنة. (معارف السنن، كتاب الطهارة / باب التشديد في البول، بيان أن إلقاء الزهود على القبور الخ ٢٦٥/١-٢٦٦ المكتبة الأشرفية ديوبند)

قال العيني: إن إلقاء الرياحين ليس بشيء. (عمدة القاري، كتاب الوضوء / باب من الكبائر أن لا يستتر من بوله ١٢١/٢ جزء: ٣، بحواله: فيض الباري / باب الجريد على القبر ٤٨٩/٢)

ويكره عند القبر ما لم يعهد من السنة. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة / الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن ١٦٦/١ قديم زكريا)

وهٰذا أولىٰ مما قاله بعض المالكية من أن التخفيف عن القبرين إنما حصل ببركة يده الشريفة صلى اللّٰه عليه وسلم أو دعائه لهما فلا يقاس عليه غيره. (شامي، كتاب الصلاة / باب صلاة الجنازة، مطلب في وضع الجريد ونحو الآس على القبور ١٥٥/٣ زكريا، ٢٤٥/٢ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۴۳ / ۱۴۴۲/۱/۳ھ)

دفن کے بعد میت کے گھر کھانے کی دعوت؟

سوال (۴۶۱):- میت کی تدفین کے بعد یہ اعلان کرنا کہ ’’تمام لوگ کھانا کھا کر جائیں‘‘ کیسا ہے؟ نیز مہمانوں، پڑوسیوں اور محلّہ والوں کو اُس دن میت کے گھر کھانا کیسا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد:- میت کے گھر والوں کی طرف سے دفن کے بعد عام دعوت کا اعلان کرنا درست نہیں ہے؛ اِس لئے کہ دعوت شریعت میں خوشی کے موقع پر ثابت ہے نہ کہ غمی کے موقع پر، اور میت کے گھر والوں کے لئے جو کھانا بھیجنے کا حکم ہے، یہ خاص طور پر اِس لئے ہے کہ وہ بیچارے غم کی وجہ سے کھانا خود پکا نہیں پائیں گے، اِس لئے وہ خود کھالیں اور اگر اُن کے یہاں دور دراز کے مہمان آئے ہوئے ہوں تو وہ کھالیں؛ لیکن پاس پڑوس کے رہنے والے، یا شہر کے ہی حضرات کو اس کھانے میں شریک نہیں ہونا چاہئے۔ (مستفاد: کتاب النوازل ۱/۵۹۰)

عن عبد الله بن جعفر رضي الله عنه قال: لما جاء نعي جعفر قال النبي صلى الله عليه وسلم: إصنعوا لأهل جعفر طعامًا؛ فإنه قد جاء هم ما يشغلهم. (سنن الترمذي، أبواب الجنائز / باب ما جاء في الطعام يصنع لأهل الميت ۱۹۵/۱، سنن ابن ماجة، أبواب ما جاء في الجنائز / باب ما جاء في الطعام يبعث إلىٰ أهل الميت ۱۱۵)

ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور لا في الشرور، وهي بدعةٌ مستقبحةٌ. (شامي، كتاب الصلاة / باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت ۱۴۸/۳ زكريا، ۲۴۰/۲ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دینی رہنمائی: ۴۳ / ۱۴۴۲/۱/۳ھ)

تعزیت کرتے وقت ہاتھ اُٹھا کر دعا ہو

سوال (۴۶۲):- جب کسی کا انتقال ہوجائے تو تعزیت کرتے وقت میت اور اُس کے پسماندگان کے لئے ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنا حضور اکرم علیہ السلام یا کسی صحابی سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا أما بعد :- اِس بارے میں صراحت تو نہیں گذری؛ لیکن ہاتھ اُٹھانا دعا کے عام آداب میں سے ہے؛ اِس لئے اگر تعزیت میں بھی بلا کسی التزام کے دعا کرلی جائے تو اِس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ قاسمیہ ۴/۵۹۵)

عن معمر عن الزهري قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يرفع يديه عند صدره في الدعاء، ثم يمسح بهما وجهه. (المصنف لعبد الرزاق ٢/٢٤٧ رقم: ٣٢٣٤ المجلس العلمي)

قد ثبت رفع يديه صلى الله عليه وسلم في الدعاء في مواطن غير الاستسقاء، وهي أكثر من أن تحصر، وقد جمعت منها نحو من ثلاثين حديثًا من الصحيحين. (شرح المسلم للنووي / كتاب صلاة الاستسقاء ١/٢٩٣)

ومن الأدب في الدعاء ...... حذاء الصدر وبطونها مما يلي الوجه، وشرحه: أن يرفعهما حذاء منكبيه باسطًا كفيه نحو السماء؛ لأنها قبلة الدعاء.
(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ص: ١٧٣) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(دینی رہنمائی: ۴۴ / ۱۴۴۲/۱/۱۰ھ)

❑❖❑

ایک بیش قیمت فقہی تحقیقی اور علمی سوغات



کتاب النوازل ۱۹/ جلدیں

منتخب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری دامت برکاتھم
استاذ دارالعلوم دیوبند، سابق محدث ومفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

تحقیق ومراجعت

مفتی محمد ابراھیم قاسمی مرادپوری
استاذ حدیث وفقہ مدرسہ قاسم العلوم کچہری والی مسجد، مرادآباد

فقہ وفتاویٰ کا مدلل ومحقق یہ حسین مرقعہ گلدستہ تقریباً 8500 سوال وجواب پر مشتمل ہے، جو گذشتہ پچیس سالوں میں حضرت مفتی صاحب کے قلم گوہر بار سے مدرسہ شاہی کے مؤقر دارالافتاء سے صادر ہوئے ہیں۔ فتاویٰ کا یہ مجموعہ ملک وبیرون ممالک کے تقریباً ان سبھی دارالافتاء میں نہایت قابل اعتماد مصادر میں سمجھا جاتا ہے، جو مسلک احناف علماء دیوبند سے منسلک ہیں، فتاویٰ کی زبان نہایت آسان اور اسلوب دل نشیں ہے اور ہر فتویٰ معتبر حوالہ جات اور بیشتر مسائل احادیث وآثار سے مزین ہیں۔ فللہ الحمد والشکر